ذکرِ رفتگاں
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد دوم
ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ:

أَذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ۔ (سنن أبي داؤد حديث: ٤٩٠٠)

ذکرِ رفتگاں

(جلدِ دوم)

گذشتہ سالوں میں وفات پانے والی بعض اَہم شخصیات
کا اِجمالی و تفصیلی تذکرہ، اورتعزیتی مضامین کا مجموعہ

ترتیب:

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری

مفتی واُستاذِ حدیث ومرتب ماہنامہ ’’ندائے شاہی‘‘
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر

مرکز نشر و تحقیق لال باغ مرادآباد

- نام کتاب : ذکرِ رفتگاں (جلدِ دوم)
- ترتیب : مفتی محمد سلمان منصور پوری
- کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری
- ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد

9412635154 - 9058602750

- تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

- اشاعتِ اول : شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق اپریل ۲۰۲۰ء
- صفحات : ۵۲۰
- قیمت :

ملنے کے پتے:

- فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی
- کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (الحشر:۱۰)

اور جو (دنیا میں) ان (مہاجرین وانصار اور سلف صالحین) کے بعد آئے، (یا آویں گے) جو دعا کرتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیجئے، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد:

آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا پہلا مجموعہ ''ذکرِ رفتگاں'' کے نام سے شائع ہوا تھا، جس میں ۱۹۸۹ء سے لے کر ۲۰۰۴ء تک کے مضامین کو جمع کیا گیا تھا۔

بعد میں بھی رسالے میں وقتاً فوقتاً ''ذکرِ رفتگاں'' اور ''وفیات'' کے کالم میں مرحومین پر تأثراتی وتعزیتی مضامین شائع ہوتے رہے، اور رفتہ رفتہ اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا، اِس لئے اَب اِس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے مزید مضامین کو مرتب کر کے شائع کیا جارہا ہے؛ تاکہ یہ تحریریں آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ بن سکیں۔ ہمیں قوی اُمید ہے کہ یہ مجموعہ بھی حسبِ سابق قبولیت حاصل کرے گا، اور قدرداں شائقین کے لئے سرمہ بصیرت بنے گا۔

اِس مجموعہ میں خاص طور پر قریبی زمانے میں وفات پانے والے اکابر ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ سے متعلق جو مضامین ہیں، اُن میں بہت سی قیمتی اور روشن ہدایات اور تعلیمات بکھری ہوئی ہیں، جو ہم سب کے لئے بہترین سرمایہ ہیں، اُن کے مطالعہ سے یقیناً اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

پہلے حصے کی طرح اِس میں بھی جو مضامین مرتب کے قلم سے لکھے گئے ہیں، اُن کی پیشانی پر کوئی نام درج نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن جو دیگر حضرات کے مضامین ہیں، اُن میں صاحبِ مضمون کے نام کی وضاحت کردی گئی ہے؛ تاکہ کوئی اشتباہ نہ رہے۔

اِن مضامین کو رسالہ ’’ندائے شاہی‘‘ سے تلاش کر کے یکجا کرنے میں عزیزم مولوی محمد اسجد قاسمی مظفرنگری سلمہ رفیق کتابت ماہنامہ ’’ندائے شاہی‘‘ نے بہت محنت اور دلچسپی کا ثبوت دیا، جس پر وہ شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازیں، آمین۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سبھی مرحومین کی مغفرت فرمائیں، اور ہم سب کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلائیں، آمین۔ والسلام

احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

خادم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۲۶؍شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۱؍اپریل ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حسنِ ترتیب

○ گوشۂ حفظ رحمٰن حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوریؒ

متفرقات

متفرقات

رفتگاں ۲۰۰۷ء ۳۴۷

متفرقات

رفتگاں ۲۰۰۸ء ۳۸۷

متفرقات

متفرقات

رفتگاں ۲۰۱۰ء ۴۶۹

متفرقات

❒❖❒

رفتگاں

۲۰۰۵ء

- حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب کٹکیؒ
- مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ
- حضرت مولانا محمد زکوٰۃ صاحب مرادآبادیؒ
- محی السنہ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ
- حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوریؒ
- حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہیؒ

اَمیرشریعت صوبہ اُڑیسہ

حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب کٹکیؒ

صوبہ اُڑیسہ کے مشہور ومعروف بزرگ، قاطع مرزائیت، مناظر اسلام، امیر شریعت حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب کٹکیؒ صدر جمعیۃ علماء صوبہ اُڑیسہ مؤرخہ ۱۰رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰رفروری ۲۰۰۵ء بروز اتوار رات گیارہ بجے اپنے وطن مالوف سونگڑہ (اُڑیسہ) میں ۹۲رسال کی عمر میں وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نہایت جرأت مند، باہمت اور اعلی درجہ کے عزم وحوصلہ رکھنے والے شخص تھے۔ بالخصوص اڑیسہ کے پسماندہ علاقوں میں قادیانیت کی ارتدادی تحریک کا پوری استقامت اور جفاکشی کے ساتھ آپ نے جس طرح مقابلہ کیا وہ آپ کی زندگی کا تابناک کارنامہ ہے، آپ کے ہاتھ پر ہزاروں قادیانی مرتدوں نے اسلام قبول کیا اور متعدد مناظروں میں آپ نے قادیانی مناظروں اور مبلغوں کو لاجواب کر کے عقیدۂ ختم نبوت کی پاسبانی کا فرض انجام دیا۔

آپ کو ردِ قادیانیت کے موضوع پر مکمل دسترس حاصل تھی، اور قادیانی عقائد اور اُس کی کتابوں کی عبارتیں محفوظ تھیں، جنہیں موصوف اپنی تقریروں میں بلاتکان سناتے چلے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خطابت کے ملکہ سے بھی نوازا تھا، آواز بھی کافی بلند تھی۔

اُڑیسہ کا صوبہ جہالت وغربت اور پسماندگی میں معروف ہے، اور عام طور پر وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور بود وباش اور معاشرت پر ہندووانہ رسم ورواج کی گہری چھاپ ہے، اس ناموافق ماحول میں آپ نے نصف صدی تک مسلسل دعوت الی الخیر کا کام انجام دیا اور اپنے مدرسہ اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی رہنمائی فرماتے رہے۔

موصوف کی پیدائش ۱۹۱۴ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی پھوپھی سیدہ خاتون سے حاصل

کی ،اس کے بعد ہدایۃ النحو تک مدرسہ اسلامیہ سونگڑہ (جو مدرسہ شاہی کے ایک فاضل مولانا محمد عمر صاحب کٹکی کا قائم کردہ تھا) میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہوئے اور یہاں شرح وقایہ تک تعلیم حاصل کی۔ یہاں پر آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلیؒ، حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا قدرت اللہ قدرتؔ صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔ مدرسہ شاہی کے بعد آپ نے دارالعلوم دیوبند کا قصد فرمایا، اور ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ یہاں آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ وغیرہ معروف ہیں۔آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا اصلح الحسینی، حضرت مولانا عرض محمد بلوچستانی پاکستان، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب رحمہم اللہ وغیرہ شامل تھے، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ میں آپ نے حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ سے فن مناظرہ کی تربیت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۵ء تک متعدد جگہوں پر سرکاری اسکولوں میں تدریسی ملازمت کی؛ لیکن جب اڑیسہ کے مختلف علاقوں میں فتنۂ قادیانیت نے سر ابھارا، تو آپ نے اپنے استاذ مکرم حضرت شیخ الاسلامؒ کے حکم پر ۱۹۴۶ء میں مدرسہ مرکز العلوم سونگڑہ ضلع کٹک کی بنیاد رکھی، اور تا دمِ حیات اس کی سرپرستی اور نگرانی فرماتے رہے۔ قادیانیت کے تعاقب میں آپ نے ملک کے مختلف علاقوں کے علاوہ بیرونِ ملک بھی سفر فرمائے، آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رکین تھے، آپ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے پر نہ ہو سکے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، آپ کی خدمات کو بے حد قبول فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔ قارئین سے بھی ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ (ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۵ء)

❍❖❍

مولانا شائق احمد صاحب بھاگل پوریؒ

[ایک مخلص رفیق جو داغ مفارقت دے گیا]

دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالبِ علمی میں احقر مرتب کی جن بعض احباب سے خصوصی رفاقت تھی، اور جو فکر ونظر اور جذبات وخیالات میں پوری طرح ہم آہنگ تھے، اُن میں ہمارے رفیق مکرم جناب مولانا شائق احمد صاحب بھاگل پوری مرحوم بھی تھے، جو گذشتہ ۷؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۸؍ مارچ ۲۰۰۵ء کو جمعہ کے دن عصر سے قبل بھاگل پور کے ایک اسپتال میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا شائق احمد صاحب ایک جرأت مند، فکرمند، اور دینی خدمت کے جذبہ سے سرشار فعال نوجوان عالم تھے۔ مدرسہ شاہی کے فیض یافتہ اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، احقر سے ایک سال قبل ۱۹۸۶ء میں موصوف نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد عرصۂ دراز تک کلکتہ کے قریبی قصبہ کانکی نارہ کے مدرسہ زینت القرآن سے وابستہ رہے۔ موصوف نے کانکی نارہ کے زمانۂ قیام میں احقر کو کئی مرتبہ اپنے یہاں بلایا، تو محسوس ہوا کہ موصوف کی خدمات کے اثرات پوری آبادی میں نمایاں ہیں۔ لوگ مولانا کے ساتھ نہایت عقیدت واحترام کا معاملہ کرتے تھے، بالخصوص نوجوانوں کا بڑا طبقہ اُن سے مانوس تھا، اور موصوف اس علاقہ میں جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے ترجمان کے طور پر معروف تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اَن تھک اور پرخلوص محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد موصوف ۸-۱۰؍سال قبل کلکتہ شہر میں مقیم ہوگئے اور کولوٹولہ میں ایک مکتب کی ذمہ داری سنبھال لی، اور بعض مساجد میں ترجمۂ قرآن پاک اور مواعظ کا سلسلہ شروع کیا، جس سے مختصر مدت میں بڑا

فائدہ پہنچا، ساتھ میں آپ نے جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات اور دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی کے فکر کی اِشاعت میں بھی بھرپور حصہ لیا، اور اپنے حلقۂ اَثر میں ان کے سفراء کے ہر ممکن تعاون سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ شہر کلکتہ میں ندائے شاہی کے آپ نمائندہ تھے، اور ہر وقت اس کی توسیع واِشاعت کی فکر میں رہتے تھے۔

موصوف کو کئی سالوں سے گردے میں پتھری کی سخت تکلیف تھی، کئی مرتبہ آپریشن ہو چکا تھا؛ لیکن پتھری کا بننا موقوف نہیں ہوتا تھا، احقر اِس سال شوال میں کلکتہ حاضر ہوا تو اسٹیشن پر اِس حال میں ملے کہ دو آدمیوں کے سہارے بمشکل قدم اُٹھا پا رہے تھے۔ چہرہ بالکل زرد تھا، گردے میں شدید تکلیف تھی، مگر شدتِ تعلق میں اِسی حال میں اسٹیشن تک آئے اور شہر کلکتہ کے پروگراموں میں ساتھ رہے، اور چلتے وقت جدائی پر آنکھیں بھر آئیں۔ خطرات اسی وقت سے تھے اور کیفیت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ حالت خطرناک ہے۔ ۶ر صفر ۱۴۲۶ھ کو موصوف کے چھوٹے بھائی عزیزم ازہد سلمہ کا بھاگل پور سے فون آیا کہ مولانا کی طبیعت نازک ہے، اور کلکتہ سے بھاگل پور آگئے ہیں، اور شہر کے ایک نرسنگ ہوم میں داخل ہیں۔ پھر اگلے روز بالآخر مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب نے ٹیلی فون پر یہ جانکاہ خبر سنائی کہ ہمارا مخلص رفیق ہم سے بچھڑ گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سابق مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ اور بعد میں اُن کے صاحب زادۂ مکرم حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب سے بھی مولانا موصوف کو خاص انسیت تھی۔ ان حضرات کے کلکتہ کے پروگرام کے لئے کوشاں رہتے اور جب یہ حضرات تشریف لے جاتے تو اپنی مصروفیت چھوڑ کر ساتھ ساتھ رہتے اور پروگرام مرتب کراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بے حد جزائے خیر عطا فرمائے، اور ان کی خدمات کو قبول فرمائیں، آمین۔ سبھی قائین سے استدعا ہے کہ وہ مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۵ء)

حضرت مولانا محمد زکوٰۃ صاحب قلزؔم حیاتیؒ

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب رامپوری اُستاذ حدیث مدرسہ حیات العلوم مرادآباد

گذشتہ ۱۸/صفر المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۹/مارچ ۲۰۰۵ء بروز منگل علاقہ کے معروف بزرگ اور عالم دین حضرت مولانا محمد زکوٰۃ صاحب قلزؔم حیاتی نقشبندیؒ ہم سے جدا ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کی نماز جنازہ میں جامعہ کے اساتذہ وذمہ داران نے شرکت کی اور پسماندگان سے تعزیت پیش کی۔ نیز ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، مدرسہ شاہی اوراس کی فکر سے مولانا مرحوم گہرا ربط رکھتے تھے، خدمتِ قوم وملت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں آپ نے حیات العلوم کے زیر انتظام ایک عظیم الشان عربی یونیورسٹی قائم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، اس کے لئے دہلی روڈ پر ایک بڑی آراضی بھی خریدی تھی اور کچھ تعمیری کام بھی ہوگیا تھا۔ مگر فرقہ پرستی کی مسموم فضا میں وہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ مولانا موصوف کی بلند ہمتی واقعۃً قابلِ داد تھی کہ اُنہوں نے ایک بڑے بوجھ کو اپنے سر لینے کا حوصلہ کیا، اگر یہ منصوبہ کامیاب ہوجاتا تو آج ایک عظیم دینی وعصری جامعہ کی شکل میں موجود ہوتا۔ موصوف ضلعی وشہری جمعیۃ علماء سے اخیر عمر تک وابستہ رہے، اور خورد نوازی کے جذبہ سے خدام جمعیۃ کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور خدماتِ حسنہ پر اجر جزیل سے نوازے، آمین۔

ذیل میں حضرت موصوف سے متعلق تعزیتی مضمون پیش ہے، جو مدرسہ حیات العلوم کے اُستاذ جناب مولانا مفتی محمد فاروق صاحب رامپوری کا تحریر فرمودہ ہے۔ (مرتب)

محدث کبیر شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد حیات صاحب نوراللہ مرقدہ (متوفی ۱۹۸۷ء) کے خلف اکبر حضرت مولانا محمد زکوۃ صاحب قلزؔم حیاتی نقشبندی مہتمم جامعہ عربیہ ''حیات العلوم'' مرادآباد طویل علالت کے بعد مؤرخہ ۱۸/صفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۹/مارچ ۲۰۰۵ء بروز منگل ۹/بجے شب بعمر ۸۰/سال اس دارفانی سے رحلت فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے روز مؤرخہ ۱۹/صفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۳۰/مارچ ۲۰۰۵ء برور بدھ بعد نماز ظہر روضہ

کے وسیع میدان میں نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں شہر اور علاقہ کے کئی ہزار افراد کے ساتھ مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران، اَساتذہ اور ہر طبقہ کے قائدین نے شرکت کی اور محلّہ پیرزادہ تکیہ شاہ علاؤالدینؒ میں اپنے والد مرحوم کے نزدیک مدفون ہوئے۔

مولانا موصوف مفکر، مدبر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی جری و بے باک شخصیت کے مالک تھے، حق گوئی اور صاف گوئی انکی خاص صفت تھی، حق کہنے میں نہ کسی کا خوف محسوس کرتے اور نہ ہی کسی کی ملامت کی پرواہ کرتے تھے، تقریر میں ماہر اور تحریر کے بادشاہ تھے، اللہ رب العزت نے مولانا مرحوم کو کتابت کی ایسی صلاحیت سے نوازا تھا کہ ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک حرف موتی کی طرح صاف شفاف ہوتا اور تحریر میں ایسی دلکشی کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا تھا۔

مولانا مرحوم میں استغناء اور خودداری بے پناہ تھی، کبھی کسی کے سامنے اپنی ذاتی ضرورت کا اظہار نہیں کیا، علماء کرام سے بھی یہ کہا کرتے کہ دینی ضرورت کے لئے مال داروں کے پاس جاؤ تو اپنی علمی عظمت کا خیال رکھو، چاپلوسی اور تملق کو مولانا مرحوم ناپسند کیا کرتے تھے۔

موصوف ۱۹۲۵ء میں قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد کے مشہور محلّہ سرائے ترین میں پیدا ہوئے، بچپن میں محلّہ سرائے ترین کی ایک قدیم درس گاہ مدرسہ ''شمس العلوم'' میں قرآنِ کریم، حساب اور ابتدائی فارسی کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بارہ سال کی عمر میں اپنے والد محترم کے ساتھ مرادآباد آ گئے، اور یہاں کے مشہور اِدارہ ''مدرسہ عربیہ امدادیہ'' میں مختصر المعانی تک کی تعلیم حاصل کی، خارجی اوقات میں ہندی اور انگریزی بھی سیکھتے رہے۔ اِسی دوران شادی ہوگئی اور کاروبار شروع کردیا، جس کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا؛ لیکن قومی، ملی اور سماجی کاموں میں سرگرم رکن کی حیثیت سے مصروف ہوگئے، تحریک آزادی میں ''مؤمن کانفرنس'' اور ''جمعیۃ علماء ہند'' کے ساتھ وابستہ ہوکر حصہ لیا، ۱۹۵۳ء میں مرادآباد ''میونسپل بورڈ'' کے انتخابات میں الیکشن لڑا اور فتح یاب ہوئے۔

جامعہ عربیہ حیات العلوم کے قیام (۱۳۷۵ھ) کے بعد والد محترم مولانا محمد حیات صاحب

نوراللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں سیاست کو خیر باد کہہ دیا اور اراکین جامعہ میں سے بعض بزرگوں کے اصرار پر اپنا کاروبار چھوڑ کر جامعہ کی خدمت قبول کرلی، اور اسی درمیان موقوف علیہ اور دورۂ حدیث شریف کی تعلیم بھی مکمل کی، ۱۹۷۳ء میں مجلس شوریٰ نے نیابت اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی اور ۱۹۷۶ء میں مجلس شوریٰ کی متفقہ رائے سے مہتمم بنادئے گئے، اور وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کے دور اہتمام میں جامعہ عربیہ حیات العلوم نے بہت ترقی کی، اکثر درسگاہیں، دفاتر اور دارالطلبہ کی تعمیر آپ ہی کی سعی ونگرانی میں ہوئی۔

مرحوم نے اُمور اہتمام کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ درس وتدریس سے بھی تعلق باقی رکھا، صحت کے زمانہ تک مشکوٰۃ شریف، طحاوی شریف اور دیگر عربی کتب کا درس دیتے رہے۔ مرحوم نے تزکیۂ نفس اور اصلاح احوال کے لئے اپنے والد محترم کے ہاتھ پر بیعت کی، اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ، عثمانیہ، فصلیہ اور مالکیہ میں داخل ہوکر سلوک کے مراحل طے کئے، ۱۴۰۶ھ میں خلافت سے سرفراز ہوئے، بہرحال وہ ہم سے جدا ہوگئے؛ لیکن اُن کی خدمات اور کارنامے اُن کی یاد دلاتے رہیں گے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

قارئین ندائے شاہی سے بھی زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۵ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ

اُستاذ الاساتذہ، جامع شریعت وطریقت حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب تھے پوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۷؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷؍اپریل ۲۰۰۵ء بروز اتوار وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم اس دور میں واقعی نمونۂ اسلاف تھے، علم بڑا پختہ اور مستحضر تھا، بالخصوص فن نحو وصرف اور قراءت سبعہ عشرہ پر کامل دست گاہ حاصل تھی۔ علماء راسخین کی سبھی صفات کے آپ جامع تھے، تواضع، زہد وتقویٰ اور سادگی اور خودداری میں اپنی مثال آپ تھے۔ نہی عن المنکر آپ کا خاص وصف تھا۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے، خاص کر ضلع بجنور میں آپ کا علمی فیض شہر شہر اور گاؤں در گاؤں تک پھیلا ہوا تھا، خدمت واشاعتِ دین کی ہمت اِس قدر تھی کہ اخیر عمر تک جب کہ سماعت وبصارت ختم ہوچکی تھی، عام سواریوں سے گاؤں دیہاتوں کے مدارس ومکاتب کے جلسوں میں تشریف لے جاتے، اور عوام وخواص کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

آپ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مایۂ ناز اور نامور فرزند تھے۔ تعلیمات کے ریکارڈ کے مطابق آپ نے ۲۲؍سال کی عمر میں ۱۵؍شوال ۱۳۵۸ھ کو مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا، اور شعبان ۱۳۵۹ھ میں دورۂ حدیث شریف سے امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، جس کا اندازہ درج ذیل نتیجہ سے لگایا جاسکتا ہے:

بخاری شریف: ۵۱	مسلم شریف: ۴۹	ترمذی شریف: ۵۰	ابوداؤد شریف: ۴۴
نسائی شریف: ۵۲	ابن ماجہ شریف: ۴۴	شمائل ترمذی شریف: ۴۵	

آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحق مدنیؒ، اور حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کے اسماء قابلِ ذکر ہیں۔

قبل اَزیں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، مگر آب وہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے آپ وہاں تکمیل نہ فرما سکے۔ مدرسہ شاہی سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ اسلامیہ پہاڑی دروازہ دھام پور اور مدرسہ اِمدادالعلوم مغلوشاہ نجیب آباد میں ۲۲ر سال تدریسی خدمات انجام دیں۔

اور اخیر میں چند سال مدرسہ ضیاء العلوم کرت پور سے وابستہ رہے، اَب کئی سال سے ضعف کی وجہ سے تدریس ترک فرمادی تھی، اور وطن میں مقیم تھے، وہیں وفات پائی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۵ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب تھے پوریؒ

مولانا مفتی اسرار احمد دانش امام وخطیب اسٹیشن والی مسجد نجیب آباد

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب تھے پوری نور اللہ مرقدہ ۷ر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷را پریل ۲۰۰۵ء بروز اتوار وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف مدرسہ شاہی مراد آباد کے ممتاز فاضل، نہایت سادہ مزاج، جفاکش، بلند پایہ متبحر عالم، جید قاری، اعلیٰ درجہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو اجازت بیعت وخلافت حاصل تھی، آپ پوری زندگی اپنے اکابر اور اسلاف کی روایات پر قائم رہ کر نمونۂ اسلاف اور اکابر کی یادگار بنے رہے، آپ کی سب سے بڑی کرامت استقامت اور آپ کے علمی فیض کا اطراف عالم میں پھیلنا ہے، طویل عمر اور ضعف کے باوجود آخیر تک نماز کھڑے ہوکر پڑھنے کا معمول رہا، منکر پر نکیر آپ کا شیوہ تھا، بالخصوص ڈاڑھی اور ٹخنے سے نیچا پائجامہ تہبند پر باوجود بینائی کے کمزور ہونے کے ضرور نکیر فرماتے۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنی خدمات اپنے ضلع ہی کے لئے وقف کردیں اور لمبی مدت تک ضلع کے مختلف مدارس میں درسِ نظامی اور تجوید وقرأت کی تعلیم دیتے رہے، آپ کا زیادہ تر وقت دھام پور اور نجیب آباد میں گذرا۔ آپ اپنے ابتدائی دور میں نہایت جفاکشی، محنت اور مستعدی کے ساتھ شرح جامی تک کی تمام جماعتوں کو تن تنہا پڑھاتے اور تجوید وقرأت مع سبعہ عشرہ کی بھی مکمل ذمہ داری آپ پر تھی۔ آپ کی تعلیم نہایت معیاری اور ضلع بجنور اور اس کے اطراف واکناف میں مشہور تھی۔ تہجد میں اٹھ کر معمولات سے فراغت کے بعد درس شروع ہوکر رات تک جاری رہا کرتا تھا، ایک لمبے عرصے تک آپ کا یہی معمول رہا۔ آپ کی اس بے لوث خدمت اور تعلیمی لگن کا اثر

یہ ہوا کہ آج ضلع کا کوئی بھی علمی شغل رکھنے والا شخص چند افراد کے علاوہ ایسا نہیں جو بواسطہ یا بلا واسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو۔ موصوف کا علمی فیض چہار دانگ عالم میں پھیل رہا ہے، جو حضرت والا کی تدریسی خدمات کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور انہیں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

آپ کو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحبزادے امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، اکابر کی جماعت جمعیۃ علماء سے ہمیشہ وابستہ رہے، اور ایک عرصہ تک جمعیۃ علماء ضلع بجنور کی مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوکر نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کے شاگردوں اور مریدین کے علاوہ ڈیڑھ درجن سے زائد وہ خوش نصیب حضرات بھی ہیں جن کو آپ نے خلافت واجازتِ بیعت سے نوازا۔ آپ نے پوری زندگی درس وتدریس اور اصلاح وارشاد میں مجاہدانہ شان کے ساتھ اس طرح گذاری کہ اس آخری دور کے بڑھاپے کے عالم میں یہ حال تھا کہ چلتے ہوئے یا اٹھتے بیٹھتے کسی سے سہارا لینا پسند نہ تھا، سامانِ سفر جو عموماً پرانے کپڑے کا تھیلا ہوتا اُس کو بھی ہاتھ میں لے جاتے۔

الغرض یہ پیکر اخلاص ومحبت، ملت اسلام کا محسن، عالم ربانی، اکابر کی یادگار، نمونۂ اسلاف ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ اگلے روز ۸؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ ہزارہا ہزار علماء، مشائخ، عوام وخواص نے آپ ہی کے شاگرد اور مجاز بیعت حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری شیخ الحدیث جامع الہدیٰ مرادآباد کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کرکے بادل ناخواستہ پرنم آنکھوں کے ساتھ لرزتے کانپتے ہاتھوں سے اس گنجینہ کو سپرد خاک کردیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ **رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔**

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۵ء)

○

گوشۂ محی السنہ

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ وناظم مجلس دعوۃ الحق ہردوئی

(ولادت: ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء وفات: ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء)

○

محی السنہ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جوارِ رحمت میں

وہ مردِ خدا جس کا خمیر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کی چاشنی سے مل کر بنا تھا، وہ رہنمائے شریعت جس کے رگ وریشہ میں اسلامی شریعت کی کامل پیروی کی روح جاری وساری تھی، جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ قرآن وسنت کی روشنی سے مستنیر اور اُسوۂ حسنہ کی تابانیوں سے پرنور تھا، جس نے اس دورِ پرفتن میں ہردوئی کی سرزمین سے احیائے سنت کی ایسی تحریک کی داغ بیل ڈالی کہ اکنافِ عالم میں اتباعِ سنت کے خوشنما نظارے دکھائی دینے لگے، اور خلقِ خدا کی طرف سے جسے بے اختیار ''محی السنہ'' کا لقب عطا ہوا، جو بعد میں نام مبارک کا جزوِ لازم بن گیا، یہی عشقِ نبوت کا آفتاب اور اتباعِ سنت کا ماہتاب ۸۶/سال دنیا میں اپنی جلوہ سامانیاں دکھا کر بالآخر ۸/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷/مئی ۲۰۰۵ء بروز منگل رات میں پونے نو بجے ہردوئی کی زمین پر ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بلاشبہ محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ وفات اُمتِ مسلمہ کے لئے بہت عظیم سانحہ اور قریبی دور کا سب سے بڑا نقصان ہے، حضرت والا ہردوئیؒ ہم سب کے سرپرست تھے، آپ کی حیثیت اُمت کے مشفق باپ کی طرح تھی، جو ہر وقت اپنی اولاد کی بہترائی کی فکر میں رہتا ہے، اور جس کے گھنے سایہ میں اَولاد کے لئے ترقی

اور کامیابی کی راہیں کھلی رہتی ہیں۔ آپ کی ذات اسلامیانِ عالم کے لئے بہت بڑی ڈھارس تھی، اور آپ کا وجود مسعود زمانہ کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں منارۂ نور کی حیثیت رکھتا تھا۔ آپ کی مجلسیں فیضانِ حکمت سے لبریز ہوتیں، اور آپ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے الفاظ دعوت الی الخیر کا حقیقی مصداق ہوتے، آپ کی صحبتِ طیبہ سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے، اور اپنی کوتاہیوں پر جمے ہوئے دبیز پردے خود بخود ہٹتے چلے جاتے تھے۔ آپ کے پرنور چہرے کو دیکھ کر خدا یاد آتا، اور آخرت کی فکر بیدار ہو جاتی۔ حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ نے اُمت کی دینی اصلاح کی فکر گویا کہ اپنے اوپر اوڑھ لی تھی، آپ کی کوئی گفتگو سفر ہو یا حضر، مجمع ہو یا تنہائی اصلاحی جذبہ سے خالی نہ ہوتی تھی، عوام ہوں یا خواص سبھی آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے اور ہر طبقہ اپنے اپنے ظرف کے اعتبار سے آپ سے اکتسابِ فیض کرتا تھا۔

آپ کی پیدائش ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں ہوئی، والد محترم مولانا محمود الحق صاحب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے فیض یافتہ تھے، اس لئے گھر کا ماحول خالصۃً دینی تھا، ابتدائی تعلیم انجمن اسلامیہ ہردوئی میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۳۴۹ھ میں مظاہر علوم تشریف لے گئے، وہاں مسلسل سات سال تعلیمی سلسلہ جاری رکھ کر ۱۳۵۶ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، اُستاذ العلماء حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وغیرہ آپ کے خاص اساتذہ میں ہیں۔ مظاہر علوم سے تکمیل کے بعد آپ چند سال وہیں معین مدرس رہے، اس کے بعد جامع العلوم کانپور اور فتح پور ہسوہ میں تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دیں، اس دوران آپ نے اصلاحی تعلق حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے قائم کیا، اور جلد ہی اپنی صالحیت وصلاحیت کی بنا پر حضرت تھانویؒ کی طرف سے ۱۳۶۱ھ میں خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔ بعد ازاں ۱۳۶۲ھ میں ہردوئی میں اپنی ذاتی جگہ میں مدرسہ اشرف المدارس قائم فرمایا، جس کا شمار اب ملک کے اہم مدارس میں ہوتا

ہے، حضرت والا ہردوئیؒ نے اپنی محنت اور جد وجہد کا خاص محور قرآنِ کریم کی خدمت کو بنایا اور ۱۳۷۰ھ میں ''مجلسِ دعوۃ الحق'' قائم کرکے ملک کے طول وعرض میں مکاتب کا جال بچھا دیا۔

تصحیح قرآنِ پاک کا اہتمام

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا سب سے روشن پہلو قرآنِ کریم کی خدمت ہے، آپ نے قرآنِ پاک کو با تجوید پڑھنے کو ایک تحریک کی شکل دی اور اس مقصد کو گویا کہ اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔ آپ کے زیر انتظام چلنے والی تنظیم ''مجلس دعوۃ الحق'' کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عوام وخواص کو تصحیح قرآنِ کریم کا شعور عطا کیا۔ حضرت والاؒ نے نورانی قاعدہ کو خاص انداز میں مرتب کرا کے چھوٹے بچوں کو تجوید کے موٹے موٹے قواعد یاد کرانے اور پھر قرآنِ کریم کا اجراء کرانے پر بھرپور محنت کی۔ اور آپ کا جاری کردہ نورانی قاعدہ اطراف عالم میں مشہور ومقبول ہوگیا، اور اس طرزِ تعلیم کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ جو طالب علم اس کو اصول کے مطابق پڑھ لے تو وہ قرآنِ کریم کی تلاوت میں غلطی اور مجہول پڑھنے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ الحمدللہ اب دینی مدارس ومکاتب میں پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں قرآنِ کریم کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے اپنے مدرسہ میں اساتذہ کی تربیت کا خاص نظم قائم کیا تھا، چناں چہ ملک کے مختلف علاقوں سے قرآنِ کریم کے خدام ہردوئی حاضر ہوکر تصحیح کا کورس مکمل کرکے جاتے تھے، اور اپنے اپنے علاقوں میں اسی طرز پر کام کرتے تھے۔

مکاتب ومدارس کا قیام

ہردوئی، فرخ آباد، شاہ جہاں پور، سیتاپور اور لکھیم پور کے اضلاع دینی اعتبار سے پچھڑے ہوئے مانے جاتے ہیں، آج تو ان میں بہت کچھ تبدیلیاں ہوچکی ہیں اور ماشاء اللہ حالات اُمید افزاء ہیں؛ لیکن جس وقت حضرت والاؒ نے یہاں اپنا ادارہ ''اَشرف المدارس'' قائم کیا تو گویا کہ بدعات ورسومات اور جہالتوں کی تاریکیاں تھیں، شہروں اور قصبات میں کچھ دینی رمق نظر آتی

تھی؛ لیکن دیہاتی آبادیوں کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ تھے، اس یاس انگیز دور میں حضرت والاؒ نے سائیکل کے ذریعہ تنِ تنہا گاؤں گاؤں کے دورے کئے، اور دیہاتوں میں مکاتب قائم کرنے کی تحریک چلائی، چٹکی فنڈ قائم کر کے اُن کی کفالت کا نظم کیا، جس کی وجہ سے یہ آبادیاں مرتد ہونے سے محفوظ رہیں۔ پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زیر انتظام مکاتب کا دائرہ صرف علاقہ تک محدود نہیں رہا؛ بلکہ ملک کے اطراف واکناف میں پھیل گیا، اور آج ''مجلس دعوۃ الحق'' کے مکاتب کی تعداد سو سے زائد تک پہنچ چکی ہے، اور سب شاخیں بفضلہٖ تعالیٰ آباد، شاداب اور بافیض ہیں، یہ سب اِن شاء اللہ حضرت والاؒ کے لئے صدقۂ جاریہ بنیں گی۔

سنتوں کا احیاء

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص اُمت میں بگاڑ کے زمانہ میں میری کسی سنت کو زندگی بخشے تو اُسے سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا''۔ (مشکوٰۃ شریف)

اسی کو سامنے رکھ کر محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس دور میں جب کہ قدم قدم سنتوں کو پامال کیا جا رہا ہے، اور عوام تو کجا خواص میں بھی اتباعِ سنت اور مستحبات کی پابندی کا اہتمام نہیں ہے، حضرت والاؒ نے احیاءِ سنت کو ایک عالمی تحریک کی شکل دیدی۔ چھوٹی چھوٹی سنتوں سے امت کو روشناس کرایا اور تقریر وتحریر کے ذریعہ سنتوں پر عمل کی مؤثر انداز میں ترغیب دی، حضرت والاؒ اپنے یہاں کھانا کھانے، پانی پینے، دسترخوان پر بیٹھنے اٹھنے، سلام کو عام کرنے، گھروں میں اجازت لے کر اندر جانے، مریض کی عیادت کرنے اور مہمانوں کے اکرام وغیرہ امور سے متعلق آداب وسنن کا اہتمام کرنے کی تاکید فرماتے اور خود ان پر سختی سے عامل تھے، بالخصوص عبادات: طہارت اور نماز وغیرہ مسائل میں حضرت والاؒ جس قدر سنتوں کا اہتمام فرماتے تھے وہ آپ کا خاص امتیاز تھا۔

اَذان واِقامت کی اصلاح

عام طور پر معاشرہ میں اذان کے عمل کو معمولی سمجھ کر اس کی درستگی سے اعراض کیا جاتا

ہے، اکثر مساجد کے مؤذنین اذکار رفتہ ہوتے ہیں، اور اَذانوں کو اس انداز میں دیتے ہیں کہ نہ تو حروف کی ادائیگی صحیح ہوتی ہے اور نہ ہی لہجہ پرکشش ہوتا ہے۔ حضرت والاؒ کو اس کوتاہی کا بڑا احساس تھا، اس کے لئے آپ نے اذان واقامت کی عملی تربیت اور مشق کا بڑا اہتمام کررکھا تھا، اذان کے مدوں میں غیر ضروری کھینچ تان آپ کو ناپسند تھی، آپ اذان میں قواعدِ تجوید کی مکمل رعایت پر زور دیتے تھے، اور اس کی خلاف ورزی پر سخت نکیر فرمایا کرتے تھے۔ بلاشبہ آپ کی اس تحریک سے کتنے مؤذنین نے اپنی اصلاح کرلی، اور لوگوں میں اذان واقامت کی عظمت بیدار ہوئی، **فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.**

نماز کی عملی مشق

امت میں نماز ایسی رائج ہو جو شروع سے لے کر اخیر تک مکمل طور پر سنت کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہو اور نمازی کی کوئی بھی حرکت آداب وسنن کے خلاف نہ ہو اس پہلو پر حضرت والا ہردوئیؒ بہت زیادہ زور دیتے تھے، اور اس بارے میں آپ نے متعدد چارٹ چھپوا رکھے تھے، جن میں نماز کے ہر رکن کی الگ الگ سنتیں نمبروار درج تھیں، آپ نہ صرف ان کو یاد کرنے کا حکم دیتے بلکہ باقاعدہ نماز کی عملی مشق کرایا کرتے تھے۔ نیت کیسے کریں؟ کان کی لو تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہتھیلی کی ہیئت کیا رہے؟ قیام کی حالت میں پیروں کی کیفیت کیا رہے؟ رکوع میں کمر سیدھی رہے، گھٹنوں میں خم نہ ہو، رکوع سے سجدے میں جاتے ہوئے آگے کو جھکتے ہوئے نہ جائیں؛ بلکہ کمر سیدھی رکھتے ہوئے پہلے گھٹنے ٹیکیں، اس کے بعد ہتھیلی رکھیں، اور پھر پیشانی زمین پر رکھیں۔ اس طرح کے آداب وسنن کا حضرت والاؒ کے یہاں خاص اہتمام تھا۔

آپ کے مدرسہ اور خانقاہ میں روزانہ فجر کے بعد نماز کی عملی مشق اور مذاکرہ کا نظام قائم تھا۔ نیز آپ جہاں سفر میں تشریف لے جاتے، وہاں بھی اس سلسلہ کو جاری فرماتے، اس سے ہزاروں لوگوں نے اپنی نماز کی اصلاح کی اور عام طور پر نماز سنت کے مطابق پڑھنے کا ماحول قائم ہوا، فالحمدللہ کلہ للہ۔

اصلاحِ اُمت کی فکر

امت کی دینی ومعاشرتی اصلاح کو آپ نے زندگی کا نصب العین بنالیا تھا، دن رات آپ کو یہی فکر دامن گیر تھی، کہ امت کی اصلاح کیسے ہو اور امت راہِ حق پر کیسے چلے؟ آپ کی عمومی وخصوصی مجالس اور تقریرات وتحریرات سب کا اصلاً موضوع ہی ''اصلاحِ اُمت'' تھا۔ آپ خود اصلاح کے آسان طریقے تجویز کرتے اور اپنے حلقۂ اَثر میں انہیں جاری کراتے، آپ کے فیض یافتہ بزرگ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب کردہ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' اس سلسلہ کے ایک انقلابی قدم کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے لاکھوں لوگوں نے فائدہ اُٹھایا اور اَب بھی اٹھا رہے ہیں۔

علاوہ ازیں آپ نے خود متعدد اصلاحی رسالے اپنے شیخ مرشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات سے منتخب کرکے شائع فرمائے۔ آپ کے اصلاحی ملفوظات اور اقوالِ حکمت کا سلسلہ سفر وحضر ہر جگہ جاری رہتا، اس سلسلہ کے بہت سے گراں قدر ملفوظات اور اصلاح کے طریقے ''مجالس ابرار'' نامی کتاب میں جمع کردئے گئے ہیں۔ یہ ملفوظات اصلاحِ اُمت کے لئے اکسیر ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت کو ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

منکرات پر نکیر

حضرت والا ہردوئیؒ کو اِس بات کا بڑا احساس تھا کہ آج بھلائیوں کی تبلیغ واشاعت پر تو کافی محنت ہورہی ہے؛ لیکن منکرات پر نکیر کے لئے جس انداز میں محنت کی ضرورت ہے وہ نہیں ہو پا رہی۔ آپ عام مجالس میں اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، اور حکمتِ عملی کے ساتھ منکرات پر نکیر کرنے پر زور دیتے تھے، خود حضرت کا عمل اِس بارے میں صاف گوئی کا تھا، اور آپ کی جرأت نے اتنی شہرت پالی تھی کہ کسی کو آپ کی موجودگی میں کسی منکر کے ارتکاب کی جسارت نہ ہوتی

تھی۔ اور ہر شخص پر آپ کا قدرتی رعب رہتا تھا کہ کہیں کسی بات پر نکیر نہ فرما دیں، مدراس کے بعض احباب نے ہم سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ سفر مدراس کے دوران پیری میٹ کی بڑی مسجد میں جب کہ وہاں کے بڑے بڑے سرمایہ دار مجلس میں موجود تھے، آپ نے پوری صفائی کے ساتھ ڈاڑھی منڈانے اور کتروانے پر سخت نکیر کی۔ اور پرانے لوگوں نے بتایا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے بعد کسی شخص نے آج تک یہاں اس انداز میں برملا اس خلافِ سنت ناجائز عمل پر نکیر نہیں کی تھی، جیسی حضرت والا ہردوئیؒ نے فرمائی۔ بلاشبہ منکر پر نکیر کی یہ جرأت آپ ہی کا حصہ تھی، جو آج ہمارے لئے نمونۂ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرات کی نفرت ہمارے دلوں میں پیوست فرمائے، اور اُن پر نکیر کرنے والوں میں شامل فرمائیں، آمین۔

نظم وضبط کی پابندی

آپ طبعی طور پر نظم وضبط اور اُصول کے پابند تھے، اور اُصول کی خلاف ورزی آپ کو قطعاً پسند نہ تھی، اشرف المدارس کے احاطہ میں داخل ہوتے ہی آپ کے نظم وضبط کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا، ہر چیز اپنی جگہ پر ملتی، جابجا کاغذ کی دفتی پر ہدایات آویزاں رہتیں، وقت اور جگہ سب میں نظم وضبط کا اظہار ہوتا، اور آپ جہاں بھی رہتے نظم بنانے کی کوشش فرماتے۔ اگر کسی جلسہ میں مصافحہ کے لئے بھیڑ لگ جاتی تو آپ فوراً نظم قائم کر کے لائن لگوا دیتے اور معاملہ آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا۔

ایک مرتبہ احقر مکہ معظّمہ میں آپ کی اقامت گاہ (مکان قاری خلیق اللہ صاحب) میں حاضر ہوا، عصر کے بعد کا وقت تھا، اُس وقت حضرتؒ کے یہاں مختصر مجلس ہوا کرتی تھی، آپ کے کمرے میں کیف ما اتفق بھیڑ اکھٹی ہوگئی، حضرتؒ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ مجلس اس وقت تک شروع نہ ہوگی جب تک کہ نظم قائم نہ ہو، اُس کے بعد آپ نے سب حاضرین کو کمرے سے باہر جانے کا حکم دیا، پھر فرمایا کہ اس مجمع میں جو اہلِ علم ہیں وہ اندر آجائیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب جو لوگ عمر دراز ہیں وہ آجائیں، اس کے بعد حسبِ گنجائش دیگر لوگوں کو آنے کی اجازت دی۔

الغرض نظم وضبط کے سانچہ میں آپ کی طبعیت ڈھلی ہوئی تھی، اسی بنا پر آپ ''حضرت ناظم صاحب'' کے معزز لقب سے مشہور تھے۔

طلبہ کی قدردانی

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سن کر ہم لوگ علماء کی ایک جماعت کے ساتھ مرادآباد سے ہتھورا کے لئے روانہ ہوئے، اتفاق سے اسی روز مدرسہ اشراف المدارس ہردوئی میں سالانہ جلسہ تھا، ہم لوگ شام کو ہردوئی پہنچ گئے، جلسہ میں شرکت کی اور رات میں وہیں قیام کیا، مجمع بہت تھا؛ لیکن حضرت والا نے ہم لوگوں کا نہایت اکرام فرمایا، صبح کو فجر کے بعد ناشتہ میں خود تشریف لائے اور پوری بشاشت کے ساتھ دینی واخلاقی ہدایات دیتے رہے۔ اُسی وقت کا ایک ملفوظ احقر کو یاد رہ گیا، آپ نے طلبۂ مدارس کی قدردانی پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''یہ طلبہ ہمارے ہر طرح سے محسن ہیں۔ مثلاً:

(۱) یہ محسنِ معاش ہیں کہ اگر مدرسہ میں طلبہ نہ ہوں تو کوئی اَساتذہ وملازمین کو تنخواہ نہ دے گا، طلبہ کے وجود پر اہلِ مدارس کے معاش کا مدار ہے۔

(۲) اسی طرح یہ طلبہ محسنِ علم ہیں، یعنی پڑھنے والے طلبہ ہی نہ رہیں تو پڑھانے والے کا علم ہرگز تازہ نہیں رہ سکتا۔

(۳) نیز یہ طلبہ محسنِ معاد بھی ہیں، یعنی آخرت میں ان کی وجہ سے ثواب میں اضافہ اور درجات میں بلندی نصیب ہوگی''۔

اِسی سلسلۂ گفتگو میں آپ نے فرمایا کہ ''طلبہ مہمانانِ رسول ہیں، جتنا ہم اپنے خاص اور معزز ترین مہمانوں کا اکرام کرتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ طلبہ عزت واکرام کے مستحق ہیں''۔

طلبہ کی ضرورت کا خیال

اسی سال احقر ۱۶ر صفر کو ہردوئی حاضر ہوا، فجر کے بعد حضرت والا کی خدمت میں باریابی

ہوئی، تو نہایت توجہ کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ آپ کے مدرسہ میں طلبہ کے لئے گرم پانی کا انتظام ہے یا نہیں؟ احقر نے اثبات میں جواب دیا، تو آپ نے بڑے افسوس سے فرمایا کہ بہت سے مدارس اِس کا بالکل اہتمام نہیں کرتے، حتیٰ کہ ایک مدرسہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہاں سخت سردی میں ایک طالب علم کو غسل کی ضرورت پیش آئی وہ غسل خانہ میں گیا، وہاں پانی اتنا سرد تھا کہ سر پر ڈالتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

حضرت نے اس پر افسوس ظاہر کیا اور احقر کو تاکید کی کہ آپ مدارس میں جاتے رہتے ہیں، تو وہاں جا کر اس جانب ضرور توجہ دلایا کریں، اور اگر کہیں ضرورت محسوس کریں اور وہاں اس کا انتظام نہ ہو تو مجھے بتائیں، میں اہلِ خیر حضرات کو توجہ دلا کر اِس ضرورت کو پورا کروں گا۔

حضرت نے بڑے درد کے ساتھ فرمایا کہ آج لوگ مدارس میں غیر ضروری چیزوں پر تو بے دریغ خرچ کرتے ہیں، مگر ضرورت کے مواقع پر خرچ کرنے میں حد درجہ کفایت سے کام لیتے ہیں، حضرت والاؒ نے جس طرف توجہ دلائی تھی اس میں واقعۃً کوتاہی ہوتی ہے۔ حضرت والاؒ کا ہردوئی میں خود اپنا انتظام اس سلسلہ میں نمونۂ عمل ہے کہ وہاں طلبہ کے لئے سال بھر گرم پانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نیز گرمی میں فرج کے ٹھنڈے پانی کا باقاعدہ نظم رہتا ہے۔ اسی طرح بجلی کے لئے جنریٹر کا معقول انتظام ہے، اور طلبہ کے ساتھ آپ کا طرزِ عمل بالکل ایک مشفق باپ کے مانند رہتا تھا، چھوٹے بچے آپ سے حد درجہ مانوس رہتے تھے، آپ خود اُن سے قرآنِ پاک اور دعائیں سنا کرتے اور اہلِ مجلس کو سنوا کر انہیں شاباشی دیا کرتے تھے۔

اہلِ علم کی عزت افزائی

حضرت والاؒ کے یہاں اہلِ علم خدام دین کی بڑی وقعت تھی، ان میں سے اگر کوئی ہردوئی حاضر ہوتا تو اس کا حد درجہ اکرام فرماتے، پہلے سے نظام معلوم ہوتا تو اسٹیشن پر لینے کے لئے آدمی اور سواری بھیجتے، قیام وطعام کا بہترین نظم فرماتے اور موقع ہوتا تو طلبہ میں کچھ نہ کچھ بیان کرنے کا حکم فرماتے، راقم الحروف کو بھی متعدد مرتبہ یہ عزت افزائی نصیب ہوئی۔

کئی سال قبل احقر حاضر ہوا پہلے سے پروگرام طے تھا، حضرت والاؒ نے ملاقات کے وقت فرمایا کہ: ''جب سے آپ کی آمد کو سنا ہے قلب میں ایک خاص فرحت محسوس کرتا ہوں''۔

حضرت والا کے حکم پر کئی مرتبہ اشرف المدارس کے سالانہ جلسہ اور انجمن اسلامیہ ہردوئی کے جلسہ ہائے سیرت میں شرکت کا موقع ملا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل احقر نوچندی ایکسپریس سے ہردوئی حاضر ہوا، یہ گاڑی رات میں ساڑھے تین بجے ہردوئی پہنچتی ہے، دیکھا کہ حضرت والا کی خاص ہدایت پر مولانا مفتی فہیم احمد اور حافظ کلیم حسن اسٹیشن پر سواری کے ساتھ موجود ہیں۔ مدرسہ آکر مہمان خانہ میں کچھ دیر آرام کیا، پھر حضرت کی طرف سے پیغام آیا کہ آج مسجد حقی میں فجر کی نماز آپ پڑھائیں، فجر کے بعد ناشتہ کا نظام تھا، اس کے بعد حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت کی طبعیت بہت کھلی ہوئی تھی، کافی دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ اسی درمیان مدرسہ کے ترانہ کا وقت ہوگیا (مدرسہ اشرف المدارس میں معمول ہے کہ روزانہ درس شروع ہونے سے پہلے سب طلبہ احاطہ میں جمع ہوکر دعائیہ ترانہ پڑھتے ہیں، اور اجتماعی دعا کرتے ہیں، اور اسی وقت بعض اہم ہدایات دی جاتی ہیں) مگر حضرت کی گفتگو جاری رہی۔ اور آپ نے منتظمین سے کہلوا بھیجا کہ ابھی سب طلبہ احاطہ میں جمع رہیں اور یہ (راقم الحروف) جب احاطہ میں پہنچے تو ترانہ اور دعائیہ کلمات دوبارہ سنوائے جائیں۔ پھر احقر سے فرمایا کہ آپ ہمارے اس معمول کو بغور ملاحظہ کریں اور کوئی بات قابل اصلاح ہو تو ضرور توجہ دلائیں۔ اور پھر اپنی بشاشت سے جتنی دیر چاہیں کچھ بیان کریں۔ قارئین اس سے حضرت والا کی وسعت ظرفی خورد نوازی اور تواضع وفنائیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

چناں چہ احقر نے سعادت سمجھ کر حضرت والا کے حکم کی تعمیل میں چند منٹ بیان کیا، اس کے بعد احقر کو آگے سنڈیلہ اور کان پور کے سفر پر جانا تھا، حضرت والا خود وہیل چیئر پر باہر تشریف لائے اور گاڑی کے قریب آکر احقر کو رخصت کیا۔

اسی سفر میں احقر نے اپنی کتاب ''اللہ والوں کی مقبولیت کا راز'' کا جدید ایڈیشن خدمت

میں پیش کیا، حضرت والا کو وہ کتاب اس قدر پسند آئی کہ عصر کے بعد کی مجلس میں اس کے اقتباسات کافی دنوں تک سنوائے، اور بیچ بیچ میں تشریح فرماتے رہے، اور اس کے بعض اجزاء کو مجلس دعوۃ الحق کے کارکنان میں پڑھ کر سنوانے کا اہتمام فرمایا۔ بلاشبہ یہ حضرت والاؒ کی خورد نوازی ہی تھی، ورنہ اس عزت افزائی کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

وفات سے ۱۲؍دن قبل ۵؍مئی ۲۰۰۵ء بروز جمعرات کو بھی احقر کی حاضری ہوئی، حضرت والا نے حسبِ سابق نہایت توجہ اور اکرام کا معاملہ فرمایا، اور حضرت کا یہ معاملہ کسی خاص شخص کے ساتھ ہی نہیں تھا؛ بلکہ اہلِ علم کے ساتھ آپ اسی طرح اکرام اور اعزاز کا معاملہ فرماتے تھے۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء.**

نفاست اور سلیقہ مندی

شریعت اور سنت کی پابندی کے ساتھ حضرت والاؒ کے یہاں ہر چیز میں نفاست، پاکیزگی اور سلیقہ مندی کا بھی بڑا اہتمام تھا، سادگی کے ساتھ ہر چیز میں نفاست آپ کو پسند تھی، جس کا اثر آپ کے لباس، نشست گاہ اور مدرسہ وخانقاہ میں نمایاں نظر آتا تھا، حتی کہ وضوخانہ میں لوٹے بھی سب سلیقے سے رکھے دکھائی دیتے تھے۔ طلبہ کو تاکید تھی کہ جب وہ مسجد میں جائیں تو اپنے جوتے اور چپل سب لائن وار سلیقے سے رکھیں، ادھر ادھر نہ ڈالیں۔ مدرسہ، مسجد اور خانقاہ کی دیواریں سفیدی سے رنگی ہوئی اور صاف ستھری رہتی تھیں۔ راستہ میں کوئی کوڑا کرکٹ یا کاغذ کا پرزہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ مسجد میں قرآنِ پاک سب جزدان میں رکھے جاتے، صفوں پر سفید جازم بچھائی جاتی، درس گاہوں میں بچھائے جانے والے فرش بھی معیاری ہوتے، اور حضرت والاؒ اس ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود بذاتِ خود ان باتوں کی نگرانی اور معائنہ فرماتے رہتے تھے۔

زیارتِ حرمین شریفین

حضرت والاؒ کو زیارت حرمین شریفین اور حج وعمرہ سے بھی خاص شغف تھا، سالوں تک بالالتزام ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے رہے، ۳۵ سے زائد مرتبہ آپ کو حج بیت اللہ کی

سعادت نصیب ہوئی، آپ مکمل آداب، سنن اور مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے حج کے ارکان ادا فرماتے تھے اور ہر جگہ اصلاحی مجالس اور ملفوظات کا سلسلہ جاری رہتا۔ اِدھر غالباً چار سالوں سے ضعف کی وجہ سے حج میں جانے کا سلسلہ بند ہو گیا تھا؛ لیکن بیچ سال میں حسبِ موقع عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے، آخری مرتبہ رمضان المبارک سے قبل ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

زہد و استغناء

اگرچہ بڑے بڑے سرمایہ دار آپ کے متوسلین اور عقیدت مندوں میں شامل تھے؛ لیکن آپ نے پوری زندگی نہایت استغناء کے ساتھ گذاری، آپ کبھی کسی مال دار سے اس کے مال کی بنا پر مرعوب نہیں ہوئے، اور غلط بات پر نکیر کرنے میں کسی مال دار کی خوشنودی یا ناراضگی کا کبھی خیال نہیں فرمایا، آپ آنے والے مہمانوں کا اکرام ضرور فرماتے تھے؛ لیکن مال داروں کے سامنے گفتگو میں تملق یا خوشامد کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوتا تھا، اسی لئے بڑے بڑے سرمایہ دار، اربابِ منصب حتیٰ کہ علاقہ کے اربابِ حکومت بھی آپ کی مجلس میں نیازمندانہ حاضری دیتے، اور آپ کی زاہدانہ شان سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

نفسِ مطمئنہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو مطمئن مزاج عطا فرمایا تھا، آپ نے اپنے ہر قول وعمل کو شریعت کے تابع بنا دیا تھا، جو بات شریعت کے موافق ہوتی اس پر پورے شرح صدر سے عمل فرماتے اور جو معاملہ شریعت کے خلاف ہوتا اس سے آپ اجتناب فرماتے، تیسرا کوئی خانہ آپ کے یہاں نہ تھا، کوئی شخص مصلحت دکھا کر آپ کو خلاف شریعت امر کی تائید اور اس میں شرکت پر مجبور نہ کر سکتا تھا۔ آپ ہر معاملہ کو شریعت پر پرکھتے تھے، اور شریعت کے خلاف کسی کی رورعایت نہ فرماتے تھے، اور واقعہ یہ ہے کہ جو شخص بھی یکسو ہو کر شریعت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے تو وہ ہر

طرح کے شکوک وشبہات سے محفوظ ہوکر دلی سکون واطمینان کی زندگی گزار سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو "نفس مطمئنہ" سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔

علالت اور وفات

حضرت والاؒ چوں کہ اُصولِ حفظانِ صحت کا حتی الامکان خیال رکھتے تھے، اس لئے عام طور پر آپ کی زندگی کا اکثر حصہ صحت وعافیت کے ساتھ گذرا؛ لیکن اخیر میں پیرانہ سالی کی وجہ سے متعدد عوارض آپ کو پیش آئے، ۴؍سال قبل دماغ کی رگ پھٹنے سے حالت نازک ہوگئی، فوراً لکھنؤ لے جایا گیا، پھر وہاں سے بمبئی کا علاج تجویز ہوا، الحمد للہ اس علاج سے کافی افاقہ ہوا؛ تاہم اس کی وجہ سے حضرت والاؒ کا زیادہ قیام بمبئی میں رہنے لگا، اور اللہ کی قدرت کہ آپ کا یہ قیام عوام وخواص کی دینی ہدایت اور روحانی ترقی کا ذریعہ بن گیا۔ بمبئی کے زمانۂ قیام میں صوبہ مہاراشٹر، گجرات وغیرہ کے علماء، ائمہ اور عوام وخواص بڑی تعداد میں آپ کی مجالس میں حاضر ہوکر مستفیض ہوتے۔ وفات والے روز آپ نے مغرب کی نماز اطمینان سے پڑھی، اس کے بعد آٹھ بجے کے بعد سے طبعیت بگڑنی شروع ہوئی، معمولی ہچکیوں کے بعد خون کی قے آنے لگی، خدام نے فوراً نرسنگ ہوم لے جانے کا نظم کیا؛ لیکن ابھی گاڑی میں لے کر کچھ دور ہی پہنچے تھے کہ پیغام اجل آپہنچا، اور آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تدفین

آپ کی وفات کی خبر منٹوں میں سارے عالم میں پھیل گئی، جس نے اس اچانک خبر کو سنا وہ وہیں حیران وششدر رہ گیا، اور پھر جس کو جیسی سواری ملی وہ آخری زیارت وتدفین میں شرکت کے لئے ہردوئی کی طرف چل پڑا، رات ہی میں مدرسہ اشرف المدارس کا پورا احاطہ حاضرین سے کھچا کھچ بھر گیا۔ آپ کو غسل رات کے آخری حصہ میں دے دیا گیا تھا؛ لیکن زیارت کا نظم صبح ۶؍بجے سے کیا گیا، ہزاروں افراد نے آٹھ بجے تک آپ کی آخری زیارت کی سعادت

حاصل کی، اس کے بعد جنازہ اٹھایا گیا، تاحدِ نظر آدمی ہی آدمی تھے، اور آپ کی عنداللہ وعندالناس قبولیت کا کھلا نقشہ نظر آتا تھا۔ عیدگاہ تک پہنچنے میں تقریباً پونے دو گھنٹے لگے، پونے دس بجے آپ کے ۶۵؍سالہ رفیق عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری امیر حسن صاحب دامت برکاتہم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، نہ صرف یہ کہ پوری عیدگاہ نمازیوں سے بھری ہوئی تھی؛ بلکہ اس سے زیادہ آدمی عیدگاہ سے باہر رہ کر نماز میں شریک تھے۔ اس کے بعد قریب کے عام قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی، مجمع کی کثرت کی وجہ سے مٹی دینے اور قبر تیار کرنے میں دو گھنٹے سے زیادہ صرف ہوئے، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمةً واسعةً.

اولاد

حضرت والا کی ۲؍اولاد ہوئیں، صاحبزادہ اشرف الحق کا ۲۸؍سال کی عمر میں وصال ہوگیا تھا، صاحب زادی حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب سے منسوب ہوئیں، موصوفہ کے بطن سے تین صاحب زادے: علیم الحق، فہیم الحق اور سلیم الحق اور تین صاحب زادیاں ہیں۔

خلفاء اور جانشین

آپ کے دستِ مبارک پر ہزاروں افراد نے بیعت کی، جن میں سے ۹۵؍خوش نصیب حضرات آپ کی طرف سے مجاز بیعت بنائے گئے، جب کہ ۳۵؍حضرات مجاز صحبت بنے، آپ سے متعلق تمام اُمور کی دیکھ بھال اور نیابت کے لئے آپ کے خلیفۂ اَجل اور داماد حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب زید مجدہم کو بطور جانشین مقرر کیا گیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے فیض کو جاری رکھے، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، اور آپ کے مشن کو دوام عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۵ء)

ایک مردِ باصفا جاتا رہا

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

مؤرخہ ۸/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷/مئی ۲۰۰۵ء بروز جمعہ کو میں جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ میں شرکت کرکے واپس مرادآباد کی طرف جارہا تھا کہ مغرب کے کچھ دیر کے بعد دہلی سے میرے موبائل پر فون آیا اور یہ اندوہ ناک خبر دی گئی کہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ کان سن ہوگئے، جسم پر رعشہ سا طاری ہوگیا، ایک لمحہ کو تو ایسا لگا کہ جیسے عقل وخرد نے جواب دے دیا ہو، کافی دیر تک صرف ''إنا للّٰہ و إنا إلیه راجعون'' کے سوا زبان سے کچھ نہ نکل سکا، ذہن ودماغ میں مولانا کا عکس گھومنے لگا۔ مناسب قد، جس کو نہ لمبا کہا جاسکتا تھا اور نہ پستہ، نہایت روشن اور پررونق چہرہ، موتی کی طرح سے صاف ستھرے اور چمکتے ہوئے دانت، ستواں ناک، کشادہ پیشانی، عالمانہ جاہ وجلال اور مصلحانہ شفقت ومحبت کا عجیب وغریب امتزاج آپ کی خصوصیات تھیں۔ زندگی بھر دین وشریعت کی خدمت کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کی ہدایت اور اصلاح کا عظیم کام بھی انجام دیتے رہے، اور ہمیشہ اس بات کے لئے کوشاں رہے کہ دین کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اور ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی صحیح اسلامی ڈھنگ اور طریقہ کے برخلاف انجام نہ دیا جائے۔ چناں چہ آپ نے قرآنِ کریم کی تصحیح اور تجوید کے اصول وقواعد کی رعایت پر بھرپور توجہ دی، مجہول ومعروف، صفات ومخارج، مد کی مقدار نیز اخفاء وغنہ وغیرہ پر خاص نظر رکھی، اور باقاعدہ اپنے ادارہ میں تصحیح قرآن کریم کا نظم فرمایا؛ تاکہ لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت اُس انداز پر کرسکیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ نیز اذان واقامت کی جانب بھی خاص توجہ فرمائی، الفاظ کی صحت، لب ولہجہ، آواز

کے اُتار چڑھاؤ اور مد وقصر کی بے اعتدالیوں پر زبردست پکڑ فرماتے، اور مؤذنین کو ٹوک کر کے صحیح انداز اختیار کرنے کی تاکید فرماتے۔ مولانا مرحوم کی زندگی پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو ان کی دو خصوصیات ابھر کر سامنے آتی ہیں، جن میں وہ اپنے ہم عصروں پر فوقیت رکھتے تھے۔

(۱) احیاءِ سنت:- قدم قدم پر سنتوں کا اہتمام کرنا، گھر میں، مجلس میں، سفر میں، خوشی میں، غمی میں، یعنی ہر موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اپنانا اور عام لوگوں کو اس کی دعوت دینا آپ کا امتیازی وصف تھا۔ مختلف موقعوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعاؤں کا اہتمام آپ بڑی تندہی سے فرمایا کرتے تھے، اور باقاعدہ مجالس میں ان کو سننے سنانے اور اپنانے کی رغبت دلایا کرتے تھے، جس کے اثرات ان کے روشن چہرہ سے عیاں تھے، بجا طور پر امت نے ان کو محی السنہ کے لقب سے ملقب کیا ہے۔

(۲) نہی عن المنکر:- برائی اور منکرات پر مناسب انداز سے بروقت نکیر کرنا ان کا مزاج بن چکا تھا، اس میں وہ امیر وغریب، اور عالم وغیر عالم کا فرق نہیں کیا کرتے تھے، اور بلا خوف لومۃ لائم گناہوں برائیوں اور معاصی پر بھرپور انداز سے ٹوک کر نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا کرتے تھے۔ اور اگر وہ یہ محسوس کر لیتے کہ کسی مجلس یا تقریب وغیرہ میں منکرات موجود ہیں تو بار بار باصرار دعوت دینے کے باوجود اس میں شرکت کے لئے تشریف نہ لے جاتے تھے، یہاں تک کہ داعی، منکر کو ہٹا کر آئندہ نہ کرنے کا وعدہ نہ کر لے، اور آپ اس کے وعدہ سے مطمئن نہ ہو جاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر تمام پڑھے لکھے اور دین دار لوگ نہی عن المنکر کی یعنی برائیوں پر نکیر کرنے کی مولانا مرحوم ومغفور کی روش اپنالیں تو معاشرہ میں پھیلی ہوئی بہت سی برائیاں اپنی موت آپ مر جائیں اور کسی حد تک صالح معاشرہ وجود میں آجائے۔

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات تھی کہ مولانا ابرار الحق صاحب کے یہاں سختی اور تنگی ہے، ترش روئی اور تلخ کلامی ہے؛ لیکن حقیقۃً مولانا مرحوم کے یہاں سختی اور تلخی نہیں؛ بلکہ اُصول

وضوابط کی پابندی تھی، نظام کے تئیں لمحات زندگی گزارنے پر آمادہ کیا جاتا تھا، جو شخص اُصول کی پابندی اور نظام کی رعایت کر کے ان کی خانقاہ میں رہتا وہ چین وسکون کے ساتھ ساتھ بھرپور طور پر غذاءِ روحانی سے بھی فیض یاب ہوتا رہتا، اور جو بے ہنگم زندگی گذار کر اُصول شکنی کرتا دکھائی دیتا اُس کو سرزنش کا سامنا کرنا پڑتا، گویا مطیع اور فرماں بردار کے لئے شفقت ومحبت، عطا وبخشش، اور بے اُصولی کا جرم کرنے والے کے لئے زجر وتوبیخ کا خدائی طریقۂ کار آپ کے یہاں بھی معمول کی حیثیت رکھتا تھا، اور ''تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰہِ'' کی عملی تصویر پیش کی جاتی تھی۔

چند سال قبل مجھ کو حضرت کی زیارت اور ملاقات کا شوق ہوا، چناں چہ بمبئی سے صحت یاب ہو کر حضرت والا مرحوم جب ہردوئی تشریف لائے، تو میں ملاقات کے لئے ہردوئی حاضر ہو گیا، چوں کہ پہلے سے اطلاع دے دی گئی تھی، اس لئے اسٹیشن پر ایک صاحب کو اپنا منتظر پایا، عصر کی نماز سے فراغت کے بعد ملاقات ہوئی، گھر کے اندر لے گئے، چائے اور ناشتہ سے تواضع فرمائی، اور پھر باہر مجلس میں تشریف لے آئے، مغرب کے بعد مسجد میں خطاب کرنے کا حکم دیا، میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں سننے اور سیکھنے کے لئے آیا ہوں، بیان اور خطاب کرنے نہیں۔

اگلے روز ناشتہ سے فراغت کے بعد بنفس نفیس خود پورا مدرسہ دکھایا، اور آخر میں فرمانے لگے کہ: ''میں کسی مال دار اور اہل ثروت کو مدرسہ نہیں دکھایا کرتا کہ کہیں وہ اِس کو حسنِ طلب پر محمول نہ کرنے لگے''۔ گویا خودداری آپ کی طبعیتِ ثانیہ تھی، دنیاداروں کے سامنے جھکنا تو دور کی بات، آپ تو ان کاموں سے بھی پرہیز کیا کرتے تھے، جن سے چاپلوسی، خوشامد اور طمع ولالچ کا شائبہ بھی پیدا ہو۔

حضرت والد صاحب مرحوم سے خاص انسیت اور تعلق تھا، اُن کی دعوت پر مدرسہ شاہی مرادآباد بھی تشریف لائے اور تین دن قیام فرمایا۔

حرمین شریفین میں بھی اکثر ملاقاتیں ہو جایا کرتی تھیں، ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حرم

مدنی میں ملاقات ہوئی، والد صاحب مرحوم نے برادر اکبر مولانا محمد اخلد صاحب کے گھر پر تشریف آوری کی دعوت دی، جس کو حضرت نے خوش دلی سے قبول فرمایا، اور اگلے روز مع احباب عصر کے بعد بابِ مجیدی کی جانب واقع مکان میں تشریف لے آئے، دیر تک چائے نوشی، گفتگو اور پھر وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری رہا۔

ان ملاقاتوں کی یاد آج بھی تازہ ہے اور ان سے میسر آنے والی خوشی اور روحانی سکون کی لذت آج بھی محسوس کی جارہی ہے۔ مولانا مرحوم دنیا سے پردہ فرماگئے؛ لیکن اُن کا فیض نا معلوم کب تک جاری رہے گا۔

ان کی ہدایتوں پر کاربند رہنے والے متعلقین ومنتسبین یقیناً ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہوں گے۔ اللہ رب العزت ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، امت کو ان کا بدل عطا فرمائے، اور ہم سب کو ان کی روش اپنا کر امر بالمعروف کے ساتھ ساتھ نہی عن المنکر کی بھی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۵ء)

تبرکاتِ ابرار

افادات: محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی رحمۃ اللہ علیہ ہردوئی

خلیفۂ اَجل حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ

حضراتِ اکابر کی وفات کے بعد اُن کو اصل خراجِ عقیدت یہ ہے کہ اُن کی زندگی کے مشن کو زندہ رکھا جائے اور اُن کی بیان کردہ تعلیمات وہدایات کے مطابق زندگی گذاری جائے۔ اِسی مقصد سے ذیل میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اُن اِرشادات وملفوظات کو نقل کیا جاتا ہے، جو موصوف نے ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق اگست ۱۹۹۹ء میں سفرِ مراد آباد کے دوران ارشاد فرمائے تھے۔

حضرت والاؒ کا قیام جناب حاجی ولی الرحمٰن صاحب کے مکان واقع لاجپت نگر میں تھا، اس وقت احقر نے مختلف مجالس میں جو ملفوظات سنے اُنہیں نوٹ کر کے ندائے شاہی (ستمبر ۱۹۹۹ء) میں شائع کر دیا تھا، پھر وفات کی مناسبت سے (جون ۲۰۰۵ء میں) دوبارہ شائع کیا گیا۔ (مرتب)

مسجد میں پلاسٹک کی ٹوپیاں

حضرت والا جب ظہر کی نماز کے لئے لاجپت نگر کی مسجد میں تشریف لائے تو وہاں رکھی ہوئی چٹائی اور پلاسٹک کی ٹوپیاں دیکھ کر سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور نماز سے فراغت پر پانچ منٹ اِسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے توجہ دلائی کہ نماز کے لئے عزت والا لباس اختیار کرنا چاہئے، یہ ٹوپیاں اوڑھ کر جب ہم عام لوگوں کی مجلس میں جانے سے شرماتے ہیں، تو اللہ کے دربار میں حاضری کے وقت اس کا پہننا کیسے گوارا ہوتا ہے؟ ذرا سوچئے! اگر آپ کا داماد آپ کے گھر آئے تو کیا اسے ایسی ہی ٹوپی تحفہ میں پیش کریں گے؟ جب داماد کے لئے یہ ٹوپی گوارا نہیں ہے تو نمازیوں کے لئے کیسے گوارا ہے؟

علماء سے پوچھ کر عمل کریں

عصر کی نماز کے بعد بھی حضرت نے کچھ دیر مسجد میں گفتگو فرمائی اور کہا کہ ہمیں چاہئے کہ اپنے ہر کام میں علماء سے رہنمائی حاصل کریں اور شریعت پر عمل کرنے کی کوشش کریں، پھر آپ نے پوچھا کہ قرآن افضل ہے یا امام افضل ہے، لوگوں نے بیک زبان ہوکر کہا کہ قرآن افضل ہے، تو حضرت نے فرمایا آپ کا عمل تو اس کے برخلاف ہے؛ اس لئے کہ امام کے نیچے تو دو دو مصلّے بچھا رکھے ہیں اور قرآنِ کریم الماریوں میں سادہ تختوں پر بلا جزدان رکھے ہوئے ہیں، اور بہت سی جگہوں پر تو ان پر گرد بھی جمی ہوئی دیکھی گئی ہے، یہ طریقہ بالکل مناسب نہیں ہے، قرآن کا احترام لازم ہے۔

انجن بھی گرم ہوجاتا ہے

کچھ دیر گفتگو فرمانے کے بعد جب آپ قیام گاہ پر تشریف لائے تو ساتھ میں حاضرین کی ایک بڑی تعداد بھی کمرہ کے اندر چلی گئی اور مصافحہ کی تمنا ظاہر کی، اس موقع پر حضرت نے فرمایا کہ گاڑی کا انجن بھی چلتے چلتے گرم ہوجاتا ہے، اس کو بھی ٹھنڈا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح آدمی بھی کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے، اسے بھی آرام کرنے کی ضرورت پڑتی ہے؛ لہٰذا آپ حضرات اس وقت آرام کا موقع دیجئے۔

تلفظ اور اعراب کی تصحیح

کچھ دیر آرام کے بعد آپ باہر کے ہال میں تشریف لائے جہاں خصوصی مجلس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا انتظام تھا، اس وقت آپ نے مختلف نصیحت کی باتیں ارشاد فرمائیں، مثلاً فرمایا کہ: لوگ بڑی بڑی عمر کے ہوجاتے ہیں، ان کو صحیح طرح الحمد للہ بھی یاد نہیں ہوتی، اور الفاظ اور اعراب کا صحیح تلفظ نہیں کرتے، آپ نے فرمایا: ہر زبان کے اعراب کی ادائیگی اسی زبان کے مطابق ہوتی ہے۔ مثلاً انگریزی میں اگر گنتی بولی جائے تو ''ٹو'' معروف ہی طریقہ پر کہنا صحیح ہوگا، اگر کوئی ''ٹَو'' کہہ دے تو ایک بچہ بھی اسے ٹوک دے گا۔

اسی طرح الحمد کی دال پر پیش معروف ہی پڑھنا چاہئے، مجہول پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ اور اس کی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ مساجد کے ائمہ روزانہ دو تین منٹ کا وقت صرف اسی کام کے لئے فارغ کریں کہ اپنے مقتدیوں کی قراءت صحیح کیا کریں، ایک دن تھوڑا سا سبق دے دیں، پھر اگلے دن اسے سن لیں، اور جن سے پوچھا جائے اگر وہ صحیح سنا دیں تو سبق آگے بڑھایا جائے ورنہ وہی سبق پھر دہرائیں، اس طرح رفتہ رفتہ بہت اصلاح ہو سکتی ہے۔

آپ نے فرمایا: اسی طرح اَذان واِقامت کی اَدائیگی میں کوتاہیاں بہت عام ہیں، ''اللہ'' کے لفظ کو بہت زیادہ کھینچا جاتا ہے، توجہ دے کر اس کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

آپ نے فرمایا: ہمارے یہاں ایک سلسلہ یہ بھی شروع کیا گیا ہے کہ جو سورتیں نماز میں پڑھی جاتی ہیں ان کا ترجمہ نمازیوں کو سکھایا جائے، مثلاً ایک دن یہ بتایا جائے کہ الحمد کے معنی ہیں: تعریف کرنا، اگلے دن اسے پوچھ لیا جائے، اگر یاد ہو تو آگے ایک لفظ کے معنی بتا کر سبق دیدیا جائے، اس طرح رفتہ رفتہ پوری سورۃ کے معنی یاد ہو جائیں گے۔

وضو میں پانی کا اسراف

مغرب کی نماز کے لئے جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو وضو خانہ کے پاس کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ: جب سے پانی کی ٹنکیاں لگی ہیں، وضو کرنے میں پانی بہت ضائع کیا جاتا ہے جو درست نہیں ہے، اور اس کوتاہی میں وضو کرنے والے اور مسجد کے متولی دونوں شریک ہیں، متولی حضرات اس وقت بری ہو سکتے ہیں جب کہ لوٹوں کا انتظام کر کے لوگوں سے کہہ دیں کہ ٹنکی سے لوٹے میں پانی لے کر وضو کیا کریں، اس کے باوجود اگر لوگ لوٹے کے بجائے ٹنکی کا استعمال کریں تو وہی ذمہ دار ہوں گے، متولی ذمہ دار نہ ہوں گے۔

اَذان واِقامت، رکوع وسجود کی عملی مشق

نماز سے قبل آپ نے اپنے خادم خاص کے ذریعہ اذان دلوا کر صحیح طریقہ بتلایا، اس کے

بعد نماز کے ارکان کیسے اَدا کئے جائیں؟ اس کا نمونہ بھی دکھلایا کہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت بالکل سیدھے کھڑے ہونا چاہئے، اور رکوع میں بھی پاؤں اور کمر کو سیدھا رکھنا چاہئے، اور سجدہ میں جانے کے عمل کی ابتداء سر کے بجائے نیچے سے پاؤں کی طرف سے کرنی چاہئے، یعنی پہلے گھٹنے کو موڑ کر زمین پر رکھا جائے، اُس کے بعد سر جھکایا جائے، پھر اِقامت کا طریقہ بتایا اور نماز اَدا کی گئی۔

سلام کی اہمیت

نماز مغرب کے بعد علماء کی ایک خصوصی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ: آج کل سلام کو اختیار کرنے میں بڑی کوتاہیاں پائی جارہی ہیں، اہل مدارس کو اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، اولاً تو سلام ہی نہیں کیا جاتا اور جو لوگ سلام کرتے بھی ہے تو پورے الفاظ نہیں اَدا کرتے، آج کل صحیح الفاظ یعنی السلام علیکم (الف لام کے ساتھ) سننے کو ہی نہیں ملتے۔

دیانت کا امتحان

اسی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ میں نے طلبہ کی تربیت کے لئے ذمہ داران دار العلوم دیو بند کو بھی یہ تجویز لکھوائی تھی کہ طلبہ جن کتابوں کا تحریری امتحان دیتے ہیں اور ان کی باقاعدہ نگرانی کی جاتی ہے، ان میں سے کسی ایک کتاب کا امتحان نگرانی کے بغیر ہونا چاہئے، یعنی ایک ہی جماعت اور کتاب کے طلبہ کو ایک ہال میں اتنے قریب بٹھایا جائے کہ ایک دوسرے سے استفادہ ممکن ہو، اور جس کتاب کا امتحان ہو وہ کتاب بھی ہال میں رکھ دی جائے، اور پھر اُن کی چُھپ کر نگرانی کی جائے اور اندازہ لگایا جائے کہ کس طالب علم میں کتنی دیانت پائی جاتی ہے؛ کیوں کہ اگر دیانت نہ ہو تو ایسا شخص کوئی بھی دینی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔

فرمایا کہ: ہمارے مدرسہ میں تجربہ کیا گیا کہ ایک روپیہ بیچ راستہ میں ڈال دیا، اور نگراں صاحب دور سے چھپ کر اُس کی نگرانی کرنے لگے، تو بعض طلبہ تو ایسے ملے جنھوں نے روپیہ کو

دیکھا اور دیکھ کر آگے بڑھ گئے، اور بعض ایسے ملے کہ اُنہوں نے روپیہ اُٹھا کر نگراں کے حوالے کر دیا، اور بعض ایسے بھی نظر آئے جو چپ چاپ روپیہ جیب میں ڈال کر چل دیئے۔

عبادات کا اہتمام

فرمایا کہ: طلبہ کو عبادات کی طرف رغبت دلانے کی ضرورت ہے، ہمارے یہاں یہ معمول ہے کہ صبح چار بجے طلبہ کے کمروں کے پنکھے بند ہوجاتے ہیں اور اسی وقت مسجد کے پنکھے چلنے لگتے ہیں، نمازوں میں کوئی طالب علم مسبوق نہیں ہوتا، طالب علم اور مسبوق ہو، یہ ہمارے تصور کے خلاف ہے۔ جمعہ کے دن نماز سے کافی پہلے طلبہ مسجد میں پہنچ جاتے ہیں، حتیٰ کہ ابتدائی دو صفوں میں کسی شہری کو جگہ ہی نہیں ملتی۔

اعتکاف کی عادت

اسی مجلس میں ارشاد فرمایا کہ: اعتکاف کی سنت بالکل متروک ہوتی جارہی ہے، اس لئے ہم نے اپنے مدرسہ میں طلبہ کو اعتکاف کا عادی بنانے کے لئے نظام بنایا ہے، اس نظام کے مطابق کچھ طلبہ اور اُن کے ساتھ ایک اُستاذ مسجد میں اعتکاف کرتے ہیں اور اعتکاف کے مسائل سے اُنہیں آگاہ کیا جاتا ہے۔

تربیت کا نتیجہ

فرمایا کہ: اِس طرح کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ چند سال قبل ایک طالب علم جس نے ہردوئی کے بعد مظاہر علوم سہارن پور میں دورہ پڑھا تھا، سال کے ختم پر مجھے خط لکھا کہ الحمدللہ اِس سال مجھے دو عظیم نعمتیں حاصل ہوئیں، ایک یہ کہ پورے سال کوئی سبق ناغہ نہیں ہوا، دوسرے یہ کہ صرف دو حدیثوں کو چھوڑ کر کوئی بھی حدیث اُستاذ کے سامنے بلا وضو نہیں پڑھی، اور یہ دو حدیثیں اس لئے چھوٹ گئیں کہ آخری گھنٹہ قریب الختم تھا کہ ایک دانہ پھوٹنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا، دوبارہ وضو کر کے آنے کا موقع نہیں تھا۔ فرمایا کہ: یہ سنت کی برکت ہے کہ پورے سال صحت بھی ایسی رہی کہ کسی سبق کا ناغہ نہیں ہوا اور کوئی بھی بیماری پیش نہیں آئی۔

کھانے کے بعد چہل قدمی

عشاء کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر حضرت والا نے چہل قدمی فرمائی، اور حکیم افہام اللہ مرحوم کا مقولہ نقل فرمایا کہ: رات کے کھانے کے بعد کم از کم دوسو قدم چلنا چاہئے۔

رزق کا احترام

چہل قدمی کے دوران آپ کی نظر دستر خوان پر پڑی، جس پر سے کھانے والے سب اٹھ چکے تھے اور دستر خوان ابھی تک بچھا ہوا تھا، اس پر آپ نے ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ: یہ کھانے کی بے ادبی ہے، رزق اتنی عزت والی چیز ہے کہ کیسا ہی عمدہ فرش اور قالین بچھا ہوا ہو، کھانے کے لئے اس کے اوپر دستر خوان بچھا کر خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے، یہ دستر خوان اتنا پر عظمت ہے کہ بڑے سے بڑے شیخ کو بھی اس پر بیٹھنے کی اجازت نہیں، اس پر صرف کھانا ہی رکھا جائے گا۔ اسی طرح کسی معزز آدمی سے مصافحہ کے لئے ہاتھ دھونا ضروری نہیں ہے، جب کہ کھانا کھانے کے لئے پہلے ہاتھ دھونا مسنون ہے۔

فرمایا کہ: حضرت حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی چار پائی کے پائنتی کھانا رکھ کر نہیں کھایا، ہمیشہ کھانا سرہانے رکھا اور خود پائنتی بیٹھا۔ فرمایا کہ: آج کے دور میں رزق کی بے برکتی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم اللہ کی نعمتوں کی قدر دانی نہیں کرتے۔

مالی حقوق کی رعایت

ٹہلتے ہوئے ہی ارشاد فرمایا کہ: اپنے مالی معاملات درست کرنے ضروری ہیں، کوشش ہونی چاہئے کہ اپنے ذمے کسی کا قرض باقی نہ رہے۔ قرض اتنی سخت چیز ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جب جنازہ لایا جاتا تھا، تو پوچھتے تھے کہ اس پر کسی کا قرض تو نہیں ہے، اگر قرض ہوتا اور ادائیگی کا کوئی انتظام نہ ہوتا تو آپ اُس کی جنازہ کی نماز پڑھانے سے انکار فرمادیتے تھے۔ (بعد میں جب بیت المال میں وسعت ہوگئی تو یہ سلسلہ ختم ہوگیا)

اصلاحِ منکرات کی ضرورت

اگلے دن صبح ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ: اِس وقت ماموارت پر تو محنت ہو رہی ہے؛ لیکن منکرات اور معاصی کی روک ٹوک پر منظّم انداز میں کام نہیں ہو رہا ہے۔ مجلس میں ایک عالم صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے شہر مرادآباد میں اِس غرض کے لئے ایک اصلاحِ معاشرہ کمیٹی قائم ہے۔ تو اس پر آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا، اور فرمایا کہ جس طرح معاشرہ کی رسموں کی اصلاح پر زور ہے، اسی طرح عبادات میں جو کوتاہیاں ہیں اُن کی اصلاح بھی کی جانی چاہئے۔

عورتوں میں وعظ کا اہتمام

چلتے وقت آپ نے صاحب خانہ حاجی ولی الرحمٰن صاحب کو بلا کر پوچھا کہ میں کل سے آپ کے یہاں مقیم ہوں، کیا آپ نے اِس کا کوئی نظام بنایا کہ گھر کی مستورات تک بھی کچھ دین کی بات پہنچنی چاہئے، حاجی صاحب نے عرض کیا کہ مستورات نے تو خواہش کی تھی، مگر مجھے عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، اس پر مزید تعجب کا اظہار کیا کہ افسوس ہے کہ خواہش کے باوجود گھر والوں کو محروم رکھا گیا۔ فرمایا کہ میں کچھ وقت دیتا ہوں، آپ جلدی انتظام کیجئے، چناں چہ فوری طور پر قیام گاہ کے ہال میں پردے لگا دئے گئے، جس کے پیچھے مستورات جمع ہوگئیں، اور حضرت والا نے ان سے مختصر وعظ فرمایا۔

عفت وعصمت کی حفاظت

عورتوں سے وعظ میں آپ نے بالخصوص پردہ پر بہت زور دیا، فرمایا کہ: آج کل دین دار گھرانوں میں بھی شرعی پردے کا اہتمام نہیں ہے، مثلاً دیور، جیٹھ اور شوہر کے دیگر رشتہ داروں سے پردہ کرنا چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الحمو الموت (دیور تو گویا کہ موت ہے) یعنی بڑی تباہی کا سبب ہے۔

فرمایا کہ: اگر پردے کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی حکم نہ بھی آتا، پھر بھی عقل

کی رو سے پردہ کرنا لازم ہوتا؛ اس لئے کہ عقل کا تقاضا ہے کہ جس چیز کے چھین لئے جانے کا خطرہ ہو اسے بحفاظت رکھنے کا انتظام ہوتا ہے، آدمی لاکھ روپے کے نوٹ چھپا کر لے جاتا ہے کہ کہیں چور نہ اچک لے۔ اسی طرح گوشت ڈھک کر لے جایا جاتا ہے کہیں چیل نہ لپک لے۔ اسی طرح بدنظر اور بدکار لوگ عورت کے درپے رہتے ہیں، اس قیمتی شے کو بچانے کے لئے جس کی تاک میں سیکڑوں لٹیرے لگے ہوئے ہیں سخت حفاظت کی ضرورت ہے؛ تاکہ کسی بدنظر کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔

پھر یہ بھی غور کیجئے! کہ اگر چیل گوشت لے جائے پھر تھوڑی دور اسے لے جا کر پھینک دے، یا ڈاکو روپیہ لے جائے، پھر اس سے واپس کرالیا جائے تو نہ اس گوشت میں خرابی آتی ہے اور نہ روپیہ بے حیثیت ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی لڑکی کسی غیر مرد کے چنگل میں ایک دن بھی رہ جائے تو اس کی ساری زندگی داغ دار ہو جاتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ زیادہ حفاظت کی شئ ہے، اور اس کی حفاظت پردے ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے؛ لہٰذا پردے کا بہت اہتمام کرنا چاہئے۔ تقریباً ۲۰ رمنٹ کے وعظ کے بعد آپ آگے علی گڈھ کے لئے روانہ ہو گئے۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۵ء)

حضرت محی السنہؒ کے چند امتیازی اَوصاف

مولانا سید احمد سعد صاحب ناظم المعہد العلمی دیو بند

(پہلا اِمتیازی وصف) تقویٰ

تقویٰ میں حضرت والا کو خاص مقام حاصل تھا، اعلیٰ درجے کے تقوے پر عمل فرماتے تھے، جو اولیاء کاملین ہی کا حصہ ہوسکتا ہے۔ اِس سلسلے کی کچھ چیزیں پیش خدمت ہیں:

ایک مرتبہ اپنے خاص اُستاذ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ سے ملنے دیو بند تشریف لائے، مسجد چھتہ کی بائیں جانب کمرے میں قیام تھا، کھانے کے وقت مفتی صاحب کے کمرے میں آنا ہوا، تو حضرت باہر سڑک سے گذر کر تشریف لائے؛ کیوں کہ مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے، وہاں عام طور پر مہمانوں کا قیام ہوتا ہے، مگر یہ منظر پہلی بار دیکھنے میں آیا۔

دارالعلوم دیو بند کی رابطہ مدارس کانفرنس میں حضرت تشریف لائے، والد ماجد حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحبؒ مبلغ دارالعلوم دیو بند سے دیرینہ تعلقات کی وجہ سے قیام کے لئے حضرت نے ہمارا غریب خانہ ہی تجویز فرمایا؛ کیوں کہ دارالعلوم کی دعوت پر حضرت کی آمد ہوئی تھی، اس لئے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے بذاتِ خود تشریف لاکر دارالعلوم میں کھانے پر اصرار فرمایا، مگر حضرت نے معذرت فرمادی، جب اُن کا اصرار بڑھا تو مجبوراً فرمایا کہ مدرسوں میں کھانے کا میرا معمول نہیں ہے۔

مدت العمر حضرت نے کسی مدرسہ کی رقم سے کھانا نہیں کھایا، مدرسوں کی دعوت پر جانا ہوا، تب بھی کسی کے یہاں شخصی انتظام کھانے کا کیا گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ جب کھانے کا دستر خوان چنا گیا، حضرت کی پلیٹ میں کچھ کھانا بچ گیا، تبرک کی نیت سے دستر خوان پر موجود متعدد حضرات اس کے منتظر تھے، مگر حضرت نے یہ کہتے ہوئے احقر کی طرف بڑھایا کہ یہ صاحب خانہ کا حق ہے، اشارہ تھا اس طرف کہ کھانا دستر خوان پر مباح ہوتا ہے تملیک نہیں ہے، جب کہ اس طرف بہت کم توجہ ہے۔

ہردوئی میں یہ واقعہ سنا کہ ایک مرتبہ حضرت نے تادیباً کچھ بچوں کی پٹائی کی، بعد میں حضرت کو احساس ہوا کہ مارنے میں شاید حد سے تجاوز ہوگیا، تو حضرت نے اُن بچوں کو بلوایا اور وہی چھڑی دے کر فرمایا کہ ”میں نے تم لوگوں کو زیادہ مار دیا، تم لوگ مجھے مار کر بدلہ لے لو“ اس پر وہ بچے رونے لگے۔

حدیث شریف میں ہے کہ: ”جو لہسن یا پیاز کھائے، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے“ کیوں کہ اس میں بدبو ہوتی ہے، ادھر ہمارے یہاں مساجد میں پینٹ کرانے کا رواج عام ہے، اس کی بدبو پیاز سے کہیں زیادہ پھیلتی ہے، اور ناگوار خاطر ہوتی ہے، مگر اس پر کہیں روک ٹوک نہیں ہے۔ حضرت کے یہاں اس کا پورا اہتمام تھا، حضرت کے مدرسے کی مسجد کے دروازے باہر نکالے جاتے تھے، پھر اس پر پینٹ کیا جاتا تھا، جب سوکھ جاتا اور بدبو پوری طرح ختم ہو جاتی تو اس کو لگایا جاتا تھا۔ حضرت کے خلیفہ اکبر حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ”ایک بار حضرت ہردوئی وضو کے لئے تشریف فرما ہوئے پھر فوراً اُٹھ گئے، اسی طرح متعدد بار ہوا، پوچھنے پر فرمایا کہ ہر جگہ چیونٹیاں تھیں، پانی سے اُن کو نقصان ہوتا۔

(دوسرا اِمتیازی وصف) اُصولی وشرعی مزاج

حضرت والا کی طبیعت انتہائی اُصول پسند تھی؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خمیر میں اُصول پسندی داخل تھی، قدم قدم پر ضابطے (موقع کے مناسب اور فرق مراتب سے) مقرر تھے، اُصولِ سفر کا مستقل پرچہ تھا، اُصولِ مکاتب اصلاحی کا مستقل پرچہ تھا، وغیر ذلک۔ مگر ان اصولوں کا فائدہ یہ تھا کہ مختلف النوع کاموں کا ایک ہجوم ہوتا تھا، مگر سب سہولت سے طے ہو جاتے تھے، حتیٰ کہ

اسٹیشن پر ملاقاتیوں کا ہجوم ہوا تو حضرت نے لائن لگوا کر مصافحہ کیا، جس سے دیکھنے والوں پر اچھا تأثر قائم ہو۔ اسی طرح یومیہ درجنوں لوگوں سے انفراداً اجتماعاً ملاقات ان کے مختلف اغراض ومقاصد سننا اور مشورہ دینا، درجنوں فون اور خطوط کا جواب دینا، مدرسہ کی کلیات وجزئیات پر نظر رکھنا وغیرہ اُمور بسہولت طے ہوجاتے تھے۔ حضرت کے یہاں دین سے متعلق مداہنت نام کی کوئی چیز نہ تھی، شریعت پر تصلب ہی کو بعض ناواقف یا غیر حقیقت پسند لوگ تشدد کہہ دیا کرتے تھے۔

حضرت اقدس کے مزاج میں خالص تشریعیات کا غلبہ تھا، ہمہ وقت سنت، شریعت کے مسائل واحکام کا تذکرہ تھا، کشفیات، ظنیات وجدان والہام کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ سالکین ومسترشدین اور دیگر واردین سے تہجد، اشراق، ذکر واذکار کا سوال نہ تھا؛ بلکہ محاسبہ اس کا تھا کہ کھانے، پینے اور سونے کی سنتوں کا مذاکرہ ہوا؟ نماز کی سنتوں کا ورد ہوا؟ اذان وقرآن پاک کی تصحیح کی یا نہیں؟ نظر اس پر تھی کہ وضو میں اسراف تو نہیں کیا؟ رہائشی حجرے کی صفائی کی، اپنے ساتھ والوں کو اذیت تو نہیں پہنچائی؟ چپل، جوتا، لوٹا ترتیب سے رکھا کہ نہیں؟ سلام صحیح کیا کہ نہیں؟ اسلامی معاشرت کی یہ بنیادی چیزیں پوری اہمیت کے ساتھ سکھائی جاتی تھیں، حتیٰ کہ مجلس کی نشست سے عالم، معمر، غیر معمر کا فرق ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

حضرت انتہائی پر عزیمت بزرگ تھے، شریعت کے سامنے کسی مصلحت سے مصالحت کا سوال نہ تھا، اگر کوئی اپنا عمل نہ بدلتا تو خود اپنا معمول بدل لیتے، اور منکر کی مجلس میں شرکت سے قطعی اجتناب فرماتے، خواہ اس کے لئے کتنا ہی لمبا سفر اختیار فرمایا ہو؛ کیوں کہ بغض فی اللہ کی صفت بہت غالب تھی، اسی لئے دین کے بارے میں رورعایت نہ تھی، مگر دوسری طرف حب فی اللہ کی وجہ سے قدم قدم پر شفقتیں سامنے آتی تھیں۔ مزاج بہت نظیف ولطیف تھا، رہائش، لباس ہر چیز بہت اعلیٰ ذوق کی تھی، سفید رنگ زیادہ محبوب تھا، چائے نوشی کا ذوق تو مثالی تھا۔ دراصل ایسے ہی لوگوں کو ان دنیاوی نعمتوں کے استعمال کا حق ہے، جن کے دین پر اس کی وجہ سے کوئی بال نہ آئے؛ بلکہ یہ نعمتیں ان کے ازدیاد دین کا باعث بنیں۔

حضرت کی عظیم نصیحت

تصوف کے اندر خاص طور پر جو مفسدے پیدا ہوئے ہیں، اُن میں مرشد کی عقیدت میں غلو کا بہت بڑا دخل ہے۔ ''ہمارے حضرت نے یہ کہا، ہمارے حضرت نے یہ نہیں کیا'' لوگوں کے نزدیک اتنی بڑی سند ہے، اس کے مقابلے ہر سند بے معنی ہے، حضرت ہردوئیؒ نے ہمیشہ اہل علم وافتاء سے رجوع رکھا، اور لوگوں سے ہمیشہ اس کی تاکید کی، اور اپنا زندگی بھر کا عمل تحقیق کے سامنے آنے پر بدل دیا۔ مثلاً مائک پر نماز کے بارے میں تمام مفتیانِ کرام اور مرکزی دارالافتاؤں کا پہلے فتویٰ ممانعت کا تھا، کسی نے ناجائز؛ کسی نے مکروہ لکھا ہے، انہیں فتاویٰ کو دیکھ کر حضرت اس پر نکیر فرماتے تھے۔ جب ناجائز و مکروہ ہے تو عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟ اگر تحقیق بدل گئی ہو تو وہ بھی واضح کریں، مگر فتویٰ سامنے نہیں آیا، اس لئے نکیر جاری رہی، بعد میں مفتی محمود حسن صاحب علیہ الرحمہ کی طرف سے کوئی تحریر دی گئی، جس میں بلا کراہت نماز کی درستگی کی بات تھی، تو پھر مدت العمر جس چیز پر نکیر فرمائی تھی اُس سے رجوع کرلیا اور یہی نہیں؛ بلکہ مجمع عام میں خود مائک سے نماز پڑھائی؛ تاکہ سب پر عیاں ہوجائے۔

اِس بارے میں حضرت اقدس نے بڑی عظیم نصیحت فرمائی ہے، جس سے مفاسد جنم ہی نہیں لے سکتے، وہ یہ کہ ''عمل کو کتاب سے ملاؤ اور کتاب کو شخصیت سے سمجھو''۔ واضح رہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے علاوہ کسی کا عمل حجت شرعیہ ہرگز نہیں ہے، اگر کسی کا عمل منصوص مسئلے کے خلاف ہے، تو تاویل عمل میں کی جائے گی نہ کہ منصوص مسئلہ میں۔

(تیسرا اِمتیازی وصف) اصلاحِ منکرات

حضرت والا کی زندگی احیاءِ سنت اور اصلاحِ منکرات سے تعبیر تھی، دیکھنے والے جانتے ہیں کہ سنتوں کی ترویج واشاعت اور برائیوں کو مٹانے کا کیسا حال حضرت پر طاری تھا؟ صبح وشام رات دن اسی فکر وغم میں گذرتے کہ کسی طرح سنتیں مسلمانوں کی زندگی میں آجائیں، اور کسی

طرح وہ گناہ چھوڑ دیں، یہی کڑھن اور غم؛ غمِ زندگی بن گیا تھا، منکرات پر نکیر کرنے کے سلسلے میں عوام و خواص کی غفلت و تغافل سے حضرت کا دل بری طرح زخمی تھا:

جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینۂ ما

می تپد نالہ بہ نشتر کدہ سینۂ ما

بڑے کرب واضطراب سے ہر وارد و صادر کو اس طرف متوجہ فرماتے، اہل مدارس کو بڑے دردمندانہ انداز سے اِزالۂ منکرات کی اہمیت وضرورت یاد دلاتے۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی قائم کردہ ''مجلس دعوۃ الحق'' (جس کا بنیادی مقصد اصلاحِ منکرات ہے) حضرت ہردوئیؒ ہی نے اس کو پروان چڑھایا، جس کی اس وقت ۹۶ رشاخیں ہیں، اور ہزاروں بچے اور بچیاں مکمل دینی تربیت اور تصحیح کے ساتھ قرآنِ کریم مکمل کر چکے ہیں، اور یہ سلسلہ روز افزوں ہے، اس کے علاوہ علاقائی طور پر جہاں دعوۃ الحق کی شاخ ہے، منکرات کی اصلاح پر بڑا کام ہوا ہے، بیرونی ملک میں بنگلہ دیش میں دعوۃ الحق کے کام نے بہت ترقی کی، جس کا حضرت اپنی مجلس میں تذکرہ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ بنگلہ دیش کے سابق صدر ضیاء الرحمٰن اپنے تمام آلات ٹی وی، ویڈیو کے ساتھ مسجد کے اندر آنا چاہتے تھے، مگر دعوۃ الحق کے لوگ مضبوطی سے جم گئے کہ مسجد کے اندر آنے کے لئے آپ کو یہ غیر شرعی چیزیں باہر چھوڑنی پڑیں گے، چناں چہ صدر کو فیصلہ بدلنا پڑا۔

اصلاحِ منکرات کو موضوع بنا کر جس طرح حضرت والا نے کام کیا ہے، وہ ایک نادر روزگار چیز ہے۔ پاکستان میں ماضی قریب کی عظیم شخصیت متبحر عالم ومفتی ومحقق بافیض مرشد طریقت حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی علیہ الرحمہ مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''اطراء فی المدح اور کسی کی مدح کے ضمن میں تنقیص غیر سے پناہ مانگتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ اصلاحِ منکرات کا جو کام حضرت مولانا ابرار الحق صاحب سے لے رہے ہیں، وہ آج دنیا میں اور نظر نہیں آتا''۔ (از تقریظ مجالس ابرار)

حضرت والا کی اصلاح کے انداز کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ عمل کی تقبیح تھی نہ کہ عامل کی برائی کا برا ہونا، بڑی دل نشیں مثالوں سے بیان فرماتے تھے کہ برائی کی قباحت دل میں اُتر جائے اور آپس میں نفرت نہ پیدا ہو۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مزید رقم طراز ہیں: ''نہی عن المنکر کے جذبے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حسن بیان اور ایسی شان جاذبیت عطا فرمائی ہے کہ آپ کی نکیر باعث تنفیر نہیں بنتی؛ بلکہ منکرات کا قبح دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے، یہ دل کی تڑپ اور اخلاص وقبول کی علامت ہے''۔

بطورِ مثال کے چند ملفوظ پیش خدمت ہیں، فرمایا کہ ''جب ہماری زندگی سنتوں سے محروم ہوجائے گی تو خاندان وبرادری کی غلط رسم ورواج یا پھر شہر وصوبہ کی یا ملک کی رسم ورواج آجائیں گی، جب اصلی گھی گھر میں نہ ہوگا تو لامحالہ ڈالڈا کھانا پڑے گا، جب سنتوں کے سیکھنے سکھانے اور عمل کا اہتمام ہوگا، تو غلط رسم ورواج خود ہی دور ہونے لگیں گی، جس طرح بارش کا پانی جب برستا ہے تو نالے اور نالیاں خود بخود صاف ہوجاتی ہیں''۔

فرمایا کہ ''اپنے مکان سے ایک اینٹ دینا گوارا نہیں، اپنے خون سے مچھروں کو ایک قطرہ دینا گوارا نہیں، مگر دین کا ہر نقصان ذرا سی بات کے لئے گوارا کر لیتے ہیں''۔

فرمایا کہ ''گھر میں سانپ بچھو آجائیں تو فوراً نکالنے کی فکر ہوگی، اُن کے نکالنے والوں کو بلا لائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہمارے گھروں میں آئیں تو اُن کو نکالنے کی کوئی فکر نہیں، ان منکرات سے کیسے سکون باقی رہ سکتا ہے (جیسے) انگلی میں کانٹا چبھ گیا تو چین ختم ہوگیا (کیوں کہ منکر یعنی) اجنبی چیز داخل ہوگئی، اسی طرح روحانی (منکرات) بیماریاں مثلاً حسد، غضب، کبر وغیرہ اخلاقِ رذیلہ کے آتے ہی سکون چھن جاتا ہے''۔

فرمایا کہ ''ایک گلاس پانی میں چند ذرات لوہے کے ڈال دو تو پانی کا وزن ہلکا، قلیل مقدار لوہے کا وزن زیادہ ہوگا، مگر پھر بھی پانی لوہے کی صورت بگاڑ دیتا ہے، جس سے اس لوہے کی حقیقت بھی تبدیل ہوجاتی ہے، اس طرح چھوٹے چھوٹے گناہ کے سیاہ نقطوں سے دل سیاہ ہوجاتا ہے (جس سے وہ تباہ ہوجاتا ہے)''۔ (ماخوذ از: ذکر ابرار)

حضرت کے ملفوظات جامع مانع ''خیر الکلام اقل ودل'' کا مصداق ہوتے تھے، مختصر اور جامع تعبیر جیسے ''دریا بکوزہ'' مثلاً: تبلیغی جماعتمیں صدہا خوبیوں کے ساتھ بہت سی واجب الاصلاح باتیں بھی پیدا ہوگئی ہیں، علاوہ ازیں جماعت کا موضوع بنیادی طور پر امر بالمعروف ہے نہ کہ نہی عن المنکر، اسی لئے اس سے وابستہ لوگوں میں اس دوسرے پہلو سے شدید تشنگی محسوس ہوتی ہے، حضرت کی تعبیر اِس کے بارے میں یہ تھی کہ ''یہ جماعت نافع ہے کافی نہیں'' اس مختصر جملے میں بہت کچھ آ گیا۔ حضرت کے ملفوظات ''مجالس الابرار'' اور ''مجالس محی السنہ'' کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔

نکیر کرنے میں حضرت کی ایک بہت خاص بات یہ بھی تھی کہ دین کا جو پہلو جتنا غفلت کا شکار ہے، اس پر اتنی ہی زیادہ توجہ تھی، بہت سے لوگ منکرات میں بھی چھوٹے اور بڑے کا فرق کئے رہتے ہیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں زیادہ اہم نہیں ہیں، حضرت کے یہاں نکیر میں اس کا فرق نہیں تھا کہ بڑا منکر ختم ہو تو چھوٹے منکر پر نکیر کی جائے۔ شراب، جوا، سٹہ اور سود جیسے گناہ لوگ چھوڑ دیں تو اُن سے کہا جائے کہ وضو میں پانی زیادہ بہانا اسراف ہے، ٹخنے سے نیچے پائجامہ پہننا حرام ہے، تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا گناہ ہے، نماز میں یہ منکرات ہیں، اذان میں یہ، نکاح میں برائیاں ہاں، میت کے سلسلے میں یہ ہیں، دراصل یہ تقسیم ہی شریعت کے مزاج کے خلاف ہے، موقع محل اور طریقۂ کار کی رعایت اپنی جگہ، مگر نکیر بہرحال ہر قسم کے منکر پر مطلوب ہے، چھوٹے اور بڑے اہم غیر اہم کی ذہنی تقسیم کا نتیجہ ہے کہ خواص کے حلقے میں جو منکرات ہیں، اُسکے منکر ہونے کا تصور ہی ختم ہو چلا ہے، یا جس کے چھوٹا ہونے کا ہم نے فیصلہ کر لیا ہے، حکمت و مصلحت کے پردے میں اس پر نکیر کا کوئی وقت ہی نہیں آتا، پھر اگر کوئی اتفاق سے اس پر نکیر کر دے، اس کو نکو بنا کر متشدد کے لقب سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

غرض حضرت والا ہردوئی کے یہاں ایسی چیزیں دیکھنے کو ملتی تھی کہ بہت سے اہل علم کا ذہن بھی ادھر کبھی منتقل نہ ہوا تھا۔ مثال کے طور پر اذان کے منکرات کی طرف جس اہمیت کے

ساتھ حضرت والا ہردوئی نے متوجہ فرمایا، اُس کا کہیں تذکرہ نہ تھا، خدا کا شکر ہے کہ حضرت کی جدوجہد کے نتیجے میں سیکڑوں مساجد کی اذانیں صحیح ہوئیں۔ اسی طرح نماز کے اندر کے جو نقائص ہیں اُس سے شاید و باید ہی کوئی محفوظ ہوگا، حالاں کہ حکم اقامت صلوٰۃ کا ہے نہ کہ من چاہی نماز کا، جس کی تشریح حدیث نبوی میں اس طرح آئی ہے:

صلو کما رأیتمونی أُصلي

حاصل یہ نکلا کہ نماز سنت کے مطابق ہوگی تو وہ اقامت صلوٰۃ کا مصداق ہوگی، اور اسی پر وہ ثمرات مرتب ہوں گے جس کا وعدہ ہے۔ مگر اس طرف سے تغافل کی انتہا ہے۔ حضراتِ صحابہؓ وضو نماز کو سنت کے مطابق عملاً کر کے دکھلایا کرتے تھے، اور بعد میں بھی اس پر اہتمام رہا۔ حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسے حافظِ حدیث، فخر روزگار عالم دین، امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرتے ہیں: ''حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آجائے''۔ اس سے صحیح نماز پڑھنے کی کتنی اہمیت وعظمت اُن اکابر کے نزدیک تھی، اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پھر حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب مرحمت فرمایا اُس سے عمل کی عظمت کا مزید اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا: ''اور رہ ہی کیا گیا''۔ (ملفوظاتِ محدث کشمیری ۳۲۴)

گویا سب سے بڑا عمل یہی ہے، اور کیوں نہ ہو؟ جب تمام فواحش ومنکرات سے روکنے کی ضمانت اس میں مضمر ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿اِنَّ الصَّلوٰةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾

حضرت محی السنہ ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ کو رب کریم شایانِ شان جزاء خیر عطا فرمائے کہ حضرت نے نماز کی سنت کے مطابق عملی مشق کی روح پھونک دی، اور ایسی مہم چلائی کہ لاتعداد مساجد و مدارس میں اس کا سلسلہ شروع ہوا، اور ہزاروں لوگوں کی نماز سنت کے مطابق ہوگئی اور الحمد للہ سلسلہ جاری ہے، اور ساتھ ہی سہل انداز سے نماز کی سنتیں مرتب فرمائیں اور روزانہ صرف ایک سنت یاد کرانے کا ایسا حکیمانہ انداز اختیار کیا کہ بچے جوان اور معمر حضرات تک کو نماز

کی تمام سنتیں یاد ہوگئیں (جن کی تعداد اِکیاون ہے) یہی انداز کھانے، پینے، سونے وغیرہ کی سنتوں کے لئے اختیار کیا۔

اسی طرح نقلِ میت اور تاخیر نمازِ جنازہ میں شدت سے نکیر فرماتے تھے، مگر صد افسوس کہ خود حضرت کی تدفین میں ۱۴ رگھنٹے کی تاخیر کی گئی، جو حضرت اقدس کے مزاج ومذاق اور نظریہ کے بالکل خلاف تھی۔ اِس بارے میں جو اعذار پیش کئے جاسکتے ہیں، وہ سب اعذار بزرگوں کے ساتھ میں بھی تھے، جن پر حضرت نے شدت سے نکیر کی تھی؛ کیوں کہ وہ شرعی حکم کے سامنے ناقابل قبول تھے۔

(چوتھا اِمتیازی وصف) باریک بینی

حضرت بہت باریک بیں تھے، سالکین ومسترشدین کی اَداؤں پر سخت مربیانہ نظر ہوتی تھی، جیسے سول سرجن ڈاکٹر اپنے مریض پر کڑی نظر رکھتا ہے، عام واردین کے ساتھ معاملہ الگ تھا۔

ایک مرتبہ احقر نے اصلاحی خط لکھا، وہ خط ایک ایسے لیٹر پیڈ پر تھا جس پر ''دارالعلوم دیوبند'' لکھا ہوا تھا، ایسے پیڈ دیوبند میں طلبہ کے لئے فروخت ہوتے ہیں، جو دارالعلوم کے اصل پیڈ سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ حضرت نے اس کا جواب کس قدر غصہ میں تحریر فرمایا:
''دارالعلوم دیوبند کا لیٹر پیڈ تمہیں کیسے حاصل ہوا؟ اس کی قیمت جمع کی یا نہیں؟ مطلع کرو''۔

دیگر مہمانانِ کرام بالخصوص اہل علم مہمانوں کے ساتھ بہت ترحیب واکرام کا معاملہ فرماتے تھے، تمام مہمانوں پر بنفس نفیس نظر رکھتے تھے، اُن کی رہائش گاہ کا جائزہ لیتے تھے۔

حضرت اقدس جس بات کی تلقین فرماتے، اس پر انتہائی سختی سے عامل تھے، قول وفعل کے تضاد کا کوئی تصور نہ تھا، جن حضرات نے حضرت کے ساتھ عمر گذاری ہے، وہ گواہ ہیں کہ خلوت وجلوت میں کبھی کسی کے لئے برائی کا لفظ بھی زبان پر نہیں آیا۔ غیبت، تہمت، طنز وطعن کی تو کسی دوسرے کے لئے بھی حضرت کے سامنے کوئی گنجائش نہ تھی، اسی لئے حضرت دوسروں کی مدح وثنا بھی کم کرتے تھے کہ یہ مقدمہ ہوتا ہے مذمت وتنقیص کا، زجر وتوبیخ کرتے ہوئے سخت غصہ میں بھی بہت محتاط الفاظ استعمال کرتے تھے۔

(پانچواں اِمتیازی وصف) احیاءِ سنت

احیاءِ سنت حضرت کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف تھا، ضمناً جس کا تذکرہ گذر چکا ہے، عشق کس درجہ میں حضرت کے اندر بس گیا تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ ہردوئی میں حضرت کی مسجد میں روزانہ عصر، عشاء اور فجر کے بعد مختلف دینی وتربیتی اُمور سنائے جاتے ہیں۔ نیز اَذان، نماز، قرآنِ کریم کی تصحیح، سیرت نبوی اور تفسیر قرآن وغیرہ کا سلسلہ ہوتا ہے، اس وقت بعد عصر سنن عادیہ سنانے کا معمول ہے، جس میں اساتذہ، طلبہ اور تصحیح قرآن کے لئے آنے والے حضرات نیز عام مسترشدین شریک ہوتے ہیں۔ ایک روز حضرت نے دو آنے والے مسترشدین کو- جو کئی دن سے قیام پذیر تھے- سنتیں سنانے کے لئے کہا، اُنہوں نے سنتیں یاد نہ کی تھی، اس لئے کھڑے نہ ہوسکے۔ اِس سے حضرت کو جو صدمہ ہوا اُس کا اظہار اِن الفاظ میں کیا کہ ’’اگر میرے سات بیٹے مرجاتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا‘‘۔

اندازہ کیجئے کہ سنت سے وابستگی کس درجے میں تھی۔ حدیث نبوی ’’**لایؤمن أحدکم حتی أکون أحب إلیه من ولده ووالده والناس أجمعین**‘‘ کی حضرت عملی تفسیر تھے۔

حضرتؒ پر چند سال پہلے بیماری کا حملہ ہوا تھا، اس کے بعد سے یہ خطرہ ہمیشہ لگا رہتا تھا کہ اللہ کی یہ مقدس اَمانت پتہ نہیں کب اُٹھالی جائے؟ ہر بار دیکھ کر یہ خیال آتا تھا کہ:

گلوں کو دیکھ لے جی بھر کے بلبل

کیا خبر پھر بہار آئے کہ نہ آئے

اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۵ء)

ولی کامل حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا

آخری دیدار

مولانا مفتی بلال احمد شیر کوٹی صدر المدرسین مدرسہ ناصر العلوم کانٹھ ضلع مراد آباد

۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷؍مئی ۲۰۰۵ء بروز منگل بعد نماز عشاء چند اساتذۂ مدرسہ کے ہمراہ مدرسہ میں بیٹھا ہوا تھا، موبائل کی گھنٹی بجی، اُٹھایا تو سیوہارے سے ایک متعلق کا فون تھا، جنھوں نے سوالیہ انداز میں یہ جانکاہ خبر سنائی کہ کیا حضرت والا ہردوئی کا انتقال ہوگیا؟ میں نے برجستہ کہا نہیں تو! مجھے تو ابھی تک کچھ معلوم نہیں۔ یہ کہتے ہوئے میں نے فون بند تو کردیا، مگر فوراً ہردوئی کو مفتی فہیم الدین صاحب کے موبائل پر ڈائل کرنا شروع کردیا، مگر فون تھا کہ کسی صورت مل کر نہ دیتا تھا، فون رکھا تو پھر کئی ملنے والوں کے فون یکے بعد دیگرے آئے، اور قلب وجگر کو مضطرب کردینے والی یہ خبر جس کو ابھی تک جھوٹی تصور کر کے ایک گونہ تسلی سی ہورہی تھی؛ سچ ثابت ہوتی نظر آئی، بس کیا تھا کہ زبان پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کا گویا وظیفہ جاری ہوگیا، اور کسی کل چین نہیں آتا تھا۔

ہردوئی کو حضرتؒ کے فون پر ڈائل کیا تو اب دو تین مرتبہ کے بعد فون لگ گیا، لرزتی زبان سے پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت کا کیا حال ہے؟ قبل ازیں فون ریسیو کرنے والے نے نہ صرف اس غم میں ڈوبی خبر کی تصدیق کی؛ بلکہ اس گنجینۂ علوم ومعارف کے سپرد خاک کرنے کا پورا نظام ہی بتا دیا۔ بس اب تو بے کلی میں اضافہ ہوگیا، اور تدفین میں کیسے شرکت ہو؛ اِس فکر میں لگ گیا۔

ایک طالب علم کو مولانا محمد ایوب صاحب کے پاس بلانے کے لئے بھیجا، مولانا محمد ایوب صاحب خبر سنتے ہی فوراً مدرسہ ناصر العلوم چلے آئے، اور میرے پاس آتے ہی بس کچھ کہے سنے بغیر کھڑے سے رو دیئے، اور میں بھی کچھ بے اختیار سا ہو گیا، کچھ دیر کے بعد سوچا کہ ایکسپریس سے ہردوئی پہنچا جائے؛ لہٰذا مراد آباد پہنچے تو ریلوے اسٹیشن مراد آباد پر مدارس مراد آباد کے جلیل القدر اَساتذہ وعلماء کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی، جو مختلف گاڑیوں سے ہردوئی کے لئے عازمین سفر تھے، صبح ساڑھے پانچ بجے ہردوئی پہنچے، فجر کی نماز تو گاڑی ہی میں ادا کر لی تھی، ہم سب سراپا تصویر غم بنے ہوئے حضرت کی قیام گاہ پہنچے، جہاں ہزاروں ہزار مشتاقانِ زیارت کا ہجوم تھا، دروازے میں داخل ہونا بظاہر بڑا دشوار ہو رہا تھا، کافی دیر کی کوشش کے بعد جب دروازے میں داخل ہونے کا نمبر آیا، تو اندر داخل ہوئے، بس اب کیا تھا، بے اختیار آنسو جاری ہو رہے تھے، اور جس جگہ روحانی مجلس ہوا کرتی تھی، آپ ایک شانِ فقیرانہ انداز شاہانہ اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوتے، اور دور دراز سے آنے والے عوام وخواص کو دوائے دردِ دل بانٹتے، جہاں مردہ دلوں کو زندگی ملتی، جہاں مریضانِ حرص وہوا کو اُن کے مرض کے مطابق کامل علاج ملتا، جہاں پر سنتوں کی پابندی کا درس دیا جاتا، جہاں پر علماء اور غیر علماء کی صف بندی ہوا کرتی، جہاں پر بوڑھوں کو نوجوانوں پر عملاً فضیلت کا درس دیا جاتا، جہاں پر مسلمانوں کے معاشرے کی بگڑتی صورتِ حال پر اظہار افسوس اور اس کے مداوے کی مختلف ومتعدد شکلیں نکالی جاتیں۔ دیکھا جا رہا تھا کہ آج یہ روحانی حاذق طبیب خاموش اپنے دیوانوں کا منظر دیکھ رہا تھا۔ رونا آ رہا تھا کہ آج دیوانے بے حال ہیں، اور محسوس ہو رہا تھا کہ ہمارے درمیان سے ہمارا ایک مربی رخت سفر باندھے ہوئے ہے۔ قطار میں لگے لگے جب دیدار کا وقت آیا اور چہرہ پُر نور پر نظر پڑی، تو بلا غور وتامل مثنوی گنج راز میں حضرت صوفی شاہ عبدالرحمٰن صاحب فتح آبادیؒ نے مؤمن کامل کی علامت قوت کو جن دو شعروں میں ذکر فرمایا ہے، اس کی طرف ذہن منتقل ہوا۔ جن کو حضرت والا ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کی نسبت سے مع تشریح ذکر کر رہا ہوں:

باز گویم از نشانِ موت مؤمن نیک مرد
وقت مردن خوئے پیشانی بود با نور ز رو

ترجمہ:- نیک اور صاحب ایمان کی موت کی نشانی میں بیان کرتا ہوں، مرتے وقت اس کی پیشانی اور چہرہ زرد رنگ سے پرنور ہو جاتا ہے۔

تشریح:- یعنی ایک مردمؤمن کامل کی وفات کے وقت کیا کیا علامت ظاہر ہوتی ہیں، اُن کو ذکر کیا جاتا ہے:

پہلی نشانی تو یہ ہے کہ فطری طور پر کسی نقاہت و بیماری کے بغیر چہرہ اور پیشانی زرد ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ حضراتِ صوفیا کرامؒ نے مکاشفہ سے تصوف میں لطائف کے جو رنگ معلوم کئے ہیں، ان میں لطائف روح کا رنگ زرد ہے، پس جس شخص کا باطن نور ایمانی سے منور ہوگا اور ظاہر اعمالِ صالحہ اور سنت نبویہ سے مزین ہوگا، تو فیضان روح کی وجہ سے لطیفۂ روح کا نور یعنی زرد رنگ اس کی پیشانی اور چہرہ پر نمایاں ہو جائے گا۔ مشاہدہ بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

آب دیدہ تر کند رخسار خندد پر دہاں
یا بخواند ذکر یا خاموش ماند آں زماں

ترجمہ:- اس کے چہرے پر آنسو اور لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے، اس وقت یا تو وہ ذکر ذات میں مصروف ہوتا ہے یا خاموش ہوتا ہے۔

تشریح:- صوفی وقت کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ مردمؤمن کی موت کی تین علامات ہیں:

ایک تو یہ کہ مرتے وقت اس کے آنسو نکل پڑتے ہیں، اور بسا اَوقات آنسوؤں سے چہرہ تر ہو جاتا ہے، ورنہ آنکھ پرنم ہو جاتی ہے۔ یہ کیفیت دنیا اور اسباب دنیا نیز اعزا و اقربا کی جدائی پر دکھ افسوس کی بنا پر نہیں؛ بلکہ اس وجہ سے کہ اب وہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہے،

اس کو باوجود ان اعمالِ صالحہ کے جو اس نے اپنی زندگی میں کئے ہیں؛ یہ احساس ہے کہ مجھ سے بندگی کا حق اَدا نہ ہو سکا، اور تمام عمر ضائع ہوگئی۔ اِس احساس کے تحت آنسو نکل آئے ہوں، یا یہ بات ہو کہ اب محبوبِ حقیقی سے ملنے کا وقت قریب ہے، تمام زندگی جس گھڑی کا انتظار کرتا رہا، وہ سعید وقت میسر آیا ہے، اس پر آنسو خوشی کے آنسو ہوں، مگر اِن دونوں کیفیات کے ساتھ ہونٹوں پر مسکراہٹ بھرپور ہوتی ہے، اس لئے یہ خیال صحت کے زیادہ قریب ہے کہ خوشی کے آنسو ہیں جو مسرت کی زیادتی پر بے اختیار آنکھوں کے پیمانوں سے چھلک رہے ہیں۔

دوسری علامت یہ ہے کہ موت کے وقت تمام رشتے ناطے توڑ کر وہ محبوبِ حقیقی کے ذکر میں مصروف ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اسم کے ذکر سے مقصود مسمی ہے؛ اس لئے کہ جب اس مردِ حق نے اس ذاتِ باری کا ذکر بحالت صحت کثرت سے کیا ہے، تو اب آخری وقت میں اس لذت کی کیفیت کے احساس کے تحت بے اختیار وہ ذکر باری تعالیٰ عز اسمہ میں مصروف ہو جاتا ہے۔

تیسری علامت یہ اِرشاد فرمائی کہ وہ خاموش رہتا ہے، یعنی اُس کے سامنے تجلیات خداوندی کے وہ نظارے آجاتے ہیں، جن میں گم ہو کر وہ سب سے بے خبر ہو جاتا ہے، اور تصویر حیرت بن کر محبوب حقیقی کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ اس وقت اس کا تعلق ایسے عالم سے قائم ہو جاتا ہے، جس کا اظہار الفاظ کے ذریعہ نہیں کیا جا سکتا۔

دل کا دریا نطق کی وادی سے بہہ سکتا نہیں
آدمی محسوس کر سکتا ہے کہہ سکتا نہیں

حضراتِ صوفیائے محققین نے ذکر کی کثرت اور اجرائے لطائف کا عمل و شغل اسی وجہ سے وضع کیا ہے کہ بے اختیار اور لاشعوری طور پر اس کے قلب و دماغ، روح، خفی، اخفیٰ میں ذکر سرایت کر جائے، اور جب تمام تعلقات اور رشتے ناطے ختم کرنے کا وقت آجائے، تو صرف اسی ذات وحدہ لاشریک سے براہِ راست رابطہ قائم ہو جائے، اس سے بڑی ایمان اور سعادت کی بات کیا ہوگی؟

جب چہرۂ انور کو غور سے ۲/منٹ دیکھا تو یہ علامت بدرجہ اتم حضرت کے خوبصورت چہرے پر نمایاں طور پر محسوس ہوئیں، اور زبان سے بے اختیار نکلا: آہ! ایک مردِ باصفا اپنے ربِ حقیقی کی بارگاہ میں جا پہنچا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت محوِ خواب ہیں، بس اب بول اٹھیں گے۔ یوں تو کہا ہی جاتا ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں؛ بلکہ دنیا کی مشقتوں سے نجات دلا کر اُن کو آخرت کے عشرت کدے میں پہنچا دیا جاتا ہے، مگر حضرت کا چہرہ بھی کسی موت کی گواہی نہیں دے رہا تھا؛ بلکہ لگ رہا تھا کہ بالکل صحت یاب ہیں، محوِ آرام ہیں، سو رہے ہیں۔

سید الصوفیاء حضرت صوفی عبد الرحمٰن فتح آبادیؒ نے فرمایا:

اَولیاء را می نہ باشد موت فانی بالیقین

می رود از سجن دنیا در مکان خسر میں

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی موت سے اُن پر فنا کا اطلاق نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ تو دنیا کے قید خانے سے رہائی پا کر آخرت کے عیش وعشرت کے گہوارے میں پہنچ جاتے ہیں۔

تشریح:- مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات جو حکم الٰہی کی بجا آوری میں اپنی زندگی ہی میں اس قدر منہمک اور مستعد ہو گئے کہ انہوں نے اپنی تمام خواہشات اور تمناؤں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت کر لیا، تو گویا انہوں نے خود کو فنا کر کے ابدیت حاصل کر لی، اور جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدیت کا تمغہ عطا کر دیا جائے، تو موت کی کیا مجال کہ اُن کو فنا کر سکے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کے قید خانے سے رہا ہو کر ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں اُن کے اور محبوبِ حقیقی کے درمیان کوئی حجاب ہی نہ رہا۔ اِس سے بڑھ کر عیش مسرت کا اور کیا مقام ہو سکتا ہے؟ حدیث پاک کے مطابق تو دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے۔

جس طرح کسی قیدی کو دنیوی راحت وآرام کی رنگینیوں اور آزادی کی فضا سے ہٹا کر دنیوی قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے بھی یہ دنیا

ایک قید خانہ ہے، قید خانے کی زندگی میں ایک طرح کی موت ہے؛ کیوں کہ وہ قیدی کو دنیوی لذتوں سے محروم کردیتی ہے، اور جب قید سے رہائی ہوتی ہے، تب آزادی کی فضا میں سانس لے کر دنیاوی اَذیتوں سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ اِسی طرح مؤمن کو بھی اِس دارِ فانی کے قید خانے سے منتقل ہونے کے بعد دار باقی کی لافانی مسرتوں سے فیض یابی کا انعام عطا کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں تو صحیح عیش وہی ہے جو ابدی اور لامحدود ہے، بس ایک محبّ خداوندی کا اُس کے محبوب حقیقی سے ملنے کا ذریعہ موت ہے، اِسی کو عارف نے کہا ہے:

موت پل باشد رساند یار را با یار خویش
مصطفیٰ فرمود ذیشان در جزائے نیک کیش

ترجمہ:- موت ایک ایسا پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک خصلت شخص کے بارے میں اس طرح کے اِرشادات فرمائے ہیں۔

تشریح:- مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**الموت جسر یوصل الحبیب إلی الحبیب**'' یعنی فرمایا کہ موت ایک ایسا پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے۔ جن حضرات نے دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرکے دوستی کا شرف حاصل کرلیا ہے، تو ایسے حضرات اُسی حقیقی محبوب سے ملنے کے لئے تڑپتے رہتے ہیں، اور لذتِ دیدار کے لئے ہمیشہ بے چین رہتے ہیں، موت اُن کو پل کا کام دیتی ہے، یعنی احکام موت اُن پر طاری ہوکر اُن کو اِس دنیا کے قید خانے سے نجات دلاکر محبوبِ حقیقی سے ملنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ تو یہ موت اُن کے لئے فنا کرنے والی نہیں؛ بلکہ محبوبِ حقیقی سے ملاکر عیش وآرام کی ابدی اور لامحدود زندگی عطا کرنے والا پل ہے۔ مذکورہ حدیث کے مصداق صحیح معنی میں ایسے ہی پاکیزہ نفوس ہیں۔

حضرت والا ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ کی پوری زندگی اسی حقیقت کی آئینہ دار تھی، جو سطور بالا میں ذکر کی گئی۔ یوں تو حضرت والا کی پوری زندگی علوم ومعارف سے لبریز تھی، اور آپ کی ہر اَدا

قرآن وسنت کے زیادہ قریب تھی؛ لیکن بطور خاص جذبہ احیاء سنت اور تصحیح قرآنِ کریم کو جو آپ نے اپنی زندگی کا ایک مشن وتحریک بنالیا تھا؛ طرۂ امتیاز ہے۔ آپ کا وصال پر ملال پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان ہے۔

خداوند قدوس آپ کی دینی مساعی پر اپنی شایانِ شان اجر وثواب عطا فرمائے، اور آخرت میں درجاتِ عالیہ سے نوازے، اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

حضرت والا ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ وبردہ اللہ مضجعہ کو سب سے اعلیٰ خراج عقیدت یہی ہوگا جو مشن وتحریک حضرت چھوڑ کر گئے ہیں، اُس پر ہم پورے پورے گامزن رہیں؛ کیوں کہ انسان چلا جاتا ہے، مگر اس کی تحریک باقی رہتی ہے، بالفاظ دیگر آدمی دنیا سے جانے کے باوجود اپنے کارناموں اور تحریکوں کی بنیاد پر زندہ رہتا ہے۔

موت لیکن رایتِ قائم جھکا سکتی نہیں
نقش تابندہ کسی صورت مٹا سکتی نہیں
علم کی شمع درخشاں کو بجھا سکتی نہیں
تیرے عنوان عمل کو موت آ سکتی نہیں

کارواں کے سر سے میرِ کارواں جاتا رہا

تأثرات بروفات: حضرت محی السنہ مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ ناظم مجلس ''دعوۃ الحق'' ہردوئی

نتیجۂ فکر: حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری شیخ الحدیث مدرسہ جامع الہدیٰ مراد آباد

مے کدہ ویراں ہوا پیر مغاں جاتا رہا ❖ تھانویؒ مے خانہ کا اُف پاسباں جاتا رہا
ساغر و جام وسبو سب ہیں حزین وسوگوار ❖ آج میخانے سے ساقی مہرباں جاتا رہا
تھا حکیم الامت تھانہ بھون کی یاد کا ❖ ہردوئی میں آخری تاباں نشاں جاتا رہا
خانقاۂ تھانویؒ کا آخری تاباں چراغ ❖ دے کے صدموں کی ہمیں تاریکیاں جاتا رہا
جانشینِ حکیم الامت تھانہ بھون ❖ اِک اَمانت تھی وہ، اُس کا پاسباں جاتا رہا
لرزہ براندام ہے ملت کا ہر فرد حزیں ❖ ملت بیضا کا ہائے پشتباں جاتا رہا
حسن فطرت سے منور جورخِ ابرار تھا ❖ جلوہ ریزی مدتوں کرکے کہاں جاتا رہا
دید جس کی تھی دوائے دل، علاج ہر خلش ❖ آہ وہ ہی تاجدار مہوشاں جاتا رہا
ذرے جس کے فیض سے خورشید تاباں بن گئے ❖ جلوے برسا کر جہاں میں ضوفشاں جاتا رہا
ابر رحمت بن کے برسا جو فضا پر مدتوں ❖ گلستاں کو دے کے وہ شادابیاں جاتا رہا
سر زمینِ ملت اسلامیہ زر خیز ہے ❖ اس زمین سے رحمتوں کا آسماں جاتا رہا
جب ہوئے شوق اور جذبات دروں حد سے فزوں ❖ لے کے دل میں اشتیاق مستعاں جاتا رہا
بادہ طیبہ کا ساقی ہوگیا رو پوش آہ ❖ ہر زباں پر ہے کہ جان مے کشاں جاتا رہا
مے کدہ میں تشنہ لب بیٹھے ہیں سارے مے پرست ❖ محفل رنداں سے ساقی مہرباں جاتا رہا
تاج دار علم و عرفاں اہل دل کا پیشوا ❖ سید ابرار، امامِ عالماں جاتا رہا
جس کے عزم وحوصلے سے پست تھا کوہ بلند ❖ بہر حق کرکے وہ سعی بیکراں جاتا رہا
کیوں نہ روئے ملت غمگین اس محسن کو جو ❖ دین کے سمجھا کے اسرارِ نہاں جاتا رہا
وہ فرائض اور سنن کی حکمتوں کا آشنا ❖ تھا معلم، حکمتیں کرکے بیاں جاتا رہا

لذت وفرحت بھی ہے اور عزت وراحت بھی ہے ❖ سنت احمد میں، یہ کرکے عیاں جاتا رہا
جس کی انتھک کوششوں سے ہمت مرداں تھی ماند ❖ چھوڑ کر دار العمل پیر جواں جاتا رہا
دے کے تجویدِ قرآنِ پاک وسنت کو فروغ ❖ رحمتوں میں اَز پئے آرام جاں جاتا رہا
مے کدے اور جام و پیمانہ کو کہہ کر الوداع ❖ مستیوں میں جانِ جاں کے آستاں جاتا رہا
تھا تبسم جس کے لب کا ایک وصف مستقل ❖ سوئے جاناں مسکراتا نغمہ خواں جاتا رہا
دل میں برپا ہوگیا جب جوش وصلِ یار کا ❖ مسکراتا ہنستا خنداں شاداں جاتا رہا
باغ ہستی میں بہار سنتِ خیر الوریٰ ❖ کرکے شاداب اور چنداں باغباں جاتا رہا
ظلمتِ بدعت میں روشن کرکے سنت کا چراغ ❖ خندہ لب سوئے جناں خلد آشیاں جاتا رہا
جس کو لرزاں کر نہ پائے حادثاتِ زندگی ❖ وہ وقار و حلم کا کوہِ گراں جاتا رہا
تھا ہدایت اور راحت جس کا ہر زریں اُصول ❖ وہ اُصولِ زندگی کا پاسباں جاتا رہا
بہر اہل حق جو روح و راحت وتسکین تھا ❖ اہل باطل پر تھا جو برقِ تپاں جاتا رہا
جس کا ثانی کوئی اخلاق ومروت میں نہ تھا ❖ اس جہاں سے خلق کا وہ مہرباں جاتا رہا
خدمتِ احیائے سنت پر لگا کر زندگی ❖ آہ محی السنہ جانِ گلستاں جاتا رہا
خلق کی اصلاح کا جس کو ہوا جذبہ نصیب ❖ وہ اُصول تربیت کا راز داں جاتا رہا
جس پہ نازاں تھے اکابر اور اصاغر سب کے سب ❖ اُف جہاں سے آج فخر این وآں جاتا رہا
ہے وفاتِ حضرت ابرار ایسا حادثہ ❖ کرکے سب کو اشک بار وغم نشاں جاتا رہا
خلق ساری جس کے غم میں ہورہی ہے اشکبار ❖ سوئے جنت آج وہ جنت نشاں جاتا رہا
ہر گل وغنچہ ہوا ہے گلستاں کا سوگوار ❖ وہ بہارانِ حسیں کا جانِ جاں جاتا رہا
کاروان اہل حق اس پر نہ کیوں ہو غمزدہ ❖ کارواں کے سر سے میر کارواں جاتا رہا
تذکرہ ہر بزم میں تھا بس یہی دورِ وفات ❖ اِس جہاں سے شاہِ ابرار جہاں جاتا رہا
چھوڑ کر ہم سب کو بے چین وپریشاں مضطرب ❖ ساتھ لے کر راحت وآرام جاں جاتا رہا
رہروں کو راہ میں اُف چھوڑ کر وہ چل بسا ❖ کارواں کو کرکے وہ صید فغاں جاتا رہا
شومیٔ قسمت ہماری ہوگئے محروم ہم ❖ رحمتِ باری کا عمدہ سائباں جاتا رہا
خادموں پر جس کی رہتی مہربانی کی نظر ❖ حیف وہ ہی مہربانِ خادماں جاتا رہا

عاشقانِ مصطفیٰ کا جو رہا بن کر امیر ❖ وہ امام عاشقانِ عالیشاں جاتا رہا
بادۂ طیبہ سے رہتا تھا سدا مخمور جو ❖ مستیوں میں سوئے بزمِ میکشاں جاتا رہا
''موتِ عالم موتِ عالم'' کی یہی تفسیر ہے ❖ بزم عالم کا تھا جو روحِ رواں جاتا رہا
تاجدارِ اہل سنت شاہِ ابرار جہاں ❖ ہر زباں کہتی ہے وہ شاہ زماں جاتا رہا
ہوگئے رخصت محی السنہ تاجِ اولیاء ❖ تاجدار علم و عرفاں بیگماں جاتا رہا
شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کا وہ سپوت ❖ عاشقِ قرآن و سنت عالی شاں جاتا رہا
جس پہ نازاں علم و عرفاں کے رہا کرتے نجوم ❖ آسماں سے وہ ہی بدرِ کہکشاں جاتا رہا
بجھ گیا ہے علم و عرفاں و تصوف کا چراغ ❖ بزم عشاقِ نبی کا ترجماں جاتا رہا
فخرِ قوم و ملک و ملت شوکت ہندوستاں ❖ وہ نشانِ عظمت اسلامیاں جاتا رہا
عظمتِ اسلام کے جس نے کئے پرچم بلند ❖ خدمتِ قرآن پر وہ دے کے جاں جاتا رہا
بعد والوں کے لئے سامانِ عبرت چھوڑ کر ❖ ورقۂ ہستی پہ لکھ کر داستاں جاتا رہا
شاہِ ابرار محی السنہ حق کیا گئے ❖ سنت و دین نبی کا ترجماں جاتا رہا
جہل کی ظلمت میں کر کے علم کا روشن چراغ ❖ دے کے وہ ماحول کو تابانیاں جاتا رہا
پتہ پتہ گلشن عرفاں کا مرجھایا ہے آج ❖ چھوڑ کر بزم بہاراں باغباں جاتا رہا
آبیاری گلشن سنت کی کر کے عمر بھر ❖ بزم سنت کو بنا کر نوحہ خواں جاتا رہا
خدمتِ دیں پر لگا کر اپنی ساری زندگی ❖ خادم دین نبی سوئے جناں جاتا رہا
فضل فرما بخش دے تو حضرت مرحوم کو ❖ تیرا بندہ تیرے در پر مستعاں جاتا رہا
بخش دے اور جنت الفردوس میں دیدے مکاں ❖ تیرا بندہ جانب دار جناں جاتا رہا
طالب غفران حاضر ہے درِ غفار پر ❖ لے کے اُمید عنایت ناتواں جاتا رہا
بخش دے اس غازیؔ عاصی کو بھی اے رب غفور ❖ راہِ عصیاں پر حقیر ناتواں جاتا رہا
مغفرت فرما دے ساری اُمت محبوب کی ❖ بالخصوص اس کی جو در پر مستعاں جاتا رہا

دل پہ غازیؔ زخم کتنے لگ رہے ہیں پے بہ پے
جس پہ دل مائل ہوا وہ جانِ جاں جاتا رہا

❍❖❍

نالۂ غم

بروفات: محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ، **نتیجۂ فکر:** مولانا محمد اطہر قاسمی کملاپوری

مخزن علم و شعور و آگہی جاتا رہا ❖ نائب ذات رسول ہاشمی جاتا رہا
پارسا و نیک طینت، متقی جاتا رہا ❖ بالیقیں ہندوستاں سے اِک ولی جاتا رہا
اس کے جانے سے ہوا احساس یہ ہر شخص کو ❖ مرکز رشد و ہدایت واقعی جاتا رہا
قصۂ غم اس کی رحلت کا کریں کیوں کر بیاں ❖ جو ہمیں دے کر فراق دائمی جاتا رہا
صرف ہردوئی کا سونا کوچہ کوچہ ہی نہیں ❖ کرکے سونی ملک کی وہ ہر گلی جاتا رہا
مرگ عالم ہوگئی ہے آج جس عالم کی موت ❖ چھوڑ کر ہم سب کو ہاں وہ مولوی جاتا رہا
رہنمائے دین بن کر عالم اسلام میں ❖ کر رہا عالم کی تھا جو رہبری جاتا رہا
عمر ساری خدمتِ دیں میں ہی اس نے صرف کی ❖ کرکے وہ تاریکیوں میں روشنی جاتا رہا
تھے تمنائی ابھی کچھ لوگ بیعت کے لئے ❖ چھوڑ کر اُن کو وہ شیخ عالمی جاتا رہا
جس نے اچھے کردئے لاکھوں مریض جسم ودل ❖ وہ طبیب ظاہری و باطنی جاتا رہا
اَب کہاں پائیں گے اہل دل ضیائے معرفت ❖ بزمِ عرفاں جس سے روشن تھی وہی جاتا رہا
غم میں اس کے ہیں تڑپتے سب کے سب چھوٹے بڑے ❖ دل میں سب کے پیدا کرکے بے کلی جاتا رہا
بحر و بر، ارض و سما، شمس وقمر بھی رو پڑے ❖ الوداع اپنوں کو کہہ کر جس گھڑی جاتا رہا
آیا تھا بہر فروغِ بندگی وہ بے گماں ❖ کرکے دنیا میں فروغ بندگی جاتا رہا
جس کا منشا تھا رہے قائم دلوں میں سب کے میل ❖ وہ علم بردار امن و آشتی جاتا رہا
مغربی تہذیب کے اس دور پر آشوب میں ❖ دینے والا سنتوں کو زندگی جاتا رہا
دعوتِ حق کا رہے جاری جہاں میں سلسلہ ❖ سونپ کر ہم کو یہ فکر عالمی جاتا رہا
مصحف حق کو پڑھیں سب شوق وصحت سے مدام ❖ کرکے ایسا اہتمام دائمی جاتا رہا
تھی جہان بے بقا میں ذات جس کی آئینہ ❖ دے کے ہم کو اپنا عکس زندگی جاتا رہا
حضرت ناظمؒ کا یا رب ہو عطا نعم البدل ❖ واقعہ یہ ہے کہ مردِ عبقری جاتا رہا

کیوں نہ ہو اطہرؔ ہمیں ہر سُو اندھیرے کا گماں؟
بزمِ اشرفؔ کا چراغِ آخری جاتا رہا

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۵ء)

گوشۂ حفظ رحمٰن

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوری

نائب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(پیدائش: ۱۹۴۹ء وفات: ۱۴۲۶ھ-۲۰۰۵ء)

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوریؒ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے مایۂ ناز نائب مہتمم، خادم قوم وملت، فکرمند عالم اور رہنما حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ماہ ۱۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴؍جولائی ۲۰۰۵ء بروز اتوار قابل رشک حالت میں اچانک داغ مفارقت دے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف قصبہ دڑھیال ضلع رام پور کے ''مدرسہ خازن العلوم'' کے زیر انتظام قائم چھوٹی بچیوں کے غیر اقامتی ''مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ'' کے افتتاحیہ جلسہ میں خطاب کر کے فارغ ہی

ہوئے تھے کہ آخری کلمات ''وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین'' کہتے ہوئے پیغام اجل آ گیا، اور آپ بلا کسی تاخیر کے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوگئے۔ جانا تو ہر ایک کو ہے، مگر اس طرح کی مبارک موت ایسی سعادت ہے جو خال خال افراد ہی کو نصیب ہوتی ہے، حاضرین کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ مولانا مرحوم سفرِ آخرت پر روانہ ہو چکے ہیں؛ اِس لئے کہ اس سے قبل آدھے گھنٹے کی پرمغز اور پراثر تقریر میں نہ کہیں ضعف کا اثر تھا اور نہ الفاظ کی بندش اور ترتیب میں کوئی فرق تھا؛ بلکہ آپ نے حسبِ معمول اپنے مخصوص انداز میں خطاب فرمایا، اور خداداد حسنِ تعبیر کو اختیار کرتے ہوئے عوام وخواص کو برائیوں سے بچنے اور بچوں اور بچیوں میں دینی تعلیم کو فروغ کی ترغیب دی، اور معاشرہ کی تعلیمی غفلت پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے قوم کو جھنجھوڑنے کی کوشش فرمائی تھی۔

مولانا موصوف بڑے صبر وحوصلے کے آدمی تھے، عزم وہمت کی صفت طبعیت میں رچی اور بسی ہوئی تھی، مدرسہ شاہی کے اَوقاف کے تحفظ کے سلسلے میں اُنہیں بعض مرتبہ بڑے جاں گسل حالات سے گذرنا پڑا؛ لیکن پورے استقلال کے ساتھ حالات کو جھیلتے رہے، اور مناسب حکمت عملی اختیار کرتے رہے۔

مولانا موصوف کو نئی نسل کی تربیت اور اُن کی ذہن سازی پر بھی بڑی توجہ رہتی تھی، موصوف طلبہ صوبہ یوپی کی انجمن ''اصلاح البیان'' کے سرپرست تھے، اور اس سے وابستہ طلبہ کی فکری تربیت اور حوصلہ افزائی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ مولانا فکری طور پر دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند سے اخیر تک وابستہ رہے، جنگ آزادی میں علماء حق کے کردار پر موصوف کی بڑی گہری نظر تھی، اور اِس سلسلے کی معلومات عموماً نوکِ زبان رہتی تھیں۔ آپ عام طور پر مدارس کے جلسوں میں تحریک آزادی میں اپنے علماء کے انقلابی کردار کو بڑے شرح وبسط سے بیان فرماتے تھے؛ تاکہ نئی نسل ان مجاہدین کے کارناموں سے واقف رہے، اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔

مولانا موصوف میں خورد نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، احقر جب مدرسہ شاہی میں خدمت پر مامور ہوا، تو مولانا موصوف ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کے مدیر اعلیٰ تھے، اور رسالہ کا آغاز

آپ ہی کی اِدارت سے ہوا تھا۔ رفیق مکرم جناب مولانا بشیر احمد صاحب گونڈوی مدیر مسئول تھے، احقر کو شروع میں اِداریہ لکھنے کی ذمہ داری دی گئی۔ اُسی وقت سے حضرت مولاناؒ کے ساتھ کام کرنے اور رہنے کا موقع ملا، احقر اگرچہ ہر اعتبار سے ان سے چھوٹا تھا؛ لیکن موصوف کی طرف سے اکرام کا ایسا معاملہ رہا جو اپنے بڑوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اِس پندرہ سالہ عرصہ میں احقر کو کبھی یاد نہیں کہ موصوف نے گفتگو میں احقر سے کوئی ناگوار بات کہی ہو؛ بلکہ برابر شفقت آمیز تکریم کا معاملہ رکھا، مولانا کے ساتھ علاقہ کے قصبات، دیہاتوں اور شہروں کے دینی جلسوں میں شرکت کا موقع ملا، جلوت اور خلوت کی زندگی سامنے آئی، ہر موقع پر آپ کو دردمندی اور فکرمندی میں ڈوبا ہوا اِنسان پایا، ایثار و قربانی اور سفر کے ساتھیوں کا خیال رکھنے میں آپ پیش پیش رہتے۔

افسوس ہے کہ اَب اِس پورے علاقہ رام پور نینی تال وغیرہ میں اُن جیسا معتدل، منتظم مزاج اور قابل صد اعتماد باوقار عالم نہیں رہا۔ مولانا مرحوم کی وفات نہ صرف ندائے شاہی، مدرسہ شاہی؛ بلکہ پورے علاقہ کے لئے ایک الم ناک سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند فرمائیں، اور اُمت کو اُن کے نعم البدل سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

ایک الم ناک حادثہ

مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب کا تاثر

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اہل اللہ کی یادگار اور اولیاء اللہ کی امانت ہے، جس کی نگہبانی کا فریضہ ہر دور میں خاصانِ خدا انجام دیتے رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اس دور پرفتن تک ہر زمانے میں اِس ادارے سے منسلک افراد نے پوری جاں فشانی اور تندہی کے ساتھ اِدارے کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھ کر اَدا کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مدرسہ شاہی مخلص اور جاں باز قسم کے کارکنان کے حوالے سے ایک اپنی امتیازی شان رکھتا ہے، انہیں مخلصین میں سے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جو اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ مدرسہ کے مفادات کے تحفظ اور اُن کے حصول میں مصروف رہتے تھے۔ موصوف کو اللہ رب العزت نے بڑی خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا، تقریر وتحریر کے ساتھ آپ انتظامی اُمور میں بھی اچھی دسترس رکھتے تھے، ماتحتوں سے کام لینے اور رکاوٹوں کو دور کر کے کام کرنے کی فضا ہموار کرنے میں آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی۔ طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اُبھارنا، اُن کے اندر جذبۂ عمل پیدا کرنا اور پھر اُن کو صحیح سمت دینا آپ کو خوب آتا تھا۔ انجمنوں کے پروگراموں کو مرتب کرنا، اُس کے لئے طلبہ کو تیار کرنا اور پھر اچھے انداز میں اُس کو پیش کروا دینا آپ کی خصوصیت تھی۔

مولانا مرحوم درحقیقت اُن لوگوں میں سے تھے جو جمود کو ناپسند کرتے ہیں، چناں چہ مدرسہ شاہی کے اُمور مفوضہ کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ آپ اطراف واکناف کی بھی بھرپور خبر لیتے رہتے تھے، اور اپنے طور پر جس کا جو تعاون کر سکتے تھے؛ اُس سے کبھی گریز نہ کرتے۔ قرب

وجوار کے اہل مدارس اور دردمندانِ ملت سے ہر وقت رابطہ میں رہتے، آمد ورفت رکھتے اور اپنے یہاں بلا کر حق ضیافت ادا کرتے۔

اِسی طرح دینی ضرورتوں اور پیش آمدہ دشواریوں کو مل بیٹھ کر حل کرلیا کرتے۔ قلب کی بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود کبھی ان کے عزم وحوصلے میں کمی نہیں آئی، کاموں کی رفتار سست نہیں پڑی، اور جدوجہد میں کسی قسم کا کوئی نقص پیدا نہ ہونے دیا۔

مدرسہ شاہی کے اوقاف کے تحفظ کے لئے جو کوششیں موصوف نے آخر دم تک کی ہیں، وہ یقیناً اِن شاء اللہ اُن کے لئے ذخیرۂ آخرت ثابت ہوں گی۔ مولانا موصوف اپنی بیماریوں کی وجہ سے ہر وقت موت کے لئے تیار رہا کرتے تھے، جس کا اظہار وہ اکثر دورانِ گفتگو کیا کرتے تھے، اور فکر مند رہتے تھے کہ معلوم نہیں موت اچانک کس جگہ کس حالت میں آجائے؟ لیکن شاید کبھی اُن کے ذہن ودماغ میں بھی یہ تصور نہ آیا ہوگا کہ دورانِ تقریر اللہ کا پیغام پہنچاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو سنت کی دعوت دیتے ہوئے اور اسلام کے ماننے والوں کو اسلام پر چلنے کی تلقین کرتے ہوئے اللہ کی حمد وثنا کے کلمات ادا کرتے وقت فرشتۂ اجل آکر موت کا پیغام سنا جائے گا، کیا خوب تھی زندگی اور کیا ہی خوب ہوا وقت آخر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی خوب خوب مغفرت فرمائیں، اُن کے درجات کو بلند فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، اور مدرسہ شاہی کو اُن کا بہترین بدل نصیب فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

آہ! مولانا حفظ الرحمٰن رامپوریؒ

مولانا عبدالناصر صاحب اُستاذ حدیث ونائب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

مؤرخہ ۱۷؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴؍جولائی ۲۰۰۵ء بروز اتوار تقریباً ساڑھے گیارہ بجے دڑھیال سے فون آیا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔ اِس جانکاہ جاں گداز، جاں گسل حادثہ فاجعہ کا یقین نہیں آرہا تھا، دل ودماغ باور کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ اسی وجہ سے فون پر ہی حجت بازی شروع ہوگئی، مگر کب تک یقین نہ کیا جاتا، انکار کی فضا کب تک قائم رہتی، بالآخر یقین آہی گیا، جوں جوں یقین آتا گیا، قلب کے اضطراب میں اِضافہ ہوتا گیا، اور یقین آنا ہی چاہئے تھا، کون ہے جو حیاتِ جاوداں لے کر آیا؟ کوئی متنفس اگر باقی رہتا تو مقصود کائنات سرور موجودات باعث کن فکاں وجہ کون ومکاں محبوب انس وجن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہتے، مگر قرآن ناطق ہے: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ بہرحال اطلاع پاتے ہی میں موصوف مرحوم کے گھر کی جانب روانہ ہوا، یہ سوچتا ہوا کہ یہ اطلاع کس انداز سے گھر پہنچائی جائے؟ اسی خیال کو لئے ہوئے گھر کے قریب پہنچا، دیکھا کہ حضرت مولانا خورشید انور صاحب اُن کے مکان سے واپس ہورہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ وفات کی خبر اچانک گھر والوں کو کس نے دی؟ پھر ہم دونوں مولاناؒ کے گھر پہنچے، دیکھا کہ دولت کدہ ماتم کدہ بنا ہوا ہے، ہر ایک بے خود وبے قابو ہے، اِس ماحول کو معمول پر لانے کے لئے چوں کو دلاسا دیا، تسلی کے کلمات کہے، اَقارب واَحباب کو فون کرایا۔

دوسری طرف اس خبر کا اثر یہ ہوا کہ مدرسہ کی درودیوار پر مردنی واُداسی چھا گئی، طلبہ کے چہرے کملا گئے، اساتذہ غم واندوہ میں ڈوب گئے، ملازمین کے سروں پر کرب والم کے کثیف بادل

منڈلانے لگے، چشم فلک اشک بار ہوئی، اور زمین نے اپنا گریباں چاک کر دیا، ہر ایک اپنی جگہ ماہی بے آب تھا، اور زبانِ حال سے گویا تھا کہ افسوس صد افسوس ہمارے درد کا درماں چل بسا۔

حفظ الرحمٰن کیا تھے؟

مدرسہ شاہی کی ایک تاریخ تھے، صبر و ضبط، عزیمت و استقامت، خیر خواہی و ہمدردی، حسن گفتار و حسن کردار، حلم و بردباری، تواضع و انکساری، خورد نوازی و مرتبہ شناسی، جود و سخا، عدل و وفا، شفقت و رأفت، خلوص و محبت جیسے اَوصافِ جلیلہ و حمیدہ کے مرقع اور جیتی جاگتی تصویر تھے۔

عزیمت و مقبولیت

اللہ نے مولانا کو غیر معمولی خوبیوں سے نوازا تھا، بیش بہا جواہرات سے مزین کیا تھا، بہت سی صلاحیتیں اُن کی طبعیت میں ودیعت کی تھیں۔ من جملہ ایک خوبی یہ تھی کہ مولانا کی جس آدمی سے چلتے پھرتے، سفر میں حضر میں، کچھ دیر ملاقات ہو جاتی، تو وہ متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا، اُس کا دل موصوف کی عظمتوں کا معترف ہو جاتا، اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ اپنے حسن عمل، تبسم ریز گفتگو، سحر آمیز ملاقات کے ذریعہ اُس کے دل میں گھر کر رہے ہیں، اور اُس کو اپنی محبت کے دمادم جام پلا رہے ہیں، اور اس کو مست کر رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مولانا مدرسہ شاہی آنے سے پیشتر ہلدوانی میں رہے، جہاں آپ مدرسہ سراج العلوم کے اُمور اہتمام انجام دیتے، وہیں آپ مسجد بنجاران کے منبر و محراب سے لوگوں کی دینی تشنگی کو بجھاتے، وہاں کے دورانِ قیام مولانا نے اپنے اقوالِ ناصحانہ، اخلاقِ کریمانہ سے لوگوں کے دل جیت لئے۔ چناں چہ جب آپ کا شاہی میں ابتداءً تقرر تحویل دار (کیشئر) کی حیثیت سے ہوا، اور مولانا نے کام شروع کر دیا، مگر اہل ہلدوانی نے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ سے باصرار درخواست کی کہ مولانا کو واپس کر دیا جائے، اور مولانا کو اپنی محبت اور دیرینہ تعلق کا واسطہ دیا، بالآخر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر وہاں ۱۴۱۴ھ میں آپ کا تقرر نیابت اہتمام کے عہدے پر ہوا، ہلدوانی والوں نے لے جانے کی اس مرتبہ

بھرپور کوشش کی، مگر کف افسوس ملتے رہ گئے۔ مولانا کے ایک منجھلے صاحب زادے بدر الزماں جن سے مولانا کو بھی بے انتہا محبت واُلفت تھی، بچہ ماشاء اللہ ہونہار تھا، اُس کی منموہنی صورت دیکھ کر ہر آدمی کو پیار آتا تھا، تیرہ چودہ سال کی عمر رہی ہوگی کہ شدید بیماری لاحق ہوئی، ڈاکٹروں نے بلڈ کینسر ثابت کیا، اور خون کی تبدیلی تجویز کردی، ہلدوانی کے نوجوانوں کو معلوم ہوا کہ بچہ کو خون کی ضرورت ہے، اُن جیالوں نے ہنستے کھیلتے اٹھارہ بیس بوتل خون دے ڈالا، اور کہنے لگے کہ جتنے خون کی ضرورت ہوگی دیا جائے گا، اور ہلدوانی کا ایک ایک فرد اِس خدمت کو سعادت سمجھ کر انجام دے گا، اِس کو کہتے ہیں مقبولیت۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مرحوم کو اللہ نے فیاض طبعیت اور مہمان نواز بنایا تھا، اُن کے جذبہ ضیافت کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ یہ جوہر آپ کو گھٹی میں پلایا گیا تھا۔ علاقہ سے آپ کا ربط بہت گہرا تھا، اِس وجہ سے آپ کے پاس آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا، وقت بے وقت صبح وشام آپ کے پاس مہمانوں کی آمد ورفت لگی رہتی، مگر کبھی کسی مہمان سے نظریں نہیں چرائیں، ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے، اور آنے والے مہمان کو اَوقات وحالات کے اعتبار سے بھرپور اعزاز دیتے، اور آپ کا جذبہ یہ ہوتا کہ جو شخص بھی میری خاطر سفر طے کر کے آیا ہے، وہ ضیافت کے بغیر نہ جائے۔

مولانا پر تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد بیماریوں کے حملے ہوتے رہے، اور بیماریوں سے دوچار ہوتے رہے، جس کے نتیجے میں مختلف ہسپتالوں جیسے: سول لائن ہسپتال مرادآباد، ڈی ایل نرسنگ ہوم، ملہوترا نرسنگ ہوم، سائیں ہسپتال مرادآباد اور پنتھ ہسپتال دہلی میں داخل ہونا پڑا، مگر اس کے باوجود آپ کی فطرت اپنے رنگ دکھاتی رہی، اور واردین وصادرین کی وہاں بھی حسبِ حال ضیافت کرتے رہے، اور اس کی تاکید بھی کرتے رہے۔

اسی طرح نادار اور معاشی اعتبار سے کمزور طلبہ کا خفیہ طور پر تعاون فرماتے رہتے، اور جو بھی مذہبی، سماجی تحریک اُٹھتی اور اُس کو ملت اسلامیہ کے لئے مفید تصور فرماتے، تو اُس میں

دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح کا تعاون فرماتے۔ رامپور، مرادآباد کے درمیان کار حادثہ اسی کی دین ہے، جس میں علی گڈھ کے پروفیسران حضرات مع مولانا کے متأثر ہوئے، زخمی ہوئے، ہڈی ٹوٹی، اور بعض کا انتقال بھی ہو گیا۔

استقامت

مولانا موصوف کی زندگی کا بہت نمایاں وصف جاذبِ نظر خصوصیت اُن کی بے نظیر استقامت اور بے مثل استقلال ہے۔ مولانا کے کاندھوں پر مدرسہ شاہی کے اوقاف کے تحفظ کی ذمہ داری بھی تھی، اس کی وجہ سے کافی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، بہت سے نشیب وفراز آئے، انقلاباتِ زمانہ نے کروٹیں بدلیں، حوادثات نے انگڑائیاں لیں، طوفان اُٹھے، مصائب کی آندھیاں چلیں، گالیاں سنیں، رسوائیاں مول لیں، بدنامیاں خریدیں، اپنوں کی طرف سے بھی اور غیروں کی طرف سے بھی، مگر مولانا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جمے رہے، مخالف ہوائیں اُن کے پائے استقامت میں جنبش لغزش پیدا نہ کرسکیں۔

اَوقاف کی راہ میں بہت مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، مقدمات چلتے ہیں، عدالتوں کے چکر لگانے پڑتے ہیں۔ وکیلوں، ججوں اور سیاسی رہنماؤں کی کوٹھیوں پر دستک دینا پڑتی ہے، کرایہ داران سے کرایہ میں اِضافہ کرانا، جائیداد پر ناجائز قبضہ کئے ہوئے لوگوں سے کرایہ داری کا تسلیم کرانا، بصورتِ دیگران سے مکانات کا انخلا اور اُن تمام کو پورا کرنے کے لئے اسفار کرنا پڑتے ہیں۔ بیماری وعلالت کے باوجود سب کچھ کیا اور اپنی بے پناہ استقامت کی بنیاد پر سب کو انگیز کرتے رہے، جب کہ اِن کاموں کی وجہ سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

ندوۃ العلماء کا ایک سال

مرحوم اپنی علمی تشنگی کو بجھانے اور خود کو جدید وقدیم کے صالح ومفید امتزاج اور علومِ عصریہ دینیہ دونوں سے آراستہ کرنے کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں باضابطہ داخل رہ کر اس گلستانِ علم وفن سے خوشہ چینی کی، یہ سال مدرسہ شاہی اور مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد کی طالب

علمی کے درمیان ہے، اس سال میں موصوف مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ سے زیادہ متأثر ہوئے، چناں چہ دیکھا گیا کہ ان کی کتابوں کا مطالعہ بہت ذوق وشوق سے فرماتے۔ ابھی دو ماہ پیشتر مدرسہ شاہی میں انعامی جلسہ تھا، جس میں طلبہ کو انعام میں کتابیں تقسیم کرنا تھیں، تعلیمات کے کارکنان نے تمام ہی اساتذہ اور ذمہ داران سے تعاون کی اپیل کی، ہر ایک نے اپنے اپنے مزاج اور حالات کے مطابق نقدی یا کتابوں کی شکل میں تعاون کیا۔ مولانا موصوف نے حضرت مولانا علی میاںؒ کے مطبوعہ کتابچے عنایت فرمائے (جو علی میاںؒ کی تقاریر اور مضامین پر مشتمل تھے) تاکہ طلبہ کو جہاں اُردو اَدب کی چاشنی ملے وہیں اُن کے دل ودماغ میں کشادگی، فکر میں ارتقاء وبلندی اور دینی شعور پیدا ہو، اور اُن کو سوچنے سمجھنے کا ایک نیا اُسلوب وڈھنگ ملے۔

رواداری

مرحوم بسا اَوقات ذہنی وجسمانی طور پر انتہائی پریشان ہوتے، بیماری سے نڈھال ہوتے، دل آرام کا کرنا، طبعیت یکسوئی کی متقاضی ہوتی، مگر بایں ہمہ ”إن لـزورك عليك حـقـا“ کی ہمیشہ تصویر بنے رہتے، آنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، طالب علم ہو یا اُستاذ، ذمہ دار ہو یا ملازم، مگر ضرور اس کی طرف بھرپور توجہ دیتے، اس کے مرتبہ اور حیثیت کے مطابق اخلاق پیش کرتے، کشادہ روئی کے ساتھ ہم کلام ہوتے، بے تکلفی کے ماحول میں گفتگو ہوتی۔ مولانا کے تعلقات ہر قسم کے لوگوں سے تھے، آپ چھوٹوں میں چھوٹے، بڑوں میں بڑے، علماء میں عالم، سیاسیوں میں سیاسی تھے، مگر کبھی اپنی وضع سے نہ گرتے۔ دوسروں کی خاطر آپ نے ذاتی تقاضوں کو قربان کردیا، مولانا کی اپنی ذاتی مروت، انسانیت نوازی، کرداری کی عظمت، اخلاق کی بلندی، وسعت ظرفی نے کبھی بہانہ سازی کو جائز قرار نہیں دیا۔ صبح ہو شام، دن ہو یا رات، آنے والے کے لئے ہمہ وقت دَر کھلا رہتا۔

طلبہ کے حق میں

مولانا کا جذبہ یہ تھا کہ ہمارے طلبہ مدارس سے نکل کر جب باہر کی دنیا میں قدم رکھیں، تو

اُن کو جن ہتھیاروں کی ضرورت پڑے، اُس سے آج ہی لیس ہو کر میدان میں آئیں، طلبہ سے گفتگو کرنے کا جب بھی موقع ہوتا، تو اس موضوع پر بسیط گفتگو فرماتے، مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی ترغیب دیتے، تقریر و تحریر کے میدان میں نمایاں اور امتیازی مقام حاصل کرنے پر آمادہ کرتے، اس کے لئے ہمت دلاتے، حوصلہ افزائی کرتے، احساسِ کمتری کو اُن کے قلوب سے نکالتے۔ اس جذبے کے تحت مولانا نے اَب سے دو سال پیشتر ایک انجمن مناظرہ قائم کی تھی، جس میں طلبہ حق و باطل کے دو فریقوں میں بٹ جاتے، بھرپور تیاری کے ساتھ اپنے اپنے مدعا کو مدلل انداز میں پیش کرتے، اور زور بیانی اور قوتِ دلائل کے ذریعہ ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش کرتے، نتائج بہت اچھے سامنے آئے۔

مجلس علماء رام پور

مولانا کے بارے میں کہا جائے گا کہ وہ "مجلس علماء ضلع رام پور" کے بانی اور اُس کے روحِ رواں تھے، جس کا مقصد علماء کرام کو ایک پلیٹ فارم پر اِکھٹا کر کے اُن کی کوششوں کو مجتمع کرنا تھا، اور اُن کی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھا کر قوم میں علمی، اصلاحی، دینی، قومی، سماجی خدمات انجام دینا تھا، مولانا نے اس تحریک سے خصوصی دلچسپی لی، اس کا دستور العمل اور منشور خود ہی تیار کیا، یہ تنہا انہی کی ذات تھی، جس نے علماء رام پور کی ایک بڑی تعداد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا، اور لوگوں نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا، اُس کے پروگراموں میں دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے، پچھلے دنوں مولانا حوادث کے شکار ہو گئے، جس کی وجہ سے سرگرمیاں کچھ کمزور اور مدھم پڑ گئیں تھیں، اب انہیں میں گرمی و تیزی لانے کا وقت تھا کہ موصوف داعیا جل کو لبیک کہہ گئے۔

خطابت

مولانا مرحوم ایک اچھے خطیب تھے، اپنی بات انتہائی مرتب مؤثر اور مدلل انداز میں پیش کرتے، پرشوکت بھاری بھرکم الفاظ اُن کی نوکِ زبان ہوتے، اس کے لئے کسی آورد یا محنت کی

ضرورت نہ ہوتی، اُن کی سحر آفریں تقریر سے مجمع متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا، اُس کے بیان کو حاضرین ہمہ تن گوش ہوتے، صرف سر کے کانوں سے نہیں؛ بلکہ دل کے کانوں سے سنتے۔ مولانا کو مختلف المزاج، مختلف الخیال اور مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کے پاس جانے کا موقع ملتا۔ سیاسی، سماجی، علمی، دینی و مذہبی، ہر قسم کے اسٹیجوں سے واسطہ پڑتا، اور مولانا کی خوبی یہ تھی کہ ہر موقع ومحل کے لحاظ سے اچھی اور مفید بات کہہ لیا کرتے، ایسا لگتا تھا کہ اس موضوع پر بھرپور مطالعہ کر کے آئے ہوں۔

اصلاح ذات البین

افتراق، انتشار، باہمی کشیدگی، آپسی تناؤ، خانہ جنگی، قوم وبرادری کے درمیان اختلاف کو مولانا کی طبعیت گوارا نہیں کرتی تھی، اس کو دیکھ کر مولانا کڑھتے، پگھلتے، تڑپتے اور اس کے اِزالے کی گوناگوں تدابیر اور بے پایاں جدوجہد کرتے۔ چناں چہ ہلدوانی میں دو ایک سال پیشتر ایک قتل کی واردات ہوگئی، آپس میں تناؤ شدید پیدا ہوگیا، مسئلہ عدالت وجیل تک پہنچ گیا، فریقین کے درمیان تلخیاں بڑھتی جارہی تھیں۔ اس کا اَلم ناک پہلو یہ تھا کہ کچھ دین دار لوگ جن کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا؛ قتل کے وقت میں وہ لوگ مسجد میں مصروف نماز تھے، اُن کا نام بھی لکھا دیا گیا تھا، بعض لوگ اس سے بے حد دلچسپی لے رہے تھے۔ مولانا ایک دردمند انسان تھے، اسی وجہ سے پریشان تھے، چناں چہ موصوف نے اس کے لئے ایڑی چوٹی کے زور لگا دئے، اور اپنے راحت وآرام کو قربان کردیا، چین وسکون کو تج دیا، اپنے نسبتی بھائی مولانا نجم الحق صاحب رام نگری کو لے کر نینی تال پہنچے، اور متعلقین کے گھروں پر قیام کے بجائے مصلحۃً ہوٹل میں قیام کیا، جب کہ مولانا کو ان دنوں بیماری کا ضعف لاحق تھا، اور جن کی ناخن عقل کے ذریعہ یہ عقدہ حل ہوسکتا تھا، اُن سے رابطہ کیا، اور الحمد للہ مولانا کی یہ کوشش بارآور ثابت ہوئی، قضیہ حل ہوا، اور ہلدوانی کو جہنم زار بننے سے بچالیا۔ جزاہ اللّٰہ کما یلیق.

اسی طرح ڈونک پوری ٹانڈہ کے دو بزرگوں کے مابین شدید نزاع عرصۂ دراز سے چلا

آ رہا ہے، فریقین کی توانائیاں بے دریغ پانی کی طرح خرچ ہو رہی ہیں، مولانا اندر اندر پریشان رہتے، اور اس فکر میں رہتے کہ اِس مسئلے کو کس طرح حل کیا جائے، اِس قضیہ میں کچھ نزاکتیں ایسی ہیں جو حل کے لئے مانع بنی ہوئی ہیں، کوئی کوشش مفید مؤثر نہیں ہو پاتی، چناں چہ وفات سے ایک ماہ پیشتر میں نے تذکرہ کیا کہ حضرت آپ کو لوگ بڑا مانتے ہیں، آپ اس مسئلے سے خصوصی دلچسپی لے لیں، ممکن ہے حل ہو جائے، اس موضوع کے مختلف گوشوں پر تبادلہ خیال ہوتا رہا، اور اس کی تدابیر زیر بحث آتی رہیں۔ وفات کے بعد مولانا نجم الحق صاحب نے بتلایا کہ مولانا نے چند دنوں پیشتر مجھ سے اِس موضوع پر خاصی طویل گفتگو کی تھی، اور چاہتے تھے کہ اُلجھی ہوئی گتھی سلجھ جائے۔ مگر:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

پسماندگان

آپ نے پسماندگان میں دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں اور ایک بچوں کی والدہ چھوڑی ہیں، بڑے صاحبزادے قمر الزماں ایک فرم میں ملازم ہیں، چھوٹے صاحب زادے مسعود الزماں عربی ششم میں مدرسہ شاہی میں زیرِ تعلیم ہیں، ایک بچی کا عقد ہلدوانی میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۵ء)

قابلِ رشک زندگی

مولانا مفتی محمد فاروق صاحب رام پوری اُستاذ جامعہ عربیہ حیات العلوم مراد آباد

خادم قوم وملت میرے محسن ومربی عم محترم حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ نائب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد مؤرخہ ۱۷/ جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴/ جولائی ۲۰۰۵ء بروز اتوار بعمر ۵۶/ سال الحمد للہ کہتے ہوئے اِس دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چچا مرحوم کو اللہ رب العزت نے بہت سے کمالات، محاسن، خوبیوں اور اخلاقِ کریمانہ سے نوازا تھا، بڑوں کی قدر وعظمت، علماء کا اَدب واحترام، طلبہ سے محبت وپیار، چھوٹوں کے ساتھ شفقت ونرمی، مدارس اسلامیہ اور ملی، قومی، سماجی اداروں کی خیر خواہی وخدمات کرنا، تواضع، عاجزی وانکساری، ایثار وہمدردی، مہمان نوازی، صلہ رحمی، مستقل مزاجی، امانت داری، صبر وتحمل اور خود داری واستغناء جیسی عمدہ صفات سے مزین تھے، وہ اپنی اِنہی خوبیوں کی وجہ سے ہر دل عزیز اور مقبول خاص وعام تھے۔

مولانا مرحوم عزم وحوصلہ اور جرأت وہمت کی مضبوطی وبلندی میں پہاڑ کے مانند تھے، یہی وجہ تھی کہ مسلسل بیماری کی وجہ سے کمزور وناتواں حالت میں مفوضہ اُمور کی انجام دہی اور ملی وقومی پروگراموں میں شرکت سے مانع بن سکی، جب کسی امر کے بارے میں اِرادہ وفیصلہ کر لیتے تو اُس کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش سے دریغ نہیں کرتے تھے؛ بلکہ اُس کو انجام وتکمیل تک پہنچا کر ہی سکون محسوس کرتے تھے۔

کافی عرصہ سے حضرت مولانا مرحوم دل کی بیماری میں مبتلا تھے، کئی مرتبہ دورہ بھی پڑا،

بفضل ایزدی شفایاب ہوئے؛ لیکن ۲۰۰۴ء میں مولانا مرحوم مسلسل بیماری وحوادث کا شکار رہے، ماہِ فروری ۲۰۰۴ء میں نمونیہ کی شکایت سے دوچار رہوئے، اور ۱۰/اپریل ۲۰۰۴ء کو شہر رام پور میں ایک تعلیمی پروگرام میں شرکت کر کے مرادآباد واپس آتے ہوئے حادثہ پیش آ گیا، جس سے کولہے کی ہڈی میں فیکچر ہو گیا، اور سینہ میں بھی سخت چوٹ آئی، مسلسل ڈھائی ماہ بستر علالت پر رہنے کے بعد کچھ چلنے پھرنے پر قدرت حاصل ہوئی، اور اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں مشغول ہی ہوئے تھے کہ ایک مرتبہ پھر دل کا دورہ پڑا اور کئی روز تک داخل اسپتال رہے؛ لیکن ان ناموافق حالات میں کبھی بھی مرحوم نے صبر وتحمل کا دامن نہیں چھوڑا، اور رضا بقضا پر ثابت قدم رہے، جہاں تھوڑا سا آرام وسکون ہوا، تو فوراً صحت مند شخص کی طرح اپنے متعلقہ کاموں میں لگ جاتے اور دور دراز کا سفر کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے، احباب ومتعلقین اور رشتہ دار کمزوری وخرابی صحت کی بناء پر اکثر یہ مشورہ دیتے کہ محنت وسفر کم کر دیجئے، تو جواب دیتے کہ مجھے لکھ کر دے دو کہ گھر پر سکون سے رہنے اور محنت وسفر کم کر دینے سے زندگی بڑھ جائے گی، اور موت نہ آئے گی؟ موت تو بروقت آنی ہے، اس لئے جو بھی دینی خدمت مجھ سے ہو سکے گی؛ میں اس کو انجام دیتا رہوں گا، اُنہوں نے اس کو سچ کر دکھایا اور آخری دم تک دینی وملی کاموں میں رہے۔ اے اللہ! تو اُن کی مغفرت فرما اور درجات کو بلند فرما، آمین۔

پیدائش اور تعلیم

مولانا مرحوم ضلع رام پور کے مشہور تجارتی گاؤں ڈونک پوری ٹانڈہ تحصیل سوار میں ۱۹۴۹ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مرحوم جناب حافظ ملاجی محمد نبیہ مرحوم متوفی ۱۹۷۱ء حضرت تھانویؒ کے معتقدین میں سے تھے، اس لئے انہوں نے بچپن ہی سے دینی تعلیم کا نظم کیا، بچپن میں گاؤں کے مدرسہ مرکز اشرف المدارس میں اپنے والد مرحوم کے پاس ہی قرآنِ کریم ناظرہ پڑھا، اور اُردو کی تعلیم بھی حاصل کی، قرآنِ پاک کے حفظ کے لئے مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی میں داخل ہوئے، اور یہاں رہ کر کچھ پارے حفظ کئے، پھر جامعہ عربیہ حیات العلوم مرادآباد میں

جناب قاری محمد الیاس صاحبؒ کے پاس چند پارے حفظ کئے، حفظ کی تکمیل جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں جناب قاری عبداللطیف صاحبؒ کے پاس کی۔ حفظ قرآن سے فراغت کے بعد مدرسہ شاہی میں فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، بعدہٗ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہلیا، یہاں دو سال رہ کر عربی کی کتابیں پڑھیں، پھر اپنے والد محترم کے حکم سے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد تشریف لے گئے، اور حضرت جی مولانا مسیح اللہ خان صاحب قدس سرہ العزیز اور علامہ مولانا رفیق احمد صاحب بھیسانوی قدس سرہ دونوں بزرگوں کی زیرِ تربیت رہ کر سال چہارم عربی سے دورۂ حدیث شریف تک تعلیم حاصل کرے ۱۹۷۲ء میں فراغت حاصل کی۔ حضرت جی مولانا مسیح اللہ خان صاحب نوراللہ مرقدہٗ مولانا مرحوم کی سلیقہ مندی، نظم ونسق کی پابندی اور اُمور متعلقہ کو مرتب انداز میں انجام دینے کی صلاحیت کو دیکھ کر فرمایا کرتے کہ ’’تم مزاجاً منتظم ہو‘‘۔ (راوی مولانا نجم الحق صاحب مفتاحی رام نگری)

اور یہ حقیقت ہے کہ چچا مرحوم مزاج وطبیعت کے لحاظ سے منتظم واقع ہوئے تھے، کسی بھی کام میں بے ترتیبی اور بدنظمی ہرگز پسند نہیں کرتے، طلبہ اور زیرِ سرپرستی مدارس کے ذمہ داران کو ہر کام سلیقہ اور مکمل نظم ونسق کے ساتھ انجام دینے کی تاکید ونصیحت کیا کرتے تھے۔

تدریس وانتظام

مرحوم نے فراغت کے بعد سب سے پہلے مدرسہ مسجد قریشیان قصبہ ٹھاکردوارہ اور اس کے بعد کاشی پور ضلع نینی تال کے ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اپنے گاؤں کے ذمہ داران کے شدید تقاضے پر مرکز اشرف المدارس ڈونک پوری ٹانڈہ کی نظامت کی ذمہ داری قبول فرمالی، یہاں رہ کر آپ نے تعلیم اور تعمیر پر خصوصی توجہ دی، اور فروغ تعلیم کے لئے دیہات وقصبات کا دورہ کیا، اور بچوں کی تشکیل کرکے مدرسہ میں داخلہ کرایا۔ آپ کی محنت سے کافی تعداد میں علاقہ کے بچے دینی تعلیم سے فیض یاب ہوئے، چند ہی سال گذرے تھے کہ ہلدوانی والوں کی درخواست پر آپ نے جامع مسجد بنجاران کی اِمامت وخطابت اور اس سے ملحق

مدرسہ کی نظامت کا کام سنبھال لیا، اور آٹھ سال تک یہاں دینی وملی اور قومی خدمات میں سرگرم رہے۔ ہلدوانی شہر اور اطراف کے لوگ آپ سے بے حد محبت اور تعلق رکھتے تھے، باوجودے کہ آپ مرادآباد منتقل ہوگئے؛ لیکن اُنکی محبت وتعلق اور اپنائیت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئی۔

۱۴۰۵ھ میں مولانا مرحوم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نوراللہ مرقدہٗ کی توجہ وعنایت اور حکم سے بعہدہ نائب مہتمم وناظم اوقاف وتعمیرات مدرسہ شاہی تشریف لائے، اور آخر دم تک اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ نے اِس عہدے پر رہتے ہوئے مدرسہ شاہی کے لئے نمایاں خدمات انجام دیں؛ البتہ درمیان میں کچھ عرصے کے لئے مدرسہ شاہی سے علیحدگی اختیار کرلی تھی، اور اسی دوران از یکم ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ تا ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ آپ جامعہ عربیہ حیات العلوم میں نائب مہتمم وناظم تعلیمات رہے۔ مرکز اشرف المدارس ڈونک پوری ٹانڈہ ضلع رام پور کے اہتمام کی ذمہ داری بھی مولانا مرحوم کے سپرد تھی، وقتاً فوقتاً وہاں جاکر نگرانی اور جملہ اُمور کا جائزہ لیتے رہتے تھے، مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، اور علاقہ کے کئی مدارس کے سرپرست بھی تھے۔

آپ جمعیۃ علماء ہند سے ازحد تعلق رکھتے تھے، بزمانۂ قیام ہلدوانی جمعیۃ علماء ضلع نینی تال کے سرگرم رکن رہے، اور کئی مرتبہ ضلعی پیمانے پر اہم جلسے منعقد کئے۔ مرادآباد آنے پر جمعیۃ علماء شہر مرادآباد کے ناظم اعلیٰ رہے اور آخر تک رکن کی حیثیت سے وابستہ رہے، چند سال مجلس علماء ضلع رام پور کے بھی صدر رہے۔

وفات وتدفین

قصبہ دڑھیال ضلع رام پور کے مدرسہ خازن العلوم میں ''تعلیم نسواں کی اہمیت'' کے موضوع پر تقریر ختم کرکے ''وآخر دعوانا ان الحمد للہ'' پر آپ نے زندگی کی آخری سانس لی، اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے جان جانِ آفریں کے سپرد کردی، جیسے ہی آپ کے انتقال کی خبر علاقہ واطراف میں پہنچی، پورے علاقے پر رنج کے بادل منڈلا گئے، اور ہر شخص مولانا کی جدائی

کے احساس سے نڈھال ہوگیا، آخری دیدار وزیارت کے لئے سیکڑوں کی تعداد میں لوگ مدرسہ خازن العلوم میں جمع ہوگئے، اِدھر دارالطلبہ لالباغ میں بھی متعلقین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ آپ کا جنازہ مرادآباد لایا گیا، بعد نماز عصر طلبہ وعلماء کے ہاتھوں غسل اور کفن دیا گیا، اور بعد نماز عشاء مدرسہ شاہی کے مہتمم حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب زیدمجدہم نے نماز جنازہ پڑھائی، دارالطلبہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

نماز جنازہ اور تدفین میں شہر مرادآباد، ضلع رام پور اور علاقہ واطراف کے علماء، طلبہ، ذمہ دارانِ مدارس اور عوام وخواص نے کئی ہزار کی تعداد میں شرکت کی۔ پسماندگان میں اہلیہ دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، اللہ رب العزت جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائیں، اور مرحوم کے درجات کو بلند فرمائیں، آمین۔

تمام قارئین سے ایصالِ ثواب اور دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

ایک مخلص دوست کی جدائی

مولانا نجم الحق صاحب مفتاحی رام نگر، نینی تال

دنیا میں اَن گنت انسان پیدا ہوئے اور رخصت ہوگئے، مگر کتنے انسانوں کو دنیا نے یاد رکھا، تاریخ کے صفحات پر ایسے انسانوں کے نام کم ملتے ہیں؛ جنھیں دنیا بھلا نہ سکی، یہ وہ آدمی ہیں جو اپنی زندگی میں باقی آدمیوں سے ممتاز رہے، اور ایسے کارنامے کر گذرے جن کے ذریعہ عوام وخواص کے دلوں کے اندر اپنا ایک مقام اور محبت چھوڑ گئے۔ ایسے ہی خوش نصیب اخی المکرّم حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ تھے، راقم الحروف کے موصوف سے کئی نازک اور مضبوط رشتے تھے: (۱) موصوف میرے پھوپھی زاد بھائی تھے (۲) میری ہمشیرہ سلمہا موصوف سے منسوب ہیں، تو وہ میرے بہنوئی تھے (۳) میری بڑی بیٹی سلمہا موصوف مرحوم کے بڑے صاحب زادے قمر الزماں سے منسوب ہے، تو وہ میرے سمدھی تھے، مگر مرحوم نے ہمیشہ بھائی کے رشتہ کو ترجیح دی۔

مرحوم عمر میں مجھ سے چھوٹے ضرور تھے، مگر ہمارے گھرانے میں ہر موقع پر اُن کی بات کو مانا جاتا تھا، اور مرحوم کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا، جس کو سب بخوشی قبول کرتے تھے۔ اخی المکرّم مرحوم اور ہمارا وطن دونک پوری ٹانڈہ ضلع رام پور ہے، جو نیا ٹانڈہ کے نام سے مشہور ہے، مرحوم کی پیدائش غالباً ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت

ابتدائی تعلیم وطن مالوف مدرسہ اشرف العلوم (موجودہ نام اشرف المدارس) میں حاصل کی، غالباً حفظ کی ابتداء حضرت اُستاذ المکرّم حافظ محمد نبیہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے پاس کی،

حضرت اُستاذ المکرّم کا سانحۂ ارتحال بھی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے دو دن بعد پیش آیا، حق تعالیٰ دونوں حضرات کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین۔

حضرت اُستاذ مکرم قرآنِ کریم کی خدمت اپنی آخری صحت تک انجام دیتے رہے، اور کوئی گھر وطن میں ایسا نہیں ہے جس میں اُستاذی المکرّم کا فیض نہ ہو۔ حق تعالیٰ جزائے جزیل عنایت فرمائے، آمین۔

اس کے بعد حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ حفظ کی تکمیل یا تصحیح حضرت قاری عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ شاہی مرادآباد میں کی، اور غالباً کچھ ابتدائی کتابیں بھی پڑھیں، اور پھر یہاں سے بعض حالات کی بنا پر دھامپور پہاڑی دروازہ پر جو مدرسہ ہے، وہاں مصروف تعلیم رہے، اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ گئے، اور دو سال وہاں سال اول اور سال دوم پڑھا۔ وہاں سے واپس آکر والد مرحوم نور اللہ مرقدہٗ سے کہا کہ میں اب تجارت کروں گا، پھوپھا نے سمجھایا کہ تعلیم پوری کرلو، مگر نہ مانے اور کام شروع کردیا، کچھ مرچ کا کام موسم کے لحاظ سے کیا، اس کے بعد کپڑے کی مستقل تجارت شروع کردی، پھوپھا مرحوم کو ہر وقت اُن کی تعلیم کی تکمیل کا خیال دامن گیر رہتا تھا کہ کسی طرح سے تعلیم پوری ہوجائے۔

راقم الحروف جلال آباد مفتاح العلوم ضلع مظفر نگر حضرت مسیح الامت قدس سرہ کے یہاں زیر تعلیم تھا، اور یہ بندہ کا آخری سال ۱۹۶۶ء تھا، تعطیل کلاں میں گھر آیا ہوا تھا، پھوپھا مرحوم نے فرمایا کہ تو سمجھا اور بات کر، شاید تیری بات مان جائے، ہم دونوں شام کا کھانا مدرسہ کے حجرے میں ایک ساتھ کھاتے تھے؛ کیوں کہ مرحوم کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا اور تمام کتابیں مدرسہ ہی میں رکھی تھیں، دن میں کام اور شام کو کتابیں پڑھنا۔ بہرحال میں نے بات کی اور سمجھایا کہ تعلیم پوری کرلو، پھوپھا کو بہت فکر ہے، کہا کہ کئی مدرسوں میں گیا سمجھ میں نہیں آیا، میں نے کہا کہ جلال آباد حضرت والاؒ کے یہاں بہت اچھا انتظام ہے، حضرت کی شفقت طلبہ پر بہت رہتی ہے، میری

بات مان لو اور مفتاح العلوم عید کے بعد چلو، اور اس کپڑے کو رمضان المبارک میں فروخت کردو اور کام ختم کردو، کہا اچھا ٹھیک ہے، مگر پہلے داخلہ کی منظوری کے لئے خط لکھ دو، میں نے خط لکھا، جواب چند شرائط کے ساتھ اثبات میں حضرت نے عنایت فرمایا، شوال المکرّم ۱۹۶۷ء کی کسی تاریخ میں جلال آباد میرے ہمراہ گئے، گھر والے بہت خوش اور دعائیں کررہے تھے کہ وہاں اُن کا جی لگ جائے، حضرت والا قدس سرہ سے ملاقات ہوئی، اور داخلے کی تکمیل ہوئی۔

ایک ملاقات میں حضرت والا قدس سرہ نے فرمایا کہ خارجی کسی کتاب کے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، صرف درسی کتابوں پر محنت کرو، حضرت والا قدس سرہ سے اور دیگر تمام ہی اساتذۂ کرام سے گہرا تعلق ہوگیا، خصوصاً حضرت علامہ رفیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے، وہاں خوب جی لگا کر تعلیم حاصل کی، اور تمام ہی اساتذۂ کرام خوش رہے، اور بعض تعریفی کلمات بھی ارشاد فرمائے۔

فراغت کے بعد

فراغت کے بعد وطن مالوف میں بھی تدریسی خدمت انجام دی، اور ٹھاکردوارہ، کاشی پور شمس العلوم میں درجہ حفظ میں کام کیا، اور خاص کر ہلدوانی مدرسہ سراج العلوم میں لگن کے ساتھ کام کیا۔ ۲۸؍ سال ہلدوانی میں دینی ملی خدمات انجام دیں، خصوصاً شادی بیاہ کی رسومات کو ختم کیا، پھر سادگی اور شرعی طور پر شادیاں ہونے لگیں، اس کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد میں ملازم ہوئے اور اس کے بعد کچھ حالات کی بنا پر گھر آکر تجارت کا کام شروع کیا مگر اس میں خسارہ ہوا، تو پھر حیات العلوم مرادآباد میں تقرر ہوا۔

پھر دوبارہ حضرت الحاج مولانا رشید الدین نور اللہ مرقدہٗ نے بذریعہ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ رابطہ قائم کیا، اور دوبارہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا شرف خدمت حاصل ہوا۔ موصوف اپنی قدرت خیالی اور عزم کے انتہائی پختہ تھے، اور صبر وتحمل کے پیکر اور طبعیت میں استغناء حد درجہ تھا، اور ہمیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی فکر رہتی تھی۔

اصلاحی تعلق

موصوف کا اصلاحی تعلق حضرت مسیح الامت آقائی ومولائی الحاج مولانا مسیح اللہ خان صاحب مرقدہ سے تھا، اور میں نے ایک مرتبہ بیعت کے بارے میں معلوم کیا تو بتایا کہ حضرت مولانا الحاج محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی نور اللہ مرقدہٗ سے تھا، موصوف تین بھائی ہیں۔ بڑے بھائی مولانا عطاء الرحمٰن صاحب ناظم مدرسہ اشرف المدارس وطن مالوف، چھوٹے بھائی عزیزم عتیق الرحمٰن صاحب اُن کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رہے۔

مرحوم نے چار اولاد چھوڑی ہیں: بڑے صاحب زادے قمر الزماں جو گھر کا کام کاج سنبھالے ہوئے ہیں، چھوٹے صاحب زادے مسعود الزماں جو مدرسہ شاہی میں سال ششم میں زیر تعلیم ہیں، اور دو بچیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں بھائیوں کو اپنے والد مرحوم کا صحیح طور پر جانشین بنائے، یہ موصوف کے اخلاق ہی تھے کہ جنازہ میں ہزاروں عوام وخواص کا مجمع تھا، اہل وعیال اور عزیز واَقارب تو اپنی جگہ غم والم میں بے ہوش تھے ہی، مگر اربابِ مدرسہ شاہی مرادآباد، اساتذہ اور طلبہ غرض ہر شخص کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ مولانا سے کس قدر تعلق اور محبت تھی۔

ایک خاص بات یہ تھی کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ حضرت کو مجھ سے زیادہ تعلق ہے، گویا کہ مرحوم "خیر الناس مع ینفع الناس" (بہترین انسان وہ ہے جس سے دوسروں کو نفع پہنچے) وہ اس کے مصداق تھے، یعنی "مفتاح للخیر" اور "مغلاق للشر" (خیر کے دروازے اُن کے ذریعہ کھلتے تھے اور شر کے دروازے بند ہوتے تھے)

دو خاندانوں یا دو بھائیوں میں صلح کے لئے بڑی بڑی قربانی دے کر صلح کرادیتے تھے، اور قومی ملی کاموں میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متوجہ کرکے کام پر لگاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم کے سانحۂ ارتحال کے وقت لوگوں کا ہجوم تھا، ہر شخص ان کا مرہونِ منت تھا، اور اُن کے کام واخلاق سے متأثر تھا، اُن کا غم کسی خاندان یا ایک گھرانے کا غم نہیں؛ بلکہ پوری پوری قوم اور شہر واطراف والے سب غم میں برابر کے شریک ہیں، واقعہ یہ ہے کہ سب ہی غم زدہ ہیں، اور وہ اس

شعر کے مصداق تھے:

یاد داری وقتِ زادنِ تو ہمہ خنداں تو گریاں
آنچاں ذی کہ وقتِ مردنِ تو ہمہ گریاں تو خنداں

شاعر انسان کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ جب تیری پیدائش کا وقت تھا، تو روتا ہوا آیا تھا اور ساری دنیا خوشی خوشی ہنس رہی تھی، ایسی زندگی گذار کہ جب تو دنیا سے جائے تو ہنستا ہوا جائے اور دنیا تیرے لئے رو رہی ہو۔

میں نے جب مرحوم کا چہرہ غور سے دیکھا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ محسوس ہو رہی تھی، اور سارا مجمع اشک بار تھا، اور ایسی موت ہوئی کہ جس پر سب کو رشک ہے۔ حق تعالیٰ آغوش رحمت میں جگہ عنایت فرما کر اُن کی قبر کو نور سے بھر دے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کی یاد

جناب عبید اقبال عاصم صاحب ۴۶۰/۴ زہرہ باغ علی گڈھ یوپی

مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کا نامِ نامی ''مدرسہ شاہی مراد آباد'' کی نسبت سے بسا اَوقات سنا، بیشتر دفعہ اُن کا تذکرہ اخبارات میں بھی نظر نواز ہوا؛ لیکن پہلی ملاقات کا شرف ۹/اپریل ۲۰۰۴ء کو حاصل ہوا، یہ ملاقات ایسی یاد میں تبدیل ہوگئی کہ اُس کو ذہن کے محفوظ خانوں سے کھرچا ہی نہیں جاسکتا۔ ۹-۱۰/اپریل ۲۰۰۴ء کو یوپی رابطہ کمیٹی کے سکریٹری برائے تعلیم پروفیسر عتیق احمد صدیقی مرحوم نے مراد آباد، ٹانڈہ اور رام پور میں مدارس و اسکولوں میں تعلیمی دوروں کا پروگرام بنایا، اس کے لئے مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نائب صدر ضلع مراد آباد یوپی رابطہ کمیٹی سے تعاون طلب کیا، انہوں نے اپنی علم پرور طبیعت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے صدیقی صاحب مرحوم کی اس صدا پر لبیک کہتے ہوئے ٹانڈہ میں عظیم الشان جلسہ کے پروگرام کا انتظام کیا۔ ۹/اپریل کی صبح عتیق احمد صاحب مرحوم کے مطابق مراد آباد سے مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کو بھی اس کارروان میں شامل ہونا تھا؛ لیکن راستوں کی ناہمواری اور گاڑی کی سست رفتاری کے سبب ہمارا یہ سفر متعینہ وقت سے دوگنی مدت میں پورا ہوا، مولانا ہمارا انتظار کرکے ٹانڈہ روانہ ہوگئے، وہ جمعہ کا مبارک دن تھا۔ جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد ڈاکٹر فہیم صاحب نے ضیافت فرمائی۔ شام میں انصار انٹر کالج مراد آباد میں پرنسپل اور منیجر حضرات کے ساتھ خاصی بڑی میٹنگ ہوئی، جس میں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور و خوض ہوا۔ بعد نماز عصر ہمارا یہ قافلہ ٹانڈہ کے لئے عازم سفر ہوا، جہاں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہمارے منتظر تھے۔

مغرب کی نماز پڑھ کر مدرسہ پہنچے، جہاں مولانا سے پہلی ملاقات ہوئی، جب تک ملاقات

نہیں ہوئی تھی تو ذہن میں اس حشم وخدم کا تصور تھا، جو کسی مدرسہ کے مہتمم یا نائب مہتمم کے متعلق عام طور پر تصور کیا جا سکتا ہے؛ لیکن پہلی ہی نظر میں یہ تصور کافور ہو گیا۔ ظاہری طور پر نہ حشم تھا نہ خدم، نہ رعب، نہ داب، معتدل جسم، چہرے پر رہنے والی مسکراہٹ سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ وقتی نہیں؛ بلکہ دائمی ہے، مزاج میں بلا کی انکساری، متواضع، حلیم، سنجیدہ و بردبار شخصیت کے مالک مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نے پہلی ملاقات میں ہی مجھے اُن کا گرویدہ بنا دیا۔ رات کو سخت آندھی وطوفان کی وجہ سے جلسہ کا انتظام درہم برہم ہو چکا تھا؛ لیکن ذرا سکون ہوا تو مولانا مرحوم ہمیں جلسہ گاہ تک لے گئے، مختصر سی تقریر کی، جس میں عوام کو علم کی اہمیت بتلائی، اور عصری و مذہبی علوم میں تفریق کو مغرب کی سازش قرار دیا، اس کے بعد رقت آمیز دعا کرائی، پھر قیام گاہ پر واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر کی گفتگو میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مولانا سے برسوں کی شناسائی نہیں؛ بلکہ یارانہ ہو، بہت ہی بے تکلف انداز میں دورِ حاضر کے مسائل دینی مدارس کے انحطاط مسلمانوں کو درپیش مسائل پر دیر رات گئے تک اور صبح بعد فجر سے پھر اُنہیں موضوعات پر گفتگو کا سلسلہ چلا۔ ۱۰/اپریل کی صبح کو پروگرام کے مطابق مولانا کو سیدھے مراد آباد جانا تھا؛ لیکن مولانا کی عادات واخلاق سے متأثر ہو کر ہم نے مولانا کو باصرار اپنے ساتھ رام پور ہوتے ہوئے مراد آباد جانے پر راضی کر لیا، صبح کے اوقات میں ہی ایک دو مدرسے دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا۔ پھر ۸/ بجے کے قریب ہم لوگ رام پور کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔

رام پور میں پروفیسر نظامی صاحب کے یہاں ناشتہ پر مدعو تھے، ناشتہ سے فراغت کے بعد ''سن وے اسکول'' میں طلبہ واساتذہ سے باتیں کرنا تھیں، سن وے اسکول میں پرنسپل شجاع الرحمٰن صاحب نے مفتی شہر مفتی محبوب الٰہی صاحب کو بطور خاص اور دیگر بہت سے معززین شہر واراکین رابطہ کمیٹی کو مدعو کر کے ایک اچھی نشست کا اہتمام کر لیا، مختلف حضرات کی تقریریں ہو گئیں، مولانا نے دعا کرائی، دعا کے بعد شرکاء کے ساتھ کھل کر گفتگو ہوئی، اور پھر ہم لوگ نماز ظہر سے فراغت کے بعد مراد آباد کے لئے روانہ ہو گئے، گاڑی میں بھی ہم لوگوں کا موضوع گفتگو مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم لوگ دینی مدارس کے طلبہ کو تدریسی تربیت پر گفتگو کر رہے تھے، اور مولانا مرحوم اس سے پوری طرح اتفاق کر رہے تھے، اسی وقت سامنے سے بے قابو ایک تیز رفتار منی ٹرک نے ہماری گاڑی کو نشانہ بنالیا، ایک ایکسیڈنٹ کا ہولناک تصور آج بھی لرزہ براندام کردیتا ہے، ذرا حواس درست ہوئے تو رفقاء سفر کی خبر لی، میں اگلی نشست پر تھا، اور تینوں بزرگ حضرات پچھلی نشست پر، معلوم ہوا کہ تینوں ہی بزرگ مجروح ہیں، ہمتیں یکجا کر کے تینوں بزرگوں کو راہ گیروں کی مدد سے گاڑی سے باہر نکالا، اور ایک ٹرک میں ڈال کر مرادآباد اسپتال پہنچایا۔ انتہائی زخمی حالت میں دونوں ٹانگوں اور مختلف مقامات کی گمنام چوٹوں کے سبب مولانا مرحوم کراہ رہے تھے؛ لیکن اس میں بھی مولانا مرحوم نے اپنے حواس قائم رکھتے ہوئے مجھے اپنے گھر مدرسہ شاہی اور کچھ دیگر حضرات کے فون نمبر دئے، میں نے اسپتال میں ان تینوں حضرات کو داخل کر کے پہلی فرصت میں مولانا کے دئے ہوئے نمبروں نیز ڈاکٹر فہیم صاحب کو ٹیلی فون کیئے۔ تھوڑی ہی دیر میں اسپتال میں عیادت کرنے والوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ علماء، قائدین، سیاسی رہنما، سماجی ورکرز سبھی لوگ اسپتال کے چکر کاٹ رہے تھے، اور میری بے گانگت کو ختم کر رہے تھے۔ اِس اثناء میں ہمارے ایک رفیق سفر پروفیسر محمد شریف صاحب کا انتقال ہوگیا، میرے لئے یہ کیسا صبر آزما مرحلہ تھا، اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں؛ لیکن مولانا مرحوم کی تسلی اُن کے رفقاء کے تعاون اور اہالیانِ مرادآباد کی ہمدردیوں سے وہ تمام مراحل چشم زد میں طے ہوگئے، جن کے لئے دن درکار ہوتے۔

ایکسیڈنٹ اور اس کے بعد بھی میں نے مولانا مرحوم کو مستقل ذکراللہ میں مشغول پایا، وہ اپنی انتہائی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ مجھے ہی تسلی دے رہے تھے؛ بلکہ اپنے اعزاء واقرباء سے بھی زیادہ میرا خیال رکھنے پر اصرار کر رہے تھے۔ مولانا مرحوم کا یہ تأثر میرے ذہن پر اسی دن سے نقش ہے، مولانا مرحوم سے اس کے بعد بالمشافہ کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ ٹیلی فون پر گفتگو، مزاج پرسی اور عیادت کئی بار ہوئی، کئی مرتبہ مرادآباد جاکر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن کی عیادت کے بارے میں سوچا؛ لیکن اپنی کاہلی کی بنا پر عمل پیرا ہونے سے قاصر رہا۔

آج (۲۶؍جولائی ۲۰۰۵ء) کے اخبار میں مولانا کے انتقال کی خبر سے سناٹے میں آ گیا، پہلے تو یقین ہی نہیں آیا؛ لیکن خبر کو مختلف زاویوں سے پڑھنے اور مولانا کے اہل خانہ کو ٹیلی فون کرنے پر معلوم ہوا کہ خبر واقعی ہے،تو یقین آ گیا کہ: ﴿**كل من عليها فان. ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام**﴾ والا معاملہ ہے؛ لیکن مولانا کا سانحۂ وفات جس طریقہ پر رونما ہوا، وہ انتہائی قابل رشک ہے۔ واقعی بات ہے کہ:

شہید عشق جی جاتے ہیں جی سے کیا گذرتے ہیں

کاررواں کے پہلے رفیق پروفیسر محمد شریف خاں مرادآباد اسپتال میں اسی دن رخصت ہوگئے تھے، دوسرے رفیق پروفیسر عتیق احمد صدیقی ۱۷؍دسمبر ۲۰۰۴ء کو مغرب کی نماز کے لئے وضو کرتے ہوئے اچانک رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اور حضرت مولانا اللہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ اَب یہ ناکارۂ خلائق ہے، اللہ تعالیٰ کارآمد زندگی کے ساتھ وقت موعود پر ایمان کی دولت کے ساتھ حسن خاتمہ کرے، آمین۔

تینوں بزرگ رفقاء مرحوم کی موت ظاہری طور پر ان حالات میں ہوئی، جو اللہ تعالیٰ کی ان حضرات کے تئیں خوشنودی کا مظہر ہے، اللہ تعالیٰ مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام، اُن کی مخلصانہ مساعی کو قبولیت اور خصوصی مراتب سے نوازے، نیز اُن کے ورثہ و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی چند گھنٹوں کی ملاقات میرے ذہن کے دریچوں میں جس طرح محفوظ ہے؛ وہ شاید تاحیات باقی رہے گی۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت

مولانا مصلح الدین قاسمی سابق اُستاذ اَدب عربی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

زندگی اور موت کے مابین بڑے گہرے، اٹل اور لازوال رشتے قائم، اس دنیا کی ہر شخصیت خواہ کتنی ہی دل کش، کتنی عزیز اور محبوب کیوں نہ ہو، اُسے بھی ایک نہ ایک دن رختِ سفر باندھنا ہے؛ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ انسان مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے، اس کا وجود روز بہ روز فنا کی طرف پیش قدمی کرتا ہے، گویا موت وحیات دنیا کی ناپائیداری، انسانی بےبسی اور خدائی طاقت وجبروت کی واضح دلیل ہے۔

یوں تو موت کے چنگل کا شکار ہر ایک کو ہونا ہے، روزانہ دنیا میں لاکھوں انسان موت کی تیرہ وتار وادی میں قدم رکھتے اور جا بستے ہیں، مگر حقیقی موت وہ ہے جو اپنے پیچھے اشک بار آنکھیں، مضطرب دل، مصائب وآلام کا طوفان اور نہ پر ہونے والا خلا چھوڑ کر جائے، حقیقی موت وہ ہے جو اس حال میں آئے کہ زبان پر حمد باری تعالیٰ کا ورد ہو۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے نائب مہتمم حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوری نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ ارتحال کچھ اسی انداز کا ہے، جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔ آپؒ کی اچانک وفات سے ہزاروں آنکھیں اشک بار، ہزاروں دل بےکل اور لاتعداد افراد غم سے نڈھال ہیں۔ ہم خادمانِ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کو تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ آپ ابھی اس دنیا سے گئے ہی نہیں، آپ کی آمد ورفت کا خاص اُسلوب، مسکراتا ہوا چہرہ، خوش اخلاقی سے ملنا، خیرت معلوم کرنا؛ سب کچھ نگاہوں کے سامنے گردش کر رہا ہے، اور آپ کے ایک ایک اَدا کی عکاسی کر رہا ہے، مگر اَب تو صرف تصورات کے سہارے آپ کی حسین یادوں سے دل ودماغ کو لذت آشنا

کر سکتے ہیں، حقیقت کے مناظر تو اب ہمیشہ کے لئے ماضی کے واقعات بن گئے۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ بروز اتوار صبح کا وقت ہے، نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہوکر ناشتہ کیا، طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت مہتمم صاحب (مولانا اشہد رشیدی مدظلہ) کے ہمراہ ساڑھے نو بجے ایک دینی پروگرام میں موضع دڑھیال ضلع رام پور تشریف لے گئے، دونوں نے ساتھ ناشتہ کیا، حسبِ پروگرام تقریر کے لئے جانے لگے، تو حضرت مہتمم صاحب سے فرمایا: ''آپ جلد تشریف لے آئیں؛ تاکہ میں جلد فارغ ہوجاؤں'' پھر آپ نے خالص دینی، علمی اور اصلاحی تقریر فرمائی، اور ''وآخر دعوانا ان الحمد للہ'' ہی پر بلاوا آ گیا، اور بغیر کسی تاخیر کے یہ دینِ متین کا خادم خدا کے حضور حاضر ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آہ

کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت

کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

اسی دن بعد نماز عشاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی دارالطلبہ لالباغ سے متصل قبرستان میں ہزاروں سوگواروں نے باچشم پرنم و بادلِ پرغم حضرت کو سپردخاک کردیا۔ نماز جنازہ حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی۔

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں آپ تقریباً چودہ سال رہے، اور اوقاف جیسی اہم ذمہ داری کا فریضہ انجام دیتے رہے، اِس حوالے سے آپ کی خدمات جامعہ کی تاریخ میں آبِ زر سے

لکھی جانے کے قابل ہیں۔ آپ نے موقوفہ جائیداد کے تحفظ اور اُس کی آمدنی بڑھانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، اِس سلسلے میں بہت سے لوگوں کی تلخ کلامی بھی آپ کو سننا پڑی، مگر آپ اپنے کام میں لگے رہے اور آپ کے پائے استقامت میں جنبش نہیں آئی۔

مولانا کے انتقال کے بعد دوسرے دن جامعہ میں تعزیتی اجلاس ہوا، جس میں اکابر علماء نے حضرت مولانا مرحوم کے اَوصافِ حمیدہ پر روشنی ڈالی۔ احقر کو ہر چند کہ مولانا مرحوم سے بہت بے تکلفانہ واسطہ اور غایت درجے کا قرب اِس معنی کر نہیں رہا کہ آپ ایک ذمے دار کی حیثیت سے تھے، اور میں ایک ادنیٰ درجے کا مدرس، مگر پھر بھی شاہی میں چار سالہ تدریسی زندگی کے دوران احقر نے کھلے طور پر یہ محسوس کیا کہ آپ عزم واِرادے کے پکے اور استقلال وجواں مردی کے پہاڑ ہیں، اور یہی عزم وحوصلہ اور جذبہ آپ طلبہ میں بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ چناں چہ باوجود اِس کے تدریسی لحاظ سے آپ کا ربط طلبہ سے نہیں تھا، مگر پھر بھی انہیں بلا بلا کر سمجھاتے، اُن میں تعلیم اور تحریر کا جذبہ پیدا فرماتے۔ مدتِ دراز سے تاحیات آپ انجمن ''اصلاح البیان'' طلبہ صوبہ یوپی واتراکھنڈ کی سرپرستی فرماتے رہے، اور طلبہ کو میدانِ خطابت وصحافت کا شہسوار دیکھنا چاہتے تھے۔ وفات سے دو تین دن پہلے کی بات ہے، احقر بعد نماز مغرب متصلاً طلبہ کو تکرار اور مطالعہ کے لئے بٹھا رہا تھا، آپ مدرسے کے صحن میں کھڑے تھے، تمام کمروں سے ہوتا ہوا جب میں واپس ہوا، تو مسکرا کر فرمایا: ''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' میں نے کہا: حضرت! اِن طلبہ کے پیچھے کچھ تو پڑنا ہی پڑتا ہے، بغیر اِس کے کہاں کام چل سکتا ہے؟ تو فرمایا: اِنہیں ہانکنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں تعلیم کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، ورنہ مغرب بعد جیسے قیمتی وقت کے لئے بھی پڑھنے کے لئے کہنا پڑے، حیرت کی بات ہے۔ پھر فرمایا: اِن میں دلچسپی اور ایسا جذبہ پیدا کیجئے کہ پڑھنے کے لئے کسی کے کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔

عزم واِرادے کی پختگی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مرحوم کے متعلق حضرت مہتمم صاحب مولانا اشہد رشیدی زید مجدہم نے اپنی تعزیتی تقریر میں مجمع عام میں فرمایا کہ: ''حضرت

مولانا اپنے عزم واِرادے کے اتنے پکے تھے کہ مدرسے کے معاملے میں دوسروں سے دشمنی تو مول لے لیتے تھے، مگر اپنے موقف سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے، بہت سختی سے اس پر کاربند رہتے''۔ اور الحمدللہ اس کا فائدہ بھی اِدارے کو ہوا، مدرسے کے معاملے میں کبھی آپ نے نیچے اُتر کر دباؤ میں بات نہیں کی؛ بلکہ کسی ملامتگر کی ملامت کی پروا کئے بغیر اپنے موقف حق پر سدسکندری بنے رہتے تھے، جب کہ دوسری طرف اپنے سے چھوٹوں اور جامعہ کے اساتذہ وطلبہ کے ساتھ آپ کا معاملہ بڑا مشفقانہ رہتا۔ خود احقر کا بارہا کا تجربہ ہے کہ کسی کام سے گیا تو مسکرا کر فرمایا: مولانا! آپ کا کام ضرور ہوگا۔ سچ ہے مؤمن کی یہی شان بتائی گئی ہے:

لا تیأسن وإن طالت مطالبة ❖ إذا استعنت بصبر أن تری فرجا

أخلق بذي الصبر أن یحظیٰ بحاجته ❖ ومد من القرع للأبواب أن یلجا

ترجمہ:- منزلِ مقصود کی رسائی میں کتنی ہی طویل مدت گذر جائے، مگر کبھی مایوسی کا شکار نہ ہونا، اگر تم نے صبر کی قوت کا سہارا لیا ہے تو کشائش آ کر رہے گی۔ قوتِ صبر سے مالا مال انسان کی ضرورت پوری ہوکر رہتی ہے، وہ اپنے مقصود کے حصول کے ذریعہ سرفراز ہوکر رہتا ہے، مسلسل دروازے پر دستک دینے والا اندر داخل ہو ہی جاتا ہے۔

رب کریم حضرت مولانا کی قبر کو نور سے منور فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق اَرزانی فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

ایک تقریر؛ جو آخری تقریر بن گئی

از: الحاج ذکر الرحمٰن صاحب نئی سڑک مرادآباد

حسن اتفاق کہ مجھے دڑھیال ضلع رام پور کے آخری جلسہ میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوریؒ کے ساتھ شرکت کی سعادت ملی، احقر جس وقت جلسہ گاہ میں پہنچا تو مولانا مرحوم کی تقریر جاری تھی، مولانا اصلاحِ معاشرہ پر زور دے رہے تھے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت بیان فرما رہے تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعہ ہندوستان پر تسلط اور ارتدادی تحریکات کے مقابلے میں علماء حق کے مجاہدانہ کردار کو بھی بڑے شرح وبسط سے بیان کیا، اور یہ حقیقت اُجاگر کی کہ اگر ہندوستان میں مدارس ومکاتب کا یہ نظام قائم نہ ہوتا، تو یہاں سے دین اسلام کا جنازہ نکل گیا ہوتا۔ آپ نے زور دے کر یہ بات کہی کہ عصری تعلیمی اِداروں میں دینی تعلیم کا معقول نظم ضروری ہے؛ تاکہ اُمت کے نونہال ضروری دینی معلومات سے بے بہرہ نہ رہیں، چوں کہ یہ جلسہ بچیوں کے ”مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ“ کے آغاز پر منعقد کیا گیا تھا، اس لئے آپ نے بچیوں کی دینی تعلیم پر بھی روشنی ڈالی، اور فرمایا کہ عورت میں اگر دین آئے گا تو اس کی گود میں پلنے والے بچوں اور گھر میں رہنے والے دیگر اَفراد میں بھی دینی اثرات نمایاں ہوں گے۔

آپ نے حاضرین جلسہ اور اہل بستی کو متوجہ کیا کہ وہ اِس ادارے کے تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصلہ لیں اور جو تعلیمی فیس مقرر کی جائے، اُس کو خوش دلی سے اور پابندی کے ساتھ اَدا کیا کریں۔ مولانا کی طبعیت خوب کھلی ہوئی تھی، اور بڑے جذباتی انداز میں تقریر فرمارہے تھے، تقریباً آدھے گھنٹے کی تقریر کے بعد جیسے ہی آپ نے دعائیہ کلمات کے بعد تقریر ختم کرتے

ہوئے ’’وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین‘‘ کہا؛ اچانک ایک ہچکی سی لی اور آواز بند ہوگئی۔

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی آپ کے قریب ہی بیٹھے تھے، اُن کے کہنے پر دل کے دورہ کی گولی جیب سے نکال کر مولانا مرحوم کی زبان پر رکھی گئی، کچھ لوگوں نے سینہ وغیرہ کی مالش کی، مگر سب بے سود اور مولانا مرحوم بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب نے بلند آواز سے رونے والوں کو سختی سے روکا، اور دڑھیال میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میت کے سرہانے بیٹھ کر تصویرِ غم بنے رہے، اور آہستہ آواز میں تلاوت میں مشغول رہے، جب کہ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

قابلِ قدر شخصیت

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری (مفتی واُستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ)

موت ایک ابدی حقیقت ہے، جس سے کسی بھی انسان کو مفر نہیں ہے، روزانہ بے شمار انسانوں کے مرنے اور پیدا ہونے کا سلسلہ جاری ہے، مگر بعض نفوس کی وفات کو دیر تک محسوس کیا جاتا ہے، اور اُن کے عالم فانی سے رخصت ہوجانے سے اُمتِ مسلمہ میں ایک عظیم خلا پیدا ہوجاتا ہے۔ انہیں عظیم المرتبت لوگوں میں حضرت اقدس مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوری نوراللہ مرقدہٗ سابق نائب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی ذات والا صفات بھی ہے، جن کی عظیم خدمات کو مدرسہ شاہی کی تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

ولادت

آپ کی ولادت موضع ڈونک پوری ٹانڈہ ضلع رام پور میں ہوئی، ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، مگر موصوف کے برادر اکبر حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مفتاحی کے بیان کے مطابق آپ کی عمر ۵۵/سال ہے، اس اعتبار سے ۱۹۵۰ء کے آس پاس آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، جو درجہ ناظرہ اور پرائمری تعلیم تک محدود رہی۔

مدرسہ شاہی میں داخلہ اور تعلیم

ابتدائی اور پرائمری تعلیم کے بعد آپ نے مدرسہ شاہی میں داخلہ لیا اور وہاں آپ نے تحفیظ القرآن میں رہ کر کلام اللہ شریف کا حفظ مکمل کیا، تجوید وقرأت کی تعلیم حاصل کی اور فارسی وابتدائی عربی درجات کی تعلیم جید الاستعداد اَساتذۂ کرام کی نگرانی میں حاصل کی، اس کے بعد

ایک سال ندوۃ العلماء میں رہ کر بھی تعلیم حاصل کی۔ پھر بعض حالات کی وجہ سے آپ کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا، اور گھر پر رہ کر کپڑے کی تجارت شروع کردی؛ لیکن آپ کے والد ماجد کی تمنا آپ کو عالم دین بنانے کی تھی، اور وہ اس کے لئے برابر فکر مند اور کوشاں رہے۔

مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں داخلہ اور فراغت

آپ کے قریبی عزیز حضرت مولانا نجم الحق صاحب مدظلہ رام پوری مقیم حال رام نگر ضلع نینی تال کی کوششوں سے ۱۹۶۸ء میں آپ نے شرحِ شامی کی جماعت میں مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں داخلہ لیا، جہاں حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا فیض جاری تھا، حضرت والا مرحوم کی سرپرستی میں رہ کر آپ نے اپنی تعلیم کو انتہائی مراحل تک پہنچایا، اور ۱۹۷۱ء میں آپ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل فرمائی۔

تدریسی سلسلہ کا آغاز اور عظیم ملی خدمات

فراغت کے بعد مدرسہ احیاء العلوم جامع مسجد بنجاران ہلدوانی میں آپ کا تقرر بحیثیت صدر مدرس اور خطیب جامع مسجد بنجاران عمل میں آیا۔ وہاں دس بارہ سال رہ کر آپ نے اپنی فطری صلاحیتوں کے وہ جوہر دکھلائے کہ عوام وخواص آپ کی صلاحیتوں کے گرویدہ ہوگئے، اور دور دراز تک آپ کا فیض پہنچا۔ جمعیۃ علماء ہند کا اس علاقہ میں خوب خوب تعارف کرایا۔ جمعیۃ کی شاخ قائم فرمائی اور اس کے پروگراموں کو اُجاگر کیا اور عوام الناس کا بہت بڑا طبقہ جمعیۃ علماء ہند اور مسلک دیوبند سے وابستہ ہوگیا۔ مسلک دیوبند کے آپ اس خطہ میں حقیقی ترجمان سمجھے جاتے تھے، آپ کے وجود مسعود سے مسلک دیوبند کی اس خطہ میں خوب خوب اشاعت ہوئی۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں تقرر

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں ابتداءً آپ کا تقرر حضرت مولانا جلیل احمد صاحب

سیوہاروی نور اللہ مرقدہٗ سابق صدر جمعیۃ علماء اتر پردیش کی تحریک پر ۲۶/رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ کو تحویل دار کے عہدے پر ہوا، اور چند مہینے آپ نے اس عہدے پر کام کیا؛ لیکن مسلمانانِ ہلدوانی کو آپ کی جدائی کا بے انتہا غم تھا، اور وہ برابر آپ کو ہلدوانی دوبارہ لانے کے لئے کوشاں تھے، چناں چہ متعدد مرتبہ مدرسہ شاہی کے ہر دل عزیز مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہٗ سے آپ کی ہلدوانی واپسی کی درخواست کرتے رہے، اور ایک مرتبہ پوری بس بھر کر لوگ آپ کو ہلدوانی سے لینے کے لئے آئے، حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے باشندگانِ ہلدوانی کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے آپ کو ہلدوانی واپس جانے کی اجازت دے دی، اور ایک سال سے کچھ زائد عرصہ پھر آپ نے ہلدوانی میں تدریسی، قومی اور ملی خدمات انجام دیں؛ لیکن مشیت ایزدی کو آپ کی ذاتِ بابرکت سے کچھ اور ہی کام لینا تھا۔

مدرسہ شاہی میں بحیثیت نائب مہتمم دوسرا تقرر

چناں چہ مجلس شوریٰ مدرسہ شاہی کی تجویز کے مطابق ۵/محرم الحرام ۱۴۰۵ھ کو بحیثیت نائب مہتمم مدرسہ شاہی آپ کا دوسری مرتبہ تقرر عمل میں آیا، اور اپنی فکری صلاحیتوں اور فکری جولانیوں کو پروان چڑھانے کے لئے آپ کو وہ عظیم میدان قدرت کی طرف سے حاصل ہوگیا، جس کے آپ بجا طور پر مستحق تھے۔ مدرسہ شاہی سے وابستگی کے بعد آپ کو حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بعض اسباق کی ذمہ داری کے ساتھ خاص طور پر اوقاف اور تعمیرات کی ذمہ داری تفویض فرمائی، آپ کے ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے اواقف کی سالانہ آمدنی بہت ہی قلیل تھی، مگر آپ نے اپنی محنت جد وجہد اور جفاکشی سے اس کی آمد کو بڑھانے کی کوشش فرمائی، مقدمات قائم کر کے کرایہ داروں سے کرایہ میں اضافہ کرایا، بعض عمارات خالی کرا کے دوسرے کرایہ داران کو معقول کرایہ پر دیں۔ آج آپ کی جد وجہد کی بدولت مدرسہ شاہی کو اوقاف سے سالانہ آمدنی لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔

اسی طرح مدرسہ شاہی کی جدید تعمیرات، دفاتر، درس گاہوں، اقامت گاہوں اور شاہی

مسجد کی فوقانی منزل بھی آپ کی ہی صلاحیتوں کا حسین شاہکار ہے۔

دارالطلبہ میں حضرت مہتمم صاحب مولانا رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہٗ اور دوسرے اساتذۂ کرام کی رہائش گاہیں، مدنی مسجد دارالطلبہ کی دو منزلیں، عبدالحق منزل کی سہ منزلہ عمارت آپ ہی کی نگرانی میں وجود میں آئیں۔

مذکورہ تمام انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ''شرحِ عقائد نسفی'' کی تدریس بھی آپ سے وابستہ تھی، اور آپ کے سبق کو طلبہ میں مقبولیت حاصل تھی۔ راقم السطور کو آپ کے سبق سے گاہے گاہے استفادہ کا شرف حاصل ہے۔ بعد میں انتظامی مصروفیات کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

جب مدرسہ شاہی کے اربابِ حل وعقد خصوصاً اس کے ہر دل عزیز مہتمم حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہٗ نے مدرسہ شاہی کے ترجمان ''ماہنامہ ندائے شاہی'' کے اجراء کا فیصلہ کیا، تو اس کا مدیرِ اعلیٰ آپ ہی کو تجویز کیا گیا، جب کہ مدیرِ مسئول کی حیثیت سے رفیق گرامی قدر مولانا بشیر احمد صاحب گونڈوی سابق استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد منتخب ہوئے، آج یہ رسالہ ہندوستان کے کثیر الاشاعت رسالوں میں شمار ہوتا ہے۔

مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں تقرر

بعض خاص اسباب کی وجہ سے ۱۶؍شوال ۱۴۱۱ھ کو آپ نے مدرسہ شاہی سے استعفیٰ دے دیا، اور چند ماہ اپنے وطن میں قیام پذیر رہنے کے بعد مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں حضرت مولانا اِمام الدین صاحب رام نگری مدظلہ العالی کی تحریک اور مدرسہ حیات العلوم کی مجلس شوریٰ کی تجویز پر مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں بحیثیت نائب مہتمم اور ناظم تعلیمات کے منصب پر آپ کا تقرر عمل میں آیا، اور وہاں آپ نے اپنی صلاحیتوں کے خوب خوب جوہر دکھلائے، اور مختلف شعبہ جات میں آپ نے اصلاحات کیں، اور یہ خدمت کا سلسلہ رجب ۱۴۱۶ھ تک رہا۔

مدرسہ شاہی میں تیسرا تقرر

لیکن مدرسہ شاہی سے آپ کو جو تعلق خاطر تھا اُس کی بنا پر آپ نے دوبارہ اِس ادارے کی خدمت کی تمنا کی، بالآخر ۳؍رجب ۱۴۱۶ھ کو دوبارہ اسی سابقہ عہدۂ نائب مہتمم کے منصب پر آپ کا تیسری مرتبہ تقرر ہوا، اور سابقہ ذمہ داریاں اَوقاف، تعمیرات اور نشر واِشاعت وغیرہ آپ کو تفویض ہوئیں۔

مدارسِ اسلامیہ کی سرپرستی رکنیت اور دیگر ملی خدمات

مرکز العلوم الاسلامیہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ دوسرے متعدد مدارس کی اعزازی ذمہ داریاں بھی آپ سے وابستہ تھیں، جن کو آپ حتی المقدور انتہائی خوش اُسلوبی سے انجام دیتے تھے، جن کی اجمالی کیفیت حسب ذیل ہیں:

(۱) اپنے وطن ڈونک پوری ٹانڈہ کے بڑے مدرسہ ''مرکز اشرف المدارس'' کے آپ تاحیات مہتمم رہے، اور انتہائی خوش دلی کے ساتھ اِس ذمہ داری کو پوری کرتے رہے۔ اپنے وطن کو جاتے وقت اِس ادارے کے اُمور سے دلچسپی لیتے اور دیگر کارکنان وذمہ داران سے اس ادارے کے بارے میں استفسار فرماتے تھے، اور پیش آمدہ مسائل کو حل فرماتے تھے۔

(۲) مدرسہ فیض العلوم تھانہ ٹین رام پور جو آج شہر رام پور میں مسلک دیوبند کا ترجمان اور اہل حق کا عظیم مرکز ہے، اس کی نظامت علیا کی ذمہ داری آپ سے وابستہ رہی، آپ اس مدرسہ کی ترقی کے لئے برابر فکر مند اور کوشاں رہتے، اور مدرسہ کے ذمہ داران خاص طور سے مولانا محمد اسلم جاوید قاسمی صاحب ناظم مدرسہ فیض العلوم تھانہ ٹین رام پور کو مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔

(۳) مدرسہ جامعۃ المعارف دومحلّہ روڈ رام پور؛ جو حضرت مولانا عبدالوہاب خان صاحبؒ کا تعمیر کردہ قدیم اِدارہ تھا۔ مرحوم کے وصال کے بعد اُن کے برادر معظم مولانا عبدالسلام صاحب اعظمی اس کے مہتمم رہے، مولانا عبدالسلام خان صاحب نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس کا اہتمام حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوریؒ کے سپرد فرمادیا، اور اس عظیم ذمہ داری

کو بھی آپ نے بطریق احسن پورا فرمایا۔ چند سال ذمہ داری انجام دینے کے بعد مدرسہ شاہی کی مصروفیات کی وجہ سے جامعۃ المعارف کا اہتمام آپ نے دوسرے حضرات کے حوالے کر دیا؛ لیکن سرپرستی آخری دم تک باقی رہی۔

(۴) مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور کی مجلس شوریٰ کے آپ رکن رکین رہے، اور پوری دلچسپی کے ساتھ اس کے اجلاسوں میں شرکت فرماتے اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

(۵) آپ دارالعلوم جامع مسجد شہر میرٹھ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، اور برابر اس کی میٹنگوں میں شرکت فرماتے رہے۔

(۶) ضلع رام پور کے علماء کرام کو مربوط کرنے کے لئے آپ نے ''مجلس علماء ضلع رام پور'' کے نام سے ایک تنظیم قائم فرمائی؛ تاکہ مختلف دیہاتوں میں رہنے والے علماء کرام کے درمیان رابطہ مستحکم ہو، اور مسلک کی حفاظت اور اس کی اشاعت وفروغ کے لئے مضبوط لائحۂ عمل مرتب ہو سکے۔ آپ ہی اس تنظیم کے اولین صدر محترم تھے، جب کہ ناظم عمومی کی حیثیت سے حضرت مولانا محمد اسلم جاوید قاسمی ناظم مدرسہ فیض العلوم تھانہ ٹین رام پور کا اسم گرامی منتخب ہوا، اور مدرسہ فیض العلوم تھانہ ٹین رام پور میں اس تنظیم کا ضلعی دفتر قائم کیا گیا۔ آپ نے اپنے دور صدارت میں اس تنظیم کا دستور مرتب کر کے شائع فرمایا، اور ایک تصنیف ''رحمانی دعائیں'' کے نام سے شائع فرمائی، جس کے مرتب اور مؤلف بھی حضرت والا ہی تھے۔ ضلع کے متعدد مقامات پر میٹنگیں اور دورہ کر کے آپ نے اس مجلس کا تعارف کرایا، اور اس کی غرض وغایت سے عوام وخواص کو روشناس کرایا، اور عمومی ممبر سازی فرمائی۔ بعد میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے صدارت کی ذمہ داری مولانا ڈاکٹر محمد اکرام علی قاسمی مدظلہ کی جانب منتقل ہوگئی، جب کہ نظامت عمومی اور ضلعی دفتر بحالہ قائم اور باقی ہے، آج بھی یہ مجلس کسی نہ کسی حد تک اپنے اُمور مفوضہ میں مصروف عمل ہے، اور حضرت والا کی سرپرستی اس کو آخری دم تک حاصل رہی۔

(۷) اِس سال کے آغاز میں فتنۂ قادیانیت کے تعاقب کے لئے مختلف مکاتب فکر کے

علماء کرام پر مشتمل ''مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع رام پور'' کی تشکیل عمل میں آئی، اور حضرت والا کو اس کا سرپرست منتخب کیا گیا، آپ اس مجلس کا حال برابر معلوم کرتے اور مفید مشوروں اور نیک دعاؤں سے نوازتے رہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد مدارس کی آپ نے سرپرستی فرمائی۔ جمعیۃ علماء ہند کے اُمور اور اُس کے کاز سے مکمل اتحاد و اتفاق اور تعاون فرماتے تھے، اور اس کے پروگراموں میں برابر شرکت کی کوشش فرماتے رہے۔ مدرسہ شاہی میں طلبہ یوپی کی انجمن کے بھی آپ سرپرست تھے، طلبہ عزیز پر بے پناہ شفقت فرماتے اور اُن کی مضمون نگاری کی اصلاح بھی فرماتے تھے۔

خصائل و عادات

آپ عاداتِ حسنہ اور خصائل جمیلہ کے ساتھ متصف تھے، خورد نوازی آپ کی ممتاز صفت تھی۔ مہمان نوازی، خودداری، صبر و شکر، فکر کی بلندی، احساسِ ذمہ داری، جفاکشی، اُمت کی اصلاح کی فکر، معاشرے میں بگاڑ پر تشویش اور اُن کی اصلاح کے طریقۂ کار کی تلاش و جستجو آپ کے وہ اَوصاف ہیں، جو عرصۂ دراز تک یاد رہیں گے۔

راقم السطور کا تقریباً بیس بائیس سال سے حضرت والا سے تعلق رہا، حضرت والا کو ہمیشہ شریعت مطہرہ کا پابند پایا، جب وطن جاتا تو مدرسہ شاہی میں حاضر ہوکر ملاقات کی کوشش کرتا، ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملاقات فرماتے، اور موقع کے لحاظ سے عمدہ سے عمدہ تواضع اور مہمان نوازی فرماتے۔ جب ہاپوڑ آتے تو اس حقیر کو ملاقات اور خدمت کا موقع دیتے، کبھی رات کو قیام بھی ہاپوڑ ہی فرماتے، اور دیر تک قومی، ملکی، ملی اور علاقائی مسائل پر تبادلہ خیال فرماتے۔

تین سال قبل میرے بڑے بھائی ایک حادثہ کا شکار ہوگئے اور مراد آباد ہسپتال میں اُن کا انتقال ہوگیا، اور پوسٹ مارٹم کی ضرورت پیش آئی، میں نے حضرت والا کو فون پر مطلع کیا، فوراً تشریف لائے اور چار پانچ گھنٹے کھڑے کھڑے میرے ساتھ گذارے، اور مجھ کو تسلی دیتے رہے اور اپنے اعذار اور امراض کی بھی پروا نہیں فرمائی۔ بلا امتیاز علاقہ اور قرب و جوار کے عوام و خواص سے آپ کو غایت درجہ تعلق تھا، ضلع رام پور کے علاوہ ضلع مراد آباد، امروہہ، بجنور، بدایوں، نینی

تال، بریلی اور دور دراز کے عوام وخواص آپ سے غایت درجہ تعلق کا اظہار فرماتے۔

ماہِ رمضان میں مدرسہ شاہی کی طرف سے فراہمی مالیات کے لئے علاقہ کے قصبات میں جاتے، تو ہر طرف سے آپ کا تعاون ہوتا تھا۔ آپ اچھے قسم کے ادیب اور شستہ بیان مقرر بھی تھے، اور علاقہ میں جا بجا تقریر اور جلسوں کی صدارت کے لئے آپ کو مدعو کیا جاتا تھا، آپ کی تقریر کو عوام وخواص میں بے حد پسند کیا جاتا تھا۔

امراض اور قابل رشک وفات

آپ قلب کے کافی عرصے سے مریض تھے۔ علی گڈھ اور دہلی میں عرصہ قبل آپ کا علاج بھی ہوا، اور طبیعت سنبھل گئی تھی، اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری مستعدی کے ساتھ نبھاتے رہے، اس کے بعد بھی قلب کا دورہ آپ پر کئی مرتبہ پڑا اور طبیعت سنبھلنے کے بعد حسب معمول آپ کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ قبل آپ ایک ایکسیڈنٹ کا شکار ہوگئے، رفقاء میں سے ایک صاحب کی شہادت بھی ہوگئی، اور آپ کو بھی حد درجہ چوٹ آئی، اور کافی وقت کے لئے آپ صاحب فراش ہوگئے، مگر افاقہ کے بعد تمام کام حسب معمول آپ کرنے لگے۔ انتقال کے دن آپ حسبِ معمول ''مدرسہ خازن العلوم دڑھیال'' کے مہتمم مولانا محمد عثمان صاحب مفتاحی کی دعوت پر ''جامعۃ خدیجۃ الکبریٰ'' (جونیئر ہائی اسکول) کی افتتاحی تقریب میں مدرسہ شاہی کے باوقار مہتمم حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مدظلہ کے ہمراہ شرکت کے لئے تشریف لے گئے، اور عورتوں سے متعلق تقریباً ایک گھنٹہ تقریر فرمائی، اور تقریر ختم کرتے وقت ''وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین'' کہتے ہی سانس بند ہوگیا۔ اس طرح مؤرخہ ۱۷/جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴/جولائی ۲۰۰۵ء بروز اتوار تقریباً گیارہ بجے صبح آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، بلاشبہ آپ کی وفات حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ''من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة'' کے عین مطابق وجود میں آئی، اور بلاشبہ یہ قابل رشک موت ہے، اللہ تعالیٰ ہر ایمان والے کو ایسی موت نصیب فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

❍❖❍

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے

انتقال پر مدرسہ شاہی میں تعزیتی جلسہ

مرادآباد ۲۵/ جولائی ۲۰۰۵ء: مدرسہ شاہی کے نائب مہتمم اور ناظم تعمیرات واَوقاف حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک قابل رشک وفات پر شاہی مسجد میں صبح ۸/ بجے عظیم الشان تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جس کی صدارت مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب نے فرمائی۔

واضح رہے کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی گذشتہ روز دڑھیال ضلع رام پور کے ایک مدرسہ کے جلسہ میں تقریر ختم کرتے ہی ''وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین'' کہتے ہوئے وفات ہوگئی تھی، پھر آپ کے جنازہ کو مرادآباد لایا گیا اور عشاء کی نماز کے بعد دارالطلبہ لالباغ میں قرب وجوار سے آنے والے علماء اور ہزاروں عوام وخواص نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور آپ کو قریبی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تعزیتی جلسہ میں اولاً ایک گھنٹہ سیکڑوں طلبہ وحاضرین نے قرآنِ کریم کی تلاوت کی، اس کے بعد تأثرات کا سلسلہ شروع ہوا، سب سے پہلے خطاب کرتے ہوئے مدرسہ شاہی کے سابق نائب مہتمم حضرت مولانا محمد عمر صاحب نے فرمایا کہ مولانا مرحوم ایک اچھے ساتھی اور معاون تھے، اُنہوں نے اَوقاف اور تعمیرات کے شعبوں کو جس انداز سے سنبھالا، اُس سے اُن کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی نے اپنی تأثراتی تقریر میں فرمایا کہ مولانا موصوف کو جو حسن خاتمہ نصیب ہوا ہے، وہ بڑا قابل رشک ہے، اور ایسی

موت ہے جس کی تمنا ہر مسلمان کو ہونی چاہئے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے برادر نسبتی اور بے تکلف دوست حضرت مولانا نجم الحق صاحب نے حاضرین سے دعا کی درخواست کی کہ وہ موصوف کے لئے درجات کی بلندی کی دعا کریں۔ مولانا کے برادر محترم مولانا عطاء الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ میں اُن کا بڑا بھائی تھا اور ہمارے والد بچپن میں وفات پا گئے تھے؛ لیکن اُنھوں نے مجھے اپنے والد کے درجہ میں رکھا اور حسن اخلاق میں وہ ہم سب پر فائق تھے۔ موصوف کے دوست مولانا محمد عثمان صاحب ڈڑھیال نے اپنے پراثر خطاب میں مولانا کی غیر معمولی صلاحیت اور خوبیوں کو بیان کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ حضرت مولانا خضر محمد صاحب نے اپنی تفصیلی تقریر میں بالخصوص مولانا کے حسن خاتمہ پر مسرت کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ میں نے اُن کی زندگی میں دو باتوں کا قریب سے مشاہدہ کیا: (۱) صبر وضبط (۲) غیبت اور بدگوئی سے احتراز۔ مولانا مفتی ریاست علی صاحب رام پوری استاذ مدرسہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ مولانا علماء رام پور میں سب سے امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ مولانا الطاف الرحمٰن صاحب شریف نگری نے فرمایا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مجھے اپنے بڑے بھائی کی طرح سمجھتے تھے، اور دینی وملی خدمات میں اخیر تک لگے رہنے کی تمنا رکھتے تھے، جو اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی۔ مولانا اسلم جاوید صاحب رام پوری نے فرمایا کہ مولانا کی وفات سے پورے ضلع رام پور کے مسلمان گویا یتیم ہوگئے ہیں۔ مولانا محمد اعلم صاحب مہتمم دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد نے بھی مولانا کی خدمات پر روشنی ڈالی اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کی۔

اخیر میں صدر جلسہ اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب (جو موصوف کی وفات کے وقت ڈڑھیال میں بالکل قریب موجود تھے) نے مبسوط تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تعزیتی جلسہ کا سب سے بڑا پیغام یہ ہے کہ ہم بھی اپنی موت کو ہر وقت یاد رکھیں، اور زندگی ایسی گذاریں کہ آخرت کی زندگی میں رسوائی نہ اُٹھانی پڑے۔ پھر فرمایا کہ مجھے مولانا کے ساتھ قریب سے کام کرنے کا موقع ملا، تو مجھے خاص طور پر تین صفات اُن میں نمایاں نظر آئیں:

(۱) عزم و ہمت: مولانا موصوف بے مثال عزم وحوصلے اور مضبوط ارادے کے مالک تھے۔

(۲) صبر وضبط: مولانا کے اوپر بہت سے حوادثات آئے، اور اخیر میں شدید بیماریوں کے باوجود کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے۔

(۳) موصوف کی تیسری صفت تھی ذمہ داری کا احساس: جس کو اُنہوں نے اخیر عمر تک بحسن وخوبی نبھایا، اس لئے ہمیں مولانا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

جلسہ کا اختتام حضرت مولانا عبدالسلام صاحب صدر المدرسین مدرسہ شاہی کی دعا پر ہوا۔ قبل ازیں جلسہ کی نظامت کرتے ہوئے مفتی محمد سلمان منصور پوری نے کہا کہ اہل جنت کی زبان پر جاری ہونے والے حمد کے کلمات پر مولانا موصوف کی وفات بڑی بشارت آمیز اور قابل رشک ہے۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

پروانے کہاں جائیں؟

(بروفات: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رامپوریؒ)

نتیجۂ فکر: جناب قاری فرید احمد صاحب اُستاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

تری بزمِ عقیدت کے یہ دیوانے کہاں جائیں ❖ جو منڈلاتے تھے شمع پر، وہ پروانے کہاں جائیں
عقیدت ہے محبت ہے سبھی کو حفظِ رحماں سے ❖ اُنہیں رحلت ملی ہے اب بتاؤ ہم کہاں جائیں
وہی تو تھے کہ سنتے تھے ہماری داستانِ غم ❖ سکوں ملتا نہیں اُن کو یہ دیوانے کہاں جائیں
مقدر کے سکندر تھے اجل للہ پہ آئی ❖ برائے ایں سعادت ہم کدھر جائیں کہاں جائیں
تھا اتنا ربط گہرا حضرتِ والا کو شاہی سے ❖ جوارِ مدنی مسجد میں سپردِ خاک ہو جائیں

فریدؔ غم زدہ کی یہ دعا رہتی ہے مولیٰ سے
اُنہیں رحمت کے جب بادل، تو برسانے یہاں آئیں

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

خادمِ اسلام

(تعزیت بروفات: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رامپوریؒ)

علامہ منصور بجنوری احراریؔ

وہ عظیم انسان تھا اور خادمِ اسلام تھا ❖ مردِ مؤمن جس کو کہئے حفظ رحماں نام تھا

لفظِ حمدِ حق پہ اس کی روح نے پرواز کی ❖ یہ خدائے پاک کی جانب سے اِک اکرام تھا

ابتدا اور انتہاء کا بھی کا بھی مبارک ہے سفر ❖ مقصدِ آغاز میں پوشیدہ یہ انجام تھا

کس بلا کی تھی تواضع مسکراہٹ میں چھپی ❖ وہ مکمل سنتوں کا اِک حسیں پیغام تھا

جس کے غم میں سارا شاہی ہوگیا ہے اشکبار ❖ قوم و ملت کا وہ محسن قابلِ اکرام تھا

حاملِ قرآن تھا وہ شخص سنت کا امیں ❖ نسل نو کی رہنمائی جس کا اپنا کام تھا

اچھے اچھوں پر مسلط ہوتے دیکھا ہے مگر ❖ گردشِ ایام کا حملہ یہاں ناکام تھا

ہر نفس دینِ محمد کی اشاعت کا خیال ❖ فکر صبح تھی نہ لب پہ اور نہ ذکرِ شام تھا

بال بیکار اس کا کیا کرتیں لعینی طاقتیں ❖ جو سرِ میدان فطرت معتکف ہر گام تھا

اُس کے بارے میں کروں تحریر کیا منصوؔر اَب

اس زمیں پر جو خدائے پاک کا انعام تھا

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

مردِ ہوشیار!

مولانا مفتی اسرار احمد دانشؔ نجیب آبادی

خوب رو خندہ جبیں خوش خلق مردِ ہوشیار ❖ اُس کی باتیں یاد آتی ہیں مجھے اَب بار بار

زندگی شاہی گذاری، قابل صد رشک موت ❖ ایسے مرنے پر کروں میں زیست سو جاں سے نثار

ماہرِ فن منتظم شاہی کا نائب مہتمم ❖ تیری رحمت سے ہوئی ہے ایک دنیا سوگوار

نام نامی حفظ رحماں حافظ دین متیں ❖ ذات اس کی واقعی تھی لائق صد افتخار

علم و حکمت کا شناور صاحبِ عزم جواں ❖ ہمتِ مرداں کا حاصل با وفا و حق شعار

تا دمِ آخر وظیفہ خدمت دیں مرحبا ❖ دیتے دیتے درسِ حق لو جان ہی کر دی نثار

کس قدر اخلاص سے معمول تھا پر درد تھا ❖ وعظ تیرا، آ گیا خود جس پہ رحمت کو پیار

روز و شب شام و سحر مصروف حق تھی زندگی ❖ مقصد اصلی میں اپنے کامیاب و کامگار

چمن نبوی مدرسہ شاہی کی خدمت کے لئے ❖ وقف کر رکھے تھے تو نے اپنے سب لیل و نہار

ضعف و پیری اور سفر کا سلسلہ دور و دراز ❖ گلشن شاہی کی خاطر کس قدر تھا بے قرار

بعد مرنے کے بھی زندہ ہے تو اپنے فیض سے ❖ سیکڑوں شاگرد تیرے چاہنے والے ہزار

ہے دعا رب سے یہی اب دانشؔ ناچیز کی

تیری تربت پر رہے تا حشر رحمت کی پھوار

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

خادم الحرمین الشریفین

شاہ فہد بن عبد العزیز کا انتقال

سعودی عرب کے فرماں روا، خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبد العزیز نے طویل بیماری کے بعد گذشتہ ۲۵؍جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق یکم اگست ۲۰۰۵ء بروز پیر ریاض کے ایک ہسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ فہد اِس دور کے بڑے صاحبِ تدبیر اور ترقی پسند حکمراں تھے، اُن کے ۲۳؍سالہ دور اقتدار میں سعودی عرب میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ تعلیمی، تعمیری اور اقتصادی اعتبار سے ملک کو ترقی دینے میں موصوف نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ موصوف کے دور میں بعض اوقات ملک کو بڑے جاں گسل حالات سے دوچار ہونا پڑا، اولاً عراق ایران جنگ پھر کویت پر صدام حسین کا قبضہ اور بعد میں عراق پر امریکی اتحادیوں کا عتاب وغیرہ۔ اِن سب حالات میں ملکی مصلحت کی خاطر شاہ فہد نے امریکہ کی حمایت کی پالیسی اپنائی؛ لیکن جب امریکہ میں ۱۱؍ستمبر کا واقعہ پیش آیا اور ''ورلڈ ٹریڈ سینٹر'' کے گرانے کا الزام سعودی نژاد مسلم نوجوانوں کے سر لگایا گیا، تو سعودی عرب اور اُس کی حکومت بھی شکوک وشبہات کے نرغہ میں آ گئی، اور سعودی امریکی تعلقات میں دراڑیں پڑتی نظر آئیں؛ تا آں کہ سعودی عرب پر امریکی دباؤ میں بے مثال اِضافہ ہوگیا، اس وقت شاہ فہد کی حکومت کی طرف سے نہایت صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا گیا، اور حتی الامکان معاملات کو بگڑنے سے بچانے کی کوشش کی گئی۔ اور اس وقت بھی عالمی صورتِ حال اِس طرح کی بنی ہوئی ہے کہ اس پالیسی کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نظر نہیں آتا۔

شاہ فہد ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے، ۱۹۵۳ء میں وزیر تعلیم بنائے گئے، ۱۹۷۵ء میں ولی عہد بنے، اور ۱۹۸۲ء میں شاہ خالد کی وفات کے بعد بادشاہ مقرر ہوئے۔

اُن کے زمانے میں جو اہم منصوبے بروئے کار لائے گئے، اُن میں تین باتوں کو تادیر یاد رکھا جائے گا:

(۱) حرمین شریفین کی توسیع:- شاہ فہد مرحوم نے اپنی ذاتی توجہ اور دلچسپی سے حرم مکی اور حرم مدنی میں ایسی شاندار اور بے مثال توسیع کرائی کہ دونوں حرمین شریفین کا نقشہ بالکل ہی بدل دیا، عمارتوں میں بے نظیر توسیع کے ساتھ ساتھ انہیں جدید ترین سہولیات سے آراستہ کیا گیا، اور اُن کی صفائی ستھرائی اور نظم و انتظام کا ایسا مضبوط ادارہ قائم کیا جو سارے عالم میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اِس نظام کی چستی اور خوبی کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سالوں سے کسی نماز کی کوئی اَذان اپنے وقت سے ذرا بھی مؤخر نہیں ہوئی، اور حرمین شریفین کے گوشہ گوشہ میں حفاظتی کیمرے اِس طرح لگائے گئے کہ ایک کنٹرول روم سے پورے حرم کی نگرانی کی جا سکتی ہے، جس سے بدعنوان اَفراد کو لگام دینے اور اُن کی تادیب کرنے میں بہت سہولت ہوگئی، وغیرہ وغیرہ۔

(۲) مشاعر مقدسہ میں سہولتوں کی فراہمی:- شاہ فہد مرحوم کے دور کا ایک بڑا کارنامہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کی تجدید کاری بھی ہے، منیٰ میں کروڑوں ریال کے خرچ سے ''فائر پروف'' خیمے نصب کئے گئے، راستوں کو چوڑا کیا گیا، جا بجا جدید سہولتوں سے آراستہ ہزاروں غسل خانے اور استنجاء خانے بنائے گئے، ان جگہوں پر آج سے دس پندرہ سال پہلے پانی کی دستیابی ایک بڑا مسئلہ بنا رہتا تھا، آج وہاں مفت پانی کی بے حساب فراوانی ہے، یہی حال مزدلفہ اور عرفات کا بھی ہے، اِن منصوبوں کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔

(۳) قرآنِ کریم کی نشر و اِشاعت:- شاہ فہد مرحوم نے مدینہ منورہ میں قرآنِ کریم کی طباعت اور نشر و اِشاعت کے لئے دنیا کا سب سے بڑا طباعت خانہ ''مجمع الملک فهد لطباعة المصحف الشريف'' قائم کیا، جس میں نہایت اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر خوب صورت ترین

کتابت وطباعت کے ساتھ صحیح ترین قرآنِ کریم چھاپے جارہے ہیں، اور لاکھوں قرآنِ کریم مفت تقسیم کئے جاچکے ہیں۔ اِس ادارہ سے دنیا کے مختلف زبانوں میں قرآنِ کریم کے ترجمے شائع کئے گئے، جن میں برصغیر کا مقبول ترین ترجمہ شیخ الہندؒ بھی شامل ہے، جو کئی سال قبل شائع ہوا اور لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا گیا۔

بہرحال شہد فہد کی پالیسیوں سے اختلاف ممکن ہے، اور اُن میں بحث کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن اُن کی مذکورہ خدمات یقیناً قابل قدر ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ یہ خدمات اُن کے لئے باعث نجات وترقی درجات بنیں گی۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب کی طرف سے شاہ فہد کے جانشین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے نام ایک تعزیتی پیغام روانہ کیا گیا، جس میں شاہ فہد کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ شاہ عبداللہ کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ حرمین شریفین کو ہر نوع کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے، اور سعودی عرب اور تمام مسلم ممالک کو ترقیات سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۵ء)

مولانا قاری شریف احمد گنگوہیؒ

(میدانِ تعلیم و تربیت کے ایک ہنر مند خادم)

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی اُستاذ اَدب عربی و رئیس تحریر ماہنامہ ''الداعی'' عربی دار العلوم دیو بند

مؤرخہ ۲۴؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۴؍مئی ۲۰۰۵ء چہار شنبہ کو مغربی یوپی کے مشہور بزرگ جناب مولانا قاری شریف احمد صاحب بانی و مہتمم مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ سہارن پور وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، موصوف اکابر کے فیض یافتہ فعال اور باوقار شخصیت کے حامل تھے، آپ کی توجہ اور انتھک محنت سے مدرسہ اشرف العلوم نے ہر نوع کی ترقی کی، اور آپ کے دور میں اس مدرسہ نے مرکزی حیثیت اختیار کر لی، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔ حضرت قاری صاحب موصوف کے بارے میں مشہور صاحب طرز ادیب حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل الامینی اُستاذ اَدب عربی و رئیس تحریر ماہنامہ ''الداعی'' عربی دار العلوم دیو بند کا پر مغز مضمون ذیل میں پیش ہے۔ (مرتب)

۲۴؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ = ۴؍مئی ۲۰۰۵ء چہار شنبہ کی صبح کو ساڑھے نو بجے قاری شریف احمد گنگوہیؒ اپنی عمر کے ۸۷؍بہاریں دیکھنے کے بعد اِس دار فانی سے اُٹھ گئے۔ مرحوم دینی تعلیم کے میدان میں سرگرم ایک معروف عالم دین تھے، اُنھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ دینی و تعلیمی سرگرمیوں اور مسلم نسل نو کو دین و عقدے اور ملک و قوم کی خدمت کا اہل بنانے میں گذارا۔

مرحوم وسعت علمی اور تحریر و تقریر کے حوالے سے کوئی مشہور عالم نہ تھے، اور نہ ہی ایسے پیر و مرشد تھے، جو اِرادت مندوں کی تربیت و تزکیہ میں یکسوئی کے ساتھ مصروف عمل ہو؛ لیکن اُنھوں نے انتہائی خاموشی اور ہر قسم کے صلے اور ستائش سے بے پروا ہو کر قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں ایک دینی مدرسے کی داغ بیل ڈالی، جس کا آغاز بھی برصغیر کے دیگر اسلامی مدارس کی طرح

مکتب ہی کی شکل میں ہوا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ گنگوہ مشہور محدث وفقیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ =۱۸۲۹-۱۹۰۵ء) کی جائے پیدایش ووفات ہونے کی وجہ سے تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔

مرحوم انتہائی جاں فشانی اور دل سوزی کے ساتھ مدرسے کی ظاہری اور باطنی توسیع وترقی میں لگے رہے؛ تا آں کہ وہ رفتہ رفتہ اُن کے حینِ حیات ہی ایک بڑا مدرسہ بن گیا، جس میں ابتدائی اور متوسطات سے لے کر اعلیٰ تعلیم اور حفظ وقرأت کے وہ تمام روایتی شعبے قائم ہیں، جو ہمارے برصغیر کے کسی بڑے مدرسے میں عام طور پر ہوتے ہیں۔ اُن کا مدرسہ دگر مدارس سے کئی اعتبار سے ممتاز بھی ہے، چناں چہ اس کا رقبہ بڑا وسیع وعریض اور جائے وقوع، آب وہوا کے حوالے سے خوش گوار اور بڑی پرفضا ہے، بازار کے شرابے اور گنجان آبادی کے مسائل سے بالکل الگ تھلگ ہے، اس کی عمارتیں خوب صورت اور دل فریب اور درس گاہیں کشادہ اور سلیقے کی ہیں، یہ مدرسہ انتظام وانصرام کی باقاعدگی میں بھی امتیازی شان رکھتا ہے، مدرسین محنتی اور ذمے داران بے تکلف اور سادگی پسند ہیں۔

میرا کئی بار اُن کے مدرسہ جانا ہوا، پہلی بار جون ۱۹۸۴ء = شعبان ۱۴۰۴ھ کو عربی زبان کے عبقری معلم اور خداداد انتظامی صلاحیت کے مالک حضرت الاستاذ مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ سابق اُستاذ ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند متوفی ۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۵ء کے ساتھ میرا وہاں جانا ہوا۔ حضرتؒ نے ایک دن دارالعلوم کے احاطے میں میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ چلنے کو تیار کھڑی کار میں یہ کہتے ہوئے بٹھالیا کہ آؤ! گنگوہ چلتے ہیں، مجھے ایک ہنگامی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ ایک سوا گھنٹہ بعد گاڑی ایک مدرسے کے پاس رکی، ہم گاڑی سے اُتر کر مدرسے میں داخل ہوئے۔ حضرت الاستاذ کے ساتھ میں قاری شریف احمدؒ کے کمرے میں داخل ہوا، علیک اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد ہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر حضرت الاستاذ؛ جس کام کے لئے آئے تھے، اُس کی تکمیل میں لگ گئے۔ میں قاری صاحبؒ ہی کے پاس بیٹھا باہم

ملاقات وتعارف میں مشغول رہا۔ اُن کی گفتگو میں بلا کی سنجیدگی، شایستگی اور جماؤ تھا، اُن کی ہر حرکت وسکون میں نظم وضبط نمایاں تھا، اُن کے گرد وپیش کی ہر چیز صفائی وستھرائی اور نفاست پسندی کا اعلیٰ نمونہ تھی، اُن کے کمرے کے فرش، برتن، چائے دانیاں سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔ اُن کے کمرے میں وضو کرنے، ہاتھ دھونے، جوتے چپل اُتارنے، استنجا اور وضو کے لوٹے رکھنے کے لئے الگ الگ مخصوص جگہیں تھیں۔ میں نے چائے کے ساتھ پیش کئے جانے والے ہلکے ہاشتے کے دسترخوان پر، چائے اور برتنوں کے ساتھ اُن کے رکھ رکھاؤ کو بغور دیکھا۔ یہ سب کچھ سن اور برت کر میرے دل ودماغ پر گہرا نقش ثبت ہوگیا، اور میں اُن کے روبرو، مہمانوں کے ساتھ اُن کے اس ہنرمندانہ طریقے سے پیش آنے پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا۔ جس پر اُنہوں نے فرمایا: یہ سب کچھ مظاہر علوم اور دارالعلوم کے اکابر علماء ومشائخ کی بابرکت صحبت کا رہین منت ہے، جن کی دانش مندانہ تربیت سے میں نے بے پناہ فائدہ اُٹھایا ہے۔

شام کے وقت حضرت الاستاذ اپنے مذکورہ کام سے فارغ ہوئے، چناں چہ ہم دیوبند روانگی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، حضرت قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں مدرسے کے صدر دروازے پر الوداع کہا اور گاڑی چل پڑی۔ واپسی میں گنگوہ سے دیوبند تک دوپہر ۱۲؍بجے سے شام ۶؍بجے تک گنگوہ کے مذکورہ مدرسہ میں قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات کے دورانیے کے اُن کے سارے طرزِ عمل کی ہر تصویر میرے خانۂ خیال میں گردش کرتی رہی، یعنی اُن کی خوش خلقی، خندہ روئی، کام کی باتوں میں ہی لگے رہنے اور مہمانوں کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنے؛ یہاں تک کہ مہمانوں کو محسوس ہوتا کہ وہ اپنے گھر میں یا اپنے گھر سے بھی زیادہ کہیں آرام وآسائش میں ہیں– کے حوالے سے اُن کا ہر رویہ میرے ذہن کے پردے پر از خود متحرک ہوتا رہا۔ جب میں نے اپنا مذکورہ تأثر حضرت الاستاذ سے بیان کیا، تو فرمایا: ہاں ٹھیک کہتے ہو، وہ ہمارے مخلص احباب میں ہیں، مزاج کی یگانگت اور میری ہی طرح ہر چیز میں نظم ونسق اور ڈسپلن کی پابندی کی وجہ سے، میرے اور اُن کے درمیان ہمیشہ گہرا تعلق

رہا، وہ علاقے کے گنے چنے علماء میں ہیں، اور اپنی اِس شناخت کی بنا پر اِس خطے کے ممتاز عالم دین سمجھے جاتے ہیں۔

میں جوں ہی دیو بند واپسی کے لئے قاری صاحبؒ کے پاس سے اُٹھا، اُنہوں نے مجھ سے یہ عہد و پیمان کرالیا کہ وقتاً فو قتاً ان کے مدرسے آتا جاتا رہوں گا، خصوصاً جب وہ مجھے اس کی یاددہانی کرائیں گے۔ چناں چہ اُن کی وفات سے آٹھ دس سال قبل تک وقتاً فو قتاً اُن کے مدرسے میں میری آمد و رفت جاری رہی، جب بھی میری وہاں آمد میں ذرا زیادہ فاصلہ ہو جاتا، وہ براہِ نوازش مجھ سے فون پر رابطہ کرتے اور کرایے کی ٹیکسی پر بہ جلد آنے کے لئے اصرار کرتے۔ مرحوم کرایہ اصرار کے ساتھ خود ہی دیتے؛ بلکہ یہ شرط لگا دیتے کہ میں ایسے کرایے کی گاڑی سے ہی آمد و رفت کروں، جس کا کرایہ وہ خود اَدا کریں گے۔ وہ اس بات کے روادار نہ تھے کہ میں بسوں میں سفر کروں، اور خواہ مخواہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اذیت اُٹھاؤں۔ میرا جب بھی گنگوہ جانا ہوا، اُنہوں نے مجھے مدرسے سے کچھ ہی فاصلے پر واقع اپنے ذاتی مکان میں قیام کرایا، میں ہمیشہ رات وہیں گذارتا اور فجر کی نماز اُنہیں کے گھر سے متصل مسجد میں اُن کے ساتھ ہی ادا کرتا۔ ناشتہ میں انواع واقسام کی مرغوب اشیاء دسترخوان پر سلیقے سے سجی ہوتیں، اُن کا ناشتہ بڑی حد تک ہمارے وطن شمالی بہار کے باشندوں کے ناشتوں سے ملتا جلتا ہوتا تھا۔ شمالی بہار والے ناشتے کو انتہائی لذیذ بنانے اور نوع بنوع کرنے پر جتنی توجہ دیتے ہیں، اتنی دو پہر اور رات کے کھانے پر نہیں دیتے۔

وہ اپنے دفتر میں مدرسے کی ترقی اور اُس کی کارکردگی کو مزید فعال بنانے کے لئے برابر مجھ سے صلاح ومشورہ اور تبادلہ خیال کرتے، جس سے اِس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تدریسی طریقۂ کار کے ساتھ ساتھ نصابِ تعلیم کو مزید بہتر اور فعال بنانے کے لئے بڑے فکرمند رہتے تھے۔

میں اُن کے مدرسے میں کم و بیش پانچ بار تنہا یا برادر عزیز مفتی نسیم احمد مظفر پوری کے ہمراہ گیا (جو ۳۵/سال کی عمر میں ہی بروز جمعرات ۲۶/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ = مطابق ۳۰/جنوری ۲۰۰۳ء کو اس جہان آب وگل سے اُٹھ گئے، وہ دارجدید دارالعلوم دیو بند میں میرے برابر

والے کمرے میں رہتے تھے، اور اپنے طالب علمانہ مقررہ کاموں سے فراغت کے بعد میرے ہی ساتھ وقت گذارا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اُنہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، اور روزِ آخرت اس کا بھرپور بدلہ دے) اِدھر تقریباً دس سالوں سے قاری صاحبؒ کئی ایک عمارتوں: کتب خانہ، طلبہ کے دارالاقاموں اور عالی شان صدر دروازے وغیرہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے، فنڈ کی فراہمی کے مقصد سے بیرونِ ہند کے بڑے بڑے اسفار میں کچھ اس طرح کھو گئے کہ اُنہیں میری یا دوسروں کی فکر کیوں کر ہوسکتی تھی؟

میں خود بھی چند سالوں سے مجموعہ امراض ہونے کے علاوہ بہت ساری مصروفیات کی بندش میں جکڑ سا گیا، اور اس دوران اُن کے ہاں جانے اور ملاقات و مکالمت کا موقع نہ مل سکا؛ تا آں کہ میرے گھر والوں نے مجھے ۲۴؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ ۴؍مئی ۲۰۰۵ء بروز چہار شنبہ یعنی اُن کی وفات کے دن ہی یہ اندوہ ناک خبر بذریعہ فون دی کہ گنگوہ کے کسی صاحب نے فون پر اُن سے کہا کہ میں مولانا نور عالم صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ جب اُنہیں بتایا گیا کہ میں اس وقت سفر میں ہوں، تو اُنہوں نے کہا کہ مولانا کو یہ خبر دیجئے کہ قاری شریف احمد گنگوہیؒ کا آج انتقال ہوگیا، وہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کے ساتھ اگر ہوسکے تو اپنی عربی تحریروں میں مرحومین کے صفحات پر اُن کا بھی تذکرہ کردیں؛ اِس لئے کہ مرحوم اور مولانا کے درمیان دیرینہ تعلقات تھے۔ جب گھر والوں نے یہ الم انگیز خبر دی تو مجھے سخت دھچکا لگا اور میں نے دل میں کہا: میدانِ تعلیم و تربیت کا ایک مضبوط اور عالی شان ستون گر گیا۔

مرحوم نے ''اشرف العلوم رشیدی'' کے نام سے اپنے قائم کردہ چھوٹے سے مکتب کو قلیل عرصے میں، طویل و عریض رقبے، بہت ساری عمارتوں اور فیض یافتہ گان کی کثرت کے حوالے سے علاقے کے ممتاز ترین بڑے مدارس کے شانہ بشانہ لا کھڑا کردیا۔ درحقیقت یہ سب کچھ اُن کی تنظیمی اور تربیتی صلاحیت اور اس تاریخی اور مبارک قصبے میں تعلیم و تربیت کے عظیم مینارے کے قیام کے لئے اُن کی بے انتہا لگن اور تڑپ کی وجہ سے ہی ممکن ہوسکا۔

مختصر تعارف

قاری شریف احمد کی پیدائش ۲۶ رصفر ۱۳۴۸ھ = اگست ۱۹۲۸ء بروز پیر ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن قصبہ گنگوہ میں اپنے دادا حافظ عبدالرحمٰن سے حاصل کی۔ حضرت گنگوہیؒ کے ایک تربیت یافتہ بزرگ حافظ قرآن ''عبدالرحیم'' کے پاس تکمیل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں تجوید وقرأت کی تعلیم کے لئے قاری عبدالخالق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جو محلّہ قاضی ضلع سہارن پور میں مدرسہ تجوید القرآن کے شعبۂ تجوید وقرأت کے مدرس اور شہر کی جامع مسجد کے امام تھے۔ ۱۹۴۲ء = ۱۳۶۱ھ میں وہاں سے وہ بہترین قاری بن کر نکلے۔ اس کے بعد مشہور محدث وفقیہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ = ۱۹۹۶ء) سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۴۳ء = ۱۳۶۲ھ میں لدھیانہ صوبہ پنجاب کے کسی مدرسے میں سلسلہ تلمذ قائم کیا، وہ یہاں چھ مہینے رہے۔ پھر تجوید وقرأت کے ذوق کو مزید جلا بخشنے کے لئے مدرسہ تجوید القرآن میں قاری عبدالخالق کے پاس واپس چلے آئے، اُنھوں نے اِس دوران عربی، فارسی اور ابتدائی دینی عربی تعلیم بھی حاصل کی۔

۱۹۴۴ء = ۱۳۶۳ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور وہاں مسلسل تین سال رہ کر متوسطات تک کی تعلیم مکمل کی، ۱۹۴۷ء = ۱۳۶۶ھ دارالعلوم دیوبند آئے، اور یہاں بھی تین سال رہ کر ۱۹۴۹ء = ۱۳۶۸ھ میں سند فضیلت حاصل کی۔ دارالعلوم اور مظاہر علوم میں پڑھنے کے دوران مرحوم نے اپنے چھوٹے سے مدرسے پر بھرپور توجہ دی، جسے اُنھوں نے سہارنپور کے ایام طالب علمی میں اپنے استاذ اور مظاہر علوم کے ناظم مولانا سید عبداللطیف (متوفی ۱۳۷۳ھ = ۱۹۵۴ء) کی ایما پر قائم کیا تھا۔ وہ چندے کی فراہمی اور تعلیمی ترقی کے حوالے سے برابر اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتے رہے۔ اُنھوں نے جوں ہی دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، علماء ومشائخ -جن سے وہ مدرسے کے سلسلے میں صلاح ومشورہ کرتے تھے- نے اُنھیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدرسے کے مستقل ذمے دار کی حیثیت سے اِس کی ترقی کے لئے کام کرنے کو کہا،

چناں چہ وہ اِس اہم کام میں ہمہ تن لگ گئے۔ کئی بار اُنہیں مخالفت اور مصائب ومشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا؛ لیکن اُن کے قدم نہیں ڈگمگائے؛ بلکہ وہ علماء وصلحاء کی دعاؤں اور مخلصانہ مشوروں کے طفیل ثابت قدمی اور مکمل عزم وحوصلے کے ساتھ اپنی مقررہ راہ پر رواں دواں رہے، اور توفیق خداوندی سے کام یابی حاصل کی، جس سے کوئی خدا کا باتوفیق بندہ ہی سرفراز ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اُنہیں روزِ آخرت بھرپور بدلہ مرحمت فرمائیں، اُنہیں اپنی فردوسِ بریں میں داخل کرے، اور اُن کے اہلِ خانہ اور محبین ومتعارفین کو صبر واجر سے نوازے۔ (ترجمہ از عربی: ابرار احمد اجراوی)

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۵ء)

میری بہن، سیدہ اُمامہ حسنی مرحومہ

چند یادیں چند نقوش

تحریر: سیدنا ریحانہ حسنی، اہلیہ حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنؤ

مکرم ومحترم زیدت مکارمکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اُمید ہے کہ بخیر ہوں گے۔ ہماری والدہ محترمہ (بنت حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ) - جو کہ حضرت ڈاکٹر عبدالعلی صاحب حسنیؒ کی نواسی تھیں- کا سانحۂ ارتحال شب دوشنبہ ۱۴؍شعبان ۱۴۲۶ھ کو لکھنؤ میں دو تین دن کی علالت کے بعد پیش آیا، اُن کی زندگی ایمان وعمل صالح اور تواصی بالحق وتواصی بالصبر کی آئینہ دار تھی، ہمارے لئے یہ بات بڑی تقویت کا باعث ہوئی کہ آخری لمحات میں اُنہیں نماز کی فکر اور اللہ تعالیٰ کا خوب دھیان رہا، اللہ اللہ سے زبان تر رہی، حتیٰ کہ گھرے کوما میں چلی گئیں، ایمان پر خاتمہ کی اتنی فکر تھی کہ شدید درد وکرب میں تھیں، مگر اپنے چھوٹے چچا مولانا سید محمد رابع صاحب کو دیکھا، تو بس یہ کہا کہ ''دعا کیجئے خامہ بالخیر'' ہو۔

حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی کی اہلیہ محترمہ (جو ہماری پھوپھی ہوتی ہیں) کا والدہ صاحبہ پر ایک معلومات افزا مضمون ارسالِ خدمت ہے، شائع فرما کر ممنون کریں۔ والسلام

محمود حسن حسنی ندوی

از تکیہ کلاں، دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی

اِس دنیا میں کسی کو بھی ہمیشہ نہیں رہنا ہے، ہر ایک جاندار کو ایک نہ ایک دن موت کا سامنا کرنا ہے، پوری دنیا میں روزانہ نامعلوم کتنی موتیں ہوتی ہیں، اور کسی کو نہیں معلوم کہ اللہ پاک کتنوں کو عدم سے وجود بخشتا ہے۔ یہ پوری دنیا کا نظام ہے، مگر بعض لوگوں کی جدائی کا دل پر بہت ہی گہرا اور دیرپا اثر ہوتا ہے۔ ابھی چند دن پہلے ۱۴؍شعبان ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۸؍ستمبر ۲۰۰۵ء دوشنبہ کی رات کو تقریباً ۱۱؍بجے ''پی جی آئی لکھنؤ'' میں صرف چار دن کی انتہائی تکلیف دہ اور صبر آزما بیماری کے بعد ہمارے خاندان کی سب سے چہیتی خاتون سیدہ اُمامہ حسنی کا انتقال بھی اسی

طرح کا ایک نا قابل فراموش سانحہ ہے۔

سیدنا اُمامہ حسنی مجھ سے عمر میں دو سال بڑی تھیں، حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی اکلوتی بیٹی اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی مدظلہ، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ کی حقیقی بھتیجی تھیں۔ ہم دونوں کا بچپن کا زمانہ ایک ساتھ ہی گذرا ہے، ہم لوگ زیادہ تر اپنے باعظمت خالو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے گھر پر ہوتے تھے، اُس وقت ہمارے خاندان کے بڑے بڑے بزرگ بقید حیات تھے، اماں بی (محترمہ خیر النساء بہترؔ، والدہ ماجدہ حضرت مولانا علی میاںؒ) بھی حیات تھیں، جو ہمارے پورے خاندان کی سرپرست تھیں، اور دنیا کی عظیم ترین خاتون اور خوش قسمت بزرگ تھیں، جن کی پاکیزہ زندگی اکابر کے لئے نمونہ بنی، اُن کی خدمت کرنا ہم لوگوں کے لئے زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھا۔ میں خود اور اُمامہ آپا مرحومہ اماں بی کی کہی ہوئی مناجاتیں پڑھ پڑھ کر اُن کو سناتیں اور اُن سے دعائیں لیتیں۔ ہماری بہنوں میں سیدہ اُمامہ حسنی بچپن ہی سے اپنی سنجیدگی، نرم گفتاری اور نیکی میں بہت ممتاز تھیں، شرم وحیا اُن کا سب سے بڑا زیور تھا، کسی کی برائی کرنا یا سننا بہت دور کی بات تھی، حسد، جلن اور جھوٹ سے اُن کا دامن بالکل پاک تھا۔ اپنے بڑوں کی خدمت وعزت کے ساتھ اُن کو خاص شغف تھا، چھوٹوں سے محبت کرنا، اُن کا خیال کرنا اُن کا مزاج تھا۔ اُنہیں پاکیزہ اَوصاف اور بہترین اخلاق کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہر دل عزیزی عطا فرمائی۔

کہتے ہیں کہ پھلوں سے بھری ڈالی ہمیشہ نیچے جھکتی ہے، مرحومہ سیدہ اُمامہ حسنی اِس کہاوت کی جیتی جاگتی تصویر تھیں، اپنے حسن اخلاق سے اُنہوں نے پورے خاندان کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، اُن کے گھر جانے والا کوئی بھی ہو؛ اپنا ہو یا پرایا، چھوٹا ہو یا بڑا، اُن سے مل کر اُن کے گھر سے خوش ہو کر لوٹتا۔ تصنع اور تکلف سے بہت دور رہتیں۔ اپنے بڑوں سے بات چیت کا انداز جدا، ہم عمروں میں رہنے سہنے کا طریقہ مختلف اور چھوٹوں سے ہم کلام ہونے کا طور طریقہ نرالا اور اچھوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے گھر میں خوش حالی اور فراغت تھی، اور وہ اللہ کے نیک بندوں کی

طرح اس کا پورا پورا حق ادا کرتی تھیں، عزیزوں کی تواضع و خاطر داری میں ہمیشہ کشادہ دلی اور فراخ دستی کا مظاہرہ کرتیں، خیر خیرات میں ہمیشہ آگے رہتیں۔

یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ میری بہن اُمامہ آپا کی شادی میرے حقیقی چچازاد بھائی سید حسن حسنی کے ساتھ ہوئی، شادی سے پہلے ہم اُن کو ''اُمامہ آپا'' کہتے تھے؛ لیکن شادی کے بعد ''تاج بھابھی'' کہنے لگے۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مرحومہ کی بڑی لڑکی عائشہ بتول حسنی (اللہ اُس کو باقی رکھے) کی شادی میرے منجھلے لڑکے مولوی حافظ عبدالباری فاروقی سلمہ سے ہوئی، جس سے ہماری محبتوں میں مزید اِضافہ ہوا۔

میری تاج بھابھی صوم وصلوٰۃ اور نوافل، اشراق، چاشت، قرآنِ مجید کی تلاوت میں بہت آگے تھیں، ابھی سال گذشتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قابل احترام شوہر کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت بھی نصیب فرمادی۔

مرحومہ کی وفات سے ایک ہمدرد، سراپا مروت وشرافت اور مخلص بہن کی جدائی کا جو طبعی صدمہ ہے اُس کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ سوچ کر اطمینان ہوتا ہے کہ اُن کی نیکیاں اِن شاء اللہ مقبول ہوں گی، اور آخرت میں ضرور اُن کے کام آئیں گی۔ اللہ پاک میری تاج بھابھی مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور اُن کی روح کو سکون واطمینان نصیب فرمائے، اُن کے باقیات صالحات میں مولانا محمود حسنی ندوی، مولانا سید مسعود حسنی ندوی اور مولوی سید منصور حسنی سلمہم ماشاء اللہ کم عمری ہی میں انتہائی دین دار اور متقی وپرہیزگار موجود ہیں۔ بچیوں میں سیدہ عائشہ حسنی اور سیدہ شمامہ حسنی (جو ماشاء اللہ حافظ قرآن بھی ہے) اپنی مرحومہ والدہ کی سیرت وکردار کا آئینہ ہیں۔ اللہ پاک اِن بچوں کو مزید نیکیوں کے ساتھ باقی رکھے، اور تاج بھابھی کے لئے درجات کی بلندی کا سبب بنائے، اور ہمارے بھائی صاحب حسن حسنی اور مولانا حمزہ حسنی (برادر مرحومہ) کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۵ء)

متفرقات:

جناب مولانا قاری محمد ہشام صاحب

موصوف جامعہ ہمدرد میں اُستاذ تھے، اور ملک کے بہترین مقرر تھے، ملک و بیرونِ ملک آپ کے اصلاحی بیانات ہوتے تھے، اندازِ بیان منفرد اور مؤثر تھا۔ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند سے گہرا تعلق تھا، ۱۲/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۲/فروری ۲۰۰۵ء بروز منگل وفات پائی، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۵ء)

جناب حافظ قاری محمد اختر صاحب

موصوف قصبہ کندرکی ضلع مرادآباد میں مغلوں والی مسجد کے اِمام تھے، نہایت نیک خو، بھولے بھالے، فرشتہ صفت انسان تھے، ۴۰/سال تک اسی مسجد میں امامت کی، اور ہزاروں افراد کی ہدایت کا ذریعہ بنے، ۱۱/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/فروری ۲۰۰۵ء بروز پیر وفات ہوئی، جنازہ میں اتنا مجمع تھا کہ کندرکی کی تاریخ میں قریبی زمانہ میں اتنا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ قاری صاحب کی جدائی کی وجہ سے لوگ بلک بلک کر رو رہے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں اور آخرت میں بلند درجات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۵ء)

جناب مولانا مظہر کلیم صاحب قاسمیؒ

ماہنامہ ''دین مبین'' (ہندی) بھوپال کے ایڈیٹر اور جمعیۃ علماء بھوپال کے جنرل سکریٹری جناب مولانا مظہر کلیم صاحبؒ اِس سال حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، حج کے بعد اچانک

طبعیت خراب ہوئی اور مؤرخہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۸ جنوری ۲۰۰۵ء کو جمعہ کی رات میں مکہ معظّمہ کے اسپتال ''مستشفیٰ الزاہر'' میں وصال فرما گئے۔ اگلے دن نماز جمعہ کے بعد لاکھوں فرزندانِ توحید نے حرم شریف میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۵ء)

حاجی مظفر حسین صاحب رسول پوریؒ

موصوف اکابر کے شیدائی اور نہایت مخلص بزرگ تھے، رگ وریشے میں دین اور اہل دین کی محبت سمائی ہوئی تھی، ماشاء اللہ سبھی بچوں کو حافظ اور عالم بنایا، اور سب دینی وملی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں، گھر کا ماحول بھی خالص دینی ہے۔

موصوف بالخصوص خانوادۂ مدنی سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، حضرت شیخ الاسلامؒ اور اُن کے جلیل القدر صاحبزادگان کا نام مجلس میں آتا تو مارے محبت کے آب دیدہ ہوجاتے۔

حضرت مولانا محمد اسعد صاحب دیوریاوی اُستاذ جامعہ کی صاحبزادی موصوف کے صاحبزادے مولوی احمد عبداللہ (آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند) سے منسوب ہیں، اس رشتے پر اِس قدر خوش تھے کہ پھولے نہ سماتے تھے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱ جولائی ۲۰۰۵ء بروز جمعرات وفات ہوئی، اگلے دن جمعہ کی صبح کو سیکڑوں افراد نے نماز جنازہ پڑھی اور آخری آرام گاہ تک پہنچایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۵ء)

حضرت علامہ مولانا محمد عثمان قاسمی بھاگل پوریؒ

۹ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۵ء بروز جمعہ حضرت علامہ مولانا محمد عثمان صاحبؒ اپنی عمر کی ۷۵ بہاریں دیکھنے کے بعد پٹنہ کے ایک اسپتال میں واصل بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ زمانۂ درس سے ہی اُن کی ذہانت وفراست دیکھ کر علماء دیوبند نے اُن کو ''علامہ'' کے خطاب سے نوازا۔

موصوف مدرسہ دیانت العلوم چکدریا ضلع بھاگل پور بہار کے صدر مدرس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی تھی، جس کا کچھ اندازہ آپ کے جنازہ میں شامل عظیم مجمع کو دیکھ کر ہوتا ہے۔

علامہ موصوف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد تھے، اور حضرت امیر الہند فدائے حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ صدر جمعیۃ علماء ہند سے بیعت تھے، موصوف اُصول پسند اور متواضع انسان تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور اُن کے اہل خاندان اور محبین ومتعارفین کو اجر جزیل سے نوازے، آمین۔ (قاری نجیب الرحمٰن بھاگلپوری)

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۵ء)

حکیم شمس الدین صاحب انصاری نقشبندی

حکیم شمس الدین صاحب انصاری نقشبندی مہتمم دارالعلوم رحمانیہ حیدرآباد (والد گرامی حضرت مولانا مفتی غیاث الدین صاحب صدر جمعیۃ علماء تلنگانہ وآندھرا پردیش) ۸۰؍سال کی عمر میں ۷؍شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۰؍نومبر ۲۰۰۵ء بروز جمعرات کو وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف خاندانی بزرگ اور علاقہ کی ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔

اہلیہ صاحبہ مولانا عبدالعلیم عیسیٰ فیروز آباد

مولانا عبدالعلیم عیسیٰ صاحب خطیب جامع مسجد فیروز آباد کی اہلیہ محترمہ حضرت اقدس مولانا مفتی نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی صاحب زادی تھیں، اور متقی اور خلیق خاتون تھیں، حضرت مفتی صاحبؒ کے تلامذہ سے بالخصوص مرحومہ کے لئے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۵ء)

مولانا عبداللہ صاحب چھپراویؒ

مولانا عبداللہ صاحب چھپراوی خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ۹؍ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۱؍دسمبر ۲۰۰۵ بروز اتوار کو اپنے وطن لاسن بہار میں انتقال فرمایا۔ مجذوب صفت بزرگ تھے، عرصہ دراز تک چھپر اوالی مسجد بمبئی میں مقیم رہے۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۶ء)

جناب قاری بشیر احمد صاحبؒ

جناب قاری بشیر احمد صاحب امام نماز پنج گانہ جامع مسجد مرادآباد مؤرخہ ۱۶؍ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۸؍دسمبر ۲۰۰۵ء بروز اتوار کو وفات پاگئے۔

موصوف نے کم وبیش ۲۰؍سال تک جامع مسجد کی پنجوقتہ نمازوں کی امامت فرمائی، نہایت سادہ، صاف دل، ہردل عزیز اور متواضع شخص تھے۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۶ء)

میاں سید جلیل حسن صاحب دیوبند

میاں سید جلیل حسن صاحب نبیرہ حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محلّہ قلعہ دیوبند مؤرخہ ۱۶؍ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۸؍دسمبر ۲۰۰۵ء بروز اتوار کو مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے، موصوف عملیات کے بڑے ماہر تھے اور اس راہ سے قوم کی بہت خدمت فرمائی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۶ء)

رفتگاں

۲۰۰۶ء

- حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ
- فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ
- مردِ صالح حضرت مولانا محمد عارف سنبھلیؒ
- حضرت مولانا کفیل الرحمٰن نشاط صاحبؒ
- حضرت مولانا شریف الحسن صاحب شیرکوٹیؒ

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

معروف ومشہور عالم دین اور ماہر تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیمات حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ یکم ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ مطابق یکم جنوری ۲۰۰۶ء بروز اتوار کو جدہ کے ایک ہسپتال میں تقریباً ۸۲ سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ اُسی شب بعد نماز عشاء حرم شریف مکہ معظّمہ میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، اور جنۃ المعلی میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف عربی زبان کے نامور اَدیب اور صاحبِ طرز انشاء پرداز تھے، جس کا اندازہ آپ کی عربی اور اُردو تالیفات سے لگایا جاسکتا ہے۔

آپ کا وطن اصلی پھلواری شریف پٹنہ بہار تھا، جہاں آپ ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسہ میں حاصل کی، اُس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فضیلت کی تکمیل کی۔ بعد اَزاں تقریباً گیارہ سال ندوۃ العلماء میں اَدبِ عربی کے اُستاذ رہے، اُس کے بعد آپ سعودی عرب منتقل ہوگئے، اور ''جامعہ اُم القریٰ'' مکہ معظّمہ میں اُستاذ مقرر ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب عطا فرمائے کہ آپ کو سعودی شہریت مل گئی، جس کی بنا پر آپ نے مکہ معظّمہ کو اپنا وطن بنایا، اور بالآخر وہیں تدفین کی سعادت حاصل ہوئی۔

آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تادم آخر معتمد تعلیم رہے، اور وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لاکر مفوضہ اُمور انجام دیتے رہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۶ء مع اضافہ)

گوشۂ فدائے ملت

اَمیر الہند، جانشینِ شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ

صدر جمعیۃ علماء ہند

(ولادت: ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء وفات: ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۰۰۶ء)

مدتوں رویا کریں گے......

بالآخر وہ خبر سن ہی لی گئی جس کو سننے کے لئے کان تیار نہ تھے، اور جس پر یقین کرنے کو دل آمادہ نہ تھا۔ ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کی شام جب کہ سورج معمول کے مطابق غروب ہونے کو تیار تھا، عین اُسی وقت دہلی کے اَپولو اسپتال میں ۸۰؍سال تک غیر معمولی فعالیت، جدوجہد وعمل اور بے مثال قوتِ اِرادی کے ساتھ زندگی گذارنے والی شخصیت بھی حیاتِ مقدسہ کے آخری پڑاؤ پر پہنچ کر داعی اجل کو لبیک کہنے کی منتظر تھی، سفر آخرت کا بگل بج چکا تھا، متاعِ زندگی توشۂ آخرت بن کر تیار تھا، مسافر کی نظریں گویا کہ راستہ پر لگی ہوئی تھیں، آخرکار قضا وقدر کے فیصلے کے مطابق مقررہ وقت آ پہنچا، اور ملت اسلامیہ ہند کا وہ گوہر نایاب جو نصف صدی سے زیادہ عرصے تک ملی قیادت کے اُفق پر چمکتا رہا، اسلامیانِ ہند کا وہ لعل جس نے کبھی بھی کسی موڑ پر ملت کی خیر خواہی اور مخلصانہ خدمت سے گریز نہیں کیا، دینی حمیت وغیرت کا وہ کوہِ گراں جو ہمیشہ باطل طاقتوں اور گمراہ کن فتنوں کے سامنے سد سکندری بن کر سینہ سپر رہا، اور اصلاحِ اُمت اور رشد وہدایت کا وہ سفیر جس نے اپنی حد تک دین محمدی کی اشاعت اور اپنے اکابر واَسلاف کی اَمانت کو اُمت تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، وہی عزم وہمت کا ماہتاب اور استقامت وعزیمت کا آفتاب اسی شام پونے چھ بجے اپنے رب رحیم کا نام لیتے ہوئے غروب ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی جدائی کا غم اُمت آسانی سے بھلا نہ پائے گی، ملی سفر کے قدم قدم پر آپ کی یاد آئے گی۔ بالخصوص مشکلات کی گھڑی اور نت نئے اُٹھنے والے فتنوں کے وقت آپ کی اِصابت رائے اور قوتِ عمل کے نقوش مٹائے نہ مٹ سکیں گے۔

فدائے ملت

ملی خدمت کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جہاں آپ کی جدوجہد اور خدماتِ جلیلہ کے زریں اثرات موجود نہ ہوں۔ آپ نے جس گھر میں آنکھیں کھولی تھی، وہاں مہمان نوازی، ایثار وقربانی اور دین پر مر مٹنے ہی کا شب وروز ذکر ہوتا تھا۔ تحریکاتِ آزادی پورے زور وشور سے جاری تھیں۔ اسی ماحول میں آپ نہ صرف پروان چڑھے؛ بلکہ آپ نے اپنے عظیم ترین والد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے افکار ونظریات اور عادات واطوار میں اپنے آپ کو پوری طرح ڈھال لیا، اور پوری زندگی اُنھی افکار کے تحفظ میں گذار دی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد آپ نے نوعمری کے باوجود جس انداز میں حضرتؒ کے چھوڑے ہوئے کاموں کو سنبھالا، تو دیکھنے والوں نے اُسی وقت اندازہ لگالیا تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر ملت کا مسیحا اور ملک وقوم کا عظیم قائد بنے گا۔ چناں چہ اِن توقعات کو پورا ہونے میں دیر نہیں لگی، اور جلد ہی دنیا نے دیکھ لیا کہ عظیم باپ کا یہ عظیم فرزند جب ملت کی امانت ''جمعیۃ علماء ہند'' کا امین بنا، تو اُس نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، اور جس طرح تقسیم ملک کے موقع پر ''مجاہد ملت'' حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ نے دہلی کے فسادات میں بے باکی اور جرأت کی تاریخ رقم کی تھی۔ اسی طرح اِس قائد جمعیت نے کلکتہ، راوڑکیلا، جمشید پور وغیرہ کے فسادات میں بے خوف وخطر میدانِ خدمت میں اُتر کر شجاعت وبہادری اور جرأت وحمیت کا وہ نمونہ پیش کیا کہ بجا طور پر قوم اُن کو ''فدائے ملت'' کا لقب دینے پر مجبور ہوگئی۔ پھر آپ نے اِس لقب کا بھرم اِس طرح رکھا کہ تا زندگی ملک میں جب بھی اور جہاں بھی فساد ہوا، آپ تڑپ اُٹھے اور کتنی ہی مرتبہ یہ صورت پیش آئی کہ آپ فساد زدہ علاقوں میں سب سے پہلے ایسے وقت پہنچے جب کہ خون کی ہولی جاری تھی، اور متأثرہ علاقوں سے آگ کے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ آپ نے تڑپتی لاشوں کو اُٹھانے، زخمیوں کو امداد پہنچانے اور بے سہاروں کو سہارا دینے میں اپنے پورے وسائل صرف فرمادئے۔ اپنے کمروں میں بیٹھ کر سخت مذمتی بیان دے دینا یا کسی پرامن جگہ جا کر احتجاج

کر دینا بہت آسان ہے؛ لیکن جان ہتھیلی پر رکھ کر موقع پر پہنچنا اور متأثرین کو دلاسہ دینا اور اُن کی ہمت بڑھانا یقیناً ایسا کام ہے، جو ہر ایک کے بس میں نہیں ہے، ایسے حالات کو سن کر ہی لوگوں کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں، اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یقیناً اس مجاہد جلیل ہی کا حوصلہ تھا کہ اس نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر ایسے خطرات کے مواقع پر اپنی وسعت بھر خدمات انجام دینے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ یہیں نہیں؛ بلکہ جب جب ملک وقوم پر کوئی اُفتاد پڑی اور آسمانی حوادث آئے، تو بھی اس ناصح ملت نے آگے بڑھ کر متأثرین کو امداد بہم پہنچانے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ گجرات اور کشمیر کے ہولناک زلزلوں اور جنوبی ہند میں گذشتہ سال آنے والے سمندری طوفان کی تباہی کے بعد وہاں کے بے سہارا اَفراد بالخصوص مسلمانوں کی بازآبادکاری کے لئے آپ کی ہدایت پر جمعیۃ علماء ہند نے آپ کے صاحب زادے جناب مولانا سید محمود صاحب مدنی زید فضلہ کی نگرانی میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ ملی خدمت کا ایک سنہرا باب ہے۔ آخر آخر تک آپ اسی فکر کو اوڑھے رہے۔ رمضان المبارک میں شدید علالت، پیرانہ سالی اور حد درجہ ضعف کے باوجود پختہ ارادہ کئے ہوئے تھے کہ جیسے ہی پاکستان کا ویزا ملے گا، فوراً وہاں کے زلزلہ زدہ علاقہ کا دورہ فرمائیں گے، اور اس سفر کی تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ ملک کے لئے ایسی ہمدردی اور بے چینی رکھنے والی ذات کی جدائی پر جس قدر بھی غم کیا جائے؛ کم ہے۔

قائد جمعیت

جمعیۃ علماء ہند کو ایک باوقار، فعال اور ملک گیر تنظیم بنانے میں آپ کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جس وقت آپ نے جماعت کی ذمہ داری سنبھالی، تو اُس کا مرکزی دفتر بلی ماران (دہلی) کی ایک عمارت تک محدود تھا؛ لیکن آپ کی تگ ودو سے وہ ''مسجد عبدالنبی'' (آئی ٹی او) میں منتقل ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے راجدھانی کے قیمتی ترین اور اہم ترین مرکزی علاقہ میں شاندار کمپلیکس میں تبدیل ہو گیا۔ ملک کی کسی بھی جماعت کے پاس ایسا شاندار دفتر نہیں ہے۔ پھر یہی نہیں؛ بلکہ آپ کے دور صدارت ونظامت میں جمعیۃ علماء اور اُس کی عظیم خدمات کا دائرہ کشمیر

سے کیرالا اور بمبئی سے منی پور تک پھیل گیا، اور یہ جماعت مسلمانوں کی سب سے بڑی، باوزن اور مؤثر جماعت بن گئی، **فالحمد للّٰہ علیٰ ذلك۔**

دارالعلوم دیوبند کے روحِ رواں

ملت اسلامیہ کا سب سے عظیم سرمایہ ''دارالعلوم دیوبند'' جو آج بے نظیر شاہ راہ ترقی پر گامزن ہے، اور جس کا تعلیمی معیار اور مستحکم شورائی نظام قابل رشک بن چکا ہے، اِس اِدارے کو اس بلند مقام تک پہنچانے میں بھی حضرت امیر الہندؒ کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ اجلاس صدسالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں اُٹھنے والا قضیۂ نامرضیہ حضرت امیر الہندؒ کی زندگی کا سب سے الم ناک موڑ تھا۔ میں نے خود نومبر ۱۹۸۱ء میں ایوانِ غالب دہلی میں منعقد ہونے والے ''تحفظ دارالعلوم کنونشن'' میں حضرت مولانا کی وہ اثر انگیز تقریر سنی تھی، جب تقریر کے دوران آپ کے دل کا درد آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں کی جھڑی کی شکل میں ظاہر ہوا تھا، جو اپنی ہم فکر اور ہم مشرب جماعت کے آپسی اختلافات پر آپ کے دل کی کسک کا مظہر تھا۔ اِس معاملے میں آپ کو جس قدر ذہنی کلفتیں اُٹھانی پڑیں، اُس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، مگر آپ اپنے اُصولی موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، اور دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ کا فرض اس طرح انجام دیا کہ بعد میں آپ کے ناقدین بھی ماننے پر مجبور ہوگئے۔ اور مقامِ مسرت ہے کہ آخر عمر میں فریقین کی وسعت ظرفی اور خلوص کی بدولت جماعت دیوبند میں اتحاد و اتفاق اور یکجہتی و ہم آہنگی کی مسرت بخش ہوائیں چل پڑیں، اور دیوبند کی تاریخ کا ایک ناگوار باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا، اس پر جس قدر بھی شکر اَدا کیا جائے؛ کم ہے۔

مصلحِ اُمت

حضرت امیر الہندؒ نے اپنی زندگی کا اصل مقصد اشاعت وحفاظت دین کو بنایا تھا، آپ کو بہت سے لوگ محض ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے جانتے تھے؛ لیکن اگر آپ کی پوری زندگی اور

مصروفیات کا جائزہ لیا جائے، تو پتہ چلے گا کہ سب سیاسی سرگرمیاں ملاکر آپ کی مصروفیات کا دس فیصد حصہ بھی نہیں بن سکتیں۔ آپ کی نوے فیصد سے زیادہ سرگرمیاں خالص دینی تھیں، آپ کے روزمرہ کے ملکی و بیرونِ ملکی اسفار کا بیشتر حصہ دینی واصلاحی پروگراموں یا مدارسِ اسلامیہ کے سالانہ جلسوں پر مشتمل ہوتا تھا، اور ملی ودینی اسفار کی کثرت میں آپ اپنے ہم عصروں میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، کسی جہاں دیدہ شخص نے آپ کے اسفار کو دیکھ کر کہا تھا کہ: ''معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں ریلوے لائنیں مولانا مدنی کے سفر کے لئے ہی بچھائی گئی ہیں''۔ اور اسفار میں وعدہ کی پاس داری ایسی تھی کہ جب پروگرام دے دیا تو پھر خواہ طوفان ہو یا آندھی، لو کے تھپیڑے ہوں یا موسلا دھار بارش، ہر ممکن طور پر وقت پر پروگرام کی جگہ پہنچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ بلا شبہ عالم کی لاکھوں مسجدیں اور سجدہ گاہیں آپ کی نمازوں کے سجدوں کی گواہ بنیں گی، اور آپ کے درجات کی بلندی کا سبب بنیں گی۔

مضبوط سیاسی نظریہ

آپ قومی ضرورت کے تحت سیاست کی خار دار وادی سے وابستہ رہے، مگر کبھی اپنے عالمانہ وقار پر آنچ نہ آنے دی، آپ مصلحت اور حکمتِ عملی تو ضرور اپناتے تھے، مگر خوشامد اور چاپلوسی سے آپ کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ جب بھی قوم وملت کا کوئی مسئلہ پیش آتا تو اربابِ حکومت سے پوری مضبوطی سے بات کرتے اور بڑے سے بڑے منصب والے سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ پارلیمنٹ کا ایوانِ بالا (راجیہ سبھا) اٹھارہ سال تک آپ کے جرأت مندانہ بیانات سے گونجتا رہا۔ انڈین نیشنل کانگریس سے تعلق ضرور رہا، مگر آپ نے پارٹی میں رہتے ہوئے بھی کبھی حق گوئی سے گریز نہیں کیا، اور جب بھی پارٹی کی طرف سے کوئی غلط پالیسی سامنے آئی، تو اس پر برملا نکیر کی، اور حتی الامکان اُسے غلط نظریات سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر مسلمان پوری طرح اس سیکولر قومی پارٹی سے کٹ جائیں گے تو اس پر جن سنگھی لابی حاوی ہو جائے گی، جو ملک وقوم کا بڑا نقصان ہوگا۔ آپ ''متحدہ قومیت'' کے مضبوط مؤید

تھے، اور ہندوستان میں اس نظریہ کو مسلمانوں کی بقا کی ضمانت سمجھتے تھے۔ آپ جس طرح ہندو فرقہ پرستی کے سخت خلاف تھے، اس سے زیادہ مسلم فرقہ پرستی کو ملک وقوم کے لئے سم قاتل سمجھتے تھے۔ اسی لئے آپ کسی بھی ملی مسئلہ کو ہندو مسلم رنگ دینے کے بجائے انصاف اور ناانصافی اور برابری اور امتیاز کی حیثیت سے بحث کا موضوع بنانے کے قائل تھے۔

مجھے یاد ہے جب بابری مسجد کا مسئلہ پورے شباب پر تھا، اور شہر در شہر لوگ فرقہ وارانہ کشیدگی کی آگ میں اپنی قیادت چمکانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، جمعیۃ علماء کے ایک اجلاس میں اراکین نے بہت زور دیا کہ اس وقت جمعیۃ علماء کو بھی میدان میں آکر قوم کی قیادت کرنی چاہئے، مگر حضرت مولاناؒ پوری بصیرت کے ساتھ یہی فرماتے رہے کہ ’’اس وقت قوم کی زرد قیادت جس رخ پر جارہی ہے، وہ عافیت کا نہیں؛ بلکہ ملک کی تباہی کا راستہ ہے۔ بابری مسجد کا معاملہ سڑکوں پر ہرگز حل نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس کے لئے صرف اور صرف عدالتی لڑائی لڑنی چاہئے، اور یہ کام جمعیۃ علماء روز اول سے کررہی ہے‘‘۔ افسوس کہ اس وقت اس دوراندیش رہنمائے قوم کی اس رائے کو کمزوری اور بزدلی جیسے طعنوں سے نوازا گیا؛ لیکن چند ہی سالوں کے بعد لوگوں نے دیکھ لیا کہ نہ صرف یہ کہ بابری مسجد شہید ہوئی؛ بلکہ سیکڑوں مسلمان جاں بحق ہوئے، کتنی عزتیں تار تار ہوئیں، کس قدر املاک تباہ ہوئیں، اور ان حالات میں سب خود رَو قائدین روپوش ہوگئے، اور بات لوٹ پھیر کر وہیں آگئی کہ عدالت کے فیصلہ کے علاوہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے۔

آپ جمعیۃ علماء کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں بار بار اِس حقیقت کو اُجاگر کرتے تھے کہ آزادی کے بعد سے اب تک ملک کے اقتدار اور دولت پر ایک مخصوص اقلیتی طبقہ (برہمن لابی) حاوی ہے، اور اس نے اپنی شاطرانہ سیاست سے اپنے کو اکثریت بنا رکھا ہے، حالاں کہ یہ ملک اقلیتوں کی اکثریت کا ملک ہے (یہ حضرتؒ کی خاص اصطلاح ہے) یہاں سب سے بڑی تعداد ’’دلت سماج‘‘ کی ہے، جنہیں برہمن لابی بھڑکا کر فسادات وغیرہ میں کام لیتی ہے، اگر مسلمان

اِن دلت لوگوں کو اپنا لیں تو نہ صرف یہ کہ فسادات کا خاتمہ ہوگا؛ بلکہ مسلمان دلتوں کے ساتھ مرکر ملک کی سب سے بڑی طاقت بن جائیں گے، اور طاقت کی کنجی ان کے پاس آ جائے گی۔ چناں چہ بالخصوص گجرات کے ہولناک فسادات کے بعد آپ نے عملی طور پر ''دلت مسلم اتحاد'' کا اقدام کیا، اورفسادات کے بعد جب کہ پورے ملک کا مسلمان بی جے پی حکومت کے سخت گیر اِقدامات کی وجہ سے سہما ہوا تھا، آپ نے دلت لیڈر ''اُدت راج'' کے ساتھ مل کر رام لیلا میدان دہلی میں زبردست اجلاس کیا، جس میں لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی اور قوم کے اندر پھر ایک ولولہ اور جوش پیدا ہوگیا، بعد میں بھی آپ نے پورے ملک میں اس تحریک کو عام کیا۔ حیدرآباد کے دلت لیڈر ''غدر'' اور آسام کے قبائلی لیڈروں سے بھی روابط پیدا کیے، اور اخیر تک اس مشن کو جاری کیے رہے۔

اَمن واَمان کے نقیب

آپ اس ملک میں کسی طرح کی بھی تخریبی کارروائی کے شدید مخالف تھے، بالخصوص مدارس اور دینی جماعتوں کو اِس بارے میں نہایت سخت الفاظ میں متنبہ فرماتے رہتے تھے۔ بعض لوگوں کو آپ کی یہ شدت بری بھی لگتی تھی؛ لیکن پیش آمدہ واقعات نے آپ کی تشویش کو سچ کر دکھایا، اور آپ کی اسی تلقین کا اثر تھا کہ مدارس ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے محفوظ رہے، اور اڈوانی جیسا فرقہ پرست لیڈر بحیثیت وزیر داخلہ پارلیمنٹ میں یہ بیان دینے پر مجبور ہوا کہ ملک کا کوئی مدرسہ دہشت گردی میں ملوث نہیں پایا گیا۔

فتنوں کے مقابلے میں سدِ سکندری

حضرت امیر الہندؒ اِس دور میں مسلکِ حقہ کی روشن علامت تھے، آپ کو دین کی اِس قدر تڑپ تھی کہ جب اور جہاں دینی فتنہ انگیزی کی بات سنتے فوراً بے چین ہوجاتے۔ اور فتنہ کو فرو کرنے کے لئے ممکنہ حد تک اسباب ووسائل اور تدبیریں اختیار فرماتے تھے، باطل عقائد

ونظریات کے سلسلے میں مصالحت اور مداہنت کا آپ کے یہاں کوئی خانہ نہ تھا۔ ہندو پاک اور بنگلہ دیش و نیپال میں آپ نے فتنۂ قادیانیت، ردعیسائیت اور ردغیر مقلدیت کے لئے وہ عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں، جن کی بدولت ہزاروں اَفراد اِرتداد اور گمراہی سے محفوظ رہے، وہ یقیناً آپ کے لئے صدقہ جاریہ اور رفع درجات کا ذریعہ بنیں گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

تحمل مزاجی

آپ کو اپنی زندگی میں اپنوں اور غیروں کی طرف سے قدم قدم پر سخت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، کتنے ہی لوگوں نے آپ کی مخالفت کو اور تیکھے تبصروں کو گویا اپنی زندگی کا مشن بنالیا، وقتاً فوقتاً یہ اُبال اُٹھتا رہتا اور اخبارات ورسائل کے صفحات سیاہ کئے جاتے رہتے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر آپ کے عقیدت منداور جاں نثار دل مسوس کر رہ جاتے، مگر آپ نے کبھی ان باتوں کا اثر نہیں لیا؛ بلکہ گرد وپیش سے بے پروا ہوکر جس بات کو حق سمجھا، اُس پر ثابت قدم رہے۔ کئی بار خود احقر نے حضرتؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ’’بھائی! ہم تو ’’گالی پروف‘‘ ہوگئے ہیں، ہمارے اوپر کسی کی اچھائی یا برائی کا کچھ اثر نہیں پڑتا‘‘۔ مجلس عاملہ کے اجلاس میں بھی آپ یہی بات دہراتے کہ لوگوں کی خوشی یا ناخوشی کا خیال کئے بغیر اُمت کا مفاد پیش نظر رکھنا چاہئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے مخالفین سے فرماتے تھے کہ: ’’**بیننا وبینکم یوم الجنائز**‘‘ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ اُس دن ہوگا جب ہمارے جنازہ اُٹھیں گے۔ چناں چہ دنیا نے دیکھا کہ ان کے مخالفین کے جنازوں میں کاندھا دینے والے بھی بمشکل دستیاب ہوئے، جب کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں ۲۴ ؍لاکھ افراد کی شرکت کا اندازہ لگایا گیا۔

یہی کچھ صورتِ حال حضرت امیر الہندؒ کے جنازہ میں بھی دیکھنے میں آئی کہ مختصر وقت، شدید سردی اور کہرے کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں لوگ جنازہمیں شریک ہوئے کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اور کھلی آنکھوں آپ کی محبوبیت اور مقبولیت کا نظارہ نظر آیا۔ مجمع کا عالم یہ تھا کہ اگر

نماز میں اس قدر عجلت نہ کی جاتی اور نماز جنازہ ۹ ؍ یا ۱۰ ؍ بجے ہوتی تو مجمع کو کسی طرح بھی کنٹرول کرنا ممکن نہ ہو پاتا۔

شفقتیں یاد آئیں گی

اِس ناکارہ کو حضرتؒ کے ساتھ سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ساتھ رہنے کا الحمد للہ بہت موقع ملا، متعدد مرتبہ سفر حج میں بھی معیت نصیب ہوئی، اور ۱۹۸۸ء میں میرٹھ کے ایکسیڈنٹ کے بعد جب آپ اسپتال میں رہے تو مکمل چار مہینے مسلسل حضرتؒ کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، بلاشبہ یہ ایام احقر کی زندگی کے نہایت قیمتی لمحات تھے۔ احقر نے دیکھا کہ ہاتھ اور کولہے کی ہڈی میں فریکچر ہونے کی وجہ سے تقریباً دو مہینے مکمل صاحب فراش رہے، مگر اس حالت میں بھی اسپتال میں نماز باجماعت اَدا فرماتے تھے۔ آپ نے اپنا بیڈ قبلہ رخ کروایا تھا، ہم خدام اِردگرد کھڑے ہوجاتے اور آپ جماعت میں شامل ہوکر نماز اَدا فرماتے تھے۔ اسی طرح اس حالت میں بھی تہجد کی نماز فوت نہ ہونے دیتے، تہجد کے وقت احقر کو آواز دیتے، احقر تیمّم کراتا اور آپ نماز میں مشغول ہوجاتے۔ علالت کے دوران خالی وقت میں احقر مکتوباتِ شیخ الاسلام سناتا، اور حضرت مشکل مقامات کی تشریح فرماتے، جس سے آپ کی علمی استعداد اور معارف وحقائق پر گہری نظر کا پتہ چلتا تھا۔ کبھی احقر اعرابی غلطی کرتا تو اُس کی بھی تصحیح فرماتے۔ راقم الحروف نے بارہا محسوس کیا کہ آپ کا ذکر قلبی اور پاس انفاس (سانس کے ساتھ ذکر) بے اختیار جاری رہتا تھا۔ یہ ناکارہ ۱۹۸۷ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد حضرت الاستاذ المعظم فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی سفارش پر حضرتؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوا، آپ نے سب سے پہلے پاس انفاس کی تلقین کی، پھر دیگر اسباق کے بعد دہلی کے اسپتال کے قیام کے دوران مراقبہ کی تعلیم دی، اور اُسی سال رمضان المبارک میں اِجازت سے سرفراز فرمایا۔ اِس سیاہ کار کو ہیبت کی وجہ سے اگرچہ حضرت سے زیادہ بات چیت کرنے کی ہمت نہ ہو پاتی؛ لیکن جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تو حضرت ضرورت سے

زائد خیال فرماتے، اور انتہائی شفقت کا اظہار فرماتے، اور احقر اگر کوئی بات عرض کرتا تو اُس کو بڑی توجہ سے سماعت فرماتے، اور ہمیشہ ''مولوی سلمان'' کہہ کر مخاطب ہوتے، یہ سب آپ کی خوردنوازی کے نمونے تھے، افسوس کہ اَب یہ شفقتیں محض خواب بن گئیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

احقر ۲؍شوال ۱۴۲۶ھ کو جب مغرب کے وقت دیوبند پہنچا تو آپ کے وہیل چیئر سے گرنے کا واقعہ پیش آچکا تھا، احقر مغرب کی نماز پڑھ کر فوراً خدمت میں حاضر ہوا، تو بدن کا بایاں حصہ مفلوج ہوچکا تھا، زبان بند تھی؛ لیکن داہنے حصہ میں حرکت باقی تھی، اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ احقر کو دیکھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور حسب معمول قدرے مسکرائے، اور منہ میں تھوک جمع ہوگیا تھا، اُسے نکالنے کا اشارہ کیا، ہم لوگوں نے پیچھے سے اُٹھا کر اُگال دان سامنے کردیا، اُس میں تھوکا؛ لیکن پھر بے ہوشی گہری ہوتی چلی گئی۔ آپ کو فوراً دہلی لایا گیا، اور بالآخر ۳؍مہینے پانچ دن اُمید وبیم کی کیفیت میں رہ کر آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

آپ مدرسہ شاہی کے سرپرست اعلیٰ تھے، اور آپ کے وجود باوجود سے یہ اِدارہ مسلسل ۴۸؍سال تک مستفیض ہوتا رہا، اِس لئے حضرت موصوفؒ کا یہ حق ہے کہ ''ندائے شاہی'' حضرت مرحوم کی حیات وخدمات پر ''خصوصی نمبر'' شائع کرے۔ چناں چہ ۱۶؍صفحات کے اِضافے کے ساتھ سردست جو مضامین دستیاب ہوئے، وہ تو اِس وقت شائع کئے جارہے ہیں؛ تاکہ سبھی قارئین حضرت کی زندگی اور اَوصاف وکمالات کی کچھ جھلکیاں دیکھ لیں۔ پھر اِن شاء اللّٰہ مستقبل قریب میں ندائے شاہی کا مبسوط ''فدائے ملت نمبر'' شائع کیا جائے گا۔

الحمد للّٰہ! ندائے شاہی کا ضخیم ''فدائے ملت نمبر'' ۷۸۸؍صفحات میں شائع ہوا، جو ایک عظیم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، فالحمد کلہ للّٰہ۔ (مرتب)

حیاتِ طیبہ پر ایک نظر

پیدائش:- ۴/ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ بمقام دیوبند (اُسی سال آپ کے والد ماجد حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ دارالعلوم کی صدارت تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بچھرایوں ضلع مراد آباد کے حکیم سید غلام علی صاحب کی چھوٹی صاحب زادی تھیں، جن سے حضرت شیخ الاسلامؒ نے مالٹا سے واپسی کے بعد نکاح فرمایا تھا)

والدہ کا وصال:- ابھی آپ کی عمل ۹/سال تھی کہ ۱۳۵۵ھ میں آپ کی والدہ محترمہ کا وصال ہوگیا۔

ابتدائی تعلیم:- حضرت شیخ الاسلامؒ کے خادم خاص اور خانوادۂ مدنی کے مربی حضرت مولانا قاری اصغر علی صاحبؒ سے آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم اور فراغت:- اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، بعد ازاں چند سال مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

تدریسی خدمات:- ۲۸/شوال ۱۳۷۰ھ کو آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا، اور ۱۳۸۲ھ تک ۱۲/سال آپ نے درسِ نظامی کی ابتدائی اور متوسط کتابوں کا درس دیا۔

قیادت کے اُفق پر:- ابتدا میں آپ جمعیۃ علماء شہر دیوبند کے نائب صدر بنائے گئے، ۱۹۶۰ء میں آپ اتر پردیش جمعیۃ کے صدر بنے، ۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند نے آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا ناظم عمومی نامزد کیا، اور اگست ۱۹۷۳ء میں آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا صدر منتخب کیا گیا، جس پر آپ آخر تک جلوہ افروز رہے، اور اِس منصب پر رہتے ہوئے قوم وملت کے لئے بے مثال خدمات انجام دیں۔

پارلیمنٹ کی رکنیت:- آپ تین مرتبہ پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا راجیہ سبھا کے رکن رہے۔ پہلی مرتبہ: ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۴ء تک، دوسری مرتبہ: ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۶ء تک اور تیسری مرتبہ: ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۴ء تک۔

منصب رشد و ہدایت پر:- آپ حضرت شیخ الاسلامؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے، حضرت کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے حکم سے آپ کو خلافت دی۔ نیز حضرت شیخ الاسلامؒ کے سبھی خلفاء نے مل کر آپ کو اِجازت بیعت سے نوازا، اور حضرتؒ کے متوسلین کو آپ کی طرف رجوع ہونے کی تلقین کی، چناں چہ تادم واپسیں آپ نے مدنی خانقاہ کو آباد اور شاداب رکھا، اور بلا ناغہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا تسلسل جاری رکھا، اور ڈھائی سو سے زیادہ افراد کو آپ نے بیعت کی اجازت دی۔ آپ کا روحانی فیض چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔

حج وزیارت:- آپ کو حرمین شریفین کی حاضری اور حج وزیارت سے خصوصی اُنس تھا، سالوں سے بلا ناغہ ہر سال حج کا معمول تھا۔ احقر کے اندازے کے مطابق آپ نے ۴۰؍ سے زیادہ حج کئے ہوں گے، اور درمیان سال میں بھی عمرے کے لئے کئی کئی سفر ہو جایا کرتے تھے۔

ملی خدمات کے اہم عنوانات:- تحفظ مدارس ومساجد، تحفظ اَوقاف، یکساں سول کوڈ کی مخالفت، مسلمانوں کے لئے ریزرویشن اور فسادات میں معقول معاوضہ کی تحریک، ملک وملت بچاؤ تحریک، فرقہ واریت مخالف کنونشن، سیاہ بل کے خلاف تحریک، اِدارۃ المباحث الفقہیہ، فتنۂ قادیانیت کی بیخ کنی، تردید عیسائیت، تردید مودودیت، تردید منکرین حدیث، دلت مسلم اتحاد، سیکولر سیاسی پارٹی کے قیام کی کوشش وغیرہ اور دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ۔

وفات:- ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶؍فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر بوقت شام پونے چھ بجے، بمقام: اپولو ہسپتال دہلی۔

نماز جنازہ:- ۸؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۷؍فروری ۲۰۰۶ء بروز منگل صبح ۲۵-۷؍ منٹ پر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا محمد طلحہ صحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

تدفین:- مزار قاسمی دیوبند میں (حضرت شیخ الاسلامؒ کے دائیں جانب) دفن کیا گیا، ہزاروں ہزار اَفراد نے نمناک آنکھوں سے اپنے ہر دل عزیز قائد کو الوداع کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

❍❖❍

عزم واستقلال کا کوہ گراں

حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، واُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی ایک بڑی اہم، بڑی قابل قدر اور بہت انوکھی خصوصیت تھی کہ خدا نے ان کو عزم وہمت اور حوصلہ کا پہاڑ بنایا تھا، جب انہوں نے ارادہ کرلیا تو کوئی طاقت ان کو اس ارادے سے ہٹا نہیں سکتی تھی، خوب سوچ سمجھ کر کسی موقف کو اختیار کرتے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالتے اور اس کے بعد اس پر جم جاتے تھے، اور جمتے تھے تو پہاڑ کی طرح جمتے تھے، لوگ بڑے دلائل کو پیش کرتے تھے؛ لیکن مولانا ہر ایک کی دلیل کو توڑ دیتے اور آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔

ملک وملت بچاؤ تحریک

۱۹۷۹ء کے اندر ملک کی آزادی کے بعد لٹے پٹے فسادات کی وجہ سے تباہ حال مسلمانوں کی طرف سے جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے آپ نے ایک آواز اٹھائی کہ ہم فسادات کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، ہندوستان میں ملک کی تقسیم کے بعد اقلیت اور ایسی اقلیت جو ہزاروں فسادات میں کچل دی گئی ہو حوصلہ پست کردیا گیا ہو، کیا وہ اس حیثیت میں ہوگی کہ فرقہ پرست طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر یہ کہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم سول نافرمانی کی تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی، مجھے خوب یاد ہے کہ قاضی عدیل عباسی اور دیگر لوگوں نے آپ کو خطوط بھیجے، ٹیلی فون کا تو اس وقت رواج نہیں تھا کہ مولانا یہ کیا کررہے ہیں، ملک کے تقسیم ہوجانے کے بعد اب آپ مسلمانوں کو خودکشی پر مجبور کررہے ہیں؟ کیا مسلمان اس حیثیت میں ہے کہ وہ جیل بھرو تحریک چلائے؟

مولانا نے جواب دیا ”یا تو عزت کے ساتھ قوم زندہ رہے گی یا پھر ذلت کی زندگی سے قوم کا مر جانا بہتر ہے“ اوراس رائے پر مولانا پہاڑ کی طرح جم گئے، کسی قائد کی انتہائی دور بینی اور خصوصیت یہ ہے کہ وقت کو دیکھ کر فیصلہ کرے اور فیصلہ مضبوطی کے ساتھ کرے، اوراس پر جم جائے کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی کہ حالات کیا چل رہے ہیں اور کیا ہو رہا ہے؟ مگر چوں کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا فرمائی تھی اور جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم پر اور وہ پلیٹ فارم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اوران کے شیخ حضرت شیخ الہندؒ اوران کے شاگرد حضرت شیخ الاسلامؒ کا تھا، آپ اس پلیٹ فارم پر تھے، پورے ہندوستان سے لوگ آپ کا ساتھ دیتے تھے، یہ خدا کی نصرت ہے کہ ہم جیل میں تھے اور جیل میں ہم لوگوں نے خبر سنی کہ مرار جی کی گورنمنٹ گر گئی یعنی پچیس دن پہلے جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا وہ گورنمنٹ گر گئی۔ میں نے کہا کہ کسی قائد کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ وقت کی نزاکت کو دیکھ کر کہ کشتی کدھر جا رہی ہے انتہائی دانائی کے ساتھ فیصلہ کرے اور پھر اس پر جم جائے، ایسا بارہا ہوا کہ سارے سیاسی لوگ ایک طرف، اور حضرت کی رائے ایک طرف، بعد میں بات سمجھ میں آئی کہ اس سے بہترین کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا اوراس سے بہترین کوئی تحریک نہیں ہو سکتی تھی، اللہ نے اس کے اندر کامیابی دی، قوم کا معیار بڑھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی آزادی کے وقت مسلمان کھڑا ہوا تھا ایسے دوراہے پر جہاں اس ملک میں مسلمان کے وجود کا مسئلہ تھا، ہم نے تیس سال سے جو سفر کیا اور جدوجہد کی ہم اب وجود کے مسئلہ سے نکل گئے، اب تو ہمارے وجود کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ اب تو ہمارے مطالبات ہیں کہ ہمارا حق دو، جمعیۃ علماء کی اس تحریک نے مسلمان کے معیار کو بلند کر دیا۔ ہم اس ملک کے اندر اتنا لٹنے کے بعد، اتنا پٹنے کے بعد، فسادات میں پسنے کے بعد، ہمارے وجود کا یہ ثبوت ہے کہ ہمارے مطالبات تسلیم کرو ورنہ ہم تحریک چلائیں گے، جیل بھریں گے، یہ حضرت مولانا کی دین ہے اور اُن کی جہد مسلسل کا ثمرہ ہے۔ مرار جی حکومت گئی اُس کے بعد اندرا جی آئیں، پھر وہ بھی چلی گئیں، پھر اس طرح کانگریس کا دور رہا اور نرسمہا راؤ آ گئے، نرسمہا راؤ کا دور بھی اس ملک کے لئے اور کانگریس کے لئے بڑا بدبخت دور تھا۔

۲۱/ لاکھ دستخط والی تحریک

حضرت نے یہ بات ورکنگ کمیٹی کے دوران کہی کہ ملک میں اندرا جی کے قتل پر سکھ مخالف فساد ہوا، مرنے والوں کو پانچ پانچ لاکھ معاوضہ دیا گیا۔ مسلمانوں کی اول تو رپورٹ نہیں لکھی جاتی، جس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مرنے والوں میں ہے یا نہیں، پچاس مرتے ہیں ان میں سے دس بیس کی رپورٹ درج ہوتی ہے تو بہت احسان کیا، مرنے والے کو دو لاکھ روپئے دے دیئے، تو حضرت فرماتے تھے کہ جس طرح فساد میں مرنے والے سکھوں کو معاوضہ دیا گیا ہے وہی معاوضہ فساد میں مرنے والے مسلمانوں کو دیا جائے، اور دوسری بات یہ کہتے تھے کہ چونکہ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کو منصوبہ بنا کر سیاسی میدان میں، معاشی میدان میں، ہر میدان میں پیچھے کیا گیا ہے، اس لیے آبادی کے حساب سے انہیں ریزرویشن ملنا چاہئے۔ جب جب ورکنگ کمیٹی ہوتی تھی اسے مدلل اور مبرہن کرتے رہتے تھے، آخر کار یہ بات آئی کہ ایک تحریک چلائی جائے اور پرامن تحریک ہو کہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ دستخطوں کے ساتھ میمورنڈم وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ کو پیش کیا جائے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ ملک اس بدبختی کے دور سے نکلا اور نرسمہا راؤ کی گورنمنٹ چلی گئی، اور بھاجپائی گورنمنٹ آ گئی، اگر ابتدا میں جہاں سے سفر شروع ہوا، اس وقت بھاجپا کی گورنمنٹ ہوتی، تو ہوسکتا ہے کہ مولانا کے اندر یہ جوش پیدا نہ ہوتا؛ لیکن جوش ان میں یہ تھا کہ کانگریس کی گورنمنٹ ہے اور مسلمان تباہ ہو رہا ہے، جن کے شانہ بشانہ چل کر ہم نے ملک کی آزادی کے لئے قربانیاں دیں ہیں، اُن کے وقت میں اگر ایسا ہو رہا ہے تو کیوں ہو رہا ہے؟ لیکن مولانا فرماتے تھے ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمارے مطالبات ہیں، ہم اس ملک کے رہنے والے ہیں، اور ہمارے یہ حقوق دستوری ہیں، اقتدار کی کرسی پر کوئی بھی بیٹھے، ہمیں اس سے کیا لینا دینا؟ ہمیں اپنے حقوق کے لئے لڑتے رہنا ہے، کوئی بھی کرسی اقتدار پر آ کر بیٹھے۔ چنانچہ مولانا نے تحریک چلائی، ہمیں کوئی تجربہ نہیں تھا، ملک کی آزادی کے بعد مسلمانوں کی طرف سے کسی ملی مسئلہ پر یہ پہلی تحریک تھی کہ دستخطی مہم چلاؤ، چنانچہ آپ کو حیرت ہوگی کہ مولانا نے ایک

وقت کا تعین کر دیا، اور ملک کی جتنی یونٹ تھی، سب کو متحرک کر دیا اور تقریباً پانچ مہینے میں اکیس لاکھ دستخط کرائے، اور ہر طرف سے مطالبہ تھا کہ دو مہینے کی اور مہلت دے دیجئے، اگر مہلت دے دیتے تو یہ دستخط پچاس لاکھ ہو جاتے، ان دستخطوں کے ساتھ جا کر میمورنڈم صدر جمہوریہ کو پیش کیا۔ میں کہتا ہوں کہ کچھ بھی ہوا، کامیابی یا ناکامی تو خدا کی طرف سے ہے، ہم لوگ دنیا میں رہتے ہیں یہ دارالاسباب ہے، یہاں رہ کر ہم نے اسباب کو اختیار کیا، ہوسکتا ہے دنیا یہ کہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہے؛ لیکن میں کہتا ہوں کہ اس میں سو فیصد کامیابی ہے۔ جمعیۃ علماء نے سب سے پہلے رزرویشن کے مسئلہ کو اٹھایا تھا، ۱۹۹۹ء کا قصہ ہے آج پورے پانچ سال ہوئے ہیں، اس مطالبہ نے اتنی قوت اختیار کی ہے کہ آج ہر پارٹی، بھاجپا اور کمیونسٹوں کے علاوہ، ملک کی ہر سیاسی پارٹی، چاہے وہ علاقائی ہو اور چاہے وہ مرکزی ہو، مسلمانوں کے ریزرویشن کی بات کرتی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کیرالا کے اندر ریزرویشن گورنمنٹ نے دیا، کرناٹک میں گورنمنٹ نے ریزرویشن دیا، حیدرآباد کے اندر ریزرویشن گورنمنٹ نے دیا؛ لیکن چونکہ فرقہ پرست حکومت نے عدلیہ کے اندر فرقہ پرست افراد کو بیٹھا دیا ہے، اس لئے کورٹ کے اندر آ کر اس کو کالعدم قرار دے دیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو مہاراشٹر کے اندر بات طے ہو چکی تھی اور چند دنوں کے بعد اعلان ہونے والا تھا، یہ مولانا کی دین ہے، حضرت نے مطالبات کو اتنا بڑھایا اور دلائل کو اس انداز سے رکھا کہ جو بھی گورنمنٹ آئے گی، وہ یہی کہے گی کہ ہم ریزرویشن دیں گے۔

بھرپور احتجاج

ورکنگ کمیٹی میں بار بار فرمایا کرتے تھے کہ ملک کی تقسیم کے بعد میرا یہ جی چاہتا ہے کہ مسلمان کوئی احتجاج ایسا کریں کہ رام لیلا گراونڈ کو بھر دیں؛ اس لئے کہ تال کٹورہ اسٹیڈیم میں سال میں دو تین پروگرام ہو جاتے تھے، فرماتے تھے کہ رام لیلا گراونڈ کو بھر دیں، مگر دس لاکھ آدمیوں کو جمع کرنا بڑا مشکل کام تھا، مولانا مستقل تگ و دو میں لگے رہتے تھے۔ اتفاق کی بات کہ کالا بل پاس ہو رہا تھا، ورکنگ کمیٹی میں بات چلی، کچھ لوگ کہتے تھے ٹھیک ہے آگے بڑھیں، اور

کچھ لوگ کہتے تھے کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا! آج اسلام کے نام پر خدمت کا موقع ہے، آپ نے تقسیم کے بعد سے جتنی خدمت کی ہے، صحیح اسلام کی خدمت کی ہے؛ لیکن اس موقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ آپ نے آج تک جتنی خدمت کی ہے وہ مسلمان کے واسطے سے کی ہے، فسادزدگان کی مدد کی، مظلومین کی مدد کی، یہ براہِ راست اسلام کی خدمت ہے؛ کیوں کہ براہِ راست اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، اگر آپ آج بیٹھ گئے تو قوم آپ کو کبھی چھوڑے گی نہیں، اور آج ایسا ہے کہ آپ یوں نہ کہیں کہ رام لیلا میدان کو بھردو؛ بلکہ آپ یوں کہیں کہ مجھے ایسی جماعت چاہئے جو اسلام کے نام پر رام لیلا میدان میں سر کٹوادے، تو بھی لوگ آپ کے ساتھ آجائیں گے، چنانچہ مولانا نے اس موقع کو جانے نہیں دیا، اور اس سلسلے میں سب سے پہلا اجلاس اس کالے بل کے خلاف جمعیۃ علماء اور دیگر پارٹیوں کو ملا کر ضلع سہارنپور میں کیا، تقریباً دولاکھ آدمی جمع ہوگئے، اور ہمت بڑھی لکھنؤ میں اجلاس کیا، لکھنو کی تاریخ میں کوئی اجتماع ایسا نہیں ہوا تھا، سڑکیں جام ہوگئیں۔ ۵-۶ / لاکھ آدمی جمع ہوگئے اور ہمت بڑھ گئی کہ کر سکتے ہیں، حضرت نے رات و دن ایک کر دیا، جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچے، اور اپنے مدعا کو رکھا کہ یہ ایسا وقت ہے کہ اس ملک میں اسلام کو زندگی ملے گی، تو مسلمان زندہ رہے گا، ورنہ نہیں رہے گا، اور نتیجہ یہ نکلا کہ دس لاکھ نہیں، میں کہتا ہوں کہ جتنے رام لیلا گراونڈ کے اندر تھے اس سے کہیں زیادہ باہر تھے، اور اب تو ہر سال ایک مرتبہ رام لیلا گراونڈ کو بھر دیتے تھے، اور ایسا نہیں کہ کرائے کے ٹٹو لا کر رکھ دیئے گئے ہوں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بوڑھے آدمی کو ایک نامہ نگار نے پکڑ لیا جس کے بدن پر کپڑے بھی درست نہیں تھے، اس نے پوچھا ملا جی کتنے پیسے مل گئے جو چلے آئے؟ بولا جیب سے ٹکٹ نکال کر کہ ۳۶ / روپیہ کا ٹکٹ لے کر آیا ہوں، نامہ نگار منہ پھیر کر چلا گیا، اور کسی تنظیم اور پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے جس کی آواز پر اتنے آدمی چلے آئیں۔

سیکولر سیاسی محاذ

میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت کی دیرینہ خواہش تھی کہ مسلمان اس ملک کے سیاسی اقتدار میں شریک ہوجائیں، اُنہوں نے اس کے لئے تحریک شروع کی، ہریجن اور مسلم اتحاد، کھان پان

کے پروگرام ہوئے، دہلی میں، پٹنہ میں، کرناٹک میں، حیدرآباد میں پروگرام ہوئے، اور چاہتے تھے کہ تنہا مسلمان کی نہیں؛ بلکہ دوسری اقلیتوں کو ملا کر ایسا پلیٹ فارم بن جائے جو پارلیمنٹ اور دیگر سیاسی امور میں دخیل ہوجائے، حکومت بنے تو اُن کے اشتراک کے ساتھ بنے، کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی؛ لیکن حضرت مولانا کی کوشش تھی، پہلے کوشش کرتے رہے کہ حیدرآباد سے اس کی شروعات کی جائے، نہیں ہوسکی، تو پچھلے سال طے کردیا کہ آسام سے اس کی شروعات کی جائے، ابھی چند مہینہ پہلے کی بات ہے کہ آپ جمعیۃ علماء آسام کے ایک جلسہ میں تشریف فرما تھے، اُس میں چیف منسٹر بھی موجود تھا، تو آپ نے مسلمانوں کے مسائل رکھے، جب چیف منسٹر کی باری آئی تو اُس نے صفائی دینے کی کوشش کی تو آپ نے اُس سے مائک چھین لیا اور کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، اور کہا کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہارے خلاف تحریک شروع کریں گے، ہم تم کو چھ ماہ کی مہلت دیتے ہیں، گورنر اور چیف منسٹر کے سامنے یہ بات کہی کہ اگر کام نہیں ہوا تو ہم تمہیں کرسی اقتدار سے ہٹادیں گے، چیف منسٹر کا چہرہ سرخ ہوگیا، کس قدر جرأت کی بات ہے؟ کیا کوئی اس طرح کہہ سکتا ہے؟ حضرت مولانا کہہ کر چلے آئے، چھ ماہ تک کام نہیں ہوا تو مجھے بھیجا کہ تم جاؤ اور جاکر اعلان کرو کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، چنانچہ جمعیۃ علماء نے دیگر اقلیتوں کو جمع کیا اور ایک اجلاس کیا اور حضرت نے مجھے بھیجا، میں گیا اور میں نے اعلان کیا کہ ہم پارٹی بناتے ہیں، اور وہ پارٹی چل رہی ہے کام کررہی ہے، اگر حضرت زندہ ہوتے تو رات و دن ایک کردیتے۔ مولانا کی دلی خواہش تھی کہ مسلمان سیاسی اقتدار کے بنانے اور بگاڑنے کے مالک ہوجائیں، یہ مولانا کی ذات تھی، ایسا آدمی جس کی بیک وقت نظر ہر طرف ہو، اور چومکھی لڑائی لڑرہا ہو، ایسا آدمی ہونا مشکل ہے، کسی پارٹی کے پاس ایسا آدمی نہیں ہے۔ آج نہیں ہے اللہ کل پیدا کردے، اُن کا نعم البدل پیدا فرمائے، اور اُن کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے، آمین۔

(مدرسہ شاہی مرادآباد کے تعزیتی جلسہ میں تقریر سے ماخوذ)

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

❍❖❍

حضرت امیر الہندؒ: فتنوں کے تعاقب میں

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری صدر جمعیۃ علماء ہند واُستاذ حدیث دارالعلوم دیو بند

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے:

لَا یَزَالُ اللّٰـهُ یَغْرِسُ فِيْ هٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُهُمْ فِيْ طَاعَتِهٖ. (سنن ابن ماجه ۸)

اللہ تعالیٰ اس دین کے باغ میں ہمیشہ نئے پودے لگاتا رہے گا، جن کو اپنی طاعت میں استعمال فرمائے گا۔

اس حدیث پاک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست پیشین گوئی فرمائی ہے کہ دین اسلام کا گلشن ہمیشہ سدابہار رہے گا، یہ باغ کبھی ویرانہ نہیں بنے گا۔ جب کوئی پودا سوکھ جائے گا تو دوسرا پودا اس کی جگہ لگادیا جائے گا۔

گلشنِ دین کے یہ پودے کون ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد رشید صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کے سب سے پہلے اور اعلیٰ درجہ کے مصداق ہیں، اور پھر ہر زمانہ میں ان کے متبعین اور ''مَا أَنَا عَلَیْهِ وَأَصْحَابِی'' کی صراط مستقیم پر خود چلنے والے اور دوسروں کو چلانے والے علماء ربانیین اور مشائخ عظام ہیں، ایسے نفوسِ قدسیہ سے قیامت تک دنیا کبھی خالی نہیں رہے گی، انہیں جیسی شخصیات کو باری تعالیٰ دین قیم اور امت مسلمہ کی بقاء وحفاظت کے ذریعہ کے طور پر ہر زمانہ میں پیدا کر کے مذکورہ پیشین گوئی کو پورا کرتا رہے گا۔ ویسے درحقیقت امت مسلمہ کی بقاء کی بنیاد تین عظیم شخصیات اور ذواتِ قدسیہ پر ہے، جس کو ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، ان میں اول نمبر پر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ عالیہ ہے،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا فِي أَوَّلِهَا وَالْمَسِيْحُ فِي آخِرِهَا وَالْمَهْدِيُّ فِيْ وَسَطِهَا. (کنز العمال ۳۸۶۷۹ بحواله ابن عساکر)

وہ امت کیسے ختم ہوسکتی ہے (یعنی قیامت تک ضرور باقی رہے گی) جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ہیں، اور درمیان میں حضرت مہدی (محمد بن عبداللہ) ہیں۔

انہیں مبارک شخصیات کے سلسلہ کی ایک زریں کڑی فدائے ملت، امیر الہند صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحب قدس سرہٗ کی ذاتِ بابرکات تھی، جنہیں چند روز پیشتر باری تعالیٰ نے اپنے جوارِ رحمت میں بلالیا ہے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت اقدسؒ کی زندگی مجاہدانہ کارناموں سے پر ہے، ان سب میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر نمایاں رہی، وہ حضرت اقدس کی دین اسلام کی حفاظت کے لئے فکرمندی اور امت مسلمہ کی بقاء وتحفظ کی دھن ہے، جب بھی اسلام اور اسلام کے خلاف کوئی داخلی یا خارجی فتنہ نمودار ہوا اور یہ خطرہ ہوا کہ مسلمان اُمتِ محمدیہ سے خارج ہوجائیں یا صراط مستقیم سے ہٹ جائیں، تو حضرت اقدسؒ احقاق حق وابطال باطل کے لئے سینہ سپر ہوگئے، اور اس کے مقابلہ کے لئے علماء کرام کو توجہ دلاکر ایک فوج تیار فرمادی۔ چناں چہ ۱۹۸۴ء کے بعد جب مرزائی گروہ مرتدین نے ہندوستان کے مسلمانوں کے اسلام کو بگاڑنے اور ان کو اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام سے نکال کر امت مرزائیہ میں شامل کرنے کے لئے از سرنو ہندوستان کا رخ کیا، اور یہاں کی قادیانی جماعت کو حیاتِ نو بخشنے کا پروگرام بناکر جگہ جگہ سیرت اور دیگر دینی عنوانات پر جلسے وکانفرنسیں کرنی شروع کیں، اور اپنے نام نہاد حقیقی اسلام کا ڈھنڈورہ پیٹ کر مسلمانوں کو ورغلانے کی دجالی روش اپنائی، تو حضرت اقدس امیر الہند بے چین ہوگئے، اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز اراکین کو قادیانی فتنہ کی تشویش ناک صورتِ حال سے آگاہ فرماکر سہ روزہ عالمی تحفظ ختم نبوت کی تجویز منظر کروائی۔ چناں چہ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی آخری

تاریخوں میں یہ عظیم الشان اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا، جس میں ملک بھر کے علماء وذمہ داران کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اجلاس کا افتتاح حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا اور اختتامی تقریر رابطہ عالم اسلامی کے اس وقت کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے فرمائی۔ اس اجلاس سے ملک میں قادیانی فتنہ کے تعاقب کے لئے علماء وعوام میں زبردست بیداری آئی، اور اس کام کو دارالعلوم کی نگرانی میں مسلسل انجام دئے جانے کے لئے ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے۔ یہ مجلس بحمد اللہ روز اول سے مجلس شوریٰ کی ہدایات کے مطابق اور حضرت اقدس امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات سے ٹھوس انداز میں قادیانی تعاقب کا فرض ادا کر رہی ہے، اور مختلف علاقوں اور صوبوں میں اس کی خدمات جاری ہیں، جن میں افراد سازی کے لئے تربیتی کیمپوں کا انعقاد، عام لوگوں کے لئے اجلاس عام کرنا، چھوٹی بڑی کتابوں و پمفلٹوں کی مختلف زبانوں میں اشاعت، وقت ضرورت قادیانیوں سے مناظرہ کرنا، متأثرہ علاقوں میں مبلغین کے دوروں کا انتظام کرنا اور قادیانیوں کی طرف سے کسی جگہ مقدمہ دائر کئے جانے کے موقع پر قانونی مواد فراہم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ بہت سے تربیتی کیمپ اور اجلاس عام میں حضرت امیر الہندؒ نے بڑی دلچسپی کے ساتھ شرکت فرمائی، ۱۹۹۷ء - ۱۹۹۸ء میں دہلی کی دو عظیم تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں میں تحریری خطبہ صدارت پیش فرمائے۔ نیز کانپور میں تربیتی کیمپ و اجلاس عام کے موقع پر تحریری خطبہ صدارت پیش فرمایا، بائیکوری (آسام) میں قادیانیوں سے تاریخی مناظرہ کی مجلس میں تقریر فرمائی اور مسلسل پانچ گھنٹوں تک مجلس مناظرہ میں تشریف فرما رہے۔

ملک کے مختلف علاقوں میں عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی حضرت فدائے ملتؒ بہت فکر مند تھے۔ حضرتؒ کی توجہات کے نتیجہ میں دارالعلوم میں ردعیسائیت کمیٹی کا قیام عمل

میں آیا، اور حضرتؒ کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی کتاب ''اظہار الحق'' سے ماخوذ متعدد رسائل کمیٹی کی طرف سے شائع کیئے گئے، نیز احمد دیدات مرحوم کے رسائل کا ترجمہ کروا کر اردو میں طبع ہوئے، بعینہٖ ان کے رسائل انگلش میں بھی طبع کرائے گئے۔ اس کمیٹی کے تحت ملک میں حسب ضرورت تربیتی کیمپ واجلاس عام منعقد ہوتے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں داخلی فتنہ غیر مقلدیت نام نہاد سلفیت کو لگام دینے اور اس کی مغالطہ انگیزیوں والزام تراشیوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے حضرت امیر الہندؒ نے ۲۰۰۱ء میں ''تحفظ سنت کانفرنس'' دہلی میں منعقد فرمائی، اس میں تحریری خطبہ صدارت دیا، اور اس موقع پر اساتذۂ دارالعلوم دیو بند سے رد غیر مقلدیت پر تحقیقی رسائل مرتب کروا کر پچیس رسالوں کا سیٹ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے شائع کروایا، جس کا بڑا فائدہ ملک و بیرون ملک میں محسوس کیا گیا۔

نیز حضرت اقدسؒ نے باطل نظریات کی علمی انداز میں تردید کے لئے دارالعلوم دیو بند کے فضلاء کی تربیت کے پیش نظر ہر ہفتہ محاضرات پیش کرنے کے لئے اساتذۂ دارالعلوم کو مقرر کروایا۔ چناں چہ رد شیعیت، رد مودودیت، رد رضاخانیت، رد غیر مقلدیت، رد قادیانیت، رد عیسائیت اور رد ہندوازم پر محاضرات پیش کیئے جاتے ہیں، جن میں فضلاء دارالعلوم شرکت کرتے ہیں، جو دورۂ حدیث شریف کے بعد تکمیلات کے درجات میں داخلہ لیتے ہیں، جن کی تعداد دوسو سے زائد ہوتی ہے، ان طلبہ کو ہر موضوع کے محاضرات مطبوعہ شکل میں پہلے ہی تقسیم کردئے جاتے ہیں۔ ان محاضرات کو سن کر فضلاء دارالعلوم تقابلی انداز میں اسلام کی حقانیت اور صراط مستقیم کے واضح نشانات کو کفر وضلالت سے ممتاز کر کے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں اور دین محمدی کی حفاظت کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور اپنے اپنے علاقوں کو جا کر امت مسلمہ کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے سالوں سے انکار حدیث کے فتنہ کی سرگرمیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں، مدراس، کان پور میں بہت سے مسلمان اس سے متأثر ہور ہے ہیں۔ حضرت امیر الہندؒ کو اس کے تعاقب کی بہت فکر تھی، اسی سلسلہ میں حضرت اقدس نے پہلا

کام یہ کیا کہ ایک استفتاء مرتب کرواکر جس کا مفصل جواب مفتیان دارالافتاء دارالعلوم نے دیا، اور منکرین حدیث کو اسلام سے خارج قرار دیا، پھر اس پر تمام اساتذۂ دارالعلوم نے بھی دستخط فرمائے، خود حضرت اقدس نے بھی دستخط فرمائے۔

اس طرح موجودہ علمی ونظریاتی فتنوں کے تعاقب کے سلسلہ میں جو کام ہوا یا آئندہ ہوتا رہے گا اس میں حضرت اقدسؒ کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا.

جس نے کوئی اچھا کام جاری کر دیا اس کو اس کام کو شروع کرنے کا ثواب ملے گا اور جس نے اس روش کو اپنایا اس کا بھی ثواب ملے گا۔

خداوند کریم حضرت اقدسؒ کو دین اور امت مسلمہ کے تئیں ان کی فکرمندیوں اور مخلصانہ خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

یتیمی کا داغ؛ جو مٹ نہ سکے گا

حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی ناظم جامعۃ البنات الاسلامیہ دیوبند (سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند)

''بابو'' (حضرت فدائے ملتؒ) کا جنازہ ''اباجیؒ'' کے کمرہ میں انہی کے پلنگ پر رکھا ہوا تھا، اور آپا مدظلہا (والدہ صاحبہ) ان کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھیں، مجھ کو دیکھ کر روتی ہوئی آئیں اور لپٹ کر کہا: ''آج تم دوبارہ یتیم ہو گئے''۔ بے شک اُنہوں نے سچ کہا، میں نے تو آنکھیں کھول کر ''اباجی'' کی جگہ ''بابو'' ہی کو دیکھا، اور انہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ اسی شفقت کا معاملہ کیا جو ایک مشفق باپ اپنی عزیز ترین اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔ اس وقت بچپن کے چند واقعات یاد آرہے ہیں، اُن سے قارئین حضرتؒ کی شفقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

○ میں بہت چھوٹا تھا، چھوٹے بابو مدظلہ اس زمانہ میں گیا (بہار) میں پڑھاتے تھے، قرآنِ کریم میں نے وہاں جا کر شروع کیا تھا، ایک سفر بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ ہوا، ساتھ میں کھانا تھا؛ لیکن روٹیاں سادی تھیں پوچھا ارشد! یہ روٹیاں سادی کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھ کو پراٹھے سے تکلیف ہو جاتی ہے، بہت غصہ سے کہا تو خود سوکھی روٹیاں کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاتا ہے، اسجد کے لئے پراٹھے کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ مجھ کو یاد ہے دیر تک اِس کا ذکر کرتے رہے اور بار بار کرتے رہے۔

○ گیا ہی کے قیام کے زمانہ کا واقعہ ہے، میں دیوبند آیا ہوا تھا۔ بابو کا یوپی اور بہار کا پروگرام تھا، اس لئے ہم لوگ چار پانچ دن میں پہنچے، ہر جگہ رات کی طے شدہ ٹرینوں کو چھوڑ دیتے تھے اور منتظمین سے کہتے کہ اسجد کی نیند خراب ہوگی اس لئے دن کی ٹرین کا انتظام کرو۔

ایک مرتبہ آپا مدظلہا کسی ضرورت سے ''بابو'' کے ساتھ دلی جارہی تھیں، جب میں نے

برقعہ اوڑھے دیکھا تو رونا شروع کر دیا کہ میں بھی ساتھ جاؤں گا، آپا مدظلہا نے زور سے ڈانٹا، ''کوئی ضرورت نہیں! میں تو کل آجاؤں گی''، چلتے وقت بابو نے گھر میں مجھ کو روتے دیکھ کر پوچھا: کیوں رو رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ آپا کے ساتھ جانا چاہتا ہے، فوراً کہا کہ اسے بھی ساتھ لے کر چلو، جلدی جلدی تیاری کی، جب تک تیار نہیں ہوا بیٹھے رہے اور ساتھ لے کر گئے۔ اُس زمانہ میں لیڈیز ڈبہ الگ ہوتا تھا، میں آپا مدظلہا کے ساتھ اس ڈبہ میں تھا، جیسے ہی اسٹیشن پر گاڑی رکتی فوراً آتے اور پوچھتے کسی چیز کی ضرورت ہے؟ پانی لاؤں، کوئی پھل کھائے گا، کیلا لے کر آئے، ایک مرتبہ کوئی اور چیز لے کر آئے، اس طرح دلی پہنچے۔ اُس زمانہ میں پرانی دلی میں ٹرام چلتی تھی، جب ہم لوگ ٹیکسی سے پل بنگش پہنچے تو میں نے اس ٹرام کو دیکھ کر شور مچادیا، دیکھو کیسی بس؟ لوہے کی کیسی بس۔ مجھ کو یاد ہے کہ بابوؒ نے اس پر بہت زور سے قہقہہ لگایا اور تفصیل سے مجھ کو بتلایا کہ یہ بس نہیں اس کو ٹرام کہتے ہیں اور یہ بجلی سے چلتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

○ جب میری شادی ہوئی، بڑے اہتمام سے سمستی پور بہار کا سفر کیا، واپسی میں عورتیں اور سامان وغیرہ بھی تھا، اس وقت سمستی پور صرف ایک ٹرین جینتی جنتا ایکسپریس چلتی تھی، جس میں سب سیکنڈ کلاس کے ڈبے ہوتے تھے، لوگوں کی آمدورفت ہر وقت رہتی تھی، آپ نے سب کو سلادیا اور پوری رات تقریباً بیٹھ کر گذار دی۔

○ جس زمانہ میں میں دفتر جمعیۃ علماء ہند آیا اس کے کچھ روز بعد فرید بھائی مرحوم مدراس کے بچہ کی شادی تھی، فرید بھائی بابو سے بہت تعلق رکھتے تھے، اور بابو اُن کا بڑا لحاظ کرتے تھے، انہوں نے بابو سے کہا کہ اسجد کو اپنے ساتھ لے کر آئیں، ہم لوگ مدراس ہوائی جہاز سے پہنچے، پھر اُن کے وطن ''پلے پٹ'' گئے، شادی سے فراغت کے بعد فرید بھائی مرحوم نے بابو سے عرض کیا کہ اسجد پہلی مرتبہ جنوبی ہند آیا ہے، اس لئے یہاں جو تفریحی مقامات ہیں، میں نے آپ کا اور اسجد کا پروگرام چار روز کا بنادیا ہے، کوڑے کنال، اوٹی، بانڈی پورہ، نیشنل پارک، میسور اور بنگلور۔ بار بار بابو یہ کہتے رہے کہ مجھ کو کس چیز کی سزا دی جارہی ہے؟ لیکن ہر ہر مقام پر میرے

ساتھ گئے وہاں کی تفصیلات اور خصوصیات بتلاتے رہے، گھماتے رہے، چار روز کی تفریح کے بعد ہم لوگ بنگلور سے دلی پہنچے۔

شفقت ومحبت کے واقعات اور یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، کہاں تک لکھوں، اس وقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ملی خدمت کی تابناک مثالیں

مجھ کو جمعیۃ علماء ہند کے دورِ نظامت میں حضرت بابو علیہ الرحمۃ کے ساتھ بہت قریب رہنے کا موقع ملا، میں نے سرد وگرم حالات میں بھی آپ کو ثابت قدم پایا، اور ان جیسے حوصلہ اور جرأت کا انسان میں نے نہیں دیکھا، اس سلسلہ کے واقعات تو بہت ہیں؛ لیکن اس وقت چند ایسے واقعات جن کا میں خود شاہد ہوں، پیش کرتا ہوں:

مرادآباد کا فساد

اندرا گاندھی کے زمانے میں مرادآباد میں عید کے دن عیدگاہ میں پولیس نے ایک معمولی سے انتشار پر مسلمانوں پر گولی چلائی اور سیکڑوں مسلمان شہید ہو گئے۔ مرادآباد میں بڑے سخت حالات تھے، پولیس اور پی اے سی کے مظالم مسلمانوں پر سارے شہر میں ہو رہے تھے، اور افسران حکام کو یہ اطلاع دے رہے تھے کہ مسلم نوجوان پولیس پر حملہ آور ہوئے تو پولیس نے اپنے دفاع میں گولی چلائی، اندرا جی کے پاس یہی اطلاع تھی اور اُن کا ذہن بھی یہی تھا، ان ہی خطرناک حالات میں بابوؒ مرادآباد آئے، یہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور دلی پہنچ کر اندرا جی سے ملے اور پولیس کے مظالم کی تفصیلات بتلائیں، اندرا جی نے گیانی ذیل سنگھ کو جو اس زمانے میں حکومت ہند کے وزیر داخلہ تھے، مرادآباد حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا، وہ ہیلی کاپٹر سے روانہ ہوئے، بابوؒ ان کے پیچھے کار سے، جب بابوؒ مرادآباد میں کوتوالی پہنچے ہیں تو حکام گیانی ذیل سنگھ کو شہر کا دورہ کرا کے وہی پرانی رپورٹ دے رہے تھے، بابوؒ اس میٹنگ میں زبردستی گھس گئے اور صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا اور گیانی ذیل سنگھ سے کہا آیئے! وہ نوجوان جو پولیس پر حملہ آور

ہوئے تھے، اُن کی لاشیں آپ کو دکھلاؤں اور گیانی جی کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لائے جہاں بھیڑ بکری کی طرح مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ایک ایک لاش کا چہرہ گیانی جی کو دکھلاتے تھے، کہتے تھے یہ بوڑھا جس کے چہرہ پر سفید ڈاڑھی ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ یہ بچہ جو ابھی چلنا سیکھ رہا ہے یہ آپ کی پولیس پر حملہ آور تھا؟ اس طرح وہاں بوڑھے اور بچوں کی جتنی لاشیں پڑی تھیں ایک ایک کے چہرے کو دکھایا۔ گیانی ذیل سنگھ کے سامنے جب یہ صورتِ حال آئی تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور آئی جی پولیس جو اُن کی بغل میں کھڑا ہوا تھا، غصہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی وردی پر جو اسٹار لگے ہوئے تھے نوچ نوچ کر پھینک دئے اور کہا کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہاری وردی پر یہ اسٹار لگیں، اور دلی آکر اس رپورٹ کی تصدیق کی جو بابوؒ نے اندرا جی کو دی تھی، اور اس کے نتیجہ میں مراد آباد کے حالات بدلے۔

بھاگل پور کو بچالیا

بھاگل پور کے فساد کے موقع پر بابوؒ کا تیسرا دورہ تھا اور اس میں میں بھی ساتھ تھا۔ ہم لوگ شام کے جہاز سے دلی سے پٹنہ پہنچے اور رات میں وہاں سے ٹرین کے ذریعہ بھاگل پور جانا تھا، ابھی ہم اسٹیشن جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ بھاگل پور سے تواتر کے ساتھ اطلاعات آنی شروع ہوئیں کہ چمپا نگر، بھاگل پور کو فسادیوں نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے، ہجوم بڑھتا جا رہا ہے، مسلمان اپنا دفاع کر رہے ہیں، پولیس تماشائی بنی ہوئی ہے، اگر فوری طور پر حفاظت کا بندوبست نہ کیا گیا تو رات گذرتے گذرتے فسادی غالب آجائیں گے اور ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام ہو جائے گا۔ بابوؒ نے فوراً وزیر اعلی بہار سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، معلوم ہوا کہ وہ پٹنہ سے باہر ہیں اور مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کر رہے ہیں۔ بار بار فون کرنے پر جواب یہی ملتا کہ صاحب سو گئے ہیں، صبح بات ہوگی۔ جب مایوس ہو گئے تو راجیو گاندھی سے رابطہ کی کوشش کی وہ اس وقت وزیر اعظم تھے، رات اچھی خاصی گذر چکی تھی؛ لیکن لگے رہے۔ راجیو گاندھی سے بات ہوئی انہوں نے حالات سن کر کہا چیف منسٹر سے بات کیجئے، بابوؒ نے بہت غصہ

میں جواب دیا: یہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، اور آپ کو قانون سوجھ رہا ہے، آپ کا چیف منسٹر بات کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ مظفر پور سرکٹ ہاؤس میں آرام کر رہا ہے، راجیو نے کہا کہ اچھا آدھے گھنٹے کے بعد پھر مجھ سے رابطہ قائم کریں، آدھے گھنٹہ کے بعد دوبارہ رابطہ قائم کیا، راجیو سے بات ہوئی، انہوں نے کہا کہ ڈسٹرکٹ اتھارٹی کو احکامات دے دئے گئے ہیں وہ حفاظت کا بندوبست کرے گی، بابوؒ نے فوراً کہا کہ وہ شام سے فسادیوں کا ساتھ دے رہی ہے، مظلوموں کا نہیں۔ آپ فوج کو حکم دیں کہ وہ حرکت میں آئے اور اپنی ایک ٹکڑی بھیجیں، ورنہ صبح ہوتے ہوتے پورا علاقہ تباہ و برباد ہو جائے گا، راجیو نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں ایک گھنٹے کے بعد بھاگل پور سے اطلاع ملی کہ فوج آ گئی ہے، اس نے پوزیشن سنبھال لی ہے، اور فسادی منتشر ہونا شروع ہو گئے ہیں، وہ پوری رات بابوؒ نے دفتر جمعیۃ علماء بہار کی ایک کرسی پر بیٹھ کر گذار دی، اور الحمد للہ چمپا نگر کو تباہی سے بچا لیا۔

بجنور کا فساد

مجھ کو یاد ہے کہ بجنور کے فساد کے موقع پر پی اے سی نے بے پناہ مظالم کئے تھے، انہی حالات میں بابوؒ نے بجنور میں داخل ہونے کی کوشش کی، میں اس سفر میں بابوؒ کے ساتھ تھا، بجنور سے پہلے گنگا کے پل پر پولیس نے بابوؒ کو روک دیا، پولیس کے ساتھ بابوؒ کی تکرار ہو رہی تھی کہ ایک سرکاری بس وہاں رکی، بابوؒ نے چپکے سے مجھ سے کہا کہ جلدی سے اس میں بیٹھ جاؤ، مختصر یہ کہ بجنور سے واپسی پر تفصیلی رپورٹ جب میں نے بابوؒ کو پیش کی، تو بابوؒ اس کو لے کر راجیو گاندھی کے پاس گئے، راجیو اس وقت اپوزیشن لیڈر تھے، وہاں کے بھیانک مظالم کی تفصیلات جب بابوؒ نے راجیو کے سامنے رکھیں اور بتلایا کہ بجنور وہ جگہ ہے کہ جس نے ۱۹۴۷ء سے آج تک فرقہ پرستی کا مقابلہ کیا اور کانگریس کے علاوہ کوئی نمائندہ وہاں سے نہیں جیتا۔ مجھ کو یاد ہے کہ راجیو یہ ساری تفصیلات سن کر اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور حکومت کے علی الرغم بابوؒ کے ساتھ انہوں نے بجنور کا دورہ کیا اور اس کے نتیجے میں وہاں کے حالات بدلے۔

بے مثال استغناء

بابوؒ نے جمعیۃ علماء ہند سے کبھی کوئی تنخواہ یا الاؤنس نہیں لیا، حتی کہ اپنے اور اپنے اہل خاندان کے دفتر میں طعام کا خرچ بھی خود ہی ادا فرماتے، اور اپنے ذاتی ضروریات کا بوجھ کبھی جماعت پر نہ ڈالتے تھے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ ۱۹۷۴ء میں جب بابوؒ پہلی مرتبہ پالیمنٹ سے ریٹائر ہوئے تو جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں ایک خصوصی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''خدا کو گواہ بنا کر آپ لوگوں کو یہ بات بتلا رہا ہوں کہ اِن چھ سالوں میں مجھ کو پارلیمنٹ سے جو کچھ بھی ملا، میں نے اس میں سے ایک پیسہ بھی اپنے اور اپنے خاندان پر خرچ نہیں کیا''۔

اس سال رمضان المبارک میں پے در پے ایسے واقعات پیش آئے کہ اندازہ ہونے لگا کہ آپ زندگی سے ناامید ہو رہے ہیں۔ رمضان سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے اپنی مصروفیات کو درمیان میں چھوڑ کر عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، ایک روز پہلے واپسی ہوئی، اس سفر میں گردے بہت متأثر ہوئے، ڈاکٹروں کی رائے پر اپولو میں داخل کردئے گئے، جب میں اسپتال پہنچا تو دونوں ہاتھوں میں گلوکوس کی نڈل لگی ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر بیٹھ گئے، یہ معلوم ہو چکا تھا کہ روزہ توڑا نہیں ہے، میں نے خوش طبعی کے طور پر عرض کیا یہ آپ کا اچھا روزہ ہے، گلوکوز چڑھ رہا ہے، پیاس اور ضعف کا نام ونشان نہیں اور روزہ اپنی جگہ پر باقی ہے، تو فرمانے لگے اچھا کل سے روزہ نہیں رکھوں گا، میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر میں نے عرض کیا ابھی گیارہ ہی بجے ہیں، آپ کچھ کھا لیجئے، گردے کی تکلیف ہے اس میں پانی کی بہت ضرورت ہے، روزہ آپ کے لئے مہلک ہوسکتا ہے، فرمانے لگے آج تو روزہ توڑتا نہیں کل کے بارے میں سوچوں گا۔ میں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ اتنی جلدی اپنی بات سے آپ پلٹ گئے، تو بہت زور سے قہقہہ لگایا اور فرمایا ''جب تم اپنی بات سے پلٹ رہے ہو تو میں نہ پلٹوں، تم نے کہا کل روزہ نہ رکھنا، ابھی کہہ رہے ہو آج ہی توڑ دو''۔ بچے (محمود سلمہ وغیرہ) مجھ سے کہنے لگے چچا آپ یہیں رہئے، آج کئی روز کے بعد ''ابویا'' نے اتنی باتیں کی ہیں اور قہقہہ لگایا ہے، اس کے بعد دو تین دن میں طبیعت سنبھل گئی اور دیوبند تشریف لے آئے۔

پندرہ رمضان کو مغرب کے بعد اچانک قلب کا دورہ پڑا، رات ہی میں دیوبند سے دلی لاکر اپولو اسپتال میں داخل کردیا گیا، اگلے روز ظہر کے بعد بمشکل تمام ملاقات کی اجازت ملی، جس وقت میں آئی سی یو میں پہنچا ہوں، مختلف مشینیں چاروں طرف لگی ہوئی تھیں، اور بیڈ پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے، مجھ کو دیکھتے ہی رونے لگے اور بے قابو ہوگئے اور روتے ہوئے فرمایا: ''نہ روزہ ہے، نہ نماز، نہ قرآن، نہ تراویح۔ آخر کیا ہوگا''؟ آج تک بابوؒ کی وہ بے قراری میری نظروں کے سامنے ہے جو مجھ سے بن پڑا اسی وقت عرض کرتا رہا، میں بھی روتا رہا وہ بھی روتے رہے۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد واپس آگیا، تین چار روز میں طبعیت سنبھل گئی، ۱۹؍رمضان کو اسپتال سے چھٹی ملی، ہم سب لوگ عشاء سے پہلے دیوبند پہنچ گئے۔ اگلے دن حسب معمول اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ ۲۱؍رمضان کو ظہر کے بعد معتکف میں میں نے جا کر عرض کیا کہ ضعف بہت بڑھ گیا ہے، گردے متأثر ہیں، قلب کا دورہ پڑ چکا ہے، ان ہی حالات میں تو روزہ کی رخصت ہے، میری بات سن کر ایک عجیب انداز سے فرمایا! ''اب اگلے رمضان کی مجھ کو امید نہیں ہے، اس وجہ سے مجھے روزے سے مت روکو، جب تک چل رہا ہے چلنے دو''، میں خاموشی سے اٹھ کر واپس آگیا۔

۲۹؍رمضان کو ظہر سے پہلے حاضر ہوا تو فرمانے لگے، ظہر کے بعد میرا ارادہ ہے کہ اوپر جا کر مہمانوں سے کچھ کہوں، میں نے کہا کہنے میں تو کچھ حرج نہیں ہے، لیکن اختصار کا خیال رکھئے گا، فرمایا: ہاں! مجھ کو اس کا احساس ہے، پھر ظہر کے بعد دس منٹ کی تقریر میں پورے مجمع کو خوب رلایا، اور خود بھی روئے، اور ایک عجیب جملہ فرمایا، جس کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا کہ ''بھائیو! اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جارہا ہوں''۔

عید کے اگلے دن عصر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکل رہا تھا، اطلاع ملی کہ بابوؒ وہیل چیئر سے گر پڑے، دوڑتا ہوا گھر پہنچا تو دیکھا منّو (محمد) سلمہ بابوؒ کے کمرے کے سامنے کھڑے ہیں، میں نے پوچھا کیا ہوا؟ منّو نے کہا سر میں چوٹ لگی ہے، پیشاب سے فارغ ہورہے ہیں، اتنے میں

بابوؒ نے آواز دی، ہم لوگ اندر پہنچے تو دیکھا سر کے پچھلے حصہ سے تیزی سے ایک ایک قطرہ خون گر رہا ہے، منّو سے فرمانے لگے جلدی سے تیمّم کی مٹی لاؤ، عصر کی نماز پڑھوں گا، میں نے عرض کیا، خون بہہ رہا ہے تیمّم نہیں ہوگا، تھوڑی دیر رک جایئے، خون بند ہوجائے، اس کے بعد تیمّم کیجئے گا، تو رک گئے۔ پھر فرمایا: مولانا طلحہ صاحب کو چائے پلائی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں پلادی۔ کرتے کا پچھلا حصہ تر تھا، میں نے عرض کیا ہاتھ اوپر اٹھائیں، آپ کا کرتا اتار دوں، فرمایا کیوں؟ میں نے کہا کہ اتنا خون لگا ہوا ہے کہ آپ کی نماز نہیں ہوگی، اس درمیان میں ایک متلی ہوئی، ہم لوگ مستقل کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح خون بند ہوجائے، مختلف قسم کی دوائیں زخم پر لگاتے رہے، اسی درمیان فرمانے لگے، مٹی لاؤ تیمّم کروں اور عصر کی نماز پڑھ لوں، منّو مٹی لے آئے، تیمّم کیا، میں زخم پر دوا لگاتا رہا اور خون روکنے کی کوشش کرتا رہا، اسی درمیان میں دوبارہ تیمّم کیا۔ چھوٹے بابو مدظلہ وہیں کمرے میں غسل خانے میں وضو کر رہے تھے۔ تیسری مرتبہ پھر بابوؒ نے تیمّم شروع کردیا، مجھ کو حیرت ہوئی کہ سہ بار کیوں تیمّم کر رہے ہیں؟ میں نے جھک کر بابوؒ کے چہرے کو غور سے دیکھا تو وہ مجھ کو ہر طرح کے جذبات سے عاری نظر آیا، میں نے چھوٹے بابو کو آواز دی کہ جلدی آیئے! دیکھئے انہوں نے مجھ سے زور سے کہا کہ سنبھالو کہیں گر نہ جائیں، میں نے جلدی سے پیچھے سے کولی بھرلی، میرا خیال ہے دو منٹ گذرتے گذرتے ان پر مکمل بے ہوشی طاری ہوگئی، اور رات ہی میں ان کو دیوبند سے لاکر دلی اپولو اسپتال میں داخل کردیا گیا۔ اور تین ماہ پانچ دن بے ہوشی و نیم بے ہوشی میں گذری۔ بالآخر ۷ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ر فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر کی شام تقریباً پونے چھ بجے اپولو اسپتال میں اللہ اللہ کرتے ہوئے اپنے رب سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

''عظیم مشفق بھائی''

جس نے یتیم بھائی بہنوں پر دستِ شفقت رکھا

تحریر: اُم سلمان سیدہ عمرانہ مدنی مدظلہا (صاحبزادی حضرت شیخ الاسلامؒ)

میری عمر تقریباً چار سال کی تھی کہ ایک صبح کو اُٹھ کر یہ شور سنا کہ آج ''اسعد'' آرہے ہیں، میرے دل و دماغ میں طرح طرح کے خیالات ابھرنے لگے، کون اَسعد؟ کس کے اسعد؟ کہاں سے آرہے ہیں؟ بالآخر والدہ سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شیخ الاسلامؒ کے فرزند اکبر ایک سال کے بعد دو حج کر کے حجاز سے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ کو دیکھنے کا بڑا شوق ہوا اور ہم بھی قافلہ کے ساتھ اسٹیشن پہنچ گئے، وہاں پر ایک مجمع کثیر زائر حرم کا منتظر تھا، گاڑی کچھ لیٹ تھی، بہرحال ہم بھی مضطرب بیٹھے رہے، یک بیک ایک گھنٹی کی آواز نے سب کو چوکنا کر دیا، چند لمحوں بعد ایک قدرتِ خداوندی کا دوڑتا ہوا نشان ہمارے سامنے آ کر رک گیا، پھر وہ جس کی آمد کا بے حد انتظار تھا، ایک سفید پوش پاکیزہ صورت مسکراتا جوان ٹرین سے اترا اور لوگ جوق در جوق مصافحے و معانقے کے لئے دوڑ پڑے، معلوم ہوا کہ یہی ''اسعد مدنی'' ہیں۔

عمر کے ساتھ ساتھ تجربات بھی بڑھتے ہیں، بالآخر شعور پیدا ہونے پر میں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگئی کہ واقعی ''اسعد'' اسم بامسمی ہیں۔ وہ اگر والدین کے لئے خلف الرشید ہیں تو بھائی بہنوں کے حق میں ایک حق شناس برادر شفیق بھی ہیں، وہ اگر بیوی بچوں کے لئے ایک غیر معمولی عزیز ترین ہمدرد ہیں تو ملک وملت کے لئے ایک جاں نثار سپاہی بھی ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ❖ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۹۵۷ء کا زمانہ تھا کہ یہی اسعد مدنی اپنے والد بزرگوار کی تیمارداری میں تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے تھے، موسم گرما کی طول طویل دوپہر میں آفتاب کی تمازت وبادِ صرصر کے شدید جھونکے لائق ترین بیٹے کو آرام کرنے پر مجبور نہ کر سکتے تھے، وہ تقریباً روزانہ اَدویات وپھلوں وغیرہ کی فراہمی کے لئے سہارن پور کا سفر کرتے رہتے تھے، اسعد مدنی کو اپنے والد علیہ الرحمہ سے ایک والہانہ تعلق تھا، یہ اُن کی صحت چاہتے تھے اور مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا، بہرحال مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

اور آخر کار وہ دن آ ہی گیا کہ جو کسی طرح بھی اس عاشق صادق بیٹے واہل خانہ ومسلمانانِ ہند کے حق میں قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا، ایک عظیم ترین مرشد کامل اور بے مثال شفقتوں کا حامل باپؒ سب کو داغ مفارقت دے کر اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے کوچ کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اعزاء و متعلقین ماہیٔ بے آب کے مانند تڑپ رہے تھے، اس روح فرسا حادثۂ عظیم کے موقع پر بھی وہ بہادر وحوصلہ مند فرزند اسعد مدنی ہی تھے، جو صبر کا پہاڑ بنے ہوئے صورتِ صدیق اکبر عقل وخرد سے بے گانہ آہ وبکا سے نیم جاں لوگوں کو صبر کی تلقین فرمارہے تھے، اللہ اکبر کیا نرالی شان تھی؟ پھر وہ ہر قدم آگے ہی بڑھتے چلے گئے اور نہ صرف خاندان؛ بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک مضبوط پشت پناہ بن کر سامنے آئے۔

۷ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ر فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر ہمارے خانوادہ کے لئے وہ سیاہ دن تھا جب ہمیں دوبارہ یتیمی سے دوچار ہونا پڑا، ایک وہ وقت تھا جب ہم نے ۴۹ر سال پہلے اپنے ''اباجی'' (حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ) کی جدائی کا غم سہا تھا۔ اور اب وہ وقت آیا کہ ہمارے مشفق عظیم بھائی، امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ (جنہیں ہم سب ادب سے ''بڑے بابو'' کے لقب سے پکارتے تھے) بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون.

یہ میرے لئے سعادت کی بات تھی کہ میں وفات سے چند لمحے پہلے اسپتال میں ''بڑے بابو'' کے پاس حاضر تھی، اور میں نے انہیں تیزی سے اللہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھا، اور آخری

مرتبہ کھولی جانے والی آنکھوں پر ہاتھ رکھا، یہ منظر زندگی بھر کبھی میرے ذہن سے اوجھل نہ ہوگا۔ اُن کی وفات سے ایسا لگا گویا ایک سایہ سر سے ہٹ گیا، اور ایک آغوشِ شفقت سے ہم محروم ہوگئے۔ بے شک ''بڑے بابوؒ'' اس جگہ چلے گئے ہیں جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا، مگر ان کی جدائی کی خلش دل میں ایسی پیوست ہوگئی ہے کہ ابھی تک ذہنی سکون میسر نہیں ہے، اور کسی وقت بھی اُن کا خیال دل سے نہیں ہٹتا، اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

''بڑے بابوؒ'' کی شفقتیں اور احسانات اِس قدر ہیں کہ میں بیان نہیں کرسکتی، میری عمر ساڑھے نو سال کی تھی جب ''ابا جی'' کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس وقت نہ تو اتنی ناسمجھ تھی کہ حادثہ کو نہ جانتی، اور نہ اتنی سمجھ دار تھی کہ صبر وضبط سے کام لیتی۔ ہوتا یہ تھا کہ جب ''ابا جی'' کی یاد آتی تو چلا چلا کر روتی تھی، آپا صاحبہ (والدہ صاحبہ مدظلہا) بہت سمجھاتی تھیں، خود بھی رونے لگتی تھیں، مگر میں سوچتی تھی کہ اب مجھے پیسے کون دے گا؟ اور ''ابا جی'' کی طرح ناز برداری کون کرے گا؟ اس وقت ''بڑے بابوؒ'' سے گفتگو میں بے تکلفی نہ تھی؛ بلکہ ذرا ڈر سا لگتا تھا، مگر ''ابا جی'' کے بعد اچانک محسوس ہوا کہ ''بابوؒ'' بالکل بدل گئے ہیں، اب جو فرمائشیں آپا سے کی جاتیں تو آپا اگرچہ منع کرتیں مگر ''بابوؒ'' انہیں پوری کرتے اور ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھتے۔

چھوٹے بابو (حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ) مجھ سے تقریباً سات سال بڑے ہیں مگر شروع سے ہی ساتھ کھیلنے کی وجہ سے اُن سے بہت بے تکلفی رہی، بچپن میں عید بقرعید کے موقع پر جب کچھ پیسے جمع ہوجاتے تو اُن کا اصرار ہوتا کہ مجھ کو بہت ضرورت ہے؛ لہٰذا قرض کے طور پر دے دو، اور جیسے ہی میرے پاس پیسے ہوں گے فوراً دے دوں گا، چناں چہ قرض دے دیا جاتا وقت گذرتا جاتا، مگر نہ چھوٹے بابو کے پاس پیسے ہوتے نہ قرض اَدا ہوتا۔ مجبوراً مقدمہ ''بڑے بابوؒ'' کی خدمت میں پیش ہوتا، تو آپ ''چھوٹے بابوؒ'' کو تنبیہ فرماتے کہ چھوٹی بہن سے قرض لیتا ہے، اور پھر خود ہی قرض اَدا فرماتے۔

میں قرآن شریف ناظرہ ختم کر چکی تھی مگر روانی نہیں تھی، بہت اٹک اٹک کر پڑھتی تھی۔

ایک روز بہت خوب صورت قرآنِ کریم لے کر آئے اور کہا کہ اگر تو ایک مہینہ میں قرآن شریف ختم کر لے تو یہ قرآن تجھے دے دوں گا، چناں چہ میں نے اس قرآن کو حاصل کرنے کے شوق میں خوب محنت کی، جس کی بدولت بفضل خداوندی نہ صرف پڑھنے میں روانی آ گئی؛ بلکہ تلاوت کی پابندی بھی نصیب ہوگئی۔ اِسی طرح شروع میں نماز کی پابندی نہیں تھی مگر ''بابوؔ'' کا یہ معمول تھا کہ نماز کے بعد جب گھر میں آتے تو پوچھتے کہ ''عمرانہ نماز پڑھی یا نہیں؟'' اُن کی اس پوچھ گچھ کا اثر یہ ہوا کہ نماز کی پابندی بچپن ہی سے ہوگئی۔ **فالحمد کله للّٰه.**

میری پندرہ سولہ سال کی عمر ہوگی، طبعیت خراب ہوگئی، اور نزلہ بگڑ گیا، بڑی خالہ کلکتہ میں رہتی تھیں، خالو مرحوم (حضرت مولانا حمید الدین صاحبؒ) کا اصرار تھا کہ عمرانہ کو کلکتہ بھیج دو یہاں سینہ کے بہت ماہر ڈاکٹر ہیں اُن کو دکھا دیں گے؛ لیکن بابو نے صفائی سے منع کر دیا کہ علاج کے لئے کسی کے گھر نہیں بھیجوں گا۔ پھر آپا صاحبہ کے ساتھ خود دہلی لے کر گئے، وہاں ڈاکٹر کو دکھلایا اور حکیم عبد الجلیل مرحوم کے علاج سے فائدہ ہوا۔ مجھ کو سردی بہت لگتی ہے اِس لئے میرے لئے گرم رومال اور کپڑوں کا بہت خیال رکھتے تھے، اکثر باہر کے سفر سے جب واپس ہوتے تو اہتمام کے ساتھ ایسے کپڑے لے کر آتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد عالی ہے کہ ''جس شخص کی دو یا تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ اُن کی بہترین تربیت کر کے ان کا نکاح کرا دے تو اس کے لئے جنت طے شدہ ہے''۔ (ابوداؤد شریف ۵۱۴۷) ''بابوؔ'' نے اپنی تین چھوٹی بہنوں اور دو چھوٹے بھائیوں کی ایسی پرورش کی کہ بڑی حد تک یتیمی کا احساس نہ ہونے دیا جس پر اِن شاء اللہ انہیں آخرت میں رحمت و عافیت اور جنت سے نوازا جائے گا۔ ہم بہنوں کی ہر خوشی میں وہ شریک رہتے تھے، اور ہر پریشانی سے پریشان ہو جاتے، میرے بڑے لڑکے ''سلمان'' نے ''دورۂ حدیث شریف'' میں پورے دار العلوم میں ٹاپ کیا، تو سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دعوت کھلاؤ، یہ شاید دعوت کی پہلی فرمائش تھی ورنہ ہمیشہ دعوت خود کھلاتے تھے۔ جب دیوبند آتے اور میرے جانے سے پہلے بچوں میں سے کوئی پہنچتا تو فوراً پوچھتے کہ ''تیری ماں نہیں آئی'' اکثر فون آتا کہ فوراً آجاؤ، کھانا یہیں کھالو، میرے

کپڑے ٹھیک کر دو اور پہنچتے ہی صالحہ کو آواز دیتے کہ اپنے باپ کی پھوپھی کے لئے ناشتہ لاؤ، (صالحہ محمود سلمہ کی منجھلی بچی ہے جس نے دادا کی بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ اس کو دین اور دنیا کی نعمتوں سے نوازے۔ آمین)

محمود سلمہ نے اپنی بڑی لڑکی کی شادی بہت سادگی سے کی، کسی کو نہیں بلایا، شادی سے ایک روز پہلے میں بابو سے ملنے گئی، تو پوچھنے لگے کہ کل کس وقت آؤ گی؟ میں نے کہا کہ ظہر کے بعد رخصتی میں آجاؤں گی، تو فرمایا کہ تم میری بہن ہو میں بلا رہا ہوں تم مع اہل وعیال کل یہیں رہو گی۔

ایک روز میں ملنے گئی تو بہت پریشان تھے، میں نے پوچھا بابو کیا ہوا؟ کہنے لگے خانۂ کعبہ کے غلاف کا استر رکھا ہوا تھا اسے تلاش کر رہا ہوں، میں نے اس کو کفن کے لئے رکھا تھا، میں نے کہا غلاف تو کالا ہوتا ہے، فرمایا کہ اُس کا استر سفید ہوتا ہے (اسی غلاف میں آپ کو کفن دیا گیا) پھر بہت نا اُمیدی کی باتیں کرنے لگے، اس سال شروع رمضان میں عمرہ کر کے آئے، میں ملنے گئی طبعیت پوچھی، فرمایا کہ ''اب آخرت کا راستہ اسپتال ہو کر جاتا ہے'' میرا اوسط رمضان میں عمرہ کے لئے جانا ہوا، کچھ کاغذات کی تکمیل کی وجہ سے دہلی میں رکنا پڑا، تو فون پر فرماتے رہے کہ دہلی میں کیوں ٹھہری ہے، دیوبند کیوں نہیں آئی؟ عید کے اگلے روز میں نے مدینہ منورہ سے فون پر بات کی اس وقت آپ دہلی سے دیوبند جا رہے تھے، بہت اچھی طرح بات ہوئی اور جلدی واپس آنے کی تاکید کی، اس کے کچھ ہی گھنٹوں کے بعد سر میں چوٹ لگنے کا دل دوز واقعہ پیش آیا جس کے بعد آپ کو مکمل ہوش نہ آسکا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ''بڑے بابو'' کی پوری زندگی ایک جہاد سے کم نہ تھی۔ الغرض کن کن باتوں کو یاد کروں اور کیسے اپنی بے قراری کو سکون دوں؟ بس اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

میرے محسن و مشفق ''اَبوّیا'' جو لاکھوں میں یکتا تھے

محترمہ سعدیہ مدنی صاحبہ (صاحب زادی حضرت فدائے ملتؒ)

امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی سب سے بڑی صاحب زادی محترمہ سیدہ سعدیہ مدنی مدظلہا (جو موجودہ امیر الہند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے صاحب زادے جناب مولانا انوار الرحمٰن صاحب بجنوری سے منسوب ہیں) کا یہ مضمون اپنے اندر اظہارِ غم کے ساتھ ساتھ بڑی نصیحتوں اور عبرتوں کو شامل ہے۔ بچیوں کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و محبت، ان کی تربیت کا خیال، قدم قدم پر ان کی دل جوئی اور زندگی کے ہر موڑ پر ان کی رہنمائی یہ ایسی صفات ہیں جو آج کے دور میں ڈھونڈے بھی نہیں مل پائیں گی، اور پھر ایسا شخص جس کی زندگی کا بیشتر حصہ ملکی؛ بلکہ عالمی مسائل میں گھرے ہونے کی حالت میں گذرا ہو اس کا بچیوں کے ساتھ ایسا برتاؤ یقیناً لائق صد رشک ہے، بالخصوص اس مضمون کے اخیر میں حضرت فدائے ملتؒ کا اپنی صاحب زادی کے نام جو گرامی نامہ شائع ہو رہا ہے وہ تو اس قابل ہے کہ اسے ہر رخصت ہونے والی لڑکی فریم کرا کے اپنے گھر میں رکھے اور بار بار اسے پڑھ کر اپنی زندگی کامیاب بنانے کی کوشش کرتی رہے۔ یہ گرامی نامہ صرف حضرت کی صاحب زادی ہی کے لئے نہیں؛ بلکہ امت کی ہر لڑکی کے لئے نمونۂ عمل اور مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور ہم سب کو حضرتؒ کے نقش قدم پر چلنے والا بنائے، آمین۔ (مرتب)

وہ حادثۂ عظیم ہمارے سروں پر آ ہی پڑا، جس کے بارے میں اکثر ''ابویا'' ذکر کیا کرتے تھے، اس وقت میں سوچا کرتی تھی کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو میں کیسے برداشت کر پاؤں گی اور کیسے زندہ رہوں گی؟ مگر اللہ کی مشیت کہ میں زندہ ہوں، مگر میرا دل بے قرار ہے، اے کاش! ایسا ممکن ہوتا کہ میں بھی سفر آخرت میں ان کے ہمراہ روانہ ہو جاتی۔

میرے ابویاؒ بہنوں بھائیوں کے لئے، عزیزوں، رشتہ داروں اور تمام امتِ مسلمہ کے لئے جب ہمہ وقت ہمدرد، مہربان اور خیر خواہ انسان تھے، تو اپنی بیٹی کے لئے کیا چیز ہوں گے؟

اس کا اندازہ لوگ ضرور لگا سکتے ہیں، جب دوسروں کے لئے ان کی محبت، ہمدردی، ایثار وقربانی کا یہ عالم تھا، تو میرے لئے کیا ہوسکتا ہے؟ میں کیا لکھوں اور کیا بیان کروں؟ میری عقل حیران ہے؟ نہ قلم میں تاب ہے نہ دل میں طاقت ہے، میرے ساتھ انہوں نے کیا کیا احسانات کئے ہیں اور کس طرح مجھ کو چاہا ہے؟ اس کا شمار کرنا اور قلم بند کرنا بالکل ناممکن ہے۔

معلوم نہیں کیا بات تھی مجھ کو ہمیشہ سے امی کے مقابلہ میں ابویا سے زیادہ محبت تھی، پانچ سال پانچ ماہ پہلے جب امی مرحومہ کا انتقال ہوا، تو ایسا لگا جیسے امی کا گھر خالی ہوگیا، اب اس گھر میں دل بستگی کا سامان نہیں ہے، مگر جب ابویا سفر سے واپس آئے تو لگا جیسے دل پر مرہم آگیا، اور رفتہ رفتہ وہ غم مندمل ہوتا ہوا محسوس ہوا، اس وقت اللہ سے بس یہی دعا تھی یا اللہ ایک نعمت سے تو ہم محروم ہوگئے، مگر اس دوسری نعمت کو قائم دائم رکھنا، دوسری نعمت سے محروم نہ کرنا، مگر حکم خداوندی میں کسی کا کوئی دخل نہیں، اتنی جلدی اللہ نے دوسری نعمت سے محروم کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میری شادی ابویا کے بچوں میں پہلی شادی تھی؛ کیوں کہ میں اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑی ہوں، اور پھر غیروں میں ہوئی تھی، اس کا ابویا پر بڑا اثر تھا، مجھ کو اس موقع پر ابویا نے خط لکھا، اس میں بہت ساری نصیحتیں لکھیں، اس میں ایک جملہ یہ تھا جو آج تک میرے دل پر نقش ہے کہ ’’تمہارا خاندانی ورثہ دولت بادشاہت نہیں ہے تعلق مع اللہ ہے اِس لئے اگر تم کوئی کام اپنے باپ دادا کے طرز زندگی کے خلاف کروگی تو خود بھی ذلیل ہوگی اور اُن کو بھی رسوا کروگی‘‘۔

یہ ابویا کے الفاظ اور وہ تحریر ہمارے دل کے آر پار ہوگئی اور دل بہت پریشان ہوا، اللہ سے دست بدعا ہوں یا اللہ اس دن کے لئے دنیا میں نہ رکھنا کہ میری وجہ سے میرے عظیم باپ اور دادا کے نام پر کوئی آنچ آئے۔ چنانچہ ابویا کی دعا اور ان کی توجہ میرے قدم بقدم ساتھ رہی ورنہ میں کس قابل ہوں، الحمدللہ اتنی زندگی گذر گئی، خدا مزید بحسن وخوبی پوری فرمادیں۔ (آمین) (ابویا کا یہ خط مضمون کے اخیر میں ملاحظہ کریں)

میری تربیت میں میرے ابویا کا خاص کردار ہے، جس طرح ایک ماں اپنی لڑکی کی

تربیت کرتی ہے، اسی طرح میرے ابویا نے میری تربیت کی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امورِ خانہ داری، مہمان نوازی، پردہ، غرض کہ زندگی کا کون سا پہلو ہے جو انہوں نے مجھ کو نہ سکھایا ہو، نماز کی اہمیت بچپن سے دل میں ڈالی، سفر میں جب جب میں ان کے ساتھ ہوتی، گاڑی روک کے نماز کا انتظام کیا کرتے، وضو کی ضرورت ہوتی تو خود کھڑے ہو کر پردہ کے ساتھ وضو کراتے، اگر پردہ کی کوئی جگہ نہ ہوتی تو اپنے عبا وغیرہ سے پردے کی آڑ کر کے کھڑے ہو جاتے اور وضو کراتے، مگر نماز ہمیشہ وقت پر ادا کروائی، ابویا کے ساتھ نماز قضاء ہو جائے اس کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ الحمدللہ نماز کی ایسی عادت ہوگئی کہ قضاء کرنا ناممکن ہو گیا۔ ایسے ہی روزے کی عادت ڈلوائی، بچپن میں ہر سال عید کے دن یہ پوچھا کرتے کتنے روزے رکھے؟ ہر روزے کا ایک روپیہ انعام متعین تھا، اس شوق میں پورے پورے مہینے ہم روزہ رکھا کرتے تھے کہ تیس روزے ہوں گے تو تیس روپے ملیں گے۔ حالاں کہ ہمارے بچپن میں رمضان شدید گرمیوں کے دنوں میں آیا کرتا تھا، مگر سب روزے رکھا کرتے تھے اور عادت بھی ہوگئی۔ اسی طرح شادی کے بعد 1987ء میں اپنے ساتھ حج کو لے کر گئے، الحمدللہ میں نے دو حج کئے دونوں ابویا کے ساتھ، اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔ دوسرا حج ابویا کے آخری حج میں میں ساتھ تھی یہ سعادت بھی اللہ نے مجھ کو نصیب فرمائی۔ سفر میں ایسا خیال رکھتے تھے کہ ایسا خیال رکھتے ہوئے میں نے کسی فرد کو نہیں دیکھا، گھر میں ہر کام مجھ سے کرواتے، مگر سفر میں میرا ہر کام خود کرتے تھے، اگر بچے چھوٹے ساتھ ہوتے تو اس کو اپنی ہی گود میں رکھتے، غرض کہ کن کن خوبیوں کو بیان کروں؟ ایسے اوصافِ حمیدہ ہونا کسی کے اندر بہت مشکل ہے۔ مہمانوں کی کیا خاطر ہوتی ہے، کیا ہونی ہے، کیا پکنا ہے، کیسے بات کرنی ہے؟ انتہاء یہ کہ طرح طرح کے کھانے پکانے سکھائے، مجھ کو خود میرے ساتھ باورچی خانہ میں بیٹھ کر مجھ کو پکانا سکھایا، یہی وجہ ہے کہ جتنی دلچسپی مجھ کو کھانا پکانے سے ہے اتنی دلچسپی مجھ کو کسی اور کام سے نہیں ہے، یہ سب میرے ابویا کے دَین ہے۔ اللہ رب العالمین ان کو ایسا عظیم الشان اجرِ عظیم دے جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ (اللّٰھم آمین)

میری شادی کو ۲۳ رواں سال ہے، اس اثناء میں میں نے اپنے آپ کو کسی کا محتاج اور بے سہارا نہ محسوس کیا، ابویا کی اس قدر تقویت اور ڈھارس تھی کہ میں نے اپنے کو شوہر کا بھی محتاج نہ سمجھا، مگر اب ایسا لگتا ہے کہ میں بالکل بے سہارا ہوگئی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بھی کوئی بیماری کا یا بچوں کی پیدائش کا سلسلہ ہوا، ابویا نے مجھ کو فوراً بلوالیا دہلی لے گئے، دکھلانے کا اور علاج کا ہر طرح کا انتظام کروایا، پوری توجہ کے ساتھ اور بہت سے احسانات میرے ساتھ کئے ہیں، اُن کو قلم بند کرنا مشکل محال کام ہے، ایک ایک بات ایک ایک واقعہ یاد آتا ہے اور دل روتا ہے، نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں، ساری زندگی یاد کروں گی مگر ایسا محسن نہ پاؤں گی۔ بعض اوقات دل ایسا تڑپتا ہے یا خدا میں اپنے ابویا کو کہاں سے ڈھونڈ لاؤں؟ بس اللہ سے دعاء ہے اللہ رب العالمین نے جیسے دنیا میں مجھ کو ان کے اتنا قریب کیا، ان کی اولاد میں مجھے شامل کیا، یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے، ایسے ہی میرے اوپر کرم فرما کر آخرت میں بھی ان کے ساتھ رہنا نصیب فرمائے۔ (آمین)

اس دفعہ رمضان میں اعتکاف میں جانے سے پہلے ابویا سے ملنے گئی، تو ظہر کے بعد مجھ کو اور چھوٹی بہن ذکیہ ہم دونوں کو روپئے دئے، میں نے کہا ابویا دعا میں یاد رکھئے اس کی کیا ضرورت ہے؟ کہنے لگے ''بیٹا! اب ہماری کتنے دن کی زندگی ہے؟ جب تک ہم ہیں، دے دیتے ہیں پھر کون دے گا''؟ میں نے کہا ابویا ایسی باتیں آپ کیوں کرتے ہیں؟ امی تو ہیں نہیں ہم لوگوں کا آنا جانا تو آپ ہی کے دم سے ہے، تو کہنے لگے ''کس کے ماں باپ بیٹھے رہتے ہیں، ہماری والدہ ہم کو اتنے ذرا سے کو چھوڑ کر چلی گئیں، حضرت والدؒ چھوڑ کر چلے گئے''، یہ کہہ کر اس قدر روئے کہ ہم لوگ بھی رونے لگے، ہم نے اپنے زندگی میں کبھی ابویا کو اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، بس رمضان سے یہ دیکھ کر میرا دل و دماغ بے حد متأثر تھا، نہ رمضان کا مزہ تھا نہ عید کا مزہ تھا، عید کے دن صبح سویرے میرا معمول تھا ابویا کو فون کرنا عید کی مبارک باد دینا، معمول کے مطابق میں نے فون کیا اور عید کی مبارک باد دی، طبعیت پوچھی، کہنے لگے ٹھیک ہے،

مگر یہ لوگ آج ہی دہلی جانے کی بات کر رہے ہیں اور میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔ غرض کہ عید سے اگلے دن شام کو منّو (محمد مدنی) کا فون آیا کہ ابو پیا گر گئے سر میں چوٹ آئی ہے، بے ہوش ہوگئے ہیں، دہلی لے جا رہے ہیں، یہ اندوہ ناک حادثہ ہونا تھا اس لئے رمضان سے ہی ساری خوشی اور رونق غائب تھی، زندگی بے کیف ہوچکی تھی، خود کا تعلق تھا سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا، مگر دنیا اُداس اُداس سی ہوچکی تھی، بعد میں سمجھ میں آیا کہ ماجرا یہ تھا۔ إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون.

نصیحتوں سے بھرپور ایک یادگار خط

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

عزیزہ بیٹی! اللہ تم کو دارین میں بامراد وخوش وخرم رکھے۔ (آمین) بیٹی! یہ دنیا چند روزہ ہے، اس لئے اس کی کسی خواہش وخوشی کی خاطر آخرت کی اصلی اور ہمیشہ کی زندگی کو برباد کرنا سخت دھوکہ اور اپنے ساتھ دشمنی ہے۔

تم اب اپنی زندگی کی خود ذمہ دار ہو، ہم بوڑھے ہوگئے اور کسی کے ماں باپ ہمیشہ ساتھ نہیں دیا کرتے، اس لئے اب ہر بات اور کام کے بھلے برے کو سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے، دراصل چاہنے والا نفع نقصان کا جاننے والا اور سب سے بڑا خیر خواہ اللہ ہے، تمہارا خاندانی ورثہ دولت وبادشاہت نہیں؛ بلکہ دین داری اور تعلق باللہ ہے، اس لئے کسی وجہ سے اگر دولت جاتی رہی تو ہرگز دنیا کی کوئی عظیم سے عظیم چیز نہ تمہارے لئے قابل فخر ہوسکتی ہے اور نہ کام آسکتی ہے، تم ایسی جگہ اور خاندان میں جا رہی ہو کہ وہاں ہر قریب وبعید تمہارے ہر کام اور ہر حرکت اور ہر چیز کو غور سے دیکھے گا، اور اگر تم نے کوئی کام یا بات اپنے دادا کے طریقہ کے خلاف کی تو اُن کو رسوا کروگی اور خود بھی ذلیل ہوگی۔

لباس میں فیشن اور نقل کے بجائے دین داری کا لحاظ اور شرم وحیا کا پاس ضروری ہے، بہت بات بہت لوگوں سے تعلقات مناسب نہیں ہیں، کم سے کم تعلق اور باتیں بہت سی مصیبتوں سے بچاتی ہیں، تعلقات میں اپنے بڑوں کی مرضی کو سامنے رکھو (جس سے اور جتنا وہ پسند کریں

وہی مناسب ہے)

ملنے اور آنے والیوں سے خوش اخلاقی خندہ پیشانی اور انکساری سے پیش آنا چاہئے ، ہمیشہ اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے اور دوسرے کتنے خراب ہوں اپنے سے بہتر سمجھنا چاہئے ، اگر سسرال کے بڑوں کو اپنا بڑا اور اپنا خیر خواہ سمجھو گی تو اِن شاء اللہ کبھی ذلیل نہ ہوگی ۔ شادی سے پہلے ماں باپ کا درجہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد سب سے بڑا ہوتا ہے ، مگر شادی کے بعد شوہر کا درجہ ماں باپ سے بڑھا ہوا ہوتا ہے ۔ مرضی کے خلاف بات پر چلنا بہت بری عادت ہے ، اس کو قریب مت آنے دو ، خود کام کرو خدمت کرو سب تمہارے محتاج ہوں گے اور دلوں میں عزت ہوگی ، آرام طلبی ، کاہلی اور خدمت لینے کی خوگر بنو گی ، تو لوگوں کی نظروں سے گر جاؤ گی ۔

گھر کی ہر چیز پر نگرانی رکھو ، کوئی چیز ضائع نہ ہو ، کسی چیز سے بے پرواہی نہ برتو ، گھر اور گھر کی چیز کو برابر صاف ستھرا اور اپنی جگہ پر ان کو رکھو ، جب جس جگہ سے لو ، کام ہوتے ہی اپنی جگہ پر رکھنے کا اہتمام رکھو ، مصالحوں ، چائے ، آچار وغیرہ ، ڈبوں ، بوتلوں وغیرہ سے لو تو کام ہوتے ہی بند کر کے اس کی جگہ پر رکھو ، کسی چیز کو کھلا اور بے جگہ مت چھوڑو ، کپڑوں اور دوسری چیزوں کی اپنی جگہ ہونی چاہئے ؛ تاکہ جس چیز کی ضرورت ہو مل جائے ۔ نماز کو ٹھیک وقت پر صحیح اور اطمینان سے دل لگا کر پڑھنے کی عادت ڈالو ، ناشکری اور غیبت عورتوں کی بدترین عادت ہے اس سے بچنے کی کوشش کرو ۔ فقط والسلام

اسعد غفرلہٗ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ابو یا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ، اور ہم سب بہن بھائیوں کو صبر جمیل سے نوازیں ، آمین ۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۶ء)

ایک فطری تاثر

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد و صدر جمعیۃ علماء یوپی

یہ بالکل فطری امر ہے کہ انسان کے دل و دماغ اور ذہن کے نہاں خانوں میں اسی شخصیت کا گہرا اور مضبوط نقش ابھرتا ہے جس سے وہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں متاثر ہوا ہو، ماں باپ ہوں یا استاذ، شیخ ہو یا قوم کا رہنما، ہر ایک اپنی خداداد خوبیوں سے ماتحتوں کو متاثر کرتا ہے اور اگر رہبری و امامت کے فریضہ کو ادا کرنے والا شخص مخلص نیک نیت اور صاحب بصیرت بھی ہے تو اس کی تئیں دلوں میں عقیدت کے جذبات بھی جنم لینے لگتے ہیں، میں ہوش سنبھالنے کے بعد سے جس ذات گرامی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا وہ حضرت اقدس امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ کی ذات بابرکت تھی، نا سمجھی کے دور میں متاثر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ گھر اور خاندان کے ہر فرد کو حضرت علیہ الرحمہ کا رطب اللسان پایا، والدہ مرحومہ ہوں یا خالائیں، ماموں ہوں یا نانی صاحبہ دام ظلہا ہر ایک کو حضرت علیہ الرحمہ کی خوبیاں اور حسن سلوک کا تذکرہ کرتے پایا دوران گفتگو ضرور کسی نہ کسی بہانے گھر کے یہ افراد حضرت علیہ الرحمہ سے محبت اور عقیدت کا اظہار کر دیا کرتے تھے جب بھی حضرت علیہ الرحمہ ملنے کی غرض سے گھر میں تشریف لائے تو تمام اہل خانہ ہر طرح کا کام کاج چھوڑ کر حضرت کے پاس اکٹھا ہو جاتے اور احترام کے ساتھ خاموش کھڑے ہو کر حضرت کی زیارت کرتے اور ارشادات کو بغور سنا کرتے، اسی طرح کسی بچہ کی بسم اللہ کرانی ہو یا کسی حافظ کے ختم قرآن کا موقع ہو یا کسی کے نکاح کا مسئلہ درپیش ہو ہر موقع پر حضرت مرحوم و مغفور ہی سے درخواست کی جاتی تھی جس کو آپ بطیبِ خاطر منظور فرما کر مصروفیات میں سے کوئی وقت یا تاریخ فارغ کر کے متعین فرما دیتے، اس طرح

زمانۂ طفولیت ہی میں آپ کی عقیدت اور احترام کے تابندہ نقوش قلب وجگر میں پیوست ہوگئے، کچھ سمجھ بوجھ آنے کے بعد سب سے زیادہ جس احساس نے متاثر کیا وہ یہ تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے چھوٹوں پر حد سے زیادہ شفیق ہیں سفر وحضر میں ہوں یا پروگراموں اور جلسوں میں اگر کوئی خوردنظر پڑ گیا ہے تو کھانے پینے اور آرام کے وقت ضرور اس کو یاد کرتے آوازیں دیتے اور کھانے وغیرہ اور آرام کے سلسلہ میں دریافت کرتے۔

کچھ یادیں

اس موقع پر مجھے بچپن کے دو واقعہ یاد آگئے بطور نمونہ کے درج کئے دیتا ہوں۔

واقعہ (۱):- میں دیوبند میں حفظ کررہا تھا حضرت علیہ الرحمہ دیوبند تشریف لائے اور ایک دو روز قیام کر کے دہلی جانے لگے، میں نے عرض کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ دہلی چلوں گا، فرمانے لگے بہت اچھا چلو، ہم لوگ رات میں عشاء کے بعد بذریعہ کار دیوبند سے مظفر نگر اسٹیشن پر پہنچ گئے، ٹرین کے آنے میں کچھ دیر تھی، رات کے ڈیڑھ دو بج رہے تھے، حضرت ایک کونہ میں اپنا رومال بچھا کر تہجد میں مشغول ہوگئے، کچھ دیر کے بعد حضرت فارغ ہوگئے اور ٹرین بھی آپہنچی اور ہم اس میں سوار ہوگئے، قبل اس کے کہ میں کچھ سوچتا سمجھتا حضرت علیہ الرحمہ نے بڑھ کر بستر بچھا دیا اور فرمایا کہ ابھی صبح ہونے میں ڈھائی تین گھنٹہ باقی ہیں سوجاؤ اور پھر بڑی پھرتی سے اپنا بستر بھی بچھایا اور آرام فرمانے لگے۔ اسٹیشن پر اترنے کے بعد اس سے پہلے کہ میں حضرت کی اٹیچی اُٹھاتا آپ نے قلی کو اشارہ کیا اور اپنا سامان اس کو تھمانے کے بعد میرا سامان بھی اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور چل دیے، یقیناً یہ برتاؤ چھوٹوں کے دلوں میں احترام کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی پروان چڑھا دیتا ہے اپنے چھوٹوں کے دلوں کو موہ لینا حضرت کو خوب آتا تھا۔

واقعہ (۲):- کافی دنوں پہلے کی بات ہے حضرت کا دیوبند سے دہلی جاتے ہوئے میرٹھ کے قریب کہیں ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے کولہا اتر گیا اور ایک ہاتھ میں فیکچر بھی ہوگیا تھا، اس وقت میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ ششم کا طالب علم تھا، جب خبر دیوبند پہنچی تو تمام

اہل خانہ تشویش میں مبتلا ہوگئے اور جو جس حال میں تھا میرٹھ کی طرف دوڑ پڑا، حضرت علیہ الرحمہ کچھ دن میرٹھ میڈیکل کالج میں زیر علاج رہنے کے بعد مزید بہتر علاج کے لئے دہلی روانہ ہوگئے، میں پہلے میرٹھ اور پھر دہلی عیادت کے لئے گیا، میرٹھ میں حضرت کو تکلیف زیادہ تھی اس لئے کوئی گفتگو نہ ہو سکی؛ لیکن جب میں مزاج پرسی کے لئے دہلی ہاسپٹل میں داخل ہوا، تو حضرت اپنے بیڈ پر تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے اور خاندان کے اکثر افراد آس پاس موجود تھے، میں ایک طالب علم جس کی کوئی خاص حیثیت اور اہمیت نہ اس وقت تھی اور نہ آج ہے؛ لیکن جب کمرہ میں داخل ہوکر میں نے سلام کیا اور ہمت کر کے مزاج دریافت کیا تو خاموشی اختیار کرنے یا ایک دو جملوں میں جواب دینے کے بجائے اپنی تمام تکلیفوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا اور صرف اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ علاج سے کس حد تک فائدہ ہو رہا ہے اس کو بھی بیان کیا، خورد نوازی میں شاید ہی کوئی شخص آپ کے مقام کو پہنچ سکے یہ دو واقعات تحریر کر دیئے گئے ہیں، اگر حضرت علیہ الرحمہ کے حسن کردار سے متعلق تمام واقعات کو ضبط تحریر میں لایا جانے لگے تو ان گنت صفحات سیاہ ہو جائیں گے لیکن واقعات کا تسلسل ختم نہ ہوگا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خاندان کا ہر فرد خواہ بڑا ہو یا چھوٹا آپ کے احسانات اور اخلاق کریمانہ سے یقیناً فیضیاب ہوا ہے۔ احقر اگرچہ اپنی بے بضاعتی اور ناسمجھی کی وجہ سے حضرت فدائے ملتؒ سے۔ جن کو ہم بھائی بہن ماموں جان کہا کرتے تھے۔ کچھ حاصل نہ کر سکا؛ لیکن آپ کی عنایات وکرم فرمائیاں ہمیشہ مختلف عنوان اور انداز سے ہوتی رہیں، خصوصاً والدہ محترمہ کی وفات کے بعد تو آپ بے انتہا تعلق کا اظہار فرمانے لگے تھے، جب ملاقات ہوتی یا فون پر گفتگو ہوتی تو بڑی محبت اور پیار بھرے انداز سے بات کرتے۔ ایک بار میں نانی مدظلہا اور دیگر اعزہ سے ملنے کے لئے دیوبند گیا۔ دوسرے دن جب کہ میری واپسی ہونے والی تھی حضرت ماموں جان علیہ الرحمہ دہلی سے دیوبند تشریف لے آئے۔ ملاقات ہوئی، پروگرام پوچھا میں نے کہا ابھی واپسی ہے، فرمانے لگے کہ آج مت جاؤ۔ رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ، کل چلے

جانا۔ میں کچھ دیر خاموش رہا تو آپ نے باصرار رکنے کا حکم فرمایا۔ اور رات میں بڑی پر تکلف دعوت کی اور چلتے وقت بڑی خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے کہنے لگے، تمہارا شکریہ کہ تم نے ہماری دعوت کو قبول کیا اور رک گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا حکم سر آنکھوں پر اس کو ٹالنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اور دعوت کوئی چیز نہیں ہے ہم نے تو بچپن ہی سے آپ کے دستر خوان پر کھایا ہے۔ یہ تو آپ کی محبت اور ذرہ نوازی کی بات ہے، یہ سن کر فرمانے لگے کہ ہاں بھئی تم لوگوں سے مل کر تمہاری مرحومہ ماں یاد آجاتی ہے، اس لئے جی چاہا کہ تم کو روک لوں۔ حضرت ماموں جان علیہ الرحمہ اور والدہ مرحومہ کے درمیان بڑا مخلصانہ اور مربّیانہ تعلق تھا۔ بچپن ایک ساتھ گذرا، بھائی بہن نہایت بے تکلفی اور محبت کے ساتھ رہتے تھے؛ لیکن حضرت شیخ الاسلامؒ کی وفات کے بعد جب والدۂ مرحومہ حضرت ماموں جانؒ سے بیعت ہوگئیں، تو بے تکلفی کی جگہ اَدب واحترام نے لے لی، پہلے بہن بھائی میں جتنی بے تکلفی تھی، اب وتنا ہی تعظیم اور عزت واحترام کا انداز ہوگیا، حتی کہ والدہ مرحومہ جب کہ حضرت ماموں جانؒ علیہ الرحمہ کے بعد بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں؛ لیکن ماموں جانؒ کے سامنے نہ کھڑی ہوتیں، نہ زیادہ باتیں کرتیں، اور نہ آپ کی موجودگی میں کسی سے اونچی آواز سے گفتگو کرتیں، ماموں جانؒ کو ان کی وفات پر بڑا افسوس ہوا۔ اور آخر عمر تک اس بات کا قلق رہا کہ میں نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکا۔ (حضرتؒ سفر پر تھے رابطہ ہو نہیں سکا اس لئے آپ کی شرکت نہ ہو پائی) آپ کی کن کن عنایات کو یاد کیا جائے۔ جب مرادآباد آتے تو ضرور کچھ نہ کچھ لے کر آتے، کبھی مٹھائی کا ڈبہ لئے آرہے ہیں تو کبھی کوئی موسمی پھل۔ ایک دفعہ مرادآباد تشریف لائے اور اپنی کنڈی کھول کر ایک بڑا سا سردا نکال کر دیا اور فرمایا کہ آج کل بہت میٹھے آرہے ہیں گھر لے جاؤ۔ رمضان المبارک میں اگر دیوبند سے مرادآباد آنے والے کوئی صاحب مل جاتے تو ضرور کچھ نہ کچھ بجھواتے۔ کبھی کھجوریں، کبھی کھجلے، اور کبھی کچھ اور، دورانِ سفر اگر کہیں ملاقات ہوجاتی تو بہت ہی زیادہ توجہ فرماتے اور نہایت محبت کا اظہار فرماتے۔ والد صاحب مرحوم ومغفور کے بعد احقر کا ماوا وملجا اس دنیائے فانی میں حضرت

ماموں جانؒ کی ہی ذات تھی۔ ہر طرح کے مشورے اور بات چیت آپ ہی سے کی جاتی تھی۔اب صبر کرنے اور قضاوقدر کے فیصلے کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

احقر نے جب عملی زندگی میں قدم رکھا تو حضرت کی خدمات کو سمجھنے کا زیادہ موقع ملا، جن میں سے خاص طور پر دو خوبیوں نے آپ کو اپنے ہم عصروں پر فائق کر دیا۔

(۱) خدمتِ خلق:- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر خلق خدا کی خدمت کی فضیلت اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

جو شخص کسی مؤمن کی دنیاوی تکلیفوں کو دور کرے گا اللہ رب العزت اس کے بدلہ میں اس کی قیامت کی دن کی تکالیف کو دور فرمادے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی کی عکس جمیل اور پرتو تھی ،فسادات ہوں یا قدرتی آفات، انفرادی مسائل ہوں یا قومی، جانے پہچانے افراد ہوں یا اجنبی اپنے ہوں یا دشمن پریشانی میں گھرے ہر ایک کی مدد کرنا، اس کے کام آنا اور حتی الامکان اس کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنا آپ کا روزمرہ کا معمول تھا خصوصاً فسادات میں لٹے پٹے بدحال مسلمانوں کو دلاسہ دینا ان کے آنسوؤں کو پوچھنا اور ان کو پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا کر دینا حضرت علیہ الرحمہ کا ہی حق تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ پھر بطور احسان کے اس کو زبان پر لانا اور جگہ جگہ ذکر کرنا ہرگز گوارا نہ تھا، جمشید پور کا فساد ہو یا کلکتہ کا راوڑ کیلے کا فساد ہو یا میرٹھ کا، مرادآباد کا فساد ہو یا گجرات کا، ہر جگہ اگر مسلمانوں کے رستے ہوئے زخموں پر اگر کسی نے مرہم رکھا تو وہ آپ ہی کی ذات عالی تھی آپ اور آپ کی جماعت کے علاوہ کسی بھی موقع پر کوئی بھی نام نہاد لیڈر میدان کارزار میں دکھائی نہیں دیا، اسی طرح جب بھی قدرتی آفات خرمن انسانیت پر بجلی بن کر گری تو روتی اور سسکتی انسانیت کی تیمارداری اور بے لوث خدمت کے لئے حضرت علیہ الرحمہ بلا خوف وخطر میدان میں کود پڑے، طوفان ہوں یا سیلاب وزلزلہ کی تباہ

کاریاں ہر موقع پر آپ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت امت کی طرف سے حضرت علیہ الرحمہ کو اپنی شایان شان اجر عظیم سے نوازے۔ آمین۔

(۲) حفاظت دین:- اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں خدائی مدد کے پہونچنے کیلئے بطور شرط کے اپنے دین کی نصرت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :

اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ . اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرتے رہو گے تو اللہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے پاؤں جما دے گا۔

حضرت علیہ الرحمہ کی پوری زندگی دین متین کی حفاظت واشاعت میں صرف ہوئی جب بھی دین کے قلعہ پر کسی نے شبخون مارنے کی کوشش کی تو سب سے پہلے میدان میں خم ٹھوک کر آپ ہی اس کے مقابلہ میں ڈٹے اور کسی بھی قیمت پر مفاہمت بلکہ مداہنت کیلئے تیار نہ ہوتے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو کہ آپ کو وقت سے پہلے خطرے کا احساس ہو جاتا تھا اور ظاہر بیں جس کو نہ دیکھ پاتے تھے آپ اسکو بھانپ لیا کرتے تھے اور پھر اسکی پیش بندیوں میں مشغول ہو جاتے تھے، بارہا ایسا ہوا کہ کسی باطل فرقہ کے تعاقب کا آپ نے فیصلہ فرمایا دیگر اہل علم اسکی ضرورت کو محسوس نہ کر سکے اور بادل نا خواستہ آپ کے ساتھ شریک ہو گئے اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ حضرت علیہ الرحمہ کا فیصلہ بر وقت تھا اور بالکل درست تھا، ردقادیانیت ہو یا رد غیر مقلدیت، شاہ بانو کیس ہو یا طلاق ثلثہ، یکساں سول کوڈ کی مخالفت ہو یا عبادت گاہ مخالف بل کو رد کرنے کی جدوجہد ہو ہر محاذ پر آپ نہایت مستعد اور متحرک دکھائی دیتے ہیں آپ نے کبھی شریعت اور مسلک کی حفاظت کے حوالہ سے مصلحتوں کو آڑے نہیں آنے دیا اور ہرگز کسی جادۂ حق سے ہٹے ہوئے فرد یا جماعت سے کوئی کمپر مائز نہیں کیا اور برابر دین حق کی حفاظت ونصرت میں لگے رہے نتیجتاً اللہ رب العزت نے بھی اپنے وعدہ کو پورا فرمایا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ہر طرح کی مخالفتوں نیز اپنے اور غیروں کی تمام تر بے وفائیوں اور ہوا خیزی کی کوششوں کے باوجود نصرت خداوندی نے آپ کا بھرپور ساتھ دیا کامیابیاں آپ کا قدم چومتی

رہیں اور عزت وعظمت کی منازل آپ طے کرتے رہے جتنی مخالفتیں آپ کی ہوئیں اگر کسی اور کی ہوئی ہوتیں تو شاید وہ بہت پہلے اپنے وجود کو کھو بیٹھتا مگر اللہ رب العزت اپنے مخلص بندوں کا ساتھ دیتا ہے اور ناکامیوں سے بچاتے ہوئے ان کو دنیا وآخرت کی سرخ روئیوں سے مالا مال فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو بھی بیش بہا نعمتوں سے مالا مال فرمائے ان کے خلا کو پر فرمائے اور امت کو ان کا بہترین بدل نصیب فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

ہمارے ماموں جان

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

ہم نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے خاندان میں جس شخصیت کو سب سے زیادہ باوزن، قابل احترام اور لائق تعظیم جانا، وہ ہمارے ماموں جان علیہ الرحمہ کی ذاتِ اقدس تھی، خاندان میں کوئی بھی نکاح ہو، کسی کی بھی ''بسم اللہ'' ہو یا خوشی اور غم کا کوئی بھی موقع ہو ان کی موجودگی کو لازمی تصور کیا جاتا تھا۔

نانا جان مرحوم جس وقت اس دنیا سے تشریف لے گئے تو ماموں جان اور بڑی خالہ کے علاوہ کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی اور بقیہ سب لوگ عمر کے اس مرحلہ میں تھے جس میں مشفق باپ کے سایہ کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ والدۂ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ اس نازک موقع پر ماموں جان علیہ الرحمہ نے خاندان کی کفالت اور جملہ ضروریات کی تکمیل کا جو عظیم الشان فریضہ انجام دیا، اُس نے بڑی حد تک والد مرحوم کی عدم موجودگی کے احساس کو کم کر دیا، وہ سب سے بڑے تھے اور سب کے بڑے تھے، جیسا چاہتے ویسا کر سکتے تھے؛ لیکن دیانت وامانت کی انتہاء تھی کہ نانا جان مرحوم کے وصال کے فوراً بعد قاری اصغر علی صاحب مرحوم کو ایک خطیر رقم دی، اور فرمایا کہ حضرت! اَب اس میں سے گھر کی ضروریات کے لئے خرچ کیا جائے گا اور اباجی کی جو رقم آپ کے پاس ہے اُس کو محفوظ کر لیا جائے؛ کیوں کہ اُس سے دیگر اہل خانہ کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ اس کے بعد گھر کی تمام ضروریات کی فراہمی، بچوں کی پڑھائی لکھائی، شادی بیاہ اور مہمانوں کی فراخ دلی کے ساتھ میزبانی ماموں جان علیہ الرحمہ نے اِس انداز میں کی کہ دنیا اُن کی عظمت کی قائل ہوگئی اور اہل خانہ میں وہ ''شجر سایہ دار'' کی حیثیت اختیار کر گئے۔

آج ہمارا خاندان اس عظیم درخت کے ظاہری سایۂ عاطفت سے ہمیشہ ہمیش کے لئے محروم ہوگیا ہے- اگر چہ مرحوم کا باطنی سایہ یعنی روحانی توجہات برابر اہلِ خانہ کے لئے مشعلِ راہ ہوں گی- خاندان پر ایک یتیمی اُس وقت آئی تھی جب نانا جان مرحوم نے اِس دنیا سے رحلت فرمائی تھی- اگر چہ اس یتیمی کے احساس کو ماموں جان نے اپنی خدمات کے نتیجہ میں کافی مدہم کردیا تھا- اور ایک دورِ یتیمی اب آیا ہے جب نوشتۂ تقدیر کے مطابق ماموں جان ہم سے جدا ہوگئے، جانے کو تو خاندان کا ایک ہی فرد گیا ہے اور گیا بھی وہاں ہے جہاں ایک نہ ایک دن سب کو جانا ہے؛ لیکن محسوس ایسا ہوتا ہے کہ در ودیوار کی رونق ختم ہوگئی، محفلوں، مجلسوں اور اجتماعات کی زینت کا خاتمہ ہوگیا، کھانے پینے کی لذت چلی گئی، شجر وحجر پر اُداسی چھا گئی، سفر وحضر کا مزہ کافور ہوگیا، اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی چپہ چپہ ویرانی کی داستان سنانے لگا۔ غرض یہ کہ دنیا اور دنیا کے کام اپنے نظام کے مطابق چل تو رہے ہیں؛ لیکن دل ودماغ اتنا متأثر ہے کہ صدمہ سے باہر نکلنے کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

ایک مسلمان کے لئے ایسے مواقع میں تقدیرِ الٰہی پر رضامندی کے سوا چارۂ کار نہیں ہے، سب کو اِس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے، آج وہ گئے ہیں کل ہماری باری ہے، خوش قسمت وخوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو ایمان پر خاتمہ نصیب ہو، اور ذکر خدا میں مستغرق ہوکر جان جانِ آفریں کے سپرد کریں۔

ہمارے ماموں جان علیہ الرحمہ ہمیشہ اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے ایمان پر خاتمہ کی دعا کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ (۸/ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو) شبستاں اُردو ڈائجسٹ کے نمائندے نے آپ سے انٹرویو لیا، دورانِ انٹرویو نمائندہ نے مسلم پرسنل لاء، قیامِ امن، مسلمانوں کے معاشی مسائل اور اِسی طرح کے بہت سارے عنوانات پر بات چیت کی، اور اخیر میں سوال کیا کہ مولانا! آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟ جواب ملا: ایمان پر خاتمہ، اللہ تعالیٰ نے اِس آخری آرزو اور تمنا کو بھی بحسن وخوبی اپنے فضل وکرم سے پورا کردیا۔

گذشتہ کئی سالوں سے جب بھی کوئی خیریت معلوم کرتا، طبعیت دریافت کرتا، تو بڑی برجستگی سے جواب دیتے کہ: بھئی! اَب کیا خیریت پوچھتے ہو؟ عمر طبعی کو پہنچ چکے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمتِ محمدیہ کی اوسط عمر جس کو بتایا ہے اسے بھی پار کر چکے ہیں، اب تو خاتمہ بالخیر کی دعا کرو، ہمہ وقت موت کا استحضار رہتا اور اسی کا تذکرہ کرتے، اور گذشتہ رمضان المبارک تو اِس طرح گذارا ہے کہ گویا کہ آپ کو محسوس ہو گیا تھا کہ اَب آئندہ رمضان المبارک میسر نہیں آئے گا۔

رمضان المبارک سے چار پانچ روز قبل سفر حجاز پر تشریف لے گئے، ابتداءً مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، اور پھر جب رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا، تو عمرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے؛ اس لئے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے میرے ساتھ حج کرنا''۔ (ابوداؤد شریف حدیث: ۱۹۹۰)

واپس ہندوستان تشریف لائے، دیوبند آنے سے پہلے دہلی میں ڈاکٹروں کو دکھایا، رپورٹیں صحیح نہ آئیں تو ڈاکٹروں کے اصرار پر تین چار روز بغرضِ علاج دہلی کے اپولو اسپتال میں داخل رہے؛ لیکن اس دوران بھی اُن کا دل مسلسل دیوبند میں لگا رہا ہے۔ ڈاکٹروں سے چھٹی لینی چاہی؛ لیکن وہ کسی صورت آمادہ نہ تھے، تو اُن سے فرمایا: ''کیا آپ لوگ اِس بات کی گارنٹی اور ضمانت دیتے ہیں کہ مجھے اگلا رمضان مل جائے گا''۔ ظاہر ہے اِس کی تو کوئی ضمانت نہیں دے سکتا تھا، غرض یہ کہ اصرار کر کے چھٹی لی، اور دیوبند تشریف لے آئے، اور رمضان المبارک کی بیش قیمت ساعات اور گراں قدر لمحات کو وصول کرنا شروع کر دیا، اِس ضعف اور پیرانہ سالی کی حالت میں نہ صرف پنج وقتہ نماز مسجد میں اَدا فرماتے؛ بلکہ تراویح اور تہجد کے لئے بھی مسجد تشریف لاتے اور رمضان المبارک کے معمولات کو حسبِ سابق انجام دیتے، گردے کے مریض تھے، جسم میں پانی کی کمی ہو گئی تھی، اطباء روزہ رکھنے سے منع کرتے تھے، مگر اس مردِ مجاہد اور صاحبِ عزیمت انسان کو ایک دن کا روزہ چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا۔

رمضان المبارک کا دوسرا جمعہ تھا، مسجد رشید اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود نماز پڑھنے والوں کے لئے تنگ ہو رہی تھی، دور دراز شہروں اور دیہات سے آنے والے مسترشدین و مریدین کا ایک جمِ غفیر تھا، جو اپنے مرشد و مصلح کی عیادت و مزاج پرسی کے لئے اور اُن کی بابرکت مجلس سے مستفید ہونے کے لئے حاضر ہوا تھا۔

نماز کے بعد اعلان ہوا کہ حضرت والا بیان فرمائیں گے، مجمع سکون واطمینان کے ساتھ حلقہ بنا کر بیٹھ گیا، سنن ونوافل سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مجمع کے درمیان تشریف لائے، اور حمد وصلاۃ کے بعد بڑے درد بھرے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: ''آپ لوگوں کو میری صحت کا خیال نہیں، ڈاکٹروں نے تو مجھے روزہ رکھنے سے بھی منع کیا ہے؛ لیکن آپ لوگ مجھے تقریر کرنے پر مجبور کر رہے ہیں، جب جسم میں طاقت تھی، قویٰ مضبوط تھے، تو کبھی بھی تقریر کرنے سے یا اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو لوگوں تک پہنچانے سے میں نے گریز نہیں کیا؛ لیکن آج صورتِ حال بدلی ہوئی ہے''۔ مجمع پر بڑا اثر ہوا، اعلان کرنے والے بھی نادم و پشیماں ہوئے کہ خواہ مخواہ ہم نے حضرت کو تکلیف میں مبتلا کر دیا۔

حضرت نے فضائل رمضان پر بیان کرنا شروع کیا، اور فرمایا کہ معلوم نہیں یہ مبارک ساعتیں زندگی میں پھر کبھی میسر آئیں گی یا نہیں، ان کو غنیمت جانو، اور ایک ایک لمحہ کی قدر کرو۔ دورانِ تقریر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، بولتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، مجمع میں کوئی فرد ایسا نہیں تھا جس کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں، ہم نے اس سے پہلے بارہا ماموں جان کی تقریریں سنی تھیں؛ لیکن کبھی اُن کو روتے ہوئے اور اِس طرح بے قابو ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا مشہور فرمانِ مبارک ہے کہ: ''ہلاک وبرباد ہو وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور اپنی مغفرت نہ کروائی، ہلاک وبرباد ہو وہ شخص جس کے سامنے میرا نام لیا گیا اور اُس نے مجھ پر درود نہ بھیجا، ہلاک وبرباد ہو وہ شخص جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور اُن کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ ہو گیا''۔

(مستدرک حاکم ۴/۱۵۳)

اس حدیث مبارک کے مشمولات پر انتہائی رقت آمیز لہجے میں بڑی مبسوط اور مؤثر تقریر فرمائی، خرابیٔ صحت کے باوجود تقریباً پون گھنٹے تک بیان فرماتے رہے، اور اخیر میں پھر اپنی بیماری اور ضعف کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''اسی مبارک مہینہ کی قیمتی ساعات کو یہاں گذارنے کے لئے میں ڈاکٹروں سے لڑ جھگڑ کر آگیا ہوں، اگرچہ وہ لوگ کسی صورت میرے یہاں آنے پر رضامند نہیں تھے؛ لیکن میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اَب جو کچھ ٹیسٹ یا علاج وغیرہ ہوگا، ماہِ مبارک رمضان کے بعد ہوگا''۔ پھر فرمایا کہ: ''بھائیو! رمضان کے بعد پھر انہی ڈاکٹروں کے پاس جانا ہے، نہ جانے وہ لوگ کیا کیا کریں گے''۔ یہ کہتے ہوئے اتنی رقت طاری ہوئی کہ آگے تقریر جاری نہ رکھ سکے اور بات ختم کردی، چشمہ اُتار کر آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے مسجد کے دروازہ کا رخ کیا، کرسی کا بٹن دبایا، حاضرین دونوں جانب صف بستہ کھڑے ہوگئے اور ماموں جان اُن کے درمیان سے نکلتے ہوئے گھر تشریف لے آئے۔

آج کی تقریر سن کر لوگوں پر سکتہ طاری تھا؛ اِس لئے کہ اُنہوں نے اپنے شیخ کو کبھی اِس طرح مجمع عام میں گریہ وزاری کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، وہ تو ایسے مضبوط اعصاب والے تھے کہ بڑے سے بڑے حادثہ کو چاہے خانگی ہو یا ملی، بآسانی جھیل جاتے اور چہرہ سے لوگوں کو محسوس تک نہ ہونے دیتے، نانا جان علیہ الرحمہ کی وفات ماموں جان مرحوم کی زندگی کا بہت بڑا سانحہ تھا؛ لیکن اُس موقع پر آپ نے جس صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا وہ ناقابل بیان ہے۔ پھر ۱۵؍نومبر ۱۹۶۸ء کو اُن کی زندگی میں ایک اور المناک حادثہ پیش آتا ہے، ایک سڑک حادثے کے نتیجہ میں ساڑھے آٹھ سالہ صاحب زادے محمد میاں اور خسر محترم مولانا سید حمید الدین صاحب علیہ الرحمہ اور گاڑی کا ڈرائیور جاں بحق ہوجاتے ہیں، اور بقیہ لوگ شدید زخمی ہوتے ہیں، جن میں آپ کی خوش دامن صاحبہ، اہلیہ محترمہ اور دیگر اہل خانہ ہیں، پورے علاقہ میں کہرام مچ جاتا ہے، فضا رنج وغم میں ڈوب جاتی ہے، مگر دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ اس دردناک موقع پر بھی اگر کوئی شخص شکر وسپاس کا مظہر اور صبر واستقامت کا پیکر بنا ہوا ہے، تو وہ ماموں جان ہی کی ذات گرامی ہے، تعزیت کرنے والوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ: ''مسرت اور غم تو قلبی کیفیات ہیں''۔

اس حادثہ کے پیشِ نظر جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر نے ماموں جان کی کئی میٹنگوں کے متعلق منسوخی کی اطلاع دے دی تھی، مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا: ''کیا اِس طرح کے حادثات کی وجہ سے ہم جماعت کا کام ترک کردیں گے''، چناں چہ دوبارہ لوگوں کو اطلاع کرائی گئی کہ میٹنگ وقت پر ہوگی۔

اُن کی زندگی میں اِس طرح کے واقعات بھرے پڑے ہیں، تو جن لوگوں کے سامنے ماموں جان کی یہ تصویر رہی ہو اُن کا اِس موقع پر محوِ حیرت ہونا بجا ہے۔

غرضے کہ مسلسل ضعف وکمزوری کے باوجود دن کے روزے، راتوں کی عبادت اور رمضان المبارک کے بقیہ معمولات حسبِ سابق چلتے رہے، اسی دوران ۱۵/ رمضان المبارک کو دل کا دورہ پڑا، مقامی ڈاکٹروں کی رائے ہوئی کہ جلد از جلد دہلی لے جایا جائے، چناں چہ رات ہی میں دہلی لے جایا گیا اور وہاں اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبے میں داخل کردیا گیا۔ حیرت کی بات ہے کہ اُس وقت بھی ماموں جان کو اپنی بیماری سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ رمضان المبارک کے بابرکت لمحات ضائع نہ ہوجائیں، حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب اگلے روز مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ لوگ مجھے یہاں لاکر ڈال دیں گے تو ہرگز نہ آتا''۔ ایک دو روز (I C U) میں رہنے کے بعد پرائیویٹ کمرہ میں تشریف لے آئے اور اِس حالت میں بھی روزہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اسپتال میں بھی تراویح باجماعت اَدا کرتے رہے۔

ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کا معمول تھا، چناں چہ آخری عشرہ شروع ہونے سے پہلے ڈاکٹروں سے بات چیت کرکے واپس دیوبند تشریف لے آئے، اور مسنون اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں داخل ہوگئے، قویٰ کمزور ہوگئے تھے، صحت روز بروز گرتی جارہی تھی؛ لیکن عزم وحوصلہ ایسا جواں تھا کہ کیا جوانوں کا ہوگا؟ بڑی قدردانی کے ساتھ رمضان المبارک کے آخری ایام گذارے، ملک وبیرونِ ملک سے آئے ہوئے ہزاروں مسترشدین

ومریدین کو راہِ سلوک کے منازل طے کراتے رہے۔ رمضان المبارک کے آخری دن مجمع میں تشریف لائے اور اپنی زندگی کی آخری تقریر فرمائی، دور دراز سے آنے والے مہمانانِ کرام کا شکریہ اَدا کیا اور فرمایا کہ ہم میزبانی کا حق اَدا نہیں کرسکے۔ خطاب اتنا مؤثر تھا کہ سننے والوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ دورانِ تقریر ارشاد فرمایا کہ: ''اب میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جارہا ہوں''۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ماموں جان کو یہ معلوم ہے کہ یہ اُن کی زندگی کی آخری نصیحت اور الوداعی پیغام ہے۔

رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں گذر گئیں، اگلے دن عیدالفطر ہے، عید کی نماز دارالعلوم دیوبند کی مسجد قدیم میں اَول وقت ادا فرماتے ہیں؛ اس لئے کہ آج ہی دہلی میں ڈاکٹر کو دکھانا ہے، نماز سے فارغ ہوکر دہلی تشریف لے جاتے ہیں اور ڈاکٹروں کو دکھاتے ہیں، ڈاکٹر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور کوئی تشویش کی بات نہیں بتاتے، اگلے دن دہلی سے دیوبند کے لئے واپسی ہوتی ہے۔

والدہ محترمہ رمضان المبارک کے دوسرے عشرہ میں عمرہ کی غرض سے حجاز مقدس تشریف لے گئی تھیں، وہ عید کے دوسرے روز فون پر ماموں جان سے بات کرتی ہیں، آپ اس وقت دہلی اور دیوبند کے بیچ میں تھے، طبعیت پوچھتی ہیں اور حال اَحوال دریافت کرتی ہیں، تو اپنی خیریت بتانے سے پہلے بڑے ہی مشفقانہ انداز میں فرماتے ہیں: ''اَب تو رمضان ختم ہوگئے، اَب وہاں کیا کررہی ہے؟ جلدی آجا'' پھر اپنی طبعیت کے سلسلے میں بڑے اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے کہتے ہیں، مجھے تو ڈر تھا کہ کہیں ڈاکٹر روک نہ لیں؛ لیکن اُنھوں نے مجھے واپس دیوبند آنے کی اجازت دے دی۔

کیا معلوم تھا کہ یہ ماموں جان کی والدۂ محترمہ سے آخری بات چیت ہے، اَب اس کے بعد شفقت ومحبت بھری یہ آواز سننے کو بھی نہ ملے گی؛ اس لئے کہ اس کے چند ہی گھنٹہ کے بعد یہ اطلاع ملتی ہے کہ ماموں جان کرسی سے گرکر بے ہوش ہوگئے ہیں۔

دہلی سے چل کر دوپہر کا کھانا چھوٹی خالہ کے یہاں ''خانجہاں پور'' میں کھایا اور کھانے

کے بعد دیر تک آرام فرمایا، پھر بعد نماز ظہر وہاں سے روانہ ہوئے، پروگرام یہ تھا کہ: ''پور قاضی'' کے قریب باغ میں ہوتے ہوئے دیو بند پہنچیں گے؛ لیکن درمیان میں اطلاع ملی کہ حضرت مولانا طلحہ صاحب بغرضِ ملاقات وزیارت دیو بند تشریف لائے ہوئے ہیں، اِس لئے سیدھے دیو بند آنے کا پروگرام بنالیا، مغرب سے کچھ پہلے گھر پہنچے، اور اندر سے وہ کرسی منگائی جو بیٹری سے چلتی تھی، کرسی لائی گئی، حسبِ معمول اُس پر بیٹھے اور گھر میں داخل ہونے لگے، جس کے لئے ذراسی اُونچائی کو عبور کرنا تھا، اور عام طور سے دن میں کئی کئی بار اُس راستہ سے آتے جاتے تھے؛ لیکن نہ جانے کیا ہوا اُوپر کو چڑھتے ہوئے کرسی پلٹ گئی اور ماموں جان کے سر کے پچھلے حصہ میں شدید ضرب آئی، خون جاری ہوگیا، لوگوں نے اُٹھایا اور اندر کمرہ میں لے گئے، پورا خاندان جمع ہوگیا، کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اچانک یہ کیا ہوگیا؟ ماموں جان کے ہوش وحواس ابھی باقی تھے، اور اس حالت میں بھی اگر انہیں کسی چیز کی فکر تھی، تو وہ نماز اور مہمانوں کی تھی، گھر والوں سے پوچھا کہ مولانا طلحہ صاحب کو چائے ناشتہ وغیرہ کرایا یا نہیں؟ جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ ناشتہ سے فارغ ہوگئے ہیں تو اطمینان ہوا۔ پھر مسلسل اصرار کرتے رہے کہ مجھے وضو کراؤ، نماز پڑھنی ہے، اَب اِس حالت میں جب کہ مسلسل سر سے خون نکل رہا ہے، کس طرح وضو کرایا جاسکتا تھا، تیمّم کی کوشش کرنے لگے، چہرے پر ہاتھ پھیرا، دونوں ہاتھوں کا مسح کرنے لگے، اِسی دوران بے ہوشی کا غلبہ ہوا، اور دنیا ومافیہا سے اس حال میں بے خبر ہوئے کہ دل ودماغ میں نماز پڑھنے کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ رات ہی میں دہلی لے جایا گیا اور پھر اُسی اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے کمرہ میں داخل کردیا گیا، اہل خانہ اور متعلقین کی بے چینی وبے قراری ماموں جان کی صحت کے تئیں بڑھتی چلی گئی، اعلیٰ سے اعلیٰ علاج ومعالجہ اختیار کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی؛ لیکن اللہ نے اَب اپنے اس مقبول بندے کو اپنے پاس بلانے کا اِرادہ فرمالیا تھا، چناں چہ ۳/مہینے پانچ دن بے ہوشی کی حالت میں رہنے کے بعد اِس شان سے واصل بحق ہوئے کہ زبانِ مبارک اسی کے ذکر سے سرشار تھی، اِس تین مہینے میں کبھی کبھی ہوش کے آثار محسوس بھی ہوتے، آنکھیں بھی

کھولتے آواز دینے پر متوجہ بھی ہوتے اور تسبیح ہاتھوں میں دے دی جاتی، تو اُس کے دانوں کو بھی پلٹتے، زبان کی حرکت سے بھی محسوس ہوتا کہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں؛ لیکن وفات سے دس منٹ قبل جس انداز میں زبان سے ذکر اللہ جاری ہوا، اور وہاں موجود لوگوں نے سنا، وہ اس سے پہلے محسوس نہیں ہوا تھا، اور اسی ذکر میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماموں جان اگرچہ تین مہینے سے بے ہوش تھے: لیکن پھر بھی ایک ڈھارس تھی، اور اللہ کی جانب سے صحت کی اُمید لگائی جاتی تھی؛ لیکن وفات کے بعد عیاں طور پر یہ محسوس ہونے لگا کہ سایہ ہمارے سروں سے اٹھ چکا ہے، ہمارا مربی و مصلح اور ہر مشکل موقع پر ہمیں راہ دکھانے والا ہم سے جدا ہو گیا۔

ماموں جان کی وفات کی خبر یوں تو سب پر بجلی بن کر گری؛ لیکن نانی جان مدظلہا کے دل سے پوچھا جائے کہ اُنہوں نے اِس عمر میں کس طرح بیٹے کی جدائی کے غم کو سہا اور برداشت کیا۔

ماموں جان کا وصال ۷ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ر فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر شام تقریباً پونے چھ بجے ہوا، ۸ر بجے کے قریب آپ کا جنازہ بذریعہ ایمبولینس جمعیۃ علماء ہند کے آئی ٹی او میں واقع مرکزی دفتر لایا گیا، یہ وہی دفتر ہے جس کی شان کو دوبالا کرنے والی آپ ہی کی ذات تھی، اِسی دفتر میں بیٹھ کر آپ نے ملک وملت کے لئے وہ عظیم فیصلے لئے ہیں کہ جن کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی، آج یہ دفتر آپ کی وفات پر ماتم کناں ہے۔

آپ کا جنازہ اُس مدنی ہال کے اسٹیج پر رکھ دیا جاتا ہے، جہاں بیٹھ کر آپ نے نہ جانے کتنے اجتماعات کی صدارت کی ہوگی، کچھ ہی دیر بعد ملک کے وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ، کانگریس پارٹی کی صدر محترمہ سونیا گاندھی، دسیوں وزراء اور معزز سیاسی وسماجی شخصیات اپنے محبوب کا آخری دیدار اور خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر پہنچ جاتے ہیں، سلسلہ تھمنے کا نام نہیں لیتا، دیوبند جانے میں تاخیر ہو رہی تھی، اس لئے جنازہ کو دوبارہ ایمبولینس میں رکھ دیا گیا، اور چلنے کی تیاری ہوگئی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی دفتر کے در و دیوار اپنے محسن کی جدائی پر چیخ چیخ کر یہ کہہ رہے ہیں:

کون اِس باغ سے اے بادِ صبا جاتا ہے ❖ رنگ رخسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے

تقریباً ساڑھے دس بجے شب میں ایمبولینس کے ساتھ گاڑیوں کا ایک قافلہ دیوبند کے لئے روانہ ہوجاتا ہے، اور پونے تین بجے کے قریب جب جنازہ دیوبند پہنچتا ہے، تو ہزاروں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے شیخ کے آخری استقبال کے لئے جی ٹی روڈ پر موجود ہوتا ہے، لوگوں کی نظر جب ایمبولینس پر پڑتی ہے تو وارفتگی اور عقیدت کے جذبات اپنی تمام حدود کو پار کرجاتے ہیں، اور لوگ دیوانہ وار ایمبولینس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، فرطِ عقیدت میں مغلوب ایسے لوگ بھی دکھائی دیے جو ایمبولینس کے پیچھے دوڑتے جاتے تھے اور اپنا ہاتھ ایمبولینس سے مس کرکے اُسے چوم رہے تھے۔

جنازہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی کے مکان پر لایا گیا جہاں نانی جان مدظلہا اور گھر کی تمام مستورات جمع تھیں، وہی کمرہ جس میں آپ کے والد محترم علیہ الرحمہ آرام فرما رہتے تھے، وہیں آپ کو غسل دیا گیا، زمزم میں بھیگے ہوئے احرام کی قمیص بنا کر پہنائی گئی اور اُس میں اُن تبرکات کو - جس میں غلاف کعبہ کا ٹکڑا تھا - آپ کی خواہش کے مطابق قلب کی جانب پیوست کرکے کفنا دیا گیا، غیر محرم مرد باہر چلے گئے، ضعیف وکمزور غم سے نڈھال والدہ محترمہ نے بیٹے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور قریب ہی بیٹھ گئیں۔ بہنوں، بیٹیوں اور گھر کی تمام مستورات نے روتے بلکتے اپنے محسن ومشفق کا آخری دیدار کیا۔ یہ بھی بڑا عجیب منظر تھا، پہلے بھی آپ اسی کمرے میں کرسی پر یا والدہ محترمہ کے پائیتی آکر بیٹھ جایا کرتے تھے، اور گھر کے تمام اَفراد آپ کو گھیر لیا کرتے تھے، آج بھی آپ اُسی کمرے میں آرام فرما ہیں؛ لیکن ظاہری طور پر آنے جانے والوں سے بیزار اور لاعلم۔

بہرحال کچھ دیر کے بعد تقریباً صبح پانچ بجے جنازہ باہر لایا گیا، پروگرام یہ تھا کہ دارالحدیث تحتانی میں جنازہ کو آخری دیدار کے لئے رکھ دیا جائے گا؛ لیکن گھر سے نکلنے کے بعد اندازہ ہوا کہ مجمع کنٹرول سے باہر ہوتا جارہا ہے، بمشکل تمام ۴۰ رمنٹ میں جنازہ گھر سے

دارالحدیث پہنچا، زیارت کے لئے چہرہ سے چادر ہٹائی گئی تو لوگ دیدار کے لئے اِس طرح ٹوٹے کہ اِس سلسلہ کو برقرار رکھنا مشکل ہوگیا۔

نماز فجر کے کچھ دیر بعد جنازہ دارالحدیث سے باہر لایا گیا، اور باب الظاہر کے سامنے رکھ دیا گیا، مجمع اتنا زیادہ تھا کہ نہ صرف دارالعلوم کا چپہ چپہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا؛ بلکہ مسجد رشید کے اطراف وجوانب کا حصہ اور اُس کے باہری حصہ میں بھی صفیں لگی ہوئی تھیں، ٹھیک اشراق کے وقت یعنی تقریباً ساڑھے سات بجے جگر گوشۂ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم نے بھرائی ہوئی آواز میں نماز جنازہ پڑھائی، نمازِ جنازہ کے وقت بے تحاشا مجمع کے باوجود سکون واطمینان غیر معمولی تھا۔ اب جنازہ کو قبرستان تک لے جانا بڑا اَہم مرحلہ تھا، فضاء میں شدید کہرا چھایا ہوا تھا؛ لیکن آنے والوں کا سلسلہ جورات سے شروع ہوا تھا، تسلسل کے ساتھ جاری تھا، اور مجمع اندازے سے باہر ہوگیا تھا، اور ہر فرد کی یہ خواہش تھی کہ جنازہ کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرے؛ لیکن یہ ناممکن تھا، احاطۂ دارالعلوم سے لے کر قبرستان قاسمی تک کوئی دیوار، مکان یا اونچی عمارت حتی کہ درخت ایسا نہیں تھا، جس پر لوگوں کا جم غفیر موجود نہ ہو، جس کو جہاں جگہ ملی کھڑا ہوگیا، اور حسرت بھری نگاہوں سے جنازہ کی آمد کا منظر دیکھنے لگا۔ اِدھر جنازہ کو دیکھئے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پانی میں تیر رہا ہے، جو جنازہ کے قریب تک نہیں پہنچ پاتا تھا، وہ دور ہی سے اس پر اپنی چادر یا رومال پھینک کر کچھ تسکین حاصل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی ماموں جان کو حیرت انگیز عظمت ومقبولیت سے نوازا تھا، وہ لوگ جو آپ کی ایک آواز اور اپیل پر نامناسب حالات اور سخت موسم کی پرواہ کئے بغیر دسیوں لاکھ کی تعداد میں جمع ہوجاتے تھے، آج وہ بغیر کسی اپیل کے اپنے مشفق شیخ ومربی اور محبوب قائد کو آخری سلام اور الوداع کہنے کے لئے نمناک آنکھوں کے ساتھ اطراف وجوانب اور ملک کے کونے کونے سے آئے تھے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ بروقت نماز جنازہ ہوگئی ورنہ اگر تھوڑی بھی تاخیر کردی جاتی - جیسا کہ آنے والے لوگوں کا برابر اصرار تھا- تو مجمع بے قابو اور کنٹرول سے باہر

ہوجاتا۔ دارالعلوم سے قبرستان قاسمی تک کی مسافت جو مشکل سے پانچ منٹ میں طے ہوجاتی تھی، آج وہ قبرستان آنے کا نام نہیں لے رہا تھا، اور جب جنازہ قبر کے قریب رکھا گیا ہے تو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گذر چکا تھا۔

اَب آپ کو آخری آرام گاہ میں اُتارنے کی تیاری کی جانے لگی، حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے فرمایا کہ: ''حفاظ قرآن ہی آپ کو قبر میں اُتاریں''، چناں چہ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی، حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی، حضرت مولانا محمود صاحب مدنی، مولانا محمد مدنی صاحب، مولانا ازہد مدنی صاحب، مفتی محمد سلمان صاحب اور احقر نے مل کر آپ کو چارپائی سے اُٹھایا، پھر مفتی سلمان صاحب قبر میں سرہانے کی جانب اُتر گئے اور احقر کو پائیتی اترنے کی سعادت حاصل ہوئی، دیگر حضرات نے قبر کے بالائی حصہ سے نیچے اُتارنے میں تعاون کیا، ہم لوگوں نے کفن کے سرہانے اور پائیتی کی گرہوں کو ڈھیلا کیا، دائیں جانب ذرا سی کروٹ دلائی، آخری دیدار کیا اور اپنے ماموں جان کو اللہ کے حوالے کر کے قبر کے بالائی حصہ میں چلے آئے، تختے برابر کردئے گئے اور مٹی ڈالنے کا سلسلہ شروع ہوگیا، جو شام تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا، بلکہ اگلے دن بھی لوگ قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے دیکھے گئے۔

اب ہمارے ماموں جان حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ اور نانا جان حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے بالکل جوار میں آسودۂ خواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ کو قبولیت سے نوازے اور پوری ملت کی جانب سے ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہم لوگوں کو ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

لوگ خضرِ کاروانِ حال کہتے ہیں تجھے

حضرت امیر الہند کی وفات کی خبر ملت اسلامیہ پر ایک صاعقہ بن کر گری، ہر طرف ایصالِ ثواب، تعزیتی جلسوں اور دعائے مغفرت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا، اور ملت کے ہر طبقہ نے آپ کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا، اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ انہی میں سے آپ کے ہم عصر علماء کے چند منتخب تأثرات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں جو عموماً تعزیتی جلسوں کی تقاریر اور تحریری پیغامات سے ماخوذ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے تعزیتی جلسہ کی مفصل رپورٹ ہمیں حضرت مولانا شوکت علی صاحب اُستاذ دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ موصول ہوئی۔ اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے زیر اہتمام منعقدہ عظیم الشان تعزیتی جلسے کی تفصیلات مولانا عمران اللہ صاحب قاسمی نے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ مرتب فرمائیں۔ **فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء۔** (مرتب)

دارالعلوم کی بے لوث و بے مثال خدمت

تأثرات: حضرت اقدس مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند:-

حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی وفات ہم سب کے لئے بہت بڑا اندوہ ناک سانحہ ہے، بحران کے وقت میں دارالعلوم دیوبند کی ذمہ داری کا بار میرے کاندھوں پر رکھ دیا گیا، مالی اعتبار سے بڑی پریشانی تھی، مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں یہ موضوع زیر بحث آیا، انتشار کا وقت تھا، چندہ نہیں ہو رہا تھا، کبھی دس روپئے کا منی آرڈر آتا، کبھی ۲۰/ روپئے کا، حضرت مولانا نے اس بحرانی اور مشکل ترین وقت میں دارالعلوم دیوبند کی بے لوث اور بے نظیر خدمت کی۔ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ مجلس شوریٰ میں تشریف لائے اور روپیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا مجلس شوریٰ میں پیش کیا جس میں دارالعلوم کے ۹/ ماہ کے خرچ کے برابر خطیر رقم تھی۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے بحرانی دور میں اتنی بڑی رقم اتنی کم مدت میں فراہم

کر کے پیش کرنا یہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی ہی کا کام ہے کسی اور کے لئے ممکن نہیں، انہوں نے نظام بہتر کرنے پر پوری توجہ دی۔ طلبہ عزیز کے معاملات سے خصوصی دلچسپی لی، ان کے وظائف بڑھوائے ان کے قیام وطعام کا نظم بہتر کرنے پر زور دیا۔ دارالعلوم میں حضرت کی رحلت سے بڑا زبردست خلا پیدا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی خدمات قبول فرمائے، اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، دارالعلوم دیوبند کی اور جمعیۃ علماء ہند اور تمام مذہبی اِداروں اور مسلمانانِ ہند کی حفاظت فرمائے۔

اُن کا ظاہر و باطن یکساں تھا

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند:۔ مولانا اسعد مدنی اپنے اجتماعی فکر وذہن اور اعمال وخدمات کی وسعتوں کے لحاظ سے ملت اسلامیہ کی ایک معتبر ومتعارف شخصیت تھے، اسی لحاظ سے ان کی وفات سے عمومی طور پر غیر معمولی غم محسوس کیا گیا ہے۔ مولانا مرحوم اختلاف اور اتفاق میں بھی اصولوں کو اہمیت دیتے تھے، نفاق کا مزاج میں دخل نہیں تھا ان کا ظاہر اور باطن یکساں تھا، ماضی میں باہمی روابط میں فی الجملہ فرق سے پیدا شدہ جماعتی بُعد میرے لئے طبعی طور پر تکلیف دہ تھا، اسی لئے تمام حوادث سے صرف نظر کرتے ہوئے جب میں نے مولانا سے رابطہ قائم کیا، تو مجھے بے حد خوشی اور مسرت محسوس ہوئی کہ مولانا مدنی نے حسب توقع فراخ حوصلگی سے لبیک کہا اور اس کے نتیجہ میں الحمد اللہ تمام جماعتی بعد ختم ہوگیا اور زمانہ طالب علمی کے خوشگوار لمحات کی یاد ایک مرتبہ پھر سے تازہ ہوگئی، اختلافات کو درکنار کر کے انہوں نے میرے اور اپنے دیرینہ تعلقات کو جو بعض وجوہات کی بنا پر کشیدہ ہوگئے تھے پھر سے استوار کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی، بعض حضرات نے تعلقات کی استواری کو طرح طرح کے معنی پہنائے؛ لیکن مجھے اطمینان تھا کہ ہم دونوں کے درمیان ایک جذبہ صادق تھا جو اس کی وجہ بنا، جہاں تک مولانا کے کام اور خدمات کا سوال ہے وہ اظہر من الشّمس ہے، عمر کے آخری پڑاؤ پر بھی وہ ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبودی کے لئے سرگرم عمل رہے۔

مصلحت شناسی اُن کا عنصر غالب تھا

حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری، شیخ الحدیث وقف دار العلوم دیو بند:۔
مولانا اسعد مدنی کے والد مرحوم مرشد کامل، سپاہی مجاہد، نڈر انسان، سخی بلکہ ابر سخا، کریم، کرم نفسی کے پیکر تھے، مولانا اسعد مدنی صاحب مرحوم نے اپنی ان آبائی روایات کو بڑی حد تک نبھایا، وہ جمعیۃ العلماء کے صدر نشین رہے، دار العلوم دیو بند کے قائد، مسلم فنڈ دیو بند کے بانی اور بہت سی ملی وملکی تحریکات کے معمار وشریک تھے۔ خانقاہ مدنی ان کے انفاس سے گرم، ہندوستانی سیاست ان کے آتشیں نفوس سے تپتا ہوا ماحول، مستعد، فعال دوڑ دھوپ، جدو جہد ان کا امتیاز، لاریب وہ وسیع الحوصلہ وفراخ دل تھے، انہوں نے بڑے سے بڑے مجرم کو بھی معاف کرنے میں تأمل نہ کیا جس کا مظاہرہ خاتمہ عمر تک بھی ہوتا رہا، کون ایسا ہے جس کی تمام زندگی اختلاف کی زد میں نہ ہو؟ چنانچہ مرحوم کی سیاسی مصروفیات پر اشکالات بھی رہے اور بے چینیاں بھی، تاہم وہ ہر مخالفت کو برداشت کرتے، اور مصلحت شناسی ان کا عنصر غالب تھا، اپنے نامور باپ کی ہر گوشہ میں جانشینی کی اور کافی حد تک اس کا حق ادا کیا۔

عوامی خدمت اور تزکیہ نفس کا مثالی امتزاج

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:۔ مولانا سید اسعد مدنیؒ کی وفات ایک اہم حادثہ ہے ملت اسلامیہ خصوصاً مسلمانان برصغیر کو قدم بہ قدم ایسی بالغ نظر شخصیات کی ضرورت پڑتی رہتی ہے، جو علم وعمل کا حسین آئینہ دار ہو۔ درحقیقت اُنہوں نے اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی صحیح جانشینی اختیار کی اور اُنہوں نے ملک وملت کی فلاح و بہبود کے لیے بڑی جانفشانی سے کام لیا، تاریخ میں ایسی کم شخصیات گذری ہیں، جنہوں نے سیاست کے ساتھ اصلاح باطن کو بھی جمع کیا اور عوامی وسماجی زندگی میں رہتے ہوئے بھی علمی اشغال اور تزکیۂ نفس کی طرف توجہ کی۔ حضرت مولانا سید حسین

احمد مدنی نے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے پوری ایمانی جرأت وحمیت کے ساتھ انگریزوں سے مقابلہ کیا تھا اور متعدد بار جیل بھی گئے، وہ ایک ربانی بزرگ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور ہندوستان کی جنگ آزادی کے عظیم رہنما تھے، دوسری طرف تربیت وتزکیۂ نفس اور دعوت واصلاح کا کام بھی کرتے تھے۔

ان سب خصوصیات کو ان کے فرزند اکبر مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے اندر جمع کرنے کی کوشش کی، چنانچہ وہ تعلیم وتدریس سے بھی وابستہ رہے، انہوں نے دعوت واصلاح کے کام کے ساتھ سیاست کے میدان کو بھی اختیار کیا، جس کی انہوں نے ملت کے فلاح وبہبود کے لئے ضرورت سمجھی، چنانچہ انہوں نے پارلیمنٹ کی سطح سے مسلم مسائل کے حل کی کوششیں کیں، انہوں نے مسلمانوں کے مسائل کو اعلیٰ حکام وارباب اقتدار تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، انہوں نے عرب ممالک کے بھی دورے کئے، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے پروگرام میں بھی مدعو کئے جاتے تھے، جمعیۃ علماء ہند کے وہ صدر رہے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور متعدد اداروں کے سرپرست وروح رواں تھے، ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔

مولانا اسعد مدنی عالم اسلام کی مثالی شخصیت تھے

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب امیر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان:- مولانا مدنیؒ نہ صرف ایک عالم دین تھے؛ بلکہ عظیم الشان بھی تھے، مولانا مدنی ہندوستان کے ہی نہیں عالم اسلام کی مثالی شخصیت تھی۔ مولانا مدنی قومی یکجہتی کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات میں ہمیشہ بہتری لانے کی کوشش کرتے رہے، مولانا مدنی کے اندر ہمدردی غم گساری کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ پاکستان میں ہلاکت خیز زلزلہ آیا تو مولانا مدنی نے کروڑوں روپیہ وہاں روانہ کیا، مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا مولانا اسعد مدنی جیسی شخصیت صدیوں میں جا کر پیدا ہوتی ہے۔

عظیم باپ کی اَداؤں کے امین

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب (صاحب زادۂ حضرت شیخ الحدیثؒ) سرپرست جامعہ مظاہر علوم سہارن پور:- بھائی اسعد صاحب مرحوم کا تعلق میرے والد حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ جتنا محبانہ اور بے تکلفانہ تھا اُس کو دیکھنے والے آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب مولانا اسعد صاحب اپنے معاملات اور مسائل- چاہے وہ گھریلو ہوں اور چاہے ملی و دینی ہوں- میں مشورہ کرنے کے لئے بہت کثرت کے ساتھ سہارن پور کے گھر میں تشریف لایا کرتے تھے۔ عام طور سے یہ آمد اَذان اور نماز فجر کے درمیان ہوا کرتی تھی، وہ تشریف لاتے اور خاموشی کے ساتھ تخلیہ میں والد ماجد سے مشورہ کرکے فوراً روانہ ہوجایا کرتے تھے۔ حضرت والد صاحب بھی ان کے ساتھ بہت بے تکلف ہوکر بات کیا کرتے تھے، اور عام طور پر زبانی گفتگو میں یا خط وکتابت میں پیارے اسعد کہہ کر مخاطب ہوا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا مرحوم نے تحریک شروع کی اور اُس کے لئے گرفتار ہوکر سہارن پور جیل گئے اور والد ماجد کو اس کی تفصیلات کا علم ہوا تو اُن کو سن کر بے اختیار یہ جملہ فرمایا تھا کہ ’’اب اسعد اپنے باپ کی اَداؤں پر آگیا‘‘۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور ان کی تمام دینی وملی نشانیوں کی بالخصوص دارالعلوم اور جمعیۃ العلماء کی پوری پوری حفاظت فرمائے اور اپنوں وغیروں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

باطل کے خلاف سینہ سپر

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم:- ہمارے حضرت اقدس امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی برد اللہ مضجعہ کی وفات کے صدمے میں ہم یہاں اتنی تعداد میں جمع ہوئے ہیں کہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد میں نے یہاں نہیں دیکھی، یہ بڑا مجمع شاہد عدل اور بہترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو برگزیدہ بنایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو بڑا درجہ عطا فرمایا تھا جو خال خال کسی کو ملتا ہے اور

لاکھوں میں کسی کو ملتا ہے۔ حضرت مولانا کے اندر اتنی زیادہ خوبیاں تھیں، تھوڑے سے وقت میں ساری خوبیاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ دو تین باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ حضرت کی ایک اہم خوبی اُن کی تواضع تھی وہ اپنے بڑوں کے سامنے بچھے رہتے تھے۔ اِس سلسلہ میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب نے اپنے ساتھ پیش آمدہ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک ریلوے اسٹیشن پر حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے ہم چھوٹوں کا بڑا خیال رکھا اور ٹکٹ لینے کے لئے کھڑکی پر لائن میں خود لگ گئے، ہم نے بہت اصرار کیا کہ ہم خود لے لیں گے؛ لیکن حضرت نہ مانے۔ اُن کی دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ باطل کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے، وہ باطل سے کمپرومائز کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ آپ کو ہندوستان میں اُن کے علاوہ کوئی نہ ملے گا، جس نے مودودیوں سے ایسی ٹکر لی ہو۔ اسی طرح پورے ملک کو قادیانیوں کے خلاف حضرت مولانا نے بیدار کیا اور دارالعلوم دیوبند میں تحفظ ختم نبوت کا شعبہ بہت پہلے قائم کرایا، وہ ملک اور دنیا کے حالات سے باخبر رہتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ پاکستان میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے جانے کے بعد ضرور ہندوستان کا رخ کریں گے اور ایسا ہی ہوا، انھوں نے غیر مقلدین کا کامیاب رد کیا، اور تحفظ سنت کانفرنس کی جو بے حد کامیاب رہی، اُن کے اندر خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، اُن کی وفات سے ساری ملت کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔

قوم وملت کے سرپرست اور جماعت کے ستون اعظم

حضرت مولانا عبدالحق اعظمی دامت برکاتہم شیخ ثانی دارالعلوم دیوبند:- حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ قوم وملت کے سرپرست امیر الہند اور ہماری جماعت کے ستون اعظم تھے، باطل نے کہیں بھی سر اٹھایا، انہوں نے اس کا مقابلہ کیا، ہمارے اطراف میں جماعت اسلامی نے سر اٹھایا تو شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے سب سے پہلے اس کا مقابلہ کیا، بیت العلوم سرائے میر کے جلسے میں حضرت نے فرمایا کہ خوارج، معتزلہ، جہمیہ، جبریہ اور قدریہ کی طرح مودودی جماعت بھی ضال اور مضل ہے۔

اسی طرح حضرت امیر الہند نے بھی تمام باطل فرقوں اور جماعتوں کا مقابلہ کیا ہے۔ بہرحال موت برحق ہے، اسے کوئی ٹال نہیں سکتا:

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی ❖ جان ٹھہری جانے والی جائے گی

لیکن جانے والے مختلف ہوتے ہیں ایک وہ ذات ہوتی ہے جس کی وفات پر زمین وآسمان، شجر وحجر، حتی کہ سمندروں میں مچھلیاں سب رو رہے ہیں اس لئے کہ وہ ذات باعث رحمت تھی، اس کی وجہ سے عالم میں رحمت آتی تھی، حضرت کی ذات بھی ملک وملت اور دنیا کے لئے رحمت تھی، ان میں بڑوں کا احترام اور توقیر بہت تھی آج ہم سب قابل تعزیت ہیں۔ اللہ تعالی حضرت کی مغفرت فرمائے اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

جامع کمالات شخصیت

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب زید مجدہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند:-

تاریخ بتاتی ہے کہ اربابِ اقتدار کے ظلم و جبر کے خلاف علماء کوفہ نے سب سے زیادہ آواز اٹھائی ہے اور ظالم وجابر حکمرانوں کے خلاف سینہ سپر رہے ہیں۔ علماء کوفہ ہی کی طرح علماء احناف بھی ہیں، ہندوستان میں حکومت کے فیصلوں کے خلاف جہاد سب سے پہلے انہیں علماء احناف نے کیا ہے۔ ان سے متأثر ہوکر دوسروں نے بھی یہ کام کیا ہے، علماء احناف میں حضرات علماء دیوبند کا تو طرۂ امتیاز یہ وصف رہا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی بڑے کمالات اور اوصاف حمیدہ کی حامل تھی، اپنے معاصرین میں وہ تمام کمالات وخوبیوں کے جامع نظر آتے تھے، وہ سیاست کے میدان میں بھی نمایاں رہے، تعلیم وتدریس کے میدان میں بھی فائق رہے، سلوک وتصوف میں بھی کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔ اُن کے معاصرین میں کوئی علمی میدان میں نمایاں ہے، کوئی خانقاہی میدان میں ممتاز ہے، کوئی اصلاحی کام میں بڑھا ہوا ہے؛ لیکن اِن تمام کاموں میں جامع حضرت شیخ الاسلام کی ذات تھی۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اُن تمام کمالات میں اُن کے جانشین تھے، جو جامعیت اُن میں تھی وہ اُن کے

معاصرین میں نہ تھی، وہ بڑے فہم وفراست اور تدبر کے حامل تھے، فتنوں اور حالات آئندہ کا بہت پہلے ادراک کرلیتے تھے، حضرتؒ نے جونقوش چھوڑے ہیں ہم کوانہیں باقی رکھنا ہے۔

صفاتِ محمودہ کی جامع ہستی

حضرت مولانا قمرالدین صاحب استاذ حدیث وسابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند زید مجدہم:- حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ جس ذات گرامی کے ذریعہ سے دین اور ملک وملت کا کام لینا ہوتا ہے تو اس میں خوبیاں اور صفات بھی ویسی پیدا کردی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی ذاتِ گرامی رات میں شب زندہ دار اور دن میں مجاہدو شہ سوار کی مصداق تھی، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے جانشین تھے اور صفاتِ محمودہ کے حامل تھے، انہوں نے ملک وملت کی خدمت میں اپنی حیاتِ طیبہ کے روز وشب صرف کئے، اپنے راحت وآرام کا خیال نہ کیا، حضرت کے یہاں سب سے زیادہ اہتمام نماز کا تھا اُن جیسی نماز پڑھنے والا میں نے کسی اور کو نہ دیکھا، حضرت بڑے سرپرست تھے جو ہر موقع پر دارالعلوم کے لئے اور قوم وملت کی خدمت کے لئے کمربستہ رہتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حضرت مولانا نے زندگی کا حق ادا کیا

حضرت مولانا غلام رسول خاموش زید مجدہم کارگذار مہتمم دارالعلوم دیوبند:-
حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر جتنا افسوس ہے، ان کی زندگی پر اتنی ہی خوشی بھی ہے، اُنہوں نے بڑی قابل رشک زندگی گذاری ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زندگی کا حق ادا کردیا، اور بتادیا کہ دنیا میں اس طرح زندگی گذاری جاتی ہے، اُن کی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو دیکھئے، دین کے لئے اور اُمت کی فکر میں کتنے اسفار کئے، کتنی پریشانیاں جھیلیں، وہ سفر سے بھی تھکتے نہ تھے، یہاں دارالعلوم کی شوریٰ ہوتی، تو ایک دن پہلے معلوم ہوتا کہ وہ فلاں صوبے یا فلاں ملک میں ہیں؛ لیکن وہ دور دراز کا سفر کرکے تشریف لاتے اور شوریٰ میں شریک ہوتے۔ حضرت

مولانا کتنے تقویٰ اور عبادت کی زندگی گذارتے تھے، سب سے بڑی ان کی خوبی یہ تھی کہ انہیں جس مقصد کے لئے اللہ نے پیدا کیا تھا، اُنہوں نے اس مقصد میں اپنی زندگی گذاردی، مولانا نے اپنی پوری جوانی اس میں لگائی، مولانا نے اپنی دولت اس میں لگائی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیماری بھی لگادو، اور مولانا نے بیماری بھی لگادی، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

ہمہ جہت شخصیت

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی قاسمی اُستاذ دارالعلوم و مدیر ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' زید مجدہم:-

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ❖ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

میرا دل و دماغ اس حادثہ جاں کاہ سے بے حد متأثر ہے، میں اپنی معلومات کی حد تک حضرت کی شخصیت پر اس وقت روشنی ڈالنے پر قادر نہیں ہوں، میں ۳۶/ سال سے زیادہ عرصہ تک حضرت سے وابستہ رہا ہوں، حضرت مولاناؒ کی شخصیت بے حد ہمہ جہت اور ہمہ گیر تھی، حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کی بقاء و استحکام کے لئے جو تحریک شروع کی تھی، اور اُن کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے جس کو عروج وکمال تک پہنچایا، حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ اُس تحریک کی آخری کڑی تھے۔ آپ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی ایک چھاپ چھوڑی، وہ ایک طرف پارلیمنٹ میں حق وصداقت کی آواز بلند کررہے تھے، تو دوسری طرف ہزاروں مدارس کے سرپرست تھے۔ وہ مسلمانوں کے مسائل کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے، دیوبندیت کے فروغ اور اسلامی عقائد کے تحفظ اور باطل کی سرکوبی کے سلسلہ میں اُن کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ دیوبندیت اور مسلک حق پر یلغار ہوتی تو ان کی ذات سدسکندری بن جاتی، ہندوستان میں جب قادیانیوں نے سر اٹھایا یا عیسائیت کی تبلیغ ہوئی، یا غیر مقلدین نے جارحیت شروع کی، تو حضرت مولانا نے ذمہ داران واَساتذۂ دارالعلوم کو متوجہ کیا، اور دارالعلوم میں اپنے اثر ورسوخ سے تحفظ ختم نبوت، محاضراتِ علمیہ اور ردعیسائیت

کے شعبے قائم کرائے۔ اسی طرح جب مدارس کے خلاف فرقہ پرستوں نے آواز اٹھائی، تو اُنہوں نے پوری پامردی سے فرقہ پرستوں کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔

ملک وملت فکر مند شخصیت سے محروم

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:- ہند وپاک کے مسلمان ایک عظیم عالم ورہنما اور ملک وملت کے لئے فکر مند شخصیت سے محروم ہوگئے، وہ اپنے عظیم والد کے نقش قدم پر چلتے رہے، جب کبھی دین وملت کے خلاف کوئی نازیبا بات سامنے آتی، تو وہ سینہ سپر ہوجاتے اور آواز اٹھاتے، متعدد تاریخ ساز اجلاس جمعیۃ علماء کے پلیٹ فارم سے اُنھوں نے کئے اور ''ملک وملت بچاؤ'' کے عنوان سے تحریک چلائی۔ مولانا اعظمی نے کہا کہ کسی بھی رہنما اور قائد کے لئے یہ خوش نصیبی ہوتی ہے کہ اسے مخلص وجاں نثار معاونین مل جائیں، جو اُس کے مشن سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مولانا سید اسعد مدنی کو ایسے رفقاء ومعاونین مل گئے تھے، جنہوں نے اُن کی مہم اور مشن کو اپنا نصب العین بنایا؛ حتیٰ کہ انہوں نے صورت اور وضع قطع میں بھی اپنے آپ کو مولانا سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، یہ تاثیر مولانا مرحوم کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

عظیم والد کی عظیم اولاد

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی اُستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ:- مولانا مرحوم ایک عظیم باپ کے عظیم بیٹے تھے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ علم وعمل کے پیکر تھے، مولانا نے بھی ان صفات کو اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی، انہوں نے ملی مسائل کو بغیر کسی مرعوبیت کے پوری قوت وجرأت سے ایوان حکومت میں اُٹھایا اور انہیں اربابِ اقتدار وحکومت تک اپنی بات مؤثر انداز میں پہنچانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی، موجودہ دور میں اُن کا کوئی ثانی نہیں تھا، اُن کا سیاسی مقام جو تھا وہ اپنی جگہ ہے، اُن کا دینی مقام بھی بہت بلند تھا، وہ رخصت پر عزیمت کو ترجیح دیتے تھے، سخاوت ومہمان نوازی اور ایثار اُن کی نمایاں صفات تھیں، دوشنبہ کے

دن اُن کی وفات ہوئی اور اتنے بڑے مجمع نے اُن کے جنازہ وتدفین میں شرکت کی جسے ایک تاریخی مجمع کہا جائے گا، یہ سب اچھے آثار وعلامات ہیں۔

ملت اسلامیہ انھیں یاد رکھے گی

مولانا سید محمد شاہد صاحب سکریٹری جامعہ مظاہر علوم سہارنپور:- حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کا حادثہ وصال کوئی ایسا معمولی حادثہ نہیں ہے جس کو معمولی سمجھ لیا جائے؛ بلکہ یہ ایک کاری زخم ملت اسلامیہ کو عموماً اور ہندستانی مسلمانوں کو خصوصاً لگا ہے، جس کی کسک نہ معلوم کب تک محسوس کی جاتی رہے گی؟ اور ماضی کی طرح مستقبل میں جب بھی ملت کی رہبری کی ضرورت پیش آئے گی، تو حضرت مولانا مرحوم کا سراپا بے اختیار نظروں کے سامنے آجائے گا اور ان کے مجاہدانہ عزائم کی تصویر ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے بھرپور انداز میں آجائے گی۔ ہمارے لئے اور جامعہ مظاہر علوم کے لئے اِس سانحہ کی سنگینی اس وجہ سے بھی بڑھی ہوئی ہے کہ وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی پسندیدہ اور منظور نظر شخصیت تھے، ویسے تو دین کے تمام شعبے اُن کی حیات سے فروغ پا رہے تھے؛ لیکن بطور خاص مدارس عربیہ اسلامیہ کو اُن کی ذات سے بڑی تقویت اور ڈھارس تھی، جب جب بھی اور خصوصاً ماضی قریب میں مدارس عربیہ اسلامیہ کے خلاف سازشیں کی گئیں اور اُن کو دہشت گردی جیسے قبیح فعل کی طرف منسوب کر کے اُن کی سنہری تاریخ پر دھبہ لگانے کی مذموم کوشش کی گئی، تو حضرت مرحوم کی ایک ہی مجاہدانہ للکار سے اُن لوگوں کے ناپاک اور مکروہ عزائم تہس نہس ہو گئے۔ بلاشبہ ہندوستان کی وہ ایک واحد شخصیت تھے کہ جن کی آواز اور للکار سے گلی سے پارلیمنٹ میں بیٹھنے والوں تک لرزہ براندام ہو جاتے تھے اور وہ اپنے اسلام دشمن قدموں کو پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

ایک عظیم فعال ومتحرک شخصیت

مولانا عمید الزماں قاسمی کیرانوی جنرل سکریٹری مسلم مجلس مشاورت:- مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اس معنی میں نہایت خوش قسمت تھے اور یہ آپ کی شخصیت کا انتہائی

اہم پہلو بھی ہے کہ صرف ہندوستان ہی نہیں؛ بلکہ برصغیر کے دوسرے ممالک پاکستان اور بنگلہ دیش میں آپ سے تعلق ونسبت اور عقیدت ومحبت رکھنے والے لوگوں پر مشتمل بڑے حلقے موجود ہیں، اگرچہ کسی معنی میں یہ بات صحیح ہوسکتی ہے کہ عموماً یہ وہ حلقے ہیں جو انہیں والد مرحوم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی جانشینی کی بنیاد پر وراثت میں ملے تھے، تاہم یہ صرف ایک نصف حقیقت ہے، باقی نصف حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے جو بڑی اور نمایاں خوبیاں ودیعت کی تھیں، ان میں سے ایک نہایت اہم خوبی ''کسب افراد'' کی ہے، مزاج شناسی میں ایک ماہر نفسیات کی خوبیاں ان کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں، وہ دلوں کو جیتنے اور انہیں اپنا بنانے کا گر اور ہنر جانتے تھے۔ مولانا کو اللہ نے دینی علم اور عصری شعور آگہی کے علاوہ گہری اور وسیع ملی وسیاسی بصیرتوں سے بھی نوازا تھا، اس طرح ان پر ''ملی اسٹیٹس مین'' کا لقب یا صفت بھی بجا طور پر صادق آتی ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جھلک

مولانا امام علی دانش قصبہ محمدی لکھیم پور:- حضرت والا کی زندگی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ تھی، ایک شخص نے صحابۂ کرام کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے ''**وھم فرسان بالنھار ورھبان باللیل**'' وہ دن میں گھوڑ سوار ہیں، دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرتے ہیں اسلام کو غلبہ دلانے کے لئے قربانیاں دیتے ہیں، اور رات کو کچھ دیر آرام کیا پھر اللہ کے حضور کھڑے ہوگئے نماز پڑھتے ہیں، روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں، جیسے دنیا کی لذت سے انہیں کوئی واسطہ ہی نہ ہو، تو دن کے شہ سوار اور رات کو رونے گڑگڑانے والے صحابۂ کرامؓ تھے۔ اسی طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بھی ہمہ جہتی زندگی ہے، انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، حضرت کی زندگی میں صحابۂ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ کی جھلک موجود تھی۔

زندگی کے چند روشن پہلو

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی مہتمم مدرسہ شاہی:- عزیز ساتھیو! ایک انسان

بہت سی خوبیوں کا مالک ہوتا ہے، وہ عالم بھی ہے، ڈاکٹر بھی ہے، بہت اچھا فنکار بھی ہے، مگر ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ دیکھو اس کے معاملات کیسے ہیں؟ اس کا برتاؤ کیسا ہے؟ اس کا لوگوں سے ملنا جلنا کیسا ہے؟ برتاؤ بھی دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ ہے جو مریدین کے ساتھ ہوتا ہے، متوسلین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ایک وہ جو خاندان والوں کے ساتھ ہوتا ہے، بھائی بہنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انسان کی بہتری اور کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کے حقوق اَدا کرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق بھی ادا کرے۔ اگر حضرت والا کی زندگی پر نظر ڈالو گے تو یہ خوبی پوری طرح روز روشن کی طرح عیاں دکھائی دے گی، حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد اُن کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پسماندگان میں بچتی ہیں، سب بھائی اور بہن چھوٹے ہیں، اور حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی بڑے ہیں، ان یتیموں کے سروں پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں، جن کا باپ دنیا سے چلا گیا اُن بہنوں کو کون وداع کرے گا، جن کے ہاتھ ابھی پیلے نہیں ہوئے، جن کی رخصتی نہیں ہوئی، باپ جن کو نکاح کے بندھن میں نہیں باندھ سکا، ایک صرف بڑا بھائی ہے جس کو لوگ مولانا سید اسعد مدنی کہتے ہیں، اس بھائی نے اپنے بھائیوں اور بہنوں کی ایسی تربیت کی ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اس بھائی نے اپنی بہنوں کو، اپنے بھائیوں کو اور اپنی والدہ کو کبھی والد کے جانے کا احساس نہ ہونے دیا، ساری پریشانی خود برداشت کی، اُن کو کوئی غم نہ اُٹھانے دیا۔ حضرت مولانا کی زندگی کا یہ پہلو ہمیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اے مسلمانوں! اپنے اقرباء کی اپنے بھائی بہنوں کی حق تلفی سے بچو، ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں حقوق العباد کی ادائیگی کا پہلو صاف وشفاف نظر آتا ہے، اب حقوق اللہ کو دیکھئے! جن لوگوں نے حضرت کی نماز کو دیکھا ہے، حضرت کے رمضان کو دیکھا ہے، جنہوں نے حضرت کی تلاوت کو دیکھا ہے، جنہوں نے حضرت کی تہجد کو دیکھا ہے، اور جنہوں نے حضرت کی رات کو دیکھا ہے، وہ گواہی دیں گے کہ اللہ کا یہ بندہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی کبھی غفلت کا شکار نہیں ہوا۔ جس کا ایک پاؤں گھر میں اور ایک پاؤں گھر

سے باہر رہتا ہو، وہ نماز باجماعت کا اتنا اہتمام کرے، اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور جب نماز پڑھنے کھڑے ہوجاتے جب نیت باندھ لیتے، تو اب کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی، نہایت ہی اطمینان سے نماز پڑھتے، ارکان کی ادائیگی کا اس قدر لحاظ کرتے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ حقوق اللہ کو اس قدر دلچسپی سے ادا کرتے تھے، اور پھر حقوق العباد کو صرف اپنے خاندان والوں، اپنے رشتہ داروں تک ہی محدود نہیں رکھتے؛ بلکہ اس کے احسانات اور اس کے عنایات سے اُمت کے ہر فرد نے فائدہ اُٹھایا ہے۔

یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ اسلام کے نام پر، قرآن کے نام پر، اللہ کے اور اس کے رسول کے نام پر، باطل کے سامنے سینہ سپر ہوجاتے تھے، کبھی کسی کے سامنے جھکنے اور مرعوب ہونے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا تھا، اللہ نے اس قدر قوت اور حوصلہ عطا کیا تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ ایک صاحب نے بتایا کہ حضرت کی مغفرت کے لئے ایک ہی کارنامہ کافی ہے کہ حکومت ہند نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ آسام اور بنگال کے مسلمانوں کو غیر ملکی کہہ کر اُن کو ہندوستان کی حدود سے باہر نکال دیا جائے۔ بارڈر سے باہر اُن کو نکال دیا جائے، اور یہ ناانصافی صرف مسلمانوں کے ساتھ تھی، جو برسوں سے ملک کے اندر رہ رہے تھے۔ ذرا آپ سوچئے! کہ ان کو غیر ملکی کہہ کر ملک بدر کردیا جائے کہ بنگلہ دیشی ہیں، تو ان مسلمانوں کی بربادی کا کیا عالم ہوگا؟ ان کے پاس رہنے کو مکان نہیں، کھانے کو کھانا نہیں، کیا عالم ہوگا؟ تن تنہا مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات تھی، آپ کھڑے ہوئے، جمعیۃ علماء کو کھڑا کیا، ایک ایک سیاسی لیڈر سے ملے اور بہت ہی جدوجہد فرمائی، جس کے نتیجے میں وہ لاکھوں مسلمان جو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور تھے، حضرت کی کوششوں سے چین وسکون کی زندگی بسر کررہے ہیں، یہ سب مسلمان آخرت میں حضرت کی مغفرت کی سفارش کریں گے۔ آج اہانت رسول کا موضوع ہے، اگر حضرت زندہ ہوتے تو رسول کی عظمت کی خاطر رام لیلا گراؤنڈ میں حضرت کی آواز پر لاکھوں آدمی لا الٰہ الا اللہ کا پرچم لہراتے۔

ایک مسلمان آسمانی آفات سے برباد ہوتا ہے، یا فسادات کی وجہ سے برباد ہوتا ہے، جو بھی شکل ہو مولانا اسعد مدنی اُس کی مدد کے لئے وہاں موجود ہے۔ ’’خیر الناس من ینفع الناس‘‘ (لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے) حضرت کی زندگی سے جو لوگوں کو فائدہ پہنچا، اُس کو بیان کرنے کے لئے ایک دن نہیں، ہفتے نہیں، اگر اس کو گنا یا جائے تو اس کے بیان کے لئے مہینوں چاہئے۔ ہم سب یہاں پر اُن کے محاسن کو بیان کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ہم لوگوں کو دو کام کرنے ہیں: ایک کام تو یہ ہے کہ حضرت کی زندگی کی جو بات ہمارے سامنے آئے، ہم اُس کو اپنے دل ودماغ میں پیوست کرنے کی کوشش کریں۔ اَولیاء کرام کے واقعات بیان کرنے کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ ہم اس کی روشنی میں خود کو سنوارنے کی کوشش کریں۔ اور دوسرا کام یہ ہے کہ اُن کے رفع درجات کے لئے ایصالِ ثواب کریں، اللہ تعالیٰ اُن کو کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائیں، آمین۔

ہم نے دیکھا تھا ایک فدائے قوم

جناب حافظ محمد صدیق صاحب سابق ایم پی:- حضرت کی وفات ہمارے لئے بہت تکلیف دہ ہے، حضرت کا میرے ساتھ جو مشفقانہ اور ہمدردانہ سلوک رہا ہے، اس کو میں ساری زندگی نہیں بھول سکتا، سفر میں ساتھ رہا، دہلی میں ساتھ رہا، اس میں کوئی شک نہیں اعتماد فرماتے تھے، اور میں کبھی کبھی گستاخی کرتا تھا۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے کہ جمعیۃ العلماء کا اجلاس عام رام لیلا گراؤنڈ میں ہونا طے ہوا، گرمی کا موسم تھا حضرت سے درخواست کی کہ حضرت گرمی کا موسم ہے، فصل کٹے گی، تیاری نہ ہو سکے گی، لوگ نہ آسکیں گے، تو حضرت نے فرمایا کہ اسی موسم میں اجلاس ہوگا اور اِن شاء اللہ کامیاب ہوگا۔ آپ سب حضرات نے دیکھا کہ اجلاس کامیاب ہوا، اور اس کے نتائج بھی ہمارے سامنے آئے۔ آپ نے سنا، حضرات علماء کرام نے فرمایا کہ حضرت کی تین زندگیاں تھیں: حضرت جہاں کٹر مذہبی تھے وہاں سیاسی بھی تھے، سماجی بھی تھے۔ مجھے خوب یاد ہے جب حضرت ایم پی تھے، حضرت نے مجھ سے کہا کہ فیض آباد چلنا ہے،

وہاں جھگڑا ہوگیا ہے کرفیو لگ گیا ہے، حضرت دیوبند سے دہلی کے لئے تشریف لانے لگے، میرٹھ میں ایکسی ڈنٹ ہوگیا، ٹانگ ٹوٹ گئی، اور اسپتال میں ایڈمٹ ہوگئے، میں دہلی پہنچ چکا تھا، اطلاع ملنے پر میرٹھ اسپتال حاضر ہوا، حضرت بے ہوش تھے، ہوش آنے پر فرمایا: تم فیض آباد جاؤگے اپنا پروگرام کینسل مت کرنا، یہ اُن کے اندر تڑپ تھی، کوئی بات وہ مسلمانوں کے بارے میں سننا گوارا نہیں کرتے تھے، ہر موقع پر سینہ سپر ہوکر میدان میں آتے تھے، مسلمانوں کے لئے ایسی تڑپ رکھنے والا انسان مشکل سے پیدا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جیسا کوئی انسان پیدا کردے اور اِن شاء اللہ مدنی خاندان میں کوئی اور پیدا ہوگا، جو جماعت اور قوم کی رہنمائی کرے گا۔ یہ اجلاس اس لئے ہورہا ہے تاکہ ہم حضرت کی سوانح کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سدھاریں۔ علماء کرام نے حضرت کی نماز کا حال بیان کیا، میں نے خود دیکھا ہے کہ پارلیمنٹ کا اجلاس چل رہا ہے، مجھے بلایا کہ آؤ چلو نماز پڑھیں گے، مسجد عبدالنبی آکر ایسی نیت باندھی کہ پھر کوئی پتہ نہیں کہ مجھے کہاں جانا اور نہیں جانا ہے، اللہ کے ولی اس کے ایسے شیر بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ ایک بات نہیں ہے؛ بلکہ اگر میں سناؤں تو ختم نہیں ہوں گی، بابری مسجد کی شہادت کے موقع پر فساد ہوا، احمد آباد میں مسلمانوں کی املاک کو جلادیا گیا، اسی طرح بمبئی اور بھوپال میں، حضرت نے فرمایا چلنا ہے، میں حاضر ہوگیا، گئے ایک ایک چیز دیکھی، ہر ہر جگہ گئے اور نماز جمعہ میں اس طرح کا خطبہ دیا کہ سننے والے سب کے سب رو رہے تھے، اُن کے قلب میں درد بھرا ہوا تھا۔

آسام کے چیف منسٹر سے ملتے ہیں کہ مسلمانوں کی املاک کو جلایا گیا ہے؟ اُن کو نقصان پہنچایا گیا ہے، آپ کو تدارک کرنا ہے اور اُن کو معاوضہ دینا ہے، اور اُن کے اندر جو احساس کمتری ہے اُس کو دور کرنا ہے۔ اِس بات چیت کے بعد مجھ سے فرمایا کہ ابھی اسی شام کی ٹرین سے بمبئی کا سفر کرنا ہے، اُس وقت سفر اتنا مشکل ہورہا تھا کہ مسلمان ڈر ڈر کر سفر کرتے تھے، اِسی خوف کی حالت میں بمبئی پہنچے، وہاں پر مسلمانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا تھا، اُن کی بہت ساری املاک جلادی گئی تھیں، لوگ اِس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ اپنے متعلقین کو اسپتال میں دیکھنے نہیں جاتے

تھے، آپ نے سب لوگوں کو لیا اور اسپتال گئے، لوگوں کے دلوں سے ڈر کو دور کیا۔ آسام میں ہندو مسلم فساد ہوا، مسلمانوں کی املاک کو جلا ڈالا گیا، ہم اور مولانا اسجد مدنی دورہ کرنے گئے، ایسی ایسی جگہ گئے کہ لوگ تصور نہیں کر سکتے تھے، مسلمان ڈرے ہوئے تھے، کیمپ میں رہ رہے تھے، اُن کے مکان جلا دئے گئے تھے، وہ اب تک کیمپ ہی میں پڑے ہوئے تھے۔ چند دنوں پہلے کی بات ہے کہ آسام کی راجدھانی گوہاٹی میں اجلاس جمعیۃ علماء ہو رہا تھا، وہاں چیف منسٹر تھے، گورنر بھی اور دیگر وزراء بھی تھے، اُن سب کی موجودگی میں آپ نے کہا کہ آج تک دس سال ہو گئے، ان مسلمانوں کو آباد نہیں کیا گیا، آخر کیا وجہ ہے؟ اور اِس بات کا جب چیف منسٹر نے کوئی جواب دیا تو اُس سے لاؤڈ اسپیکر چھین لیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس طرح کے کام کے لئے ہمت چاہئے، ایسا انسان ہم سب کے بیچ سے چلا گیا، ہم سب کو اُن کے لئے ایصالِ ثواب کرنا چاہئے۔

خانوادۂ مدنی کا گل سرسبد

حضرت مولانا الطاف الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حیات العلوم مرادآباد:-

حضرت مولانا کے خاندان سے میرے خاندان کا قریبی تعلق رہا ہے، اور علمی فیض جو کچھ بھی ہے وہ اسی خاندان کا فیض ہے۔ حضرت کی خدمات تاریخ کے انمول نقوش ہیں ان کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ حضرت نے مسلمانوں کے اندر وہ اجتماعیت پیدا کی ہے جس کی بہت زیادہ ضرورت تھی، آزادی کے بعد مسلمانوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا، حضرت نے اکابر کے ایک بڑے خواب کو پورا کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کی خواہش تھی کہ مسلمانوں کا ایک امیر ہونا چاہئے، جس کی سب لوگ بات مانیں، اس سلسلے میں حضرت نے جمعیۃ علماء کے دفتر دہلی میں نومبر ۱۹۸۶ء میں ایک بہت بڑا اجتماع کیا، اس میں حضرت نے فرمایا کہ مسلمانوں کا شیرازہ جو بکھرا ہوا ہے، اس کا کوئی علاج نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان کا ایک امیر ہو، لہٰذا اس اجلاس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ امیر الہند منتخب کئے گئے، اور آپ کو نائب امیر الہند منتخب کیا گیا، آج بھی الحمد للہ وہ نظام

سارے ملک میں امارت شرعیہ کے نام سے قائم ہے، اور ہمارے شہر مرادآباد میں بھی قائم ہے، اور کافی مسائل طلاق و نکاح کے اس میں حل کئے جاتے ہیں۔

عالم اسلام کی عظیم شخصیت

حضرت مولانا محمد اعلم صاحب مہتمم جامع الہدیٰ مرادآباد:- موت برحق ہے، ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں نہیں رہے تو کون ایسی شخصیت ہے اور کون ایسا فرد ہے جو یہاں باقی رہے گا؟ لیکن جانے والوں کے کارنامے یاد کئے جاتے ہیں اور اُن کو یاد کرنا بھی چاہئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ عیدگاہ مرادآباد کے میدان میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، اور گل شہید پر چند شرپسندوں کی شرارت کی وجہ سے پورے علاقہ کو تباہ وبرباد کرنے کی کوشش کی گئی، آگ وخون کی ہولی کھیلی گئی، لاشیں تڑپ رہی تھیں، انہیں کتے گھسیٹ رہے تھے، کسی کی ہمت نہیں تھی کہ وہ مرادآباد میں قدم رکھ سکے، وہ پہلا مرد مجاہد تھا جو مرادآباد میں ایسے حالات میں آیا، وہ مولانا اسعد مدنی ہی تھے جو اُس وقت کے وزیر داخلہ گیانی ذیل سنگھ کو مرادآباد لے کر آئے، اور انہیں وہ لاشیں دکھائیں کہ یہ ہے آپ کی جمہوریت، جس کی وجہ سے پندرہ اگست کو ملک کی وزیر اعظم اندرا گاندھی کو یہ کہنا پڑا کہ میں مرادآباد میں مارے گئے مسلمانوں کی وجہ سے غمگین ہوں، آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں اپنے بیٹے سنجے گاندھی کے حادثہ پر مغموم ہوں، ایسا نہیں ہے؛ بلکہ میں مرادآباد کے فساد کی وجہ سے مغموم ہوں۔ صرف یہی نہیں؛ بلکہ مولانا کی خدمات اس سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ یہ ہماری اُمت کا سانحہ ہے کہ جو لوگ کام کرتے ہیں ہم انہیں کو گالیاں دیتے ہیں اور جو شور مچاتے ہیں، کام کچھ نہیں کرتے، ہم اُن کی تعریف کرتے ہیں۔

یہ جمعیۃ علماء ہند کا کارنامہ ہے کہ اگر آزادی کے بعد ۱۹۴۷ء کے واقعات کے موقع پر جمعیۃ کھڑی نہ ہوتی اور جدوجہد نہ کرتی اور مسلمانوں کے اندر حوصلہ پیدا نہ کرتی تو وہی حشر ہوتا جو برما کے اندر ہوا، کچھ کو سمندروں میں پھینک دیا گیا، اور کچھ قتل کردئے گئے، اور بیچارے جگہ جگہ

مہاجر بنے ہوئے ہیں، کس مپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر جمعیۃ علماء سہارا نہ دیتی تو یہاں پر بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو سکتے تھے، جمشید پور کا فساد ہوا کس نے آواز اٹھائی؟ جبل پور کا فساد ہوا کس نے آواز اٹھائی؟ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے جمہوری کنونشن بلاکر یہ کارنامہ انجام دیا، ملک وملت بچاؤ تحریک چلاکر مسلمانوں کو کس نے یہ حوصلہ دیا کہ وہ میدان میں آئیں؟ اور وہاں جاکر قربانیاں دیں۔ یہ مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمات ہیں کہ آج مسلمان اس قابل ہیں کہ وہ اپنے مطالبات کو برسر عام حکومت کے سامنے رکھ سکتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ کون سا مطالبہ پورا ہوا؟ اور کون سا پورا نہیں ہوا؟ قوموں کی زندگی میں یہ حالات پیش آتے رہتے ہیں؛ لیکن قوم کے اندر حوصلہ پیدا کرنا، اُس کو اس کے مطالبات کا احساس دلانا، اُس میں ہمت وجرأت پیدا کرنا یہ ایک بہت بڑا کام ہے، جس کو الحمد للہ حضرت مولانا نے کر دکھایا۔

ہر معاملہ میں سینہ سپر

امام شہر جناب حکیم سید معصوم علی آزاد صاحب:- حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات ملت کا ایک بہت بڑا سانحہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ علماء دیوبند کا ایک خاص مزاج ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دین کی بھی رہنمائی کرتے ہیں اور دنیا کی بھی رہنمائی کرتے ہیں، یہ دونوں باتیں عرصۂ دراز سے چلی آرہی ہیں، اور اِن شاء اللہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی قدر ومنزلت انسان کے کارنامے اور انسان کی خصوصیات اُس کے چلے جانے کے بعد ہی معلوم ہوتے ہیں، زندگی میں مولانا نے قوم وملت کے لئے بہت کچھ کیا، اُن کے اندر تعمیری جذبہ تھا، ہر معاملہ میں وہ سینہ سپر ہوکر سامنے آتے، ملک کے ہر شہر میں دہلی اور متعدد مقامات پر آواز بلند کرتے، ملت اسلامیہ کی عزت کے لئے اور اُس کی حفاظت کے لئے اور اتحاد باہمی کے لئے جد وجہد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

تجویز تعزیت دارالعلوم دیوبند

بموقع: تعزیتی اجلاس منعقدہ ۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۸ رفروری ۲۰۰۶ء بروز بدھ

بعد نماز ظہر بمقام مسجد رشید دارالعلوم دیوبند

حضرت امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات پر، دارالعلوم دیوبند کی جانب سے منعقدہ یہ تعزیتی اجلاس انتہائی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے، حضرت مرحوم کا سانحۂ ارتحال **موت العالم موت العالم** کا حقیقی مصداق ہے، اس سے جو زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا بے حد مشکل ہے، ان کا انتقال پر ملال دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند اور مسلمانانِ ہند ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا زبردست نقصان ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولٰكنه بنيان قوم تهدما

حضرت مولانا مرحوم خلوص وللّٰہیت، روحانیت وعزیمت اور حق وصداقت کا پیکر جمیل تھے، کاروان شیخ الہند کے سالار اور ملت اسلامیہ کے اس عظیم معمار نے ملک وملت کی تعمیر، اسلامیانِ ہند کی دینی وملی قیادت، ان کی جان ومال کے تحفظ، ان کے بنیادی دستوری حقوق کی بازیابی، اسلامی اوقاف کی نگہبانی، مدارسِ اسلامیہ کی پاسبانی، مسلم معاشرہ کی اصلاح، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، یکساں سول کوڈ کی مخالفت اور فرق باطلہ کی بیخ کنی کے لئے جو زریں خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ میں آبِ زر سے لکھی جائیں گی۔

حضرت مرحوم کی شخصیت اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی، جس کا ہمہ جہت فیض مسلمانانِ عالم اور اسلامیانِ ہند کے لئے نصف صدی سے زائد عرصہ سے جاری تھا۔ ان کی ہمہ جہتی قیادت سے ملت کو ہر میدان میں فائدہ پہنچا، ملت کے سیاسی مسائل ہوں یا مذہبی، اقتصادی مشکلات ہوں یا تعلیمی، ہر شعبہ میں وہ ایک دیدہ ور اور دور اندیش

رہنما کا کردار ادا کرتے تھے، اور اپنی پرعزیمت اور مخلصانہ جدوجہد سے معاملات کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے، قوم ہر نازک موقع پر رہنمائی کے لئے ان کی طرف دیکھتی تھی اور وہ دست گیری فرما کر مردہ قلوب میں نئی روح پھونک دیتے تھے۔

ملت اسلامیہ کے اس میر کارواں کو خالق کائنات نے ذہانت، تدبر، دور اندیشی، اصابت رائے، بروقت صحیح فیصلہ کی صلاحیت اور پہاڑوں جیسا عزم وحوصلہ عطا فرمایا تھا، اپنے ان اوصاف حمیدہ کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے سب سے عظیم رہنما اور ''ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان'' کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔

جمعیۃ علماء ہند جیسی عظیم اور تابناک تاریخ کی حامل جماعت کو انھوں نے اکابر کے نہج پر رہتے ہوئے حالات زمانہ کے تحت نئی سمت عطا کی، اس کو مسلمانانِ ہند کی نمائندہ جماعت کے مقام پر باقی رکھا اور اس کے پلیٹ فارم سے ملت کی ہمہ جہت خدمات انجام دیں۔

ملت اسلامیہ کے اس بے باک قائد نے سیاسی حلقوں اور ایوانِ حکومت میں بھی ملت کی جرأت مندانہ اور بے باک نمائندگی سے ایک تاریخ رقم کی اور ملت کے لئے فتنوں کے مقابلے میں ڈھال کا کام کیا۔

اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند اور مسلک دیوبند کے لئے ان کی خدمات نہایت وقیع ہیں، دارالعلوم نے گذشتہ سالوں میں تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اور مختلف میدانوں میں دارالعلوم کی خدمات میں جو وسعت آئی ہے اس میں حضرت مرحوم کی مساعی جمیلہ کا بڑا دخل ہے انھوں نے ہر مشکل اور نازک گھڑی میں خدام دارالعلوم کی رہنمائی فرمائی اور ہر موقع پر دارالعلوم کے لئے سینہ سپر رہے، ان کی ذات مبارک سے خدام دارالعلوم کو بڑی تقویت حاصل ہوتی تھی، آج دارالعلوم کا یہ عظیم معمار ہم سے جدا ہو چکا ہے، اس موقع پر صبر ورضاء کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ إن للّٰہ ما أخذ و لہ ما أعطیٰ و کل شئ عندہ بأجل مسمیٰ.

اس اندوہ ناک موقع پر یہ تعزیتی اجلاس، حضرت مرحوم کی والدہ محترمہ دام ظلہا اور

صاحبزادگان و برادرانِ محترم، تمام اہل خاندان اور پوری ملت اسلامیہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے، اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو امت کے عظیم قائدین، خاص طور پر ان کے والد گرامی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے جلو میں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، ملت اسلامیہ اور دار العلوم دیوبند کی دست گیری فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

تجویز تعزیت جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

بموقع: جلسہ تعزیت منعقدہ ۱۵ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق 14ر فروری 2006ء بروز منگل

بعد نماز ظہر بمقام جامع مسجد مراد آباد، زیر اہتمام: جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے زیر اہتمام منعقد ہونے والا یہ تعزیتی اجلاس ملت اسلامیہ ہند کے قائد جلیل، جمعیۃ علماء ہند کے صدر عالی وقار، امیر الہند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے الم ناک سانحۂ وفات پر گہرے رنج وصدمہ کا اظہار کرتا ہے۔

آج حضرت امیر الہندؒ کی جدائی کا غم جمعیۃ علماء ہند، دار العلوم دیوبند، مدرسہ شاہی یا ملک کے کسی خاص ادارے اور آپ کے متعلقین تک ہی محدود نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سانحہ پر ملت کا ہر فرد تعزیت کا مستحق ہے۔ آپ کی اسّی سالہ زندگی جہد مسلسل، بے مثال استقامت اور بے نظیر عزم واستقلال کی جیتی جاگتی تصویر تھی، جرأت وحق گوئی کے ساتھ گہری بصیرت اور جوش عمل کے ساتھ ہوش مندی اور دور اندیشی کی تابناک صفات آپ کی ذات میں جلوہ گر تھی، آزاد ہندوستان میں ہر آڑے وقت میں اور مصیبت کی ہر گھڑی میں یہ فدائے ملت بلاشبہ قوم وملت کا سہارا بن کر سامنے آیا۔ 1963ء کا کلکتہ کا فساد ہو، یا 1964ء میں راوڑ کیلا اور جمشید پور میں فرقہ واریت کی دہکتی ہوئی آگ ہو، 1980ء کا مراد آباد میں پی اے سی کی ذریعہ مسلمانوں کا قتل عام ہو، میرٹھ، ملیانہ، بھاگلپور اور سورت کے فسادات ہوں، یا چند سال پہلے گجرات میں حکومت

کی سرپرستی میں کھیلی جانی والی خون کی ہولی ہو، آخر کون تھا جو ان جگہوں پر خاک وخون میں تڑپتی لاشوں کو اٹھانے اور زخم سے سسکتے انسانوں کو دلاسہ دلانے کے لیے پہنچا؟ کس نے فسادات کے متاثرین اور کھلے آسمان کے نیچے رات گذارنے والوں کے لیے محلے اور بستیاں تعمیر اور آباد کیں؟ کس نے جیلوں میں بند بے قصور افراد کی معقول قانونی پیروی کرنے کا انتظام کیا؟ تاریخ جواب دے گی کہ ان کاموں کو انجام دینے والا جرأت واستقامت کا پیکر اور بلند حوصلہ شخص وہی تھا، جسے دنیا نے بجا طور پر ''فدائے ملت'' کہا اور جس نے اپنے روشن کردار سے اس لقب کی سچائی دنیا کو دکھلا دی۔

آج ہماری آنکھیں ڈھونڈ رہی ہیں اس صاحب بصیرت کو جس کی اصابت رائے سب کے نزدیک مسلم اور ملت کے لیے جس کی دردمندی اور فکرمندی اظہر من الشمّس تھی جو اپنے سینہ میں ملت کے لیے دھڑکتا ہوا دل رکھتا تھا۔ جس کی پرواز خیال کا محور قوم وملت کی سربلندی اور ترقی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ملت کی دینی، دنیوی، اقتصادی، سماجی اور سیاسی رہبری کے لیے ان کی خدمات آب زر سے لکھی جائیں گی۔ اور تادیر قدم قدم پر ان کی کمی کی کسک محسوس کی جاتی رہے گی۔

حضرت امیر الہندؒ اس دور میں اکابر کی وراثت کے سچے امین تھے، آپ جہاں ہزاروں افراد کے مرشد و مصلح تھے وہیں آپ کے ذات ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں دینی مدارس کے لیے مضبوط پشت پناہ کی حیثیت رکھتی تھی، آپ مسلم مسائل پر ارباب حکومت کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے، اور حکمت عملی کے ساتھ نازک مسائل ومعاملات کے حل کی بہترین صلاحیت کے مالک تھے، افسوس ہے کہ اب ایسی باوزن، پروقار اور جرأت مند شخصیت دور دور تک نظر نہیں آتی۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد آج اپنے سرپرست اعلیٰ کی جدائی پر جتنا بھی غم کرے کم ہے، یہ ادارہ حضرت فدائے ملتؒ کی فکر کا ہمیشہ سے حامی اور مؤید رہا، اس سے وابستہ افراد نے شروع سے لے کر آج تک حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مجاہد ملت

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ، حضرت امیر الہندؒ اور اُن کی جماعت ''جمعیۃ علماء ہندؒ'' سے ذہنی ونظریاتی وابستگی رکھی، اور الحمدللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

حضرت امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اِس ادارہ کو تقریباً 48 ر سال تک مسلسل اپنے مفید ترین مشوروں، تعاون اور سرپرستی سے سرفراز فرمایا، اس لئے اِس سانحہ پر اظہارِ غم کے لئے ہم اپنے پاس الفاظ نہیں پاتے۔

بس بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا عظیم الشان بدلہ آخرت میں عطا فرمائے، درجات عالیہ سے نوازے اور بالعموم پوری ملت اور بالخصوص خانوادہ کے افراد: والدہ صاحبہ، صاحب زادگان و برادرانِ محترم کو صبر جمیل سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

دشتِ جنونِ کار کے سپاہی اور فائز المرام راہی

حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

بقلم: مولانا نور عالم خلیل امینی رئیس تحریر الداعی واستاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند

عرصۂ دراز سے (جس میں ۳ر ماہ یعنی ازشبِ ۵-۶ر نومبر ۲۰۰۵ء تا شام ۶ر فروری ۲۰۰۶ مطابق سنیچر-اتوار ۲-۳ر شوال ۱۴۲۶ھ تا سوموار ۷ر محرم ۱۴۲۷ھ مستقلاً موت وحیات کی کش مکش سے دوچار رہے) بیماری سے نبرد آزما رہنے کے بعد بالآخر مردِ آہن مولانا سید اسعد مدنی نے موت کے آگے سپر انداز ہوکر ۷ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶ر فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر کی شام کو ۵ر بج کر ۳۵ر منٹ پر دہلی کے اپولو ہسپتال میں آخری سانسیں لے لیں، اور اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ اللہ پاک نے ان کے لئے جتنی زندگی مقدر کر رکھی تھی، اس سے ایک لمحہ بھی زیادہ وہ کیوں کر جی سکتے تھے:

عمر بھر زیست کے ہم راہ اجل جاتی ہے
تاک میں رہتی ہے یک لخت نگل جاتی ہے

دنیا میں ہر آن موت وحیات کی پنجہ آزمائی جاری رہتی ہے۔ زندگی پر موت کی یقینی فتح ایک غیر معمولی واقعہ ہے، لیکن ہر وقت اور ہر جگہ اور ہر موسم میں پیش آنے کی وجہ سے زندوں کا ایک ہی لمحے میں مردہ ہو جانا اور پھر لوٹ کے کبھی نہ آنا، ایک عام سا واقعہ بن گیا ہے، جس پر کسی کی توجہ مرکوز نہیں ہوتی؛ لیکن جب کوئی ایسا انسان دنیا سے منھ موڑ لیتا ہے، جس کی زندگانی خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے مفید تھی، تو افادیت کے بقدر، دنیا والوں کو اس کے چلے جانے

کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھو دینے کے بعد، اس کی قدر و قیمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے، خصوصاً تب جب اس کا کوئی جانشیں نظر نہیں آتا اور صلاحیت و اِفادیت کے حوالے سے، اس کے بعد کسی بے جوڑ انسان پر مجبوراً انحصار کرنا پڑتا ہے۔ کچھ اسی طرح کا احساس مولانا سید اسعد مدنی کے اٹھ جانے کے بعد ہو رہا ہے۔ مولانا کی کمی پورے ملک میں شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کاموں کی بہت سی سمتیں تھیں۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ انھوں نے مدینہ منورہ میں گذارا، جہاں اُن کے خاندان کے لوگ متوطن ہیں۔ پھر دارالعلوم میں مدرس ہوئے۔ اس عرصے کی کوئی تفصیل مجھے معلوم نہیں؛ اس لیے اس حوالے سے میں کوئی گفتگو نہیں کرسکتا۔ تدریس سے از خود سبک دوشی کے بعد وہ جمعیۃ علماء کی قیادت کے میدان میں آگئے، جو اُن کے فکر و عمل کی دوسری سمت تھی، جمعیۃ علماء کی نظامت سے صدارت تک کے دور میں (جس پر وہ وفات تک فائز رہے) ملک و ملت کی سطح پر دو مرکزی خدمتیں انجام دیں:

الف:- مسلمانوں کے حقوق کی دست یابی اور ناانصافیوں کے ازالے کی ہمہ گیر کوششیں اور اسلامی اِداروں، مراکز، تعلیم گاہوں اور مساجد و مقابر و مزارات کی حفاظت کے لیے زبردست اور جامع جد و جہد، جس میں وقتاً فوقتاً غیر معمولی بھیڑ والے جلسوں، مظاہروں اور طویل المیعاد تحریکوں کے ساتھ ساتھ صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور متعلقہ وزراء حکام وافسران سے ملاقاتوں اور خطوط کے ذریعے ارتباطِ مسلسل شامل ہوتا۔

ب:- مسلم کش فسادات پر حکومتِ وقت سے پر زور اور مؤثر احتجاج اور ساتھ ہی متاثرین کی تعمیری اور ٹھوس مدد اور اس کے لیے قریہ بہ قریہ اور کو بہ کو مسلسل چکر اور دوڑ دھوپ۔ نیز قدرتی آفات کے موقع سے مصیبت زدگان کی ہمہ جہت مدد اور حکومت کو اُن کی دادرسی کے لیے جھنجھوڑنا۔

مولاناؒ نے دونوں سطحوں پر عمل کے لیے ہمیشہ جمعیۃ علماء کی تاسیسی روح اور اس کے اولین قائدین کے عملی و نظری طرزِ عمل سے روشنی کے حصول کے ساتھ ساتھ، اپنی ہمت وعزیمت، دوررس منصوبہ بندی اور نتیجہ خیز حکمتِ عملی سے فائدہ اٹھایا۔ نیز ملک کے سیکولر کردار، دستور کے

مزاج اور مختلف المذاہب باشندگانِ ملک کے لیے اس کی شفقت ریز ملائمت سے نہ صرف آشنا کیا؛ بل کہ ہمیشہ، ہر جگہ، ہر موقع سے اس کی دہائی دی اور ملک کے سیکولر ضمیر پر ایسی زبردست دستک دی کہ مسلمانوں کے خلاف عصبیت، نفرت اور دشمنی سے مسموم فضا میں، جو انتہا پسند اور جارحانہ جذبات رکھنے والی ہندو جماعتوں اور اَفراد نے بنائی ہے، ان کی بات زیادہ یا کم ضرور سنی گئی، اور اس کا نتیجہ دیر یا سویر ضرور نکلا۔

اِسی نقطے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مولاناؒ نے ہندی مسلمانوں کے مسائل کو ہندوستان کے اربابِ حل وعقد کے سامنے کبھی بھی صرف مسلمانوں کے مسائل کی حیثیت سے پیش نہیں کیا؛ بلکہ انھیں سرکاری اور عوامی سطحوں پر مرکزِ توجہ بنانے کے لیے، ملک کے سیکولر کردار کے حوالے کو اتنی شدت کے ساتھ اُجاگر کیا کہ بعض اُن برادرانِ وطن زعما کو، جو سیکولر زعما کی دوسری صف سے تعلق رکھنے اور صفِ اول کے زعما سے تربیت پانے کے باوجود، سیکولرزم کی روح سے کسی غرض یا مرض یا مجبوری کی وجہ سے اغماض کرنے لگے تھے، سیکولرزم کا بھولا ہوا سبق پھر یاد آ گیا۔

اپنے اکابر مجاہدینِ آزادی (خواہ مشائخِ دیوبند ہوں یا دگر بانیانِ جمعیت) کی طرح ان کا ایمان تھا کہ آزاد ہندوستان میں، محض مسلم اکائی کی بات، محض مسلم اکائی ہونے کی حیثیت سے منفردانہ طور پر نہیں سنی جائے گی، اور اگر خدانہ خواستہ بعض نادان مسلم سیاست دانوں کی طرح، مسلم مسائل اور حقوق کی لڑائی کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس سے برادرانِ وطن کی رائے عامہ کو یہ محسوس ہو کہ مسلمان اس ملک کے سارے ہندوؤں کو (جن کی اکثریت کے ہاتھ میں ہی ملک کی تکمیل ہے اور رہے گی) دشمنِ محض ہی تصور کرتے ہیں، اور ان سے دو دو ہاتھ کر لینے کے لیے تیار ہیں، تو اس طرزِ عمل سے آزاد ہندوستان میں کوئی بھلا نہ ہوگا اور نہ کوئی حق حاصل کیا جا سکے گا۔ ہندوستان میں اقلیت (جس میں مسلمان بھی شامل ہیں) اور اکثریت کے فلسفے کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ یہ مستحضر رکھنا ضروری ہے کہ ملک کی تقسیم سے (خواہ اس کا ذمے دار کوئی ہو: ہندو یا مسلمان یا دونوں) اور قیامِ پاکستان سے اکثریت یعنی ہندوؤں کے ضمیر کو خواہی نہ

خواہی چوٹ لگی ہے۔ اکثریت کے بہت سے نادان افراد (جن کی تعداد انتہا پسند اور جارحیت پیشہ ہندو قائدین وزعما کی شب وروز کی جہد مسلسل کی وجہ سے بھیانک طور پر بڑھتی جارہی ہے) یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی اقلیت کو پاکستان کی شکل میں حق یا انعام مل چکا ہے؛ لہٰذا اب جو یہ باقی ماندہ ملک ہندوستان کے نام سے ہے، صرف اکثریت کا حق یا اس کی بلاشرکت غیرے ملکیت ہے۔ مسلمانوں کو اپنا حق لے لینے کے بعد بھی اگر یہیں رہنے پر اصرار ہے، تو ملک کا دستور سیکولر ہو یا لچکدار، دونمبر کا شہری بن کے رہنا پڑے گا۔ اور اب تو آئین کو بدلنے، اس کی سیکولر روح کو ختم کر دینے کی بھی یہ عناصر مانگ کررہے ہیں، جن کا کہنا ہے کہ اگر مسلمان دونمبر کا شہری بن کر رہنا از خود گوارا نہیں کریں گے، تو وطنی حقوق کی تقسیم میں ہم ان کے ساتھ بے انصافی کرنے کا مکمل حق رکھتے ہیں، اور اگر مسلمان زیادہ بے لگام ہوں گے، تو ہمارے پاس فسادات، مسجدوں پر قبضہ کر لینے اور انھیں مندر ثابت کر دینے، نیز مسلمانوں کے سرکار سے مدد یافتہ اداروں کا اقلیتی کردار سلب کر لینے، جیسے بہت سے کارگر اسلحے موجود ہیں۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کے دینی اداروں اور جماعتوں اور افراد کو دہشت گرد قرار دے کر، ان کے خلاف انسدادِ دہشت گردی کے قانون کی مشق اور ستم ایجادی کا ہنر بھی ہمیں معلوم ہے۔ سرکاری ملازمتوں، سرکاری حقوق وواجبات کی تقسیم کے اداروں کے مناصب تک پہنچنے کی راہیں، مسلمانوں پر آہستہ آہستہ اور بالآخر بالکلیہ بند کر دینے کے عمل سے ہمیں کون روک سکے گا؟ قانون سازی کے اداروں اور انتظامیہ میں بھی ہم ہی ہیں، عملی طور پر دونمبر کی شہریت کی حامل اقلیت آٹے میں نمک کے برابر ہے؛ لہٰذا عملاً جو ہم چاہیں گے وہی ہوگا۔

مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ تلخ حقیقت کا اتنا ادراک رکھتے تھے، جو واقعہ یہ ہے کہ کسی معاصر قائد کو حاصل نہ تھا؛ اس لیے وہ مسلمانوں کے سارے مسائل کی ہر لڑائی، اقلیتوں اور مسلمانوں کے تئیں ملک کے دستور کی تصریحات اور تقاضوں کی روشنی میں، سیکولر ہندوؤں کو ساتھ لے کر، ہنرمندی سے لڑتے تھے اور جیت جاتے تھے یا جیتنے کی راہ ہموار کر دیتے تھے۔ اللہ نے

انھیں برادرانِ وطن کے سیکولر مزاج طبقے کو قریب رکھنے کا بڑا سلیقہ دیا تھا، اور یہ طبقہ بھی مولاناؒ کی سیکولر مزاجی پر پوری طرح مطمئن تھا، بڑے سے بڑے ہندو لیڈر کو مولانا سے کوئی وحشت نہ ہوتی تھی؛ کیوں کہ اُس کو مولانا کی وطن پرستی پر مکمل اعتماد تھا، اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ مسلمانوں کی زیادہ معتبر نمائندگی کا حق رکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں گروہی عصبیت اور مسلکی تحاسد اور تباغض کی بیماری نہ ہوتی تو دگر زعما مولانا مدنیؒ سے ہر اختلاف کے باوجود، ان کی اس کام یاب حکمتِ عملی سے فائدہ اٹھا کر، اس ملک میں مسلمانوں کے آیندہ مسلمان باقی رہنے کی راہ، بڑی حد تک آسان بنا سکتے تھے؛ لیکن افسوس ہے کہ لوگ موت سے پہلے ہی جیتے جی بھی ایک دوسرے سے علاحدہ اور ذہنی وجسمانی طور پر دور رہنا چاہتے ہیں، حال آں کہ موت دوری پیدا کرنے کے لیے کافی ہے:

کَفَیٰ بِالْمَمَاتِ فُرْقَةً وَتَنَائِيًا

بل کہ متعدد مسلم جماعتوں کے لوگ تو مولاناؒ کی اس کارگر حکمتِ عملی کو ''مداہنت'' اور ''نیم دروں اور نیم بروں'' کی پالیسی سے تعبیر کرتے تھے؛ تاکہ ان کی ناکردگی پر پردہ پڑا رہے۔ یہ لوگ یہ نہ سوچتے تھے کہ مولاناؒ اپنی تدبیر سے ملت کے لیے جو کچھ کر لیتے ہیں، یہ لوگ اس کا عشر عشیر بھی کیوں نہیں کر پاتے؟

میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے غیر مسلم سیکولر زعما وقائدین بھی، حالیہ زمانے میں مولانا مدنیؒ کو، ملک کے سیکولر کردار کی بقا کی جنگ کے ہراول دستے کا ممتاز سپاہی تصور کرتے تھے؛ اسی لیے ان کی موت کے بعد ہفتہ عشرہ تک جس طرح قومی اور علاقائی سطح کے بڑے اور چھوٹے مسلمانوں سمیت غیر مسلم زعما وقائدین کی بڑی تعداد، جمعیۃ کے مرکزی آفس واقع آئی ٹی او دہلی کے علاوہ ان کے دیوبند کے دولت کدے پر، پارٹی، انتساب اور وفاداری سے اوپر اٹھ کر آتی رہی اور ان کی روح کو جذباتی انداز میں والہانہ طور پر خراجِ عقیدت اور ان کے اہل خانہ اور افراد خاندان کو دلاسا دیتی اور تعزیت کرتی رہی، اس کی مثال ہندوستان کے کسی اور مسلم زعیم وقائدین

کے حوالے سے اس دورِ آخر میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ لوگوں کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ مولاناؒ سے مسلمانوں وعلما ودعاۃ کے علاوہ، غیر مسلم زعما کی اتنی بڑی تعداد اس درجہ تعلق رکھتی ہے کہ وہ ان کی وفات کے بعد ان کی کمی کو اس شدت سے محسوس کرے گی کہ اُن کے خاکی دربار میں ان کا تانتا لگا رہے گا۔

مولانا مدنیؒ نے تین میقاتوں (۱۹۶۸ تا ۱۹۷۴ء، ۱۹۸۰ تا ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۸ تا ۱۹۹۴ء) میں ۱۸؍سال تک کانگریس کی نامزدگی پر، راجیہ سبھا (ایوانِ بالا) کی رکنیت کی ذمہ داری انجام دی اور اس منصب کو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے مسائل کی طرف ملک کے سب سے بڑے مقتدر ادارے کی توجہ مرکوز کرنے کے لیے استعمال کیا۔ یہاں بھی انھوں نے ملک کے سیکولر دستور کو ہی اَساس بنایا اور اپنی تقریروں، تجویزوں، اور مباحثوں میں اسی کو پیش نظر رکھا۔ لفظی جذباتیت، بے اساس و بے فائدہ جوش سے احتراز کیا؛ کیوں کہ اس سے اکثریت کے اربابِ اختیار اور اصحاب حل وعقد متاثر نہیں ہوتے؛ لیکن ضرورت کے مطابق ان کی وطنی غیرت اور قومی وفاداری کو بہت بارسلیقے سے للکارا، چنانچہ اُن کی بہت سی باتیں سنی گئیں۔ پارلیامنٹ کی ان کی تقریریں چھپ چکی ہیں انھیں پڑھا جا سکتا ہے۔

مولاناؒ نے خدا کی تقدیر کے بہ موجب علمی اشغال کو اپنا وظیفہ حیات نہیں بنایا؛ لیکن خدا نے انھیں میدانِ قیادت وسیاست میں جو کام کرنے کی توفیق بخشی، اُس میں فتح مندیوں نے بے طرح ان کے قدم چومے۔ ملک وملت کے عام مفاد کے علاوہ انھوں نے جمعیۃ علما اور دارالعلوم دیوبند سے عوام کے رشتوں کو مضبوط تر کیا، اور ہماری جماعت کے علما وخواص کو مسائل کے احساس، ابلتے ہوئے خطرات کے ادراک، مشکلات کے حل کے طریقوں کے شعور اور تقاضاہائے زمانہ کی معرفت کے ساتھ ساتھ، کسی لچک کے بغیر اپنے معتدل، متوازن اور مستقیم مسلک پر جمنے کے نقطے پر یکجا کر کے ہمت اور ولولے کے ساتھ سرگرم عمل رہنے کا حوصلہ دیا اور اس مسلک حق کو چیلنج کرنے والے دین صحیح کے نام نہاد علم برداروں کو نہ صرف چیلنج دیا؛ بلکہ متعدد بار انھیں رگیدا، دوڑایا اور اُن کی صفوں میں زلزلہ پیدا کر دیا۔

مولانا مدنیؒ میدانِ عمل کے آدمی تھے، ان کا ذہنی سانچہ اسی کے لیے تشکیل ہوا تھا۔ محض آفس، دفتر اور کسی مرکز میں بیٹھ کر کاغذات کی ورق گردانی کرنا اور کسی پر سکون کمرے میں بیٹھ کر قرطاس وقلم کا رشتہ جوڑنے کے عمل پر انحصار کرنا، ہے تو اپنی جگہ مفید اور دیرپا اور دوررس عمل، اور جو لوگ اس کے لئے مخلوق ہوئے ہیں، ان کے لیے یہ کام آسان ہے، اور میدان عمل کی ضرب کلیمی سے سہل تر ہے، مگر بعض دفعہ اس کا وہ فائدہ مرتب نہیں ہوتا، جو میدان کار میں نکل کر ایک ظالم، ایک بے انصاف، ایک بے لگام جابر اور ایک جارحیت شعار سچائی کے دشمن اور تیرگی کے علم بردار پر بڑھ کے وار کرنے والے کے ذریعے مرتب ہوتا ہے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ اقدامی آدمی تھے، وہ آگے بڑھ کے حملہ کرنا جانتے تھے، دفاعی پوزیشن قبول نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہم مسلکوں کو بھی یہی راہ دکھائی اور اس پر چلنے کا گر اُنہیں بتایا۔ کانفرنسوں، سمیناروں اور جلسوں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں اس کے دورِ نو میں، متعدد باطل فرقوں اور منحرف جماعتوں کے داؤ پیچ کو جاننے کے لئے، محاضرات کا پائدار نظام قائم کروایا، جو ہنوز معمول بہ ہے، انہوں نے مسیحی برطانوی استعمار کے کاشت کردہ نبوت محمدی کے حریف کافر فرقہ: قادیانیت کے توڑ کے لیے دارلعلوم میں باقاعدہ ختم نبوت کے شعبے کی تاسیس کا مشورہ دیا، جواب پہلے سے زیادہ تازہ دم ہے۔

مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ایک بڑی صلاحیت، انسان شناسی تھی، وہ بہت جلد سمجھ جاتے تھے کہ متعارفین اور لائق افراد میں کون کس خوبی اور خرابی کا آدمی ہے؟ جمعیۃ علماء کی قیادت کے منبر سے سال ہا سال جو ملکی وملی کارنامے انہوں نے انجام دیے، ان میں بہت بڑا رول اُن کی انسان شناسی اور لیاقت کے عرفان کا رہا ہے۔ انہوں نے ان گنت کام کے آدمیوں کی دریافت کی اور ان سے مختلف الانواع کام لیے۔ لائق انسانوں کا حصول جتنا مشکل کام ہے اُس کو اہل دانش اچھی طرح جانتے اور اس سے بھی زیادہ مشکل ان سے کام لینا ہے۔ ہر لائق آدمی میں ایک طرح کی ''نالائقی'' بھی ہوتی ہے، آپ کو ایسا کوئی آدمی اس روئے زمین پر ہرگز نہ ملے گا جو صرف لائق ہو–صرف لائق فرشتے ہوتے ہیں اور انبیاء اور ان کے اصحاب– زندگی جینے، برتنے

اور کام کرنے سے یہ تجربہ ہوا کہ جو آدمی جتنا لائق ہوتا ہے اس میں اس درجہ ایک طرح کی ''نالائقی'' ضرور ہوتی ہے، صرف نالائق میں غالباً اس طرح کی ''نالائقی'' ہوتی ہی نہیں جو لائق کا وجہ امتیاز ہوتی ہے۔ کام لینے والا ذمے دار، افسر اور آقا لائق کی لیاقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کی ''نالائقی'' کو ہنرمندی کے ساتھ نہ صرف گوارا کرتا ہے؛ بل کہ بعض دفعہ اس کو اپنا رنگ دکھانے کا موقع بھی دیتا ہے، کیوں کہ لائق کی یہ ''نالائقی'' اس کی شخصیت کی کلید ہوتی ہے۔ اب اگر اس کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی جائے تو لائق کے لئے، لیاقت کے حوالے سے اپنا رول ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

میں نے لائق کی جس ''نالائقی'' کی طرف اشارہ کیا ہے اُس کی تعبیر آپ کسی لفظ سے کرلیں ''ناز ونخرے''، ''خود اعتمادی''، ''ایک قسم کی دیوانگی''، ''احساس افادیت'' اور دگر جو موزوں الفاظ ملیں ''نالائقی'' کی جگہ ڈال سکتے ہیں؛ لیکن لائق میں ایسا کچھ ہونا ضروری ہے۔

مولاناؒ نے بہت متنوع کام کیے؛ لہٰذا متنوع الاستعداد لوگوں کی ''نالائقی'' سے انھیں سابقہ ہوا اور انھوں نے ہوشیاری کے ساتھ ان کی استعداد اور لیاقت سے کام لیا، جو واقعی ان کی بڑائی کی دلیل ہے۔ مجھے دارالعلوم کے ایک لائق اہل کار نے (جو اَب مرحوم ہو چکے ہیں) ایک بار بڑی اچھی بات کہی: مولانا! اچھا افسر اور ذمہ دار وہ نہیں ہوتا جو خود بہت کام کرے؛ بل کہ کامیاب اور لائق افسر وہ ہوتا ہے جو دوسرں سے زیادہ کام لے لے۔ کام لینا زیادہ لیاقت کی دلیل ہے۔ خود محنت کرنا اور بہت کام کرنا احساس ذمہ داری کی دلیل ہے، افسر ہونے کی دلیل نہیں۔ قائد اور افسر کے لئے پہلی صفت کا حامل ہونا ضروری ہے، دوسری صفت کا حامل ہونا ضروری نہیں، ہاں اگر پہلی صفت کے ساتھ دوسری صفت بھی ہو تو یہ سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔

مولاناؒ کاوشِ دشتِ جنوں کے سپاہی اور اس دشت کے فائز المرام راہی تھے۔ وہ تیز روی سے اس طرح لپکنا جانتے تھے کہ کسی لمحے کو پیچھے مڑنے کا موقع نہ ملتا تھا وہ معاصر قائدین میں اِس امتیاز کی وجہ سے اپنی واضح شناخت رکھتے تھے۔ وہ کسی منزل پہ جا کر دم لینے کے قائل نہ تھے اور نہ تلووں سے کانٹوں کے نکالنے کی سوچتے تھے۔ وہ اس شعر کے مصداق تھے:

کاوشِ دشت جنوں ہے ہمیں اس درجہ پسند
کبھی تلووں سے جدا خار مغیلاں نہ ہوا

جو باتوفیق آدمی اس قسم کا ہوتا ہے وہ عموماً تیزی روی کی وجہ سے کسی پڑاؤ، یا وقفے پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس طرح کا آدمی ایک خاص قسم کا مزاج رکھتا ہے کہ بڑھے چلو اور دائیں بائیں نہ دیکھو چہ جائے کہ پیچھے؛ کیوں کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنا ہمت شکن ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رفقائے سفر میں سے بہت سے لوگ اس سے بچھڑ جاتے ہیں یا وہ خود ان سے بچھڑ جاتا ہے، بالآخر بچھڑاؤ یا پچھڑاؤ آپسی شکوہ سنجی اور بددلی کا باعث بنتی ہے۔ جو آدمی جس درجہ بڑے اور بہت کام کا ہوتا ہے، اس کی زندگی میں خواہی نہ خواہی پچھڑاؤ اور بچھڑاؤ کا مرحلہ ضرور پیش آتا ہے۔ یہ مرحلہ قدرتی طور پر مولاناؒ کو بھی اپنی زندگی میں پیش آیا؛ لیکن یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی کی بات ہے کہ انھوں نے متعدد بچھڑے ہوؤں کو موت سے پہلے ہی گلے لگا لیا اور پچھڑے ہوؤں کے پاس ازخود پہنچ گئے اور یک جائی کے بعد ہی اس دنیا کو الوداع کہا۔ اُن میں سرفہرست ہند میں دورِ آخر میں سرمایہ ملت کے نگہبانوں کے سرخیل امام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پڑپوتے مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ العالی ہیں، جن سے ان کی صلح صفائی کا تاریخی واقعہ ہزاروں فضلائے دیوبند اور محبانِ دارالعلوم دیوبند کی ایسی مسرت کا باعث بنا جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مولاناؒ کی زندگی نے مزید وفا کیا ہوتا تو کیا عجب تھا کہ صلح صفائی کی بات اس منزل تک پہنچ جاتی، جس کے تمام فضلائے دیوبند بہت آرزومند ہیں، یعنی دونوں دارالعلوم کا مکمل اتحاد اور ایک دوسرے میں انضمام۔

اس راقم کے لیے بطور خاص اس فانی دنیا میں ایک دائمی مسرت اس وقت ہاتھ آجاتی، اگر اسی طرح کی صورتِ حال مولاناؒ مدنی اور حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے درمیان پیش آگئی ہوتی؛ لیکن خدا کی مشیت سے ایسا کچھ نہ ہوسکا؛ ورنہ اس واقعے سے بھی (گر یہ روبہ عمل آجاتا) فضلائے دیوبند اور بہی خواہان دارالعلوم کو پہلے واقعے جیسی خوشی ہوتی۔ اب اس دنیا میں نہ مولانا کیرانویؒ ہیں نہ مولانا مدنیؒ کہ اول الذکر تو ثانی الذکر سے دس سال اَڑسٹھ دن پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ اللہ دونوں کو اپنی اعلیٰ جنت کا مکین بنائے، جہاں لوگ

مخلص بھائی اور دوست بن کر ہی رہیں گے، اور اس مادی دنیا کی کدورتیں وہاں ان میں سے کسی کا اَثاثہ نہ ہوں گی، وہاں تو ﴿اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ ہوں گے۔

بہ ہر کیف مولانا مدنیؒ بہت کام کے آدمی تھے، کام کے آدمی سے بھول چوک، کوتاہی کسی سے اتفاق، کسی سے اختلاف کے مراحل ضرور پیش آتے ہیں۔ کام کی کثرت اور تنوع کے بہ قدر راہ عمل میں ان مراحل کی کثرت بھی ہو جاتی ہے۔ مولاناؒ نے بہت اور متنوع کام کیے؛ اس لیے یہ مراحل دگر فعال قائدین کی طرح انھیں بھی پیش آئے۔ کام کرنے والے انسان کے لیے اصل ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ وہ دین وشریعت کے مطابق اپنی دانست میں صحیح سمت کا تعین کرکے چلتا رہے۔ جب وہ چلے گا اور مسلسل چلے گا تو ہو سکتا ہے کہ ٹھوکر بھی کھائے اور گر بھی جائے۔ جو چلتا ہی نہیں وہ کیا خاک گرے گا۔ ہم سے غلطی یہاں سے ہوتی ہے کہ ہم ہر داعی، قائد اور عالم کے متعلق یہ باور کر لیتے ہیں کہ اس کا خمیر ملکوتیت سے اٹھایا گیا ہے، حال آں کہ وہ ہمارے ہی طرح کا انسان ہوتا ہے، جب ہم سے غلطی ہوتی ہے تو اس سے غلطی کا صدور کیوں ممکن نہیں؟

مولانا کا ایک غیر معمولی کمال یہ بھی ہے کہ سیکولر مزاج زعمائے سیاست وقائدین حکومت، ان کے اہل کاروں اور ان کے مشیروں سے ضرورت کی حد تک مؤثر اور طاقتور تعلق اور رابطے کے ساتھ ساتھ نہ صرف ایک عالم باعمل کی شان اور ایک داعی الی اللہ کی پہچان کے ساتھ شان دار دین دارانہ زندگی گزاری؛ بل کہ ان کی شناخت ہی بہت بڑے حلقۂ ارادت وعقیدت والے شیخ ومربی کی تھی، جو مرتے دم تک قائم رہی۔ عبادت وریاضت کا ان کا معمول کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ سیاست کی گلی میں اتنی کثرت سے آمد ورفت کے باوجود، دین کے سارے تقاضوں کو نمایندہ عالم وداعی کی شناخت کے ساتھ پورا کرتے رہنا مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ معاصر علماء ومشائخ کے درمیان بڑا امتیاز تھا۔ وہ بہ یک وقت مربی وعالم، سیاست داں وسیاست راں، قائد وزعیم، مصلح ومربی، اجتماعی خدمت گزار، فرق باطلہ وجماعت منحرفہ سے فاتحانہ لوہا لینے اور اندرونِ ملک وبیرونِ ملک زبردست عوامی وسرکاری مقبولیت کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔

یہ امتیاز مولاناؒ کو ورثے میں ملا تھا اپنے عظیم والد دارالعلوم دیوبند کے فرزند جلیل شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ سے۔

یہ راقم دارالعلوم دیوبند کی طالبِ عِلمی سے قبل مولانا سید اسعد مدنی کو بالکل ہی جانتا نہ تھا، کبھی نام بھی نہ سنا تھا۔ دارالعلوم میں داخلے کے بعد عربی زبان کے سب سے بڑے عبقری معلم اور باتوفیق خدمت گزار مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ کے تعلیم عربی زبان کے حلقے میں شامل ہوگیا۔ چندروز گذرے ہوں گے کہ مولانا کی زبان سے مولانا مدنیؒ کا اتنا اور اس اس طرح تذکرہ سنا کہ کان اُن کی عظمت کے قائل ہوگئے۔ جب تک دارالعلوم کا طالب علم رہا، مولانا مدنیؒ کی بھرپور، مسلسل اور متنوع سرگرمیوں کے مشاہدے یا اس کی سماعت اور تذکرے کا دور رہا: مولانا مدنیؒ آرہے ہیں، جارہے ہیں، آنے والے ہیں، جانے والے ہیں؛ فلاں کام چھیڑنے والے ہیں، فلاں تحریک برپا کرنے والے ہیں؛ فلاں پروگرام کی ابتدا کرنے والے ہیں؛ فلاں ملک کے سفیر اور ڈپلومیٹ کو دارالعلوم لانے والے ہیں؛ فلاں ملک کے طویل سفر پر جانے والے ہیں؛ فلاں خطے کے طویل دورے کے بعد آج اُن کی واپسی ہے۔

آج یہ شور یک لخت تھم گیا ہے اور ہمیشہ کے لیے۔ اُمید اس پر قائم ہے کہ ہر چھوٹے اور بڑے کو بہ ہر کیف یہاں سے جانا ہے۔ از آدم تا ایں دم ان گنت لوگ جا چکے ہیں، دنیا اسی طرح قائم ہے، جب تک خدا کی مرضی ہے قائم رہے گی۔ ماضی کے مقابلے حاضر میں اور حاضر کے مقابلے مستقبل میں ہمیشہ ہی لائق افراد کو دنیا روتی رہی ہے اور آیندہ بھی روتی رہے گی اور کارگہ حیات اسی طرح چلتا رہے گا؛ مگر مولاناؒ کے متعلق بار بار یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے ''شہر کو'' کو ویران کر گیا

اگر ''شہر'' کی جگہ آپ ''ملک'' پڑھنے دیں تو زیادہ موزوں اور حسب واقعہ ہوگا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک پرلطف صحبت حرمین شریفین میں اس وقت ملی جب مکہ مکرمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کی تاسیس کے ۲۵ رسالہ جشن اور گولڈن جوبلی تقریبات میں دارالعلوم دیوبند کے

حلقے سے مولاناؒ بحیثیت صدر جمعیۃ علماء ہند اور راقم الحروف بحیثیت اسلامی صحافی اور اہل قلم شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس ''الدعوة الإسلامية وسبل تطويرها نظرة إلى المستقبل'' کے عنوان سے ۱۸-۲۲ / صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱-۱۵ / اکتوبر ۱۹۸۷ء کے عرصے میں ہوٹل انٹر کونٹینینٹل مکہ مکرمہ کے مؤتمر ہال میں ہوئی۔ مولاناؒ کو دو روز قبل اور مجھے دو روز بعد دعوت نامہ بہ ذریعے تار ملا؛ اس لیے مولاناؒ افتتاحی نشست میں پہنچ گئے جو خادم حرمین شریفین مرحوم شاہ فہد کی سرپرستی اور صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ میں دوسرے روز پہنچ سکا۔ اتفاق سے جیسے ہی ہوٹل کی بیرونی گیلری میں راقم نے قدم رکھا، سب سے پہلے مولاناؒ ہی (اچانک مل گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کل سے ڈاکٹر عبدالحلیم عویس مصری تمھیں کئی بار معلوم کر چکے ہیں کہ شیخ نور عالم آرہے ہیں کہ نہیں؟ بڑا اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ سامنے ہی بطاقة الضيف (گسیٹ کارڈ) کی تیاری کا کارنر تھا مولاناؒ ساتھ لے گئے اور نہ صرف کارڈ کی تیاری؛ بل کہ مہمان بہ حیثیت اسلامی صحافی واہل قلم کی ساری کارروائیوں کی تکمیل تک ساتھ رہے، پھر اس وقت کی نشست میں شرکت کے لیے چلے گئے۔ بعد میں بار بار ملاقات ہوتی رہی اور خیر خیریت دریافت کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں ہوائی اڈے پر ہی فرمایا کہ دیکھو تم بہ حیثیت صحافی اور قلم کار مدعو ہو، اسی لیے تمھیں مکہ مکرمہ میں بھی اکیلے کا کمرہ ملا تھا، یہاں بھی یہی ہوگا، ہم چوں کہ محض ''ضیف مشارک'' (شرکت کنندہ مہمان) ہیں؛ اس لیے مکہ مکرمہ میں ہمارے ساتھ ایک چینی یا فلپائنی کو ٹھہرا دیا گیا تھا، مفاہمت میں پریشانی ہوتی تھی، یہاں تم اپنے ساتھ ہی ہمارا نام کروالینا، اس سے ہم دونوں کو سہولت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مولاناؒ بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔ اللہ انھیں اپنی جنت میں نوازے اور تمام حسنات کو دو چند کرے اور سیئات کو جن سے کوئی فرد بشر خالی نہیں حسنات میں تبدیل کر کے اعلی مقام نصیب کرے۔ آمین۔

رفتید ولے نہ از دلِ ما

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

عظیم المرتبت شخصیت

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کو مغرب کی نماز کی تیاری کے لئے اَذانِ مغرب سے تقریباً ۱۲؍منٹ پہلے وضو کرنے جا رہا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب کا فون آیا کہ حضرت اقدس فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کا دردناک سانحہ پیش آ گیا ہے۔ خبر سنتے ہی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ نکلے، اور حضرت کی زندگی کے مختلف مناظر ذہن میں گھوم گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے، جن کو دنیوی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی یاد سے قطعاً غافل نہیں کرتیں، اور وہ تمام تر مصروفیات کے باوجود ذکر خداوندی، نماز باجماعت اور صدقہ خیرات وغیرہ اعمالِ صالحہ میں لگے رہتے ہیں۔ ہمارے حضرت فدائے ملتؒ بھی ایسے ہی قابل رشک لوگوں میں شامل تھے، اِس خاکسار نے ۳۰-۳۵؍سال سے حضرت کی زندگی کو قریب سے دیکھا، دور سے دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعات، خصوصی مجلسوں اور کانفرنسوں میں دیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُن جیسے عظیم المرتبت انسان دنیا کے گوشے گوشے میں ڈھونڈے جائیں، پھر بھی مشکل سے مل پائیں گے۔

احقر نے حضرت والا کی جوانی کا زمانہ بھی دیکھا ہے، جب حضرت کی داڑھی اور سر کے بال میں سفیدی بالکل نہیں آئی تھی، اُس وقت حضرت کے اکابر اور اساتذہ باحیات تھے؛ لیکن بڑے بڑے مجامع اور اجتماعات میں اُن کے اکابر اور اُنہیں کے اساتذہ اُن کے واسطے کھڑے ہوکر اُن کا استقبال کرتے تھے۔

بے مثال مجاہدہ

نیز وہ زمانہ بھی خوب دیکھنے میں آیا کہ ایک رات میں تین تین چار چار جلسوں میں شرکت فرماتے تھے، بعض دفعہ حسن اتفاق اس خاکسار کو بھی حضرت کے ساتھ ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ میرٹھ، مظفرنگر کے علاقوں میں جلسوں میں ہنگامی دورہ ہورہا تھا، دوتین مدرسوں کے جلسوں سے فارغ ہوکر آخر میں مدرسہ قاسمیہ تعلیم الاسلام سٹھلہ میرٹھ کے جلسہ میں شرکت فرمائی، تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار بجے صبح صادق ہوجاتی تھی، تو اول وقت میں اپنی جماعت الگ سے کرکے فوراً دہلی کے لئے روانہ ہوگئے، اور دہلی میں صبح آٹھ بجے سے عمومی کانفرنس تھی، بغیر آرام کے سفر کرکے وقت پر دہلی پہنچ گئے، اور جاتے ہی اسٹیج پر پہنچ گئے، پوری رات آرام نہیں فرمایا۔ پھر کانفرنس سے فارغ ہونے کے بعد شاید دو ایک گھنٹہ آرام فرمایا، ظہر کے بعد پھر پروگراموں میں شرکت شروع فرمادی۔ مجاہدہ اور جفاکشی اس طریقے سے برداشت کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں، وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (یعنی جو ہمارے راستے میں جدوجہد کرتا ہے، ہم اُس کو اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں) کا مصداق بنایا ہو۔

اعتدال اور میانہ روی

اور بعض مرتبہ ملک کے اندر نہایت ہنگامہ اور افراتفری کا ماحول پیدا ہوگیا، کوئی جہاد کا اعلان کرنے لگا، کوئی ہندو مسلم کے درمیان ہنگامہ آرائی کا راستہ دکھانے لگا، کسی سیاسی ہتھکنڈے کے ذریعہ انسانوں کا خون بہانے کا راستہ فراہم کرنے لگا، اِن حالات میں آپ نہایت تحمل اور تدبر سے ایسا میانہ روی کا راستہ اختیار فرمایا کرتے تھے کہ دونوں قوموں کی طرف سے کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہوسکے۔ اِس طرح کے واقعات ملک کے اندر ان کی زندگی میں ایک دو نہیں؛ بلکہ سیکڑوں سے زائد پیش آئے۔ ہر موڑ میں مخالف ہواؤں کا نہایت حسن تدبیر سے رخ موڑ کر درمیانی راستہ اختیار فرماتے رہتے تھے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ

الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا، فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ، وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ، وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ﴾ [الفاطر: ۳۲] (پھر یہ کتاب ہم نے اُن لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں پسند فرمایا، پھر بعضے تو اُن میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض اُن میں سے بیچ کی چال پر ہیں، اور بعضے اُن میں وہ ہیں جو خدائی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کئے چلے جاتے ہیں) اِس آیت کے مطابق سیاسی معاملات میں آپ میانہ روی کا راستہ اپناتے تھے۔

بیک وقت سیاست اور بزرگی

دنیا میں ایسے انسان بہت ملتے ہیں کہ عبادت و ریاضت کی لائن میں یکسو ہیں، ملی اور سیاسی سرگرمیوں سے اُن کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں پڑتا۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی بے شمار ملیں گے، جن کا تعلق صرف سیاسی سرگرمیوں سے ہوتا ہے؛ لیکن ایسے انسان پورے عالم میں خال خال ملتے ہیں، جو بیک وقت عبادت و ریاضت میں ﴿سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ﴾ کے مصداق بنے رہیں اور ملی اور سیاسی سرگرمیوں میں ﴿وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ﴾ کے مصداق بنے رہیں۔ احقر نے حضرت کو قریب سے دیکھا کہ سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی اسفار کے دوران نماز باجماعت اور نمازوں میں مسنون قرأت کی پابندی اور چلتے سفر میں تہجد کی پابندی اور ذکر و معمولات کی پابندی میں کسی قسم کی کمی آنے نہیں دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد صبح صادق ہوتے ہی اپنی نماز الگ پڑھ کر دوسری جگہ کا سفر تھا، اس نااہل کو اِمام بنادیا گیا، احقر نے فجر کی نماز میں سورۂ فیل اور سورۂ اخلاص کے ساتھ نماز پڑھادی، اور ذہن میں یہ تھا کہ سفر کی عجلت ہے، سلام پھیرتے ہی فرمایا: ''قاری صاحب کیا عجلت تھی اتنی مختصر قرأت کیوں ہوئی''؟ ساتھ میں حضرت اقدس مولانا رشید الدین حمیدیؒ بھی موجود تھے، اُنہوں نے فرمایا کہ ''مفتی صاحب آپ کو معلوم ہے کہ حضرت والا سفر میں بھی مسنون قرأت کی پابندی فرمایا کرتے ہیں''۔

سیاسی حکمتِ عملی

حضرت والا کی سیاسی حکمت عملی ملک اور بیرونِ ملک میں شہرت یافتہ رہی ہے، جس سے مسلم غیر مسلم اکثر و بیشتر لوگ واقف ہیں۔ ایک واقعہ یہاں نقل کرتا ہوں، جس سے ناظرین آپ کی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی کا بآسانی اندازہ لگالیں گے۔

۲۰۰۱ء میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی طرف سے پشاور (پاکستان) میں ''ڈیڑھ سو سالہ دارالعلوم دیوبند کانفرنس'' منعقد ہوئی، اُس وقت امریکہ کی نگاہ افغانستان کے اوپر بہت سخت تھی، اور اِدھر مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات نہایت خراب اور خطرناک تھے۔ دونوں حکومتوں کی انٹلی جنس کے لوگ پشاور میں حضرت کے بیان کے انتظار میں تھے کہ مسئلہ کشمیر سے متعلق کیا بیان دیتے ہیں؟ حضرت کا بیان ایک بجے رکھا گیا تھا؛ لیکن دوسرے مقررین کے بیانات کا سلسلہ ایک بجے سے تجاوز کر چکا تھا، اس کے بعد حضرت کا نمبر آیا، جب حضرت کے بیان کا اعلان ہوا تو ٹھاٹھیں مارتے ہزاروں انسانوں کے مجمع میں عجیب وغریب حرکت پیدا ہوگئی، اور دیر تک آپ کے استقبال میں نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتے رہے۔ نیز ہر طرف سے آپ کا بیان نوٹ کرنے والے سرکاری اور غیر سرکاری کارندے اور تمام دُنیا کے ذرائع ابلاغ کے لوگ مستعد تھے۔ حضرت نے اطمینان کے ساتھ مائک پر پہنچ کر فرمایا کہ میرے بیان کا وقت ایک بجے کا تھا، اور ایک بجے کے بعد دعا ہونی تھی، اب ایک کے بجائے ڈیڑھ بج چکا ہے، میرے بیان کا وقت ختم ہو چکا ہے، اور وقت کی پابندی ضروری ہے، اِس لئے وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنا بیان موقوف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اِس اجلاس کو کامیاب بنائے، اور اُمت کے لئے خیر کے راستے نکالے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

آپ کے یہ الفاظ سن کر اجلاس میں سناٹا چھا گیا، اور دونوں حکومتوں کے انٹلی جنس کے لوگ حیران رہ گئے، اور اخبار والوں نے حضرت کے بیان کو اچھالنے کے لئے جو ذہن بنا رکھا تھا، وہ سب ہاتھ ملتے رہ گئے، مگر اس کے بعد اُسی دن شب میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں بیان ہوا، اور مسلک دیوبند اور مسلک امام ابوحنیفہ پر آپ نے نہایت پرمغز تفصیلی خطاب فرمایا۔

ہندوستان اپنے قائد سے محروم

حضرت کی ذات ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک عظیم الشان ڈھال تھی۔ اُن کے بعد ہندوستان کے مسلمان اپنے عظیم قائد سے محروم ہوگئے ہیں، آپ کے سانحۂ وفات کے بعد موافق مخالف ہرطرح کے لوگ ایسا خلا محسوس کررہے ہیں کہ اُن کی جگہ پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا، جب بھی ہندوستان میں اسلام سے متعلق سامراجی ذہنیت کی طرف سے کوئی حملہ ہوتا تو اُس کے مقابلے کے لئے سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف اُٹھتی تھیں، اور آپ ہر موڑ پر پیش قدمی کرکے فتنوں کا راستہ روکنے کی کوشش فرماتے تھے۔

اُتر پردیش میں جب گپتا حکومت نے مساجد اور مدارس پر ایسی پابندیاں لگائی تھیں جس سے حکومت کی اجازت کے بغیر آئندہ نہ کوئی مسجد بن سکتی تھی اور نہ کوئی مدرسہ، تو حضرت والا کی قیادت میں رام لیلا گراؤنڈ دہلی میں سیاسی، غیر سیاسی دس گیارہ لاکھ کا مجمع جمع ہوگیا، اور حکومت کو وہ قانون ٹھنڈے بستے میں ڈالنا پڑا۔ اسی طرح بی جے پی کے دورِ حکومت میں قرآنِ کریم کی سورۂ توبہ کی آیتوں کی ترمیم کا شوشہ چھوڑا گیا تھا، تو آپ کی قیادت میں ہر صوبہ اور ہر ضلع میں احتجاج ہوا، اور قرآنِ کریم کے خلاف آواز اُٹھانے والوں کو خاموش ہونا پڑگیا، اور ابوغریب جیل میں قرآنِ کریم کی بے حرمتی جو امریکی فوجیوں کے ذریعہ کی گئی تھی، اُس کے خلاف ملک گیر انداز میں تحریک چلائی گئی، نیز مراجی ڈیسائی کے زمانے ’’میں ملک وملت بچاؤ تحریک‘‘ چلائی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت کی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ مختصر مضمون اس کا احاطہ نہیں کرسکتا، اس کے لئے سیکڑوں صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو بے حد قبول فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

محرم الحرام کی ساتویں تاریخ ہے، اُفق آسمانی پر چمکتے سورج کی تابانی ماند پڑتی جارہی ہے، سورج غروب ہونا چاہتا ہے، مگر اس سے پہلے ہی ملت اسلامیہ کا آفتابِ فضل وکمال نصف صدی سے زائد عرصے تک اپنی جرأت، عزیمت، اخلاص، دردمندی اور جاں سوزی کے ذریعہ اپنی تابانیاں بکھیرنے کے بعد دنیائے دوں سے رخصت اور غروب ہوکر آخرت کے ابدی سفر پر روانہ ہوجاتا ہے، اِس طرح ۸۰/سال کی قربانیوں، جاں فشانیوں، ملت کے مسائل ومشاکل کو حل کرنے اور اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے عظیم کاموں سے مالا مال مجاہدانہ زندگی گذار کر ملت اسلامیہ کا قائد جلیل، مردِ کوہ کون، ذکر الٰہی سے سرشاری کی والہانہ کیفیت میں اپنے مالک حقیقی سے جاملتا ہے۔

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تو ❖ خوب تر تھا صبح کے تاروں سے بھی تیرا سفر

امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کا سانحۂ وفات پورے عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، یہ صرف ایک فرد کی وفات نہیں؛ بلکہ پورے ایک عہد کا اور اُس کی دل آویز خصوصیات کا خاتمہ ہے، اُن کی شخصیت بلاشبہ اسلامی تاریخ کی اُن جلیل القدر اور عظیم المرتبت شخصیات میں نمایاں ہے جن کے پائے ثبات واستقامت میں نہ حکمرانوں کا رعب وجلال لغزش پیدا کر پاتا ہے، اور نہ ہی سیم وزر کی زنجیریں قصر سلطانی کے گنبد پر اپنا نشیمن بنانے پر اُنہیں آمادہ کرسکتی ہیں؛ بلکہ اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ:

با سلاطین در فتد مردِ فقیر ❖ از شکوہِ بوریا لرزد سریر

مردِ فقیر بادشاہوں سے پنجہ آزما ہوجاتا ہے، اس کے بوریا کے جلال وشکوہ سے تخت وتاج لرزاں وترساں رہتے ہیں، وہ اُن خوش نصیب بندگانِ خدا میں سے تھے جنہیں قسامِ ازل نے

بے شمار کمالات، امتیازات اور خوبیوں سے بہرہ مند فرمایا تھا، اُن کی ذات میں جو مکارم ومحاسن اور حسنات وفضائل کا اجتماع اللہ کی توفیق سے تھا، اُن کا اِحاطہ بے حد دشوار ہے۔ بقولِ شاعر:

من كثرة الأخبار من مكرماته ❖ يمر به صنف ويأتي به صنف

یعنی ان کے مکارم اتنے گوناگوں ہیں کہ ایک کا ذکر چھڑتا ہے تو دوسرا سامنے آجاتا ہے، مرحوم کی چند نمایاں امتیازی خصوصیات کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

(۱) عظمت وعبقریت

حضرت امیر الہند علیہ الرحمہ کی سب سے نمایاں خصوصیت اُن کی عظمت ہے، اللہ نے اُن کو جو ہمہ جہتی عظمت عطا فرمائی تھی، وہ محض خاندانی ورثہ نہیں تھی؛ بلکہ عظمتوں اور رفعتوں کے منارۂ بلند تک پہنچنے کے لئے اُنھوں نے اپنا خونِ جگر جلایا تھا، ملت کے مسائل کے لئے، ایوانِ پارلیمنٹ میں، اربابِ اقتدار کے سامنے، پبلک اسٹیجوں پر، شہر شہر، قریہ قریہ، ملک وبیرونِ ملک، سفر حضر، راحت وکلفت، ہر وقت اور ہر حال میں اپنے ذاتی اور خاندانی غموم وہموم سے بے پرواہ ہوکر اُن کی شب وروز کی پیہم مجاہدانہ مساعی، جہد مسلسل، لگن، ملت کا دردِ بے پناہ، سوزِ دروں اور:

إن الفتى من يقول ها أنا ذا ❖ ليس الفتى من يقول: كان أبي

صاحب عزم جوان وہ ہے جو خود مردِ میدان ہو، اور کسی دوسرے کے بھروسے پر نہ رہے، وہ کسی کا دستِ نگر نہ ہو؛ بلکہ اُسے اپنے زورِ بازو پر یقین محکم ہو اور وہ للکار کر کہے کہ لو! میں سامنے موجود ہوں۔ صاحبِ عزم وہ نہیں جو صرف اپنے آباء واجداد اور خاندان کی عظمت پر ناز کرتا پھرے، اور خود میدانِ عمل میں کوئی جوہر نہ دکھا سکے۔ حضرت امیر الہندؒ اپنی دنیا آپ بنانے والے اصحابِ عزیمت میں سے تھے، اور اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ ''راہ میں حائل ہوں اگر کوہ تو ٹھکرا کے نکل'' چناں چہ اُن کے مشن کی راہ میں بڑے بڑے طوفان آئے، اپنوں اور غیروں کی ریشہ دوانیاں آئیں، رکاوٹوں اور مخالفتوں کی ہوائے تند وتیز آئی، مگر کوئی چیز اُن کی رفتارِ کار اور عزم وہمت کے آڑے نہ آسکی، اور زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے رہے کہ:

میں کہاں رکتا ہوں عرش وفرش کی آواز سے ❖ مجھ کو جانا ہے بہت اُونچا حد پرواز سے

(۲) قائدانہ جوہر

اللہ نے اُن میں کوٹ کوٹ کر قائدانہ صلاحیت بھردی تھی، دوراندیشی، عقابی روح، اصابتِ فکر، جرأت وعزیمت، حق گوئی، بے باکی، بصیرت وفراستِ ایمانی، بلند نگاہی اور عالی حوصلگی کی جو خوبیاں اُن کے خمیر میں پیوست تھیں، قیادتِ ملت کے پرخار اور نازک سفر میں یہی اُن کا رختِ سفر اور زادِ راہ تھیں۔ بقول اقبال:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز ❖ یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

کہا جاتا ہے کہ ''قیادت اطاعت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے'' ملت کے غم میں اونچے بول بولنے اور جھوٹے آنسو بہانے والے قائدین ملت کے انتشار اور جذبہ اطاعت سے محرومی کا واویلا کرتے ہیں، مگر امیر الہند مرحوم کی قیادت ملت کی پچاس سالہ تاریخ اطاعت واجتماعیت کی آئیڈیل تاریخ ہے، اور مفاد پرست و مصلحت کوش، کرگس صفت قائدین کی قیادت اور امیر الہند کی جرأت مندانہ اور شاہین صفت قیادت میں جو واضح فرق ہے وہ یہی ہے کہ:

مرے ہم ضمیر بلبل ترا مرا ساتھ ہی کیا ❖ ترا درد دردِ تنہا، مرا غم غمِ زمانہ

ہندوستان میں سرمایۂ ملت کی پاسبان ونگہبان تنظیم ''جمعیۃ علماء ہند'' کے وسیع اور عوامی بے نظیر پلیٹ فارم سے نصف صدی سے زائد عرصے تک اُنہوں نے اسلامیانِ ہند کی قیادت کی، اور احساسِ محرومی وکمتری سے دوچار ملت کو حوصلہ بخشا، اُن کے سینوں میں دبی آگ کو شعلۂ جوالہ بنایا، اُنہوں نے مصلحت اندیشوں کے بجائے جرأت مندانہ اقدامات کی تحریک یہ کہتے ہوئے پیدا کی کہ:

مصلحت اندیشوں ہی کا تو یہ انجام ہے ❖ اتحادِ دین و ملت پارہ پارہ ہوگیا

اُنہوں نے اُمت کو یہ ہمت دی کہ اُمت اپنے مسائل پوری قوت سے اُٹھائے، اُسے اپنے وجود اور تحفظ کی فکر کے بجائے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا ہے، اُس کے وجود پر کوئی آنچ نہیں آتی ہے، اصل چیز حقوق کا جرأت مندانہ مطالبہ ہے، اُنہوں نے ملت میں یہ روح بھری کہ وہ اپنے مسائل اُٹھائے، اور اُس میں ذرا بھی لچک، نرم روی اور سہل انگاری سے کام نہ لے۔ اِس لئے کہ:

مسئلے زندہ قوموں کی پہچان ہیں ❖ مردہ قوموں کے کوئی مسائل نہیں

ناعاقبت اندیش اور کوتاہ بیں افراد کو کبھی کبھی اُن کی قیادت میں ضرورت سے زیادہ عاجلانہ اِقدامات اور تدریج کے بجائے، منزل بہ منزل سفر کے بجائے یک بیک آخری منزل اور مقصد پالینے کا مزاج نظر آتا ہے۔ مگر امیر الہند کی فراست اور دوراندیشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا تھا، اور اُن کی رفتار کار گویا یہ پیغام دیتی تھی کہ:

بڑھ جنوں کچھ اور آگے، منزلیں ہیں اور بھی ❖ اس سے کیا حاصل کہ ٹکرائیں درو دیوار سے ہم

دنیا نے یہ منظر بار بار دیکھا، وہ جمعیۃ علماء ہند (جس کی تاریخ عزیمت کی روشن ترین تاریخ ہے) کے پلیٹ فارم سے امیر الہند کی ایک صدا پر خلق خدا کا وہ ہجوم اکٹھا ہوتا ہے، جن سے ایوانِ باطل میں لرزش پیدا ہوجاتی ہے۔ جمعیۃ کی تاریخ میں امیر الہند کی قیادت کا دور اس کا عہد زریں ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ:

تاریخ جنوں یہ ہے کہ ہر دورِ خرد میں ❖ اِک سلسلۂ دار و رسن ہم نے بنایا

(۳) مسلکِ دیوبند کا تحفظ

امیر الہند کی ایک نمایاں خصوصیت مسلک دیوبند کا تحفظ اور اکابر دارالعلوم کا مزاج، مذاق اور اقدار کی ترویج واشاعت کا فکر واہتمام ہے، اور اس کے لئے اُنہوں نے جو قابل قدر خدمات انجام دیں، اُن سے اُن کی بیدار مغزی اور ہوش مندی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ گذشتہ مارچ ۲۰۰۵ء میں میں نے دہلی میں حضرت سے ملاقات کے دوران اپنی ایک تصنیفی کاوش ''مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے'' پیش کی، آپ نے اُس کا سرسری مطالعہ فرمایا اور پوچھا کہ اس کتاب میں دارالعلوم دیوبند کا ذکر نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! دیوبند کا ذکر ہے، پھر وہ باب کھول کر پیش کیا، جس میں مفکر اسلام، دارالعلوم دیوبند اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا مفصل ذکر ہے، حضرت نے وہ پورا مضمون پڑھا، اپنی مسرت کا اظہار کیا اور دعائیں دیں۔ اِس معمولی واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم، مسلک دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم سے اُن کا تعلق کس درجہ والہانہ اور عاشقانہ تھا، اور اکابر کا مزاج و مذاق اُن کے رگ وپے میں کس درجہ پیوست تھا۔

ملت کی بدقسمتی ہے کہ چند سالوں سے ایک جماعت مسلسل مسلک احناف ودیوبند اور اکابر دیوبند کے خلاف طوفانِ بدتمیزی میں مشغول ہے، اور کچھ بے توفیق تفسیقؔ وتضلیل یا کم سے کم تفسین تشنیع کی حدوں تک جا پہنچے ہیں۔ امیر الہند نے اس نازک موقع پر ''تحفظ سنت کانفرنس'' بلائی، اور ملت اسلامیہ کے تمام روشن دماغ، سلیم الفکر افراد، عقیدت مندانہ خوشہ چیناں دار العلوم کو اکٹھا کیا، اور یہ ثابت کر دیا کہ مسلکِ دیوبند اور عظمتِ اکابر کے تحفظ کے لئے ذہنی، دماغی، قلبی، لسانی، علمی اور عملی ہر طرح کی کوشش جاری رہے گی، اور مسلکِ دیوبند پر کوئی آنچ آئے اُسے گوارا نہ کیا جائے گا۔

(۴) اتحادِ ملت کی سعیِ محمود

حضرت کی زندگی کا یہ پہلو عام طور پر نگاہوں سے اوجھل ہے، یا غلط فہمیاں حائل ہیں، اصحابِ بصیرت واقف ہیں کہ جمعیۃ علماء اور دار العلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے حضرت نے اتحادِ ملت کی کوشش مستقل جاری رکھی، اتحادِ ملت کا سرا براہِ راست اصلاحِ معاشرہ سے جڑا ہوا ہے، تحریک اصلاحِ معاشرہ جو آج ہندوستان کے ہر گوشے میں جاری ہے، اور اُس کے اثرات نمایاں ہیں، وہ جمعیۃ علماء کی دَین اور امیر الہند کا فیض ہے، سابق فرقہ پرست حکومتِ ہند نے مدارسِ اسلامیہ کے خلاف دہشت گردی پھیلانے کا جو ڈھونگ رچا تھا، اور مدارس کی تفتیش اور اہل مدارس کو ٹارچ کرنے کی جو منظّم مہم اور کوشش جاری کی تھی، اور اس کے لئے جو سیاہ بل نافذ کرنے کا پروگرام تھا، حضرت نے اس کے مقابلے کے لئے کانفرنس بلائی، اور پھر سب نے دیکھا کہ اُن کی آواز پر لاکھوں مسلمانانِ ہند نے لبیک کہا، تاریخ نے یہ منظر بھی ریکارڈ کیا کہ مختلف الخیال افراد اور مختلف مکاتبِ فکر کے نمائندے حضرت کے قدم بہ قدم اِس مہم میں شریک ہیں، اتحاد واجتماعیت کا یہ حسین ودل نواز مظاہرہ حضرت کے جذبۂ اتحاد کا ایک نمونہ ہے۔

(۵) تدین وتقویٰ اور خشوع

حضرت کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والا اُن کے تدین، تقویٰ اور خشوع کا شاہد ہے، حقوق کی ادائیگی کا اہتمام، توازن، معاملات کی صفائی، معاشرتی زندگی کی پاکیزگی، نماز باجماعت کا

بے نظیر اہتمام، خاشعانہ کیفیت، شب بیداری، آہ سحر گاہی، تلاوت ومناجات، دعا واِنابت اور حسنِ اخلاق حضرت کی عملی زندگی کے روشن عناوین ہیں، اور اُن کا دائرہ اِس قدر وسیع ہے کہ یہاں اُس کا اِحاطہ نہیں ہوسکتا۔

جمعیۃ علماء کی عملی قیادت میں قدم رکھنے کے دن سے لے کر یومِ وفات تک شاید کوئی دن طلوع ہوا ہو جب ایک خاص حلقے میں اُن کی تحقیر اور ملامت نہ کی گئی ہو، اُن کے لئے کلماتِ اہانت استعمال نہ کئے گئے ہوں، اور اُن کو ملت کا دشمن ثابت نہ کیا گیا ہو، اور اُن کے خلوص پر حملے نہ کئے گئے ہوں؛ مگر یہ حرکت اُن لوگوں نے کی جن کے جسم نازک میں ملت کی خدمت کی راہ میں ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروں میں اسلام کے لئے کوئی کانٹا نہیں گڑا، اور خون تو بڑی چیز ہے؛ اسلام کی صحیح خدمت میں اُنہیں پسینہ کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ جس وقت ملت محرومی اور مایوسی کے دور سے گذر رہی تھی، علاقے کے علاقے خونِ مسلم سے لالہ زار ہو رہے تھے، لاشے بے ور وکفن تھے، مساجد ومدارس کی حرمت اور وقار داؤں پر لگے ہوئے تھے، اُس وقت ملت کے اس مرحوم ومجاہد قائدِ عظیم کے بارے میں زبانِ ملامت دراز کرنے والے کہاں تھے؟

۷ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ کی صبح احاطہ دارالعلوم دیوبند میں پورے ملک سے اپنے قائد عظیم کی تدفین میں کشاں کشاں آیا ہوا اِنسانی سمندر زبانِ حال سے کہہ رہا تھا: ”هٰكذا تكون جنائز أئمة السنة“ (ائمہ دین اور رہبرانِ اُمت کا جنازہ اسی شان سے اُٹھتا ہے) جنازے میں شریک انسانی ہجوم بے پناہ رخصت ہونے والے کی مقبولیت اور محبوبیت کا نشان تھا، اور ہر صاحبِ بصیرت یہ تأثر ظاہر کرنے پر مجبور تھا کہ قیادتِ ملت کی صف میں ایسا خلا اور سناٹا در آیا ہے کہ:

دور تک قافلۂ صبح کے آثار نہیں

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

میرے شیخ، میرے مرشد

مولانا محمد اسعد صاحب دیوریاوی اُستاذِ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت مولانا کی سب سے پہلے زیارت بچپن میں اپنے گاؤں ''میہاں'' میں ہی کی تھی، ہمارے والد صاحب کا تعلق بھی اس خانوادہ سے عقیدت مندانہ تھا، اس لئے بندہ بھی حضرت والا کو بڑی عقیدت ومحبت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بندہ دارالعلوم مئو میں زیر تعلیم تھا، حضرت مولانا افتخار احمد صاحبؒ (سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی) وہاں کے مدرس تھے، میں اُن کے درس میں بیٹھا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت مولانا محمد مسلم صاحبؒ (والد مفتی محمد راشد صاحب اُستاذ دارالعلوم دیوبند) تشریف لائے تو حضرت مولانا افتخار احمد صاحب نے مولانا محمد مسلم صاحب سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''اس بچے کا نام اسعد ہے اور پکا اسعدی ہے۔ اِس پر مولانا محمد مسلم صاحب نے امتحاناً مجھ سے کہا کہ یہ سیاسی کام بھی کرتے ہیں، کیسے بزرگ ہو سکتے ہیں؟ اس پر میں نے برجستہ جواب دیا کہ بزرگ ہونے کے لئے ایک جگہ پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا ضروری نہیں ہے''۔

دورۂ حدیث کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد حضرت سے بیعت ہونے کی آرزو ہوئی، تو حضرت کو ایک پرچہ لکھ کر دیا، حضرت نے پوچھا آئندہ کا کیا پروگرام ہے؟ میں نے بتایا کہ ابھی پڑھنے کا ارادہ ہے، حضرت والا نے بیعت ہونے سے منع فرمادیا، اس کے باوجود میں حضرت سے موقع بموقع درخواست کرتا رہا۔ ایک موقع پر رمضان المبارک ۱۹۵۹ھ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، وہاں حضرت مولانا محمد طاہر صاحب کلکتوی خلیفہ حضرت مدنیؒ بھی موجود تھے، انھوں نے حضرت مولانا سے فرمایا کہ یہ بار بار آرہا ہے، اس کو بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟ تو

پھر حضرت نے فرمایا کہ ابھی پڑھنا مقدم ہے، بالآخر حضرت نے اسی بار بار جانے پر اسی سال بیعت فرمالیا اور پھر بیعت وارشاد کی تعلیم شروع ہوگئی۔

ایک موقع پر حضرت مولانا کو لے کر اپنے علاقہ کے ایک گاؤں میں جانا تھا، میں مولانا کو بھٹنی گورکھپور سے لے کر بذریعہ جیپ جارہا تھا، راستے میں ایک گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے لگے، نماز سے فارغ ہوئے تو ایک بوڑھے میاں اپنے گھر دوڑ کر گئے اور گڑ کے کچھ ٹکڑے پلیٹ میں رکھ کر لے آئے، حضرت نے گڑ کے ٹکڑے لے لئے اور ساتھیوں سے بھی کہا کہ سب لوگ لے لو، حضرت والا نے بوڑھے میاں کے خلوص ومحبت کی قدر کرتے ہوئے اُن کے اس معمولی عطیہ کو بھی قبول فرمایا۔

جس سال بندہ دورۂ حدیث سے ۱۹۷۵ء میں فارغ ہوا تو حضرت مولانا اس سال مدنی مسجد دیوبند میں معتکف تھے، بندہ بھی وہاں حاضر رہا کرتا تھا، ۲۹؍شعبان کو استاذ محترم حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے فرمایا آج سے تمھیں میرے ساتھ دور کرنا ہے، اور حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب اس وقت دور کرنے والوں کا قرآنِ کریم کھول کر سنا کرتے تھے، تو حضرت مولانا ارشد صاحب کے ساتھ دور کرنے اور حضرت مولانا کے سننے کا رعب بندہ پر طاری ہوا کہ حضرت والا کو کس طرح قرآنِ کریم سنا سکوں گا؟ بہرحال ہمت نہیں کرپارہا تھا کہ حضرت والا کو کیسے قرآن سناؤں گا؟ لیکن حضرت استاذ محترم مولانا ارشد مدنی صاحب نے ہمت دلائی اور حوصلہ بڑھایا کہ تم تو اچھا پڑھتے ہو، پھر میں بڑی محنت اور لگن سے قرآن کریم یاد کرتا تھا اور حضرت مولانا کو سنانے سے پہلے حافظ محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت شیخ الاسلام (جو قرآن کے اچھے حفاظ میں شمار ہوتے ہیں اُن کو) سنایا کرتا تھا، پھر حضرت مولانا ارشد صاحب مدظلہ کے ساتھ دور کرتا تھا اور حضرت والاؒ بغور قرآن کریم سنا کرتے تھے اور ٹوکتے بھی تھے، حضرت والا کی توجہ اور قرآن کریم سننے سے بندہ کو بڑا فائدہ ہوا، اور بڑا حوصلہ بڑھا، اس طرح پھر مسلسل کئی سال تک اعتکاف کا موقع ملا اور حضرت کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہوتا رہا۔

ایک دفعہ حضرت والا کے ساتھ سفر میں تھا، مغرب کی نماز کا وقت تھا، حضرت والا سے لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت نماز پڑھا دیجئے، حضرت والا نے بندہ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھا دیا اور فرمایا اسعد ہی نماز پڑھائے گا۔

اس طرح حضرت والا ہمت افزائی اور شفقت فرمایا کرتے تھے، اللہ کے فضل سے ہمارے علاقہ میں ایک مدرسہ ''جامعۃ الاسلام والقرآن'' میہاں ہرہنگ پور دیوریا یوپی میں حضرت کی سرپرستی میں بندہ کے ذریعہ قائم ہوا، اور وہاں دینی تعلیم وتربیت کا نظم ہوا، حضرت والا سے درخواست کی تو وہاں اجلاسِ دستار بندی میں تشریف لے گئے، دوسال پہلے بھی سہ بارہ حضرت کو مدرسہ لے جانے کے لئے کوششیں کیں، حضرت والا علالت اور کمزوری کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے؛ لیکن مدرسہ کے حالات کے بارے میں معلومات فرماتے رہتے تھے۔ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت کی دعاؤں اور مفید مشوروں کی وجہ سے یہ مدرسہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

آج حضرت والا کا سایہ شفقت نہیں ہے؛ لیکن اللہ کی ذات سے امید ہے آئندہ بھی یہ ادارہ اپنی دینی خدمات سے علاقہ کو فیض یاب کرتا رہے گا۔ الحمد اللہ اس وقت مدرسہ میں حفظ قرآن کریم کے آٹھ درجے اور عربی پنجم تک تعلیم ہورہی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت والا کے ساتھ بستی سے لکھنؤ کے لئے ٹرین میں سفر کررہا تھا، رات کا وقت تھا، جب تہجد کا وقت ہوا تو حضرت والا تہجد کی نماز کے لئے اٹھ گئے، بندہ بھی چاہ رہا تھا کہ حضرت کی خدمت کا موقع ہاتھ آئے، تو حضرت نے فرمایا کہ گرم پانی رکھا تھا وہ لائیے، تو بندہ نے جلدی سے پانی دیا، حضرت نے وضو فرمایا اور نماز ادا کی۔ سفر میں بھی حضرت نماز تہجد کی پابندی فرمایا کرتے تھے، اور بڑے اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

چندسال پہلے جمعیۃ علماء ہند نے اصلاحِ معاشرہ پروگرام ملکی پیمانہ پر شروع کیا تھا، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی اور دیگر بہت سے مدارس کے علماء کرام کے وفود ملک کے دیہات قصبات اور شہروں کو روانہ کئے گئے، بندہ کا نام بھی ان علماء کی فہرست میں تھا؛ لیکن حضرت والا نے علماء

کرام کو علاقوں کے احوال کے اعتبار سے سیٹ کیا تھا؛ لیکن تری پورہ، منی پور کے علاقہ کے لیے کوئی مناسب نام تجویز نہیں ہو پا رہا تھا، حضرت والا نے مجلس میں فرمایا کہ اسعد کا نام لکھو وہ چلا جائے گا۔ بہر حال میرا نام تری پورہ، منی پور کے اصلاح معاشرہ پروگرام کے لیے منتخب ہو گیا، بندہ سفر پر روانہ ہوا بفضلہٖ تعالیٰ اور حضرت کی دعاؤں سے تمام سفر بعافیت مکمل ہوا اور لوگ پروگراموں میں جڑے اور مستفید ہوئے۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

مولانا سید اسعد مدنی میں کردار صحابہؓ کی جھلک

مولانا امام علی دانش صاحب صدر المدرسین اِدارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں محققین نے فرمایا ہے کہ ''وَهُمْ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ وَرُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ'' (وہ دن کے شہ سوار اور رات کے عابد، دنیا بیزار تھے) دن میں دین کی سر بلندی کے لئے سرگرم عمل رہتے، راتوں کو ضرورت بھر آرام فرما کر نماز و مناجات میں مشغول ہو جاتے، اُن کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں گذرتا تھا، اس کیفیت وحالت کا عکس جمیل اکابر ملت کی زندگیوں میں بھی پایا جاتا رہا ہے۔

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے روز وشب بھی اصحابِ نبوی کے منہج وطریق پر گذرتے تھے، میں نے اُن کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، دین پر ثابت قدمی عزم ویقین کی پختگی، اصابت رائے اور ہوش مندی کے ساتھ مسلسل جدوجہد کرتے رہنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ حالات موافق ہوں یا ناسازگار، وہ کبھی نا اُمید نہ ہوتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے ملک وبیرونِ ملک کے مسلسل دورے فرماتے، دنیا کے کسی گوشے میں مسلمانوں پر کوئی آفت آتی، اُس کی خلش اپنے دل میں محسوس کرتے، ہر ممکن تعاون کرتے، ہندوستانی مسلمانوں کی عزت وآبرو، جان ومال اور دین وایمان کے تحفظ کا پختہ عزم رکھتے تھے۔ بروقت فیصلہ کرتے اور مناسب اقدام کرتے، حق گوئی اور حق پرستی اُن کا شیوہ تھا، خواص ہو یا عوام، رعایا کے لوگ ہوں یا حکام؛ سب کو راہِ راست دکھاتے، کسی سے مرعوب نہ ہوتے، مسلسل فسادات برپا کر کے فرقہ پرست لوگ اہل اسلام کے حوصلوں کو پست کردینا چاہتے تھے؛ تاکہ وہ اس ملک میں دوسرے درجہ کے شہری بن کر رہیں، اُن کو حوصلہ دلانے اور عزت کی زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھانے کے لئے ملک وملت بچاؤ تحریک چلائی۔

ایک موقع موقع پر فرمایا کہ اس ملک کے بنانے اور سنوارنے میں ہم کسی سے پیچھے نہیں ہیں، ہم نے تحریک آزادی کی قیادت کی ہے، ہم کسی سے رعایت نہیں چاہتے ہیں، ہم اس ملک پر دوسرے کے برابر حقوق رکھتے ہیں، جن کو لے کر رہیں گے۔ اس ملک کی ایک بڑی آبادی کو ہزاروں سال سے پس ماندہ اور کمزور رکھا گیا ہے، اُن کو بھی ساتھ لے کر ہم حقوق کے حصول کی جنگ لڑیں گے، عائلی قانون میں تغیر وتبدیلی کی کوشش روکنے، دینی مدارس کے تحفظ وبقا کی جدوجہد، مساجد ومقابر واوقاف کی حفاظت میں تسلسل کے ساتھ مخلصانہ جدوجہد کرتے رہنا؛ حضرت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ فسادات میں مسلمان لوٹے اور مارے جاتے ہیں، اُن کی بازآباد کاری کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ اُن کے اندر رپورٹ درج کرانے کی جرأت پیدا کرنے اور اُن کے خلاف قائم ہونے والے مقدمات کی پیروی میں جمعیۃ علماء ہند پیش پیش رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریلیف کا ابتدائی کام تو دوسری مسلم تنظیمیں بھی کرتی ہیں، مگر آخر تک جمعیۃ علماء ہند ہی ثابت قدم رہی ہے، اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔ حضرتؒ کی شخصیت نے ہمہ جہتی خدمت کی ہے، اور ملت اسلامیہ کے لئے ہر محاذ پر کام کیا ہے، اصلاحِ معاشرہ کی تحریک اُنھوں نے چلائی، قریہ قریہ تک اصلاح کی آواز پہنچائی، قیام مکاتب اسلامیہ کی جدوجہد میں جماعت کو لگایا، دعوتی وتبلیغی دورے خود بھی کرتے تھے اور دوسرے علماء کرام کو توجہ دلائی، فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا، عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں کی مسلمانوں کو مرتد کرنے کی فتنہ انگیز تحریک کو ناکام بنایا، ائمہ فقہ پر طعن کر کے اُمت کا شیرازہ منتشر کرنے والوں کے فتنہ سے اُمت کو بچانے کا اہتمام فرمایا، عظمت صحابہ کرام کو مجروح ہونے سے بچایا، اور اسی کے ساتھ بیعت وارشاد کے سلسلے کو بھی برقرار رکھا، حضرت کی نسبت بہت قوی تھی، اور تربیت کا طریقہ نہایت آسان تھا، اسی لئے اُن کے وابستگان جلد ہی روحانی ترقی کرتے تھے، تواضع وانکساری اور تحمل وبردباری میں بھی حضرت کی مثال جلد نہیں ملے گی۔

ز غرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جا است

قصبہ محمدی میں ہر سال تشریف لا کر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے نقوشِ قدم پر گامزن رہتے ہوئے پورے علاقے کو دینی فیض پہنچاتے، علماء کرام کو ہدایت کرتے کہ وہ اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے رہیں، عوام کو اتباعِ سنت کا پیغام پہنچائیں، ایک ایک دن میں کئی کئی اصلاحی جلسوں کو خطاب کرتے دشوار گذار راستوں کا سفر بھی خوش دلی سے گوارا کر لیتے، بعض دفعہ پیدل بھی چلنا پڑا ہے، میزبانوں کی فروگزاشتوں پر بھی شفقت سے پیش آتے، اور اس مسلسل جدوجہد کے دوران پنج وقتہ نماز باجماعت پورے خشوع وخضوع سے اَدا کرتے رہتے، نصف شب کے بعد تہجد کی ادائیگی ذوق وشوق سے کرتے، ذکر و دعا میں مشغول رہتے، نواز اوابین اور نماز تہجد میں طویل قرأت اور اسی انداز پر دیر تک رکوع وسجدے کرتے، نماز کی ادائیگی کا وہ روحانی ایمان افروز منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ''لي مع اللّٰہ وقت'' کی جھلک محسوس ہوتی تھی، دورانِ سفر جن مقامات سے گذرتے، وہاں کی دینی حالت دریافت فرماتے، اور ساتھ ہی نہایت مفید کارآمد نصائح وہدایات سے نوازتے جاتے، اخلاقِ کریمانہ کی یہ حالت تھی کہ ہر متعلق سمجھتا کہ ہم کو ہی زیادہ چاہتے ہیں، فراست مؤمنانہ کا نور قلب میں موجزن تھا، نور بصیرت وتقویٰ سے جبیں روشن تھی، وہ اس دور کے بہت بڑے مصلح وقائد اور ولی کامل تھے۔

ترقی یافتہ اور سہولت کی جگہوں پر جانے میں تو دیگر حضرات کو بھی تکلف نہیں ہوتا، مگر ہمارے پس ماندہ علاقے کی سرپرستی وصدارت کے لئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ بھیج دیتا۔ دعا ہے کہ آئندہ بھی اللہ نعم البدل عطا فرمائے، وہی حقیقی کارساز ہے۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶)

مولانا اسعد مدنیؒ

احمد سعید ملیح آبادی، ایڈیٹر روزنامہ آزاد ہند کلکتہ

مجاہد آزادی، اسیر مالٹا، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے فرزندار جمند مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے ۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۶؍فروری ۲۰۰۶ء بروز پیر کو داعی اجل کو لبیک کہا اور سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ مولانا مرحوم کو سفر کا بہت شوق تھا، ملک کے اندر برابر دورے کیا کرتے تھے اور بیرونی ملکوں کے بھی بہت سفر کئے۔ وہ ایک متحرک اور فعال شخصیت کے مالک تھے۔ تھکنا جانتے ہی نہیں تھے۔ بہت اچھے مقرر اور منتظم تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریڑی اور صدر کی حیثیت سے اس کی از سر نو تنظیم اور زندگی کی آخری سانس تک خدمت کی۔ آزادی کے بعد جمعیۃ علماء کی قیادت مولانا حفظ الرحمٰن نے سنبھالی تھی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ تقسیم ملک کے پر آشوب حالات میں جمعیۃ علماء نے پریشان حال مسلمانوں کی ہر ممکن طریقے سے خدمت کی۔ مولانا حفظ الرحمٰن کی وفات سے جمعیۃ کی قیادت میں خلا پیدا ہوا تھا، اسے مولانا اسعد مدنی نے پورا کیا۔ بدلے ہوئے حالات میں جمعیۃ کو مرنے نہیں دیا، زندہ رکھا اور نئی طاقت وتوانائی دی۔ مرحوم اسعد مدنی کا یہ تاریخی کارنامہ ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی اپنی ایک شاندار تاریخ ہے۔ ملک کی آزادی اور عالم اسلام کی سرفرازی کے لئے اکابرین جمعیۃ ہمیشہ سرگرم عمل رہے، اس راہ میں وہ کون سی مصیبت اور تکلیف ہے جو نہیں اٹھائی۔ مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد سعید، مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد میاں، مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا حفظ الرحمٰن، سرفروشان وطن وقوم کی ایک کہکشاں ہیں جس میں ان کے علاوہ بھی ان گنت چاند ستارے تاباں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وطن

عزیز کی آزادی کے لئے اپنے دور کی سپر سامراجی طاقت برطانیہ سے اکابرین جمعیۃ نے آگے بڑھ کر لوہا لیا تھا، دوسرے لوگ تو ان کے پیچھے آئے۔ جمعیۃ علماء ہند کا یہ باوقار شاندار ماضی مسلمانان ہند کا قابل فخر ماضی اور تاریخ کا امٹ نقش ہے۔ یہ اور بات ہے کہ تنگ دل اور تنگ نظر عناصر علمائے ہند اور مسلمانان ہند کے شاندار ماضی پر زمانے کی گرد ڈالنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے ہیں مگر سچائی چھپ نہیں سکتی۔ مولانا اسعد مدنی۔ جمعیۃ علماء کے اسی تابناک ورثے کی کڑی تھے۔ افسوس آج یہ کڑی بھی ٹوٹ گئی، رہے نام اللہ کا !

مولانا اسعد مدنی سے میرا خاندانی تعلق تھا۔ میرے والد مرحوم ومغفور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی میں تاحیات رفاقت رہی۔ رفاقت اس وقت قائم ہوئی جب مولانا ابوالکلام آزاد نے تحریک ترک موالات کے تحت کلکتہ کے سرکاری مدرسہ عالیہ کا مقاطعہ کر کے وہاں کے دوسو طلبہ کے لئے مسجد ناخدا کلکتہ میں مدرسہ قائم کیا، جس کے پرنسپل مولانا ملیح آبادی اور صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے۔ مدرسہ اسلامیہ کا افتتاح مسجد ناخدا میں مہاتما گاندھی نے ۱۳/۱۹۲۰ء کو کیا۔ اس وقت مولانا ملیح آبادی اور مولانا مدنی میں ایسا رشتہ رفاقت واخوت قائم ہوا کہ مرتے دم تک باقی رہا۔ کیا شان انکساری ودرویشی تھی شیخ الاسلام مولانا مدنی زندگی بھر مولانا ملیح آبادی کو اس لئے اپنا افسر کہتے رہے کہ مدرسہ کی مختصر زندگی میں دونوں کا ساتھ ہوا تھا، بزرگی، شرافت اور وضع داری کی یہ مثالیں اب کہاں ملتی ہیں۔ یہی تعلق خاطر تھا کہ شیخ الاسلام مولانا مدنی جب بھی کلکتہ تشریف لاتے تو اپنے رفیق دیرینہ مولانا ملیح آبادی سے ملاقات کے لئے ضرور آتے اور اس پر کبھی راضی نہیں ہوئے کہ مولانا ملیح آبادی ملاقات کے لئے حاضر ہوں۔

جو نقش شرافت ووضع داری، عظیم المرتبت والد نے چھوڑا تھا، مولانا اسعد مدنی نے بھی اس پر قدم رکھا۔ کلکتہ آتے تو ملاقات کے لئے ''آزاد ہند'' کے دفتر یا گھر پر تشریف لے آتے۔ عموماً آمد اچانک ہوتی، اکثر وقت کی کمی کے سبب بس کھڑے کھڑے آتے، پل دو پل باتیں

کرتے اور چلے جاتے۔ جنتا پارٹی اور جن سنگھ کی مخلوط حکومت (۱۹۷۷) کے خلاف مسلم ستیہ گرہ کی کھچڑی دفتر ''آزاد ہند'' میں پکی تھی اور یہ بڑی کامیاب ستیہ گرہ تھی۔ مرار جی ڈیسائی کی حکومت کے ظلم و جور کے خلاف ہزاروں مسلمانوں نے مولانا اسعد مدنی کی قیادت میں ''ملک وملت بچاؤ'' ستیہ گرہ میں جیلیں بھر دی تھیں۔ مدنی خاندان سے جو تعلق خاطر تھا، اس میں مولانا اسعد میرے بھائی جیسے تھے، ہم عمر ہونے کی وجہ سے برادرانہ محبت کے ساتھ ہلکی سی دوستانہ بے تکلفی بھی تھی۔ بہت دنوں تک ہم نے ساتھ ساتھ کام کیا، پھر مصروفتین بڑھنے سے رفتہ رفتہ مولانا کا آنا جانا اور ملنا جلنا کم ہوتے ہوتے بند ہوگیا۔ لمبے عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، علالت کی خبر تھی، مولانا دہلی کے اسپتال میں زیر علاج تھے، کوما میں چلے گئے تھے، دہلی جانا ہوا تو ان کے صاحبزادے محمود مدنی سے مسجد عبدالنبی جا کر ملاقات اور عیادت کی اور مولانا کی صحت کے بارے میں دریافت حال کیا۔ اندازہ اسی وقت ہوگیا کہ جاں برلب ہونے کی اُمید نہیں، آخر کار کئی ماہ کی بے ہوشی میں سفر زندگی کا تھکا ہوا مسافر ابدی نیند سو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا اسعد مدنی دنیا سے رخصت ہوکر اپنے مالک حقیقی کے پاس چلے گئے، وہ اپنے پیچھے دو قیمتی اَثاثہ جات چھوڑ گئے ہیں: ایک تو جمعیۃ علماء ہند ہے اور دوسرا دارالعلوم دیو بند۔ دارالعلوم دیو بند عالمی سطح کی معروف دینی درس گاہ ہے، اس کا انتظام وانصرام قاری محمد طیب صاحب (مرحوم) کے ہاتھوں سے منتقل ہوکر مولانا اسعد کے پاس آگیا تھا۔ دارالعلوم کو اچھی طرح چلانا اور اسے مزید ترقی دینا اب ان حضرات کی ذمہ داری ہوگی جو مولانا مدنی کی جگہ کام کریں گے۔ جہاں تک جمعیۃ علماء کا سوال ہے تو ملک وملت کی زندگی میں اس کا کل بھی اہم مقام تھا اور آج بھی اس کی اہمیت وضرورت ہے، اتنے بڑے ملک میں مسلمانوں کی ایک بڑی اور منظّم جماعت کی ضرورت شدت سے محسوس کی جاتی رہی ہے۔ کہنے کو تو ہر گلی کوچے میں کوئی نہ کوئی کاغذی تنظیم جنم لیتی ہے تو وہ بھی ''آل انڈیا'' کہلاتی ہے، مگر اس سے کام نہیں چلتا۔ مسلمانوں کو علاحدہ سیاسی جماعت سے زیادہ ایک مضبوط ملی جماعت کی ضرورت ہے جو ان کے

مسئلوں کے حل کے لئے کام کرتی رہے۔ یہ جماعت جس قدر مضبوط اور توانا ہوگی، اتنی مفید ثابت ہوگی اور ارباب اختیار سے اپنی بات منوا سکے گی۔

جمعیۃ علماء ہند کو مسلمانوں کی ملی خدمات کے لئے نہ صرف قائم رہنا بلکہ اور زیادہ متحرک وفعال بننا ہے۔ اسکے لئے ضروری ہوگا کہ جمعیۃ کو خانقاہی جماعت نہ بننے دیا جائے بلکہ اسے مسلم عوام کے زیادہ قریب لایا جائے۔ جماعت کے نظم ونسق میں مزید شفافیت لائی جائے۔ اور تنظیمی انتخابات کو اور زیادہ جمہوری طرز کا بنایا جائے۔ مرحوم مولانا اسعد مدنی کے صاحب زادے محمود مدنی، جمعیۃ علماء کے جنرل سکریٹری ہیں۔ اپنے والد کی اس تاریخی یادگار کو سنبھال کر رکھیں اور چلائیں، اپنے رفقاء کار کا دائرہ وسیع کر کے عامۃ المسلمین کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کریں۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

حضرت امیر الہندؒ! چند تأثرات

مولانا محمد یحییٰ صاحب اُستاذ مدرسہ امدادیہ مرادآباد

حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی بار کب دیکھا یہ تو یاد نہیں؛ لیکن جس بات کا نقش دل پہ آج تک ہے وہ ہے حضرت امیر الہند کی نماز، مدنی مسجد دیوبند میں ایک ایسی شخصیت جس کے اردگرد بہت سے افراد چل رہے تھے داخل ہوئے سنت کے مطابق دائیں طرف کھڑے ہوئے نماز فرض کے بعد سنت کی ادائیگی میں لگ گئے، ہم دیکھتے ہی رہ گئے ایسا رعب کہ ساتھ ساتھ چلنے والا اور ساتھ ہی مسجد میں داخل ہونے والا مجمع بالکل خاموش، اور جب نماز میں محبوب حقیقی سے لو لگایا تو خشوع وخضوع کا پیکر مجسم۔ جتنی دیر میں ہم نے بلکہ اکثر اہل مسجد نے سنت مع وتر پڑھے حضرت کی دو رکعت نماز ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد ذرا سا پیچھے ہٹ کر بیٹھے تو دوڑ کر بہت سے لوگ کھڑے ہوگئے، میں بھی ان میں ایک تھا، وہ دن ہے اور آج کا دن اب تک میری آنکھوں نے ایسی خشوع وخضوع والی نماز حضرت کے علاوہ نہیں دیکھی، صبح ہوئی مدنی مسجد میں نماز پڑھ کر نکلے اور سیدھے تفریح کے لئے چل دیئے، اس وقت میں کسی کو پہچانتا نہیں تھا کہ کون لوگ حضرت کے ساتھ میں تھے، ہاں یہ بات اب تک ذہن میں ہے چند نورانی شکلیں ایسی تھیں جس کے بارے میں دل نے خود فیصلہ کیا یہ حضرت کے خانوادۂ کے لوگ ہیں۔ قاسم پورہ جو ڈیڑھ دو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے وہاں تک گئے۔ ایک جم غفیر پیچھے پیچھے حضرت آگے آگے لوگ جب گفتگو کرتے تو اس کا خیال رکھتے کہ آواز حضرت کے کان میں نہ پہنچے۔ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک جدید طالب علم تھا، مجھے بڑی حیرت تھی کہ اتنے لوگ ہیں کسی کی ہمت نہیں کہ وہ کچھ بات کرے۔ مزار قاسمی آکر حضرت نے کچھ پڑھ کر ایصال ثواب کیا، پھر

چل پڑے۔ہم نے کتابوں میں پڑھا تھا، بڑوں سے سنا تھا، کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسا رعب عطا فرما دیتا ہے، ہمت کرنے پر بھی ان کے سامنے زبان نہیں کھلتی ہے۔ایسی عظمت شان حضرت امیر الہند کو بھی اللہ تعالیٰ نے دی تھی۔ جب بھی حضرت دیوبند تشریف لاتے یہی دیکھتا چاہے تفریح میں ہوں یا عصر کے بعد کی مجلس، سوائے چند معزز اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کے کوئی اور حضرت کے سامنے بولتا نہ تھا۔

مدنی دارالمطالعہ جو طلبائے دارالعلوم کی سب سے بڑی انجمن ہے، اس کا ایک سالانہ پروگرام (جو عموماً دارالحدیث تحتانی میں ہوتا ہے) حضرت امیر الہند کی صدارت میں ہورہا تھا، حضرت الاستاذ حضرت مفتی سلمان صاحب مدظلہ العالی کی شفقت میرے ساتھ تو شروع سے تھی اور آج بھی ہے، اُن کے حکم پر جلسہ کی نظامت میں کررہا تھا، جب حضرت امیر الہند کو خطاب کی دعوت میں نے ان الفاظ سے دی، حضرت فدائے ملت سے بصد احترام درخواست ہے کہ ہم طلباء وسامعین کو نصیحت فرمائیں، حضرت نے خطبہ پڑھ کر سب سے پہلے میری سرزنش کی اور اپنے مخصوص انداز میں میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ کو کس نے اجازت دی کہ آپ میرا نام رکھیں، میرے والد حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے میرا نام اسعد رکھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے اس نام کے رکھنے کی وجہ پوچھی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا اسعد کو بگاڑیں گے تو اسد کہیں گے۔ میں اس وقت کی گرفت اب تک محسوس کرتا ہوں، میری ہمت نہ ہوئی کہ میں سر اٹھاؤں، حضرت مفتی محمد سلمان صاحب مدظلہ نے مجھے تسلی دی کہ بڑے لوگ اپنے لئے القاب پسند نہیں کرتے؛ لیکن تم نے بھی ٹھیک کیا، چھوٹوں کو بڑوں کا نام لے کر دعوت دینا بھی خلافِ ادب تھا، اس کے بعد مدنی دارالمطالعہ کا پروگرام۔

مدرسہ تعلیم القرآن پیرزادہ مرادآباد اور سیرت خاتم النبیین کانفرنس جامع مسجد مرادآباد وغیرہ پروگراموں میں جب حضرت مدنی کا نام پکارنے کا وقت آیا، تو ''فدائے ملت'' کا لفظ میری زبان سے بھول کر بھی نہیں نکلا؛ بلکہ صرف حضرت صدر محترم یا اس جیسے الفاظ والقاب سے کام چلا لیتا تھا۔

میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ حضرت امیر الہند میرے گاؤں پرتاب گڑھ تشریف لے جائیں۔ احباب میں ذکر کرتا تو دارالعلوم دیوبند میں ساتھ پڑھنے والے طلباء میرا مذاق اڑاتے کہ مولانا مدنی اور تمہارے گھر؟ لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت الاستاذ مولانا عبدالہادی صاحب کو حضرت امیر الہند کا پرتاب گڈھ کا پروگرام بنایا۔ پنجاب میل سے دوپہر حضرت تشریف لائے، ظہر اور عصر کے بعد مختلف مقامات پر پروگرام منعقد ہوے، رات کا بیان میرے گاؤں اور قیام میرے گھر طے ہوا۔ ۲۱ رمئی ۱۹۹۱ء کو رات میں قیام فرما کر صبح چار بجے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالہادی صاحب مدظلہ نے میرا تعارف کرایا کہ پروگرام کا کنوینر یہ طالب علم ہے، جو دارالعلوم دیوبند میں پڑھ رہا ہے۔ حضرت نے فرمایا آج ۲۸ رشوال ہے، آپ طلباء کی تعلیم کا حرج کرتے ہیں، تعلیم پروگرام سے مقدم ہے۔

فراغت کے بعد دہلی حاضر ہو کر حضرت سے بیعت ہوا، حضرت نے کچھ وظائف بتلائے، ان وظائف پر کسی نہ کسی درجہ عمل تو آج بھی ہے؛ لیکن محرومی و بدنصیبی سبق آگے نہ بڑھوا سکا، میری تدریسی خدمات سے وابستگی مدرسہ امدادیہ سے ہوگئی، دہلی آتا جاتا رہا، بھائی صاحب حضرت مولانا سید اسجد مدنی صاحب کی بے پناہ عنایات کی وجہ سے حضرت امیر الہند کو بہت قریب دیکھنے اور کبھی کبھی خدمت کا موقع بھی ملتا رہا، محبت بڑھتی رہی؛ لیکن صد افسوس استفادہ نہ کرسکا۔

۱۴ راکتوبر ۲۰۰۱ء کی بات ہے، حضرت مفتی محمد سلمان صاحب کے مرتب کردہ پروگرام کے تحت مرادآباد تشریف لائے۔ امریکہ نے اسی دوران افغانستان پر حملہ کردیا، میری معرفت بھی ایک پروگرام بعد نماز ظہر رامپور دوراہے پر نیشنل ہائے وے پر ہونا طے پایا، اجازت نہ ملنے کی وجہ سے مدرسہ امدادیہ رامپور دوراہے کی وسیع وعریض مسجد میں بہ عنوان اصلاح معاشرہ منعقد ہوا، حضرت تشریف لائے ”تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے امریکی مصنوعات کے بائیکاٹ کا حکم فرمایا، مدرسے کے اردگرد کا علاقہ بدعت زدہ ہے، بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، جو شریک ہوا اس نے

اگر چہ بدعت سے توبہ نہ کی ہو؛ لیکن کم از کم دیوبندی حضرات سے نفرت ختم ہوگئی، یہ اثر حضرت کی تشریف آوری سے ہوا۔

رمضان المبارک میں حضرت کی علالت کی خبر سن کر دیو بند حاضر ہوا، ملاقات کی اجازت نہ تھی، حضرت کے منجھلے صاحبزادے برادرم مولانا محمد مدنی صاحب زید مجدہ سے عرض کیا کہ آج ۲۶/رمضان ہے، مجھے واپس جانا ہے، حضرت سے ملاقات ہو جائے تو سفر کامیاب ہو جائے، بھائی محمد صاحب حضرت کے معتکف میں نماز ظہر کے بعد لے کر گئے، حضرت چارپائی پر بیٹھ کر قرآنِ مقدس کی تلاوت فرمارہے تھے۔ ہم کئی منٹ تک کھڑے ہو کر زیارت کرتے رہے، شاید حضرت کو پتہ بھی نہ چلا کہ کون آیا گیا۔

حضرت امیر الہند کے انتقال کی خبر مجھے مدینہ منورہ میں قبل نماز عصر ہوئی، بعد نماز عصر تا نماز عشاء قرآنِ کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا۔ بعد نماز عشاء حضرت کے حقیقی بھانجے اور چہیتے حضرت مولانا محمد اخلد رشیدی مدظلہ کی مخصوص نشست گاہ مسجد نبوی میں حاضر ہوا، میرے ساتھ مولانا احمد عبداللہ آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند اور مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء مدرسہ شاہی بھی تھے، ہم لوگ حاضر ہوئے، ہم کیا تعزیت کرتے ہم خاموش کھڑے تھے، ہندوستان، پاکستان، افریقہ، برطانیہ، دنیا کے بہت سے ملکوں کے متوسلین و معتقدین و متعلقین جو سفر حج پر تھے، حضرت مولانا اخلد رشیدی صاحب سے تعزیت کرتے رہے، ایک ہجوم ہو گیا۔

بھائی اخلد صاحب مدظلہ سے مل کر لوگ آبدیدہ ہو جاتے اور بعض لوگ باآواز بلند رونے لگتے، مسجد نبوی میں اس طرح مجمع دیکھ کر ہر گذرنے والا محسوس کر سکتا تھا کہ حضرت امیر الہند کے وصال کا غم عالمی ہے؛ لیکن مولانا محمد اخلد صاحب بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق دوسروں کو تسلی دیتے رہے، ایصال ثواب کی درخواست کرتے رہے۔ ہماری بھی اگلے دو دن کے بعد واپسی طے تھی، اہتمام کر کے پورا قرآنِ کریم ختم کر کے دوسرے دن صفہ پہ بیٹھ کر اپنے محسن کے لئے ایصال ثواب کیا بارگاہ الٰہی میں بہ وسیلہ محبوب الٰہی رفع درجات کی دعائیں کیں۔

مرادآباد واپس آکر ایک دن قیام کر کے مدرسہ امدایہ کے سربراہ عالی حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب مدظلہ کی معیت میں تعزیت مسنونہ کے لئے دیوبند حاضر ہوا، وہاں سب تھے؛ لیکن نگاہیں جس کے دیدار کو ترس رہی تھیں، افسوس وہ ذات نہ تھی، ناچار واپس ہوگیا، اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو نعم البدل عطاء فرمائے، صاحبزادگان، برادران دیگر متعلقین ومتوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے، حضرت کے درجات اللہ تعالیٰ بلند فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

اللہ جوارِ رحمت میں جگہ دے

مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

قابل رشک زندگی کے مجاہدانہ سفر کا آخری لمحہ اور بعد از مرگ قاسمی شہر خموشاں تک پر وقار الوداعیہ اس قائد و راہبر کی داستانِ حیات کا آخری باب ہے جس کی موت پر پوری ملت، بالخصوص ملت اسلامیہ ہند سوگوار ہوگئی ہے۔

زندگی اور موت کا صد رشک تلازم، سعی محکم اور عمل پیہم سے عبارت ہوا کرتا ہے، جس پر دنیا فخر و ناز سے دیر تک خراج دل پیش کیا کرتی ہے، اور جس کو دیکھ کر شاعر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

زندگی ایسی گذارو کہ سبھی کو رشک ہو
موت ہو ایسی زمانہ عمر بھر رویا کرے

کچھ یہی شان ہے اس مرد آہن کی جو ٦ فروری ٢٠٠٦ء شب منگل، سب کو سوگوار چھوڑ کر رخصت ہو گیا سچ یہ ہے کہ جب بھی کبھی قوم و ملت پر مشکل گھڑی آئی ''بات دل کی ہے'' نظر صرف اور صرف اسی ذات گرامی تک پہنچتی، اسی کے خیالی سراپا کا طواف کرتی۔ حالات کے وسیع تناظر میں اس کی مصلحت کیا ہے؟ خاموشی یا تحریک۔ یہ فیصلہ اس کا اپنا تھا۔

گر زبان کو آواز اور قلم کو رشتہ حروف سے منسلک کروں۔ تو یقیناً میں بھی اپنے مشاہدہ کی روشنی میں ان کی عظمت کا اعتراف انھیں لفظوں میں کروں گا جو اُستاذی محترم حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی نے ''جلسۂ تعزیت مراد آباد'' میں فرمایا تھا کہ ''وہ عزم و ہمت کے پہاڑ تھے، جو فیصلہ کرتے، سوچ سمجھ کر کرتے اور جب کر لیتے تو پھر اس پر پوری قوت سے اڑ جاتے؛ گویا منظر ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ کا ہوتا، اور پھر من جانب اللہ ظاہری اسباب وسائل

بہم ہوتے چلے جاتے، اس درمیان نہ تھکتے نہ رکتے بلکہ جہد مسلسل میں شان ''شہنشاہ بابر کی ہوتی جومہمات کوسر کرنے کے لئے ہمیشہ گھوڑے کی پشت پرسوار رہا کرتا تھا نہ کبھی اس کی ہمت جواب دیتی، نہ مخالفت کا کوئی طوفان اس کی راہ روک پاتا، جب تک کہ منزل خود بڑھ کے اس کے استقبال کو نہ آجاتی۔

ہوش کے ساتھ یہی رنگ غالب اور نمایاں دیکھا، جو ایک قائد کے لئے امتیازی وصف ہوتا ہے، اس لئے پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مسیحائے قوم، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ نے اپنی زندگی میں تحریک کے جس میدان میں قدم رکھا، کامیابی ہمیشہ ان کے ساتھ رہی، اس عظیم مجاہد کی رحلت پر جب دنیا اداس ہوگئی، تو پھر خاندانِ مدنی کے ہر چھوٹے بڑے پر کیا گذری ہوگی، اس کا اندازہ تو خود ملت اسلامیہ ہند اپنے سود وزیاں سے کرسکتی ہے۔

ہماری تو بس یہی دعا ہے کہ اللہ مدنی خاندان کو صبر کی ہمت دے اور ملت کو سچا جانشیں اور نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

خودی ہو زندہ، تو ہے موت اک مقامِ حیات

مولانا رفاقت حسین قاسمی اُستاذ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

خراج عقیدت کے نام پر، مرثیہ گو مرثیہ گوئی میں مصروف ہیں اور مقالہ نویس، مقالہ نویسی میں، خاکہ نگار خاکوں میں رنگ بھر رہے ہیں اور تاریخ گوئی کے ماہرین قطعات تاریخ میں، اس انفرادی خراج عقیدت کے علاوہ اجتماعی خراج پیش کرنے والے بھی پیچھے نہیں ہیں، اخبارات ورسائل کے ادارے ہمہ تن متوجہ ہیں کہ ان کے رسالے کا ''فدائے ملت نمبر'' نمبروں کی فہرست میں امتیازی مقام حاصل کرے، عمدہ مضامین ، دردانگیز مرثیوں اور بلیغ منظوم قطعات تاریخ پر مشتمل ان کا ''نمبر'' قیمتی کاغذ، نستعلیق کتابت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آئے اور لائبریریوں کی زینت بننے کے علاوہ قارئین سے داد وتحسین حاصل کرے۔

مذکورہ بالا سطور سے حقیر راقم کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ سب کچھ از روئے شرع ناجائز ہے، یا یہ کہ نوجوان نسل کو اپنے پیش رو اکابر واسلاف کی سبق آموز حیات، اور دین وملت کے تئیں ان کی خدمات سے واقف کرانا کوئی گناہ ہے، تاہم اس حقیقت میں تامل نہ ہونا چاہیے کہ یہ بہر حال ایک ثانوی چیز ہے۔

درجۂ اول کی چیز یہ ہے کہ ہم پیچھے رہ جانے والے اپنے مرحوم قائد کو عقیدتوں کا خراج یوں پیش کریں؛ کہ عملاً اپنی زندگی کو ان کے مشن کے لیے وقف کردیں، ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے ان کی فکرمندی کی مشعل سے روشنی حاصل کریں، ماہ رمضان میں متوسلین کے لیے، ان کی ایمانی مجالس کو صفائے قلب اور جمعیۃ کے اسٹیج سے منعقدہ اجلاس اور تحریکوں کو سیاسی بصیرت کے لیے رہبر بنائیں، قدرتی آفات اور فسادات سے متأثرہ علاقوں میں، ان کی نگرانی میں ہونے

والی ''ریلیف'' سے دردمندی اور ''مسیحیت وقادیانیت'' جیسی اسلام دشمن تحریکوں کے مقابل مرد میدان بن کر سامنے آنے اور ان کی سرکوبی کے لیے مستقل افراد سازی کے عمل سے دینی حمیت کا سبق سیکھیں اور ایک ایم، پی ہونے کی حیثیت سے پارلیمان میں کی گئی ان کی بے لاگ تقریروں سے جرأت وہمت کا درس لیں: غرض یہ کہ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے، فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جل رہے، اس غیر مسلم اکثریت والے ملک میں نصف صدی پر محیط ان کی ملی وقومی سرگرمیوں کی تاریخ سے، بدلتے حالات میں خود کو پوزیشن کرنے کا بیش قیمتی ہنر سیکھیں۔

اگر ہم پس ماندگان میں سے چند ایک بھی، قحط الرجال کے اس دور میں، خود کو اس قربانی کے لیے تیار کرنے میں کام یاب ہو گئے تو ملت کے لیے یہ ایک خوش آئند بات ہوگی اور اسلامیان ہند کی ہچکولے کھاتی کشتی ایک تازہ دم ناخدا کے سہارے اپنا سفر جاری رکھ سکے گی۔

''فدائے ملت مرحوم'' کے حادثۂ وفات کو اگر کوئی صرف مدنی خانوادے یا صرف جمعیۃ کا حادثہ تصور کرتا ہے تو یہ ایک بڑی بھول ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا اثر پورے ملک میں محسوس کیا جائے گا اس لیے کہ یہ آگ اور خون میں کود کر، قومی یک جہتی کے پرچم کو بلند کرنے والی اور عالمی سطح پر ملک کی جمہوری ساکھ کا تحفظ کرنے والی اہم ترین شخصیت کا حادثہ ہے اور ملک کی مسلم اقلیت کا تو اس سے متأثر ہونا منطقی نتیجہ ہے اس لیے کہ یہ اس کی اپنے ایک نہایت باحوصلہ، باتدبیر اور اس سے بڑھ کر باتوفیق قائد سے محرومی ہے ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾

افسوس یہ نہیں کہ جانے والا چلا گیا؛ اس لیے کہ ہر آنے والا آیا ہی جانے کے لیے ہے؛ لیکن ماتم یہ ہے کہ آج ہم اسلامیانِ ہند ہر جانے والے کے بعد اپنی زندگی کا ثبوت فراہم کرنے میں ناکام سے نظر آرہے ہیں، قوموں کی تاریخ کا تجزیہ بتلاتا ہے کہ کسی بھی قوم کی زندگی کا زمانۂ عروج وترقی وہی رہا ہے جس میں اس کے افراد کی قوت ارادی، اتنی مستحکم رہی کہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والی بڑی سے بڑی شخصیت کے وصال سے، نہ تو ان کی تحریکی سوچ تذبذب کا شکار ہوئی اور نہ ہی دشمنوں نے ان کے پائے استقامت میں کوئی لرزش محسوس کی؛

بلکہ اسی شخصیت کے پس روؤں میں ایسے باحوصلہ کردار بھی آئے جو اسی کے نقوش ہدایت کو اپنا کر ،میدان عمل میں اترے اور اس خوش اسلوبی سے مرحوم کا کام پائے تکمیل تک پہنچایا کہ تاریخ نے ان کے کارناموں کو ہمیشہ کے لیے اپنے سینے میں سمویا اور قوم نے بجا طور پر ان کو اپنا محسن تسلیم کیا۔

یہ صرف زبان کی زور آوری یا قلم کی فسوں کاری نہیں، ایک زندہ حقیقت ہے جس پر کائنات میں نفسیات کے سب سے بڑے ماہر اور اقوام وملل کے بے مثال مربی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد ''فرب مبلغ اوعیٰ له من سامع'' سے بھی واضح روشنی پڑتی ہے کہ کئی بار بعد میں آنے والا ، بلا واسطہ سننے والے کہیں زیادہ ذہین وسمجھ دار ہوتا ہے اور اسی کا اثر ہے ، کہ امت مسلمہ کے زمانۂ اقبال مندی میں، اس طرح کی مثالیں، تسلسل کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی رہیں کہ اگر استاذ صرف عالم تھا، تو شاگرد نے علامہ کا لقب پایا، استاذ اگر ملی امراض کا ماہر نباض تھا تو شاگرد نے اس سلسلے میں شان تجدید پائی، غرض یہ کہ کوئی بھی میدان عمل ہو، خواب اگر زندگی نے دیکھا تو تعبیر فراہم کرنے کے لیے کوئی ایوبی میدان میں آ گیا، عربی ادب کے مشہور حماسی شاعر ابوعبداللہ محمد بن الحسن الحضرمی البغدادی نے ایسی ہی زندہ قوموں کیلئے کہا ہے

إذا أسيدٌ منهم خلا، قام سيدٌ ❖ قؤولٌ لما الكرام، فعول

کہ ان کے قومی شباب کا عالم یہ ہے کہ اگر ایک مسند نشین، رخت سفر باندھتا ہے، تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے جو شریف سرداروں کی طرح قول وفعل میں یکسانیت رکھتا ہے اور قوم اس کے تازہ عزم واستقلال کے ساتھ، مزید صبا رفتار ہو کر شاہ راہ ترقی پر گامزن ہو جاتی ہے۔ افرادی قوت کے اس پس منظر میں اگر دیکھیں، تو آزادی کے بعد سے، ہم ہندی مسلمانوں کی رفتار خطرے کی حد تک سست ہے اور جمود کا عالم یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے، جوش وجذبے کی آگ میں تپ کر کندن ہونے والے، ہمارے سرپرست زعماء وقائدین، قطار لگائے رخصت ہوئے جا رہے ہیں اور نئے دور میں، قوم کی قیادت کے لیے نئے صاحب عزیمت افراد کی قلت ہی نہیں، قحط ہے۔

ایسے میں ضرورت ہے کہ اصحاب استعداد آگے آئیں ،''موت'' جیسے سخت آزمائشی

مرحلے میں ثابت قدمی کا ثبوت دیں اور آنے والی نسل کو ایک وسیع تر متحدہ پلیٹ فارم مہیا کریں؛ کہ بیسویں صدی میں خستہ زندگی گذارنے والے، ہندی مسلمان کی ''خودی وخودشناسی'' اتنی زندہ وپائندہ بنے کہ اکیسویں صدی کا مؤرخ ......ع

کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

جیسے مصرعوں کا سہارا نہ لے، بلکہ ان کی ''رشک اقوام'' حیات جاں نواز کا ورق پلٹتے ہوئے دفعتاً اس کا چہرہ دمک اٹھے، قلم جوش میں آجائے اور وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو کہ:

خودی ہو زندہ، تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق، موت سے کرتا ہے، امتحان ثبات

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

مولانا مفتی محمود زبیر قاسمی اُستاذ دار العلوم رحمانیہ حیدر آباد

اللہ رب العزت نے کائنات میں نظام ہدایت کے دو سلسلے چلائے، ''کتاب اللہ'' کا، ''رجال اللہ'' کا۔ ''رجال اللہ'' کا سلسلہ جاری ہے تا قیامت جاری رہے گا، خدائی کارندوں کا یہ مبارک سلسلہ مختلف علاقوں میں متفرق تقاضوں اور حالات پر چلتا رہا، برصغیر ہندو پاک میں بھی چلا، بلکہ اللہ نے الف ثانی سے اس کو عالم اسلام کے مرجع اور مرکز کی حیثیت عطا کی، جس کی دلیل مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا ہندوستان میں ظہور ہے۔

اللہ نے اپنے دین کی حفاظت، اس کی اشاعت اور تجدید کا گراں بار کام کبھی شخصیات سے لیا ہے تو کبھی خانوادوں سے، ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور کاندھلہ کا صدیقی خانوادہ اس کے لئے مثالی رہے؛ ایسا ہی ایک خاندان جو اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی، ملی، اسلامی رہنمائی اور ان کے تشخص کی حفاظت کی گراں قدر اور عظیم خدمات انجام دے رہا ہے وہ ''مدنی'' خاندان ہے؛ اس خاندان کے چشم و چراغ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے جانشین، غمخوار قوم، بے باک قائد، ملت اسلامیہ ہندیہ کے معتمد، فدائے ملت، امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی ذات گرامی ہے۔

پیدائش برصغیر کی مردم خیز زمین، عہد آفرین علاقہ ''دیوبند'' میں ۶/ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۹۲۷ء کو ہوئی، گھرانہ علمی پایا، ابتدائی تعلیم و تربیت والدہ محترمہ کی نگرانی میں ہوئی، جو ایک شریف سادات گھرانہ کی سلیقہ مند خاتون تھیں، والدہ کے انتقال فرما جانے کے بعد

خانوادۂ مدنی کے مربی، ولی کامل حضرت مولانا اصغر علی صاحب کے نگرانی اور تربیت میں آپ نے تعلیمی مراحل طے کئے، اور ۱۹۴۷ء میں ام المدارس دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

اللہ رب العزت جب کسی سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی، دستگیری، اور اپنے دین کے تحفظ کا عظیم کام لینا چاہتا ہے، جو اس وقت کے حالات اور مسائل کے لئے ناگزیر ہوتا ہے تو اس کی نشو نما اور ذہنی وفکری ساخت و پرداخت مخصوص ماحول میں کرواتا ہے اور اس کے اندر وہ صلاحیتیں ودیعت کرتا ہے جو مطلوبہ کاز اور اسلام کی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ضروری اور اہم ہوا کرتی ہیں مولانا مرحوم سے چونکہ بیسویں صدی کے اواخر اور اکیسوی صدی کے طلوع پر جو تاریخ کا نازک اور ملت اسلامیہ کی وقار کی حفاظت کا انتہائی اہم مرحلہ تھا، اُمتِ محمدیہ ﷺ ہندیہ کی قیادت وسیاست کا عظیم کام لینا تھا، اور آپ کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی دستگیری اور رہنمائی مقصود تھی، اس لئے آپ میں من جانب اللہ تمام قائدانہ صفات ودیعت کی گئیں۔

ایمان ویقین، علم وعمل، خشیت وانابت، خلوص وللّٰہیت، عزیمت وروحانیت، تواضع وفروتنی، قربانی وجانفشانی، وقار وسنجیدگی، جرأت وعالی حوصلگی، ہمدردی وغمخواری، حکمت ودانائی، سیاسی بصیرت اور اسلامی حمیت، ملک کی حفاظت، ملت کی پاسداری، مخلوق خدا سے استغناء، خالق کے آگے آہ وزاری، اسلام کے معاملہ میں مداہنت سے گریز، مصالح کی رعایت، حق پر تصلب، سنتِ نبوی کا اتباع، احکامات ربانیہ کا پاس، ہر صفت میں ممتاز! اور اپنے معاصروں میں نمایاں۔

مولانا مرحوم نے حالات کو بنظر غائر دیکھا اور مسائل کو سمجھا، اپنے والد کی انگریز سامراج کی مخالفت اور اس پر قید وبند کی صعوبتوں کے مشاہدے کئے تھے، حالات کو سمجھنے اور وقت کی مناسبت سے ملت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کے سلسلہ میں یہ اعلیٰ خاندانی پس منظر رکھتے تھے۔

امیر الہند نے بحیثیت عالم، داعی اور قائد تاریخ اسلام کے مد وجزر کا مطالعہ کیا تھا، انہوں نے سادہ دل مسلمان اور شاطر وعیار برہمن اور یہود کی کشاکش کو دیکھا اور سمجھا، غیر ملکی اقتدار کے ختم کرنے کی کوشش اور اس کے لئے دی جانے والی عظیم قربانیوں کا مشاہدہ کیا اور ان میں

دلچسپی لی، پھر آزادی کا دور شروع ہونے پر انقلاب کے بعد والے مراحل کو بھی دیکھا، اس کی پیچیدگیوں اور زندگی کی قدروں پر اس کے اثرات دیکھے، نیز فرقہ وارانہ اور طبقاتی کشمکش کے دلسوز مناظر دیکھ کر ملک وملت کو بربادی سے بچانے کے جذبات اور ارادوں کے حامل بنے پھر ایک عالم دین اور حساس دل رکھنے والے مدبر، داعیِ حق اور ملت اسلامیہ کے درمند فرزند کی حیثیت سے وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور اعلی قدروں کی حامل زندگی استوار کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے عملی میدان میں داخل ہوئے، اور (۱۹۶۰ء تا ۲۰۰۶) پچپن سال سے زائد مدت تک ایک عظیم قائد، رہنما، اور مصلح کی ذمہ داری انجام دی، مولانا قدس سرہ نے اپنے پچپن سالہ دور قیادت میں جو اولا ریاستی پھر ملکی سطح پر تھا، جو خدمات انجام دیں اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی جن موقعوں پر دستگیری اور رہنمائی کی اور جن جن قربانیوں سے گذرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کا نازک حالات میں دفاع اور تحفظ کیا، اگر ان کو تفصیلی طور پر سپرد قرطاس کیا جائے تو مستقل جلدیں تیار ہو جائیں، اور بندہ اس لائق نہیں!

ابھی چند سال کا مسئلہ ہے، جنوبی ہند کے شنکر اچاریہ نے بابری مسجد مسئلہ کے مذاکراتی حل کا بینر لے کر مسلم رہنماؤں سے ملاقات کا پروگرام بنایا، چنانچہ ہندوستان کی ایک اہم تنظیم کو اس کی دعوت دی گئی، وہ حضرات گئے اور شنکر اچاریہ سے اس تنظیم کے نمائندوں کی بات بھی ہوئی؛ بعد ازاں واجپائی کے پی اے نے مولانا اسعد مدنی قدس سرہ کو فون کیا، کہنے لگا: ''شنکر اچاریہ جی بابری مسجد کے مسئلہ پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں، آپ یہاں تشریف لائیں''۔ مولانا مرحوم نے فرمایا: ''ہمارے یہاں آج ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہے، میں آنے سے معذور ہوں''۔ اور سلسلہ منقطع کر دیا، کچھ دیر بعد دوبارہ فون آیا، پی اے نے کہا:

''مولانا! شنکر اچاریہ جی خود آپ کے پاس آنے کو تیار ہیں، آپ کچھ وقت دے دیں''۔ مولانا نے فرمایا: ''میں میٹنگ میں جا رہا ہوں، ان حضرات سے مشورہ کے بعد آپ کو مطلع کرتا ہوں''۔ مولانا آئے اور تلاوت کلام پاک کے بعد واقعہ سے حاضرین کو واقف کروایا، اور شرکاء

سے رائے طلب کی، لوگ رائے دینے لگے، اکثر کی رائے تھی ''بات کر لی جائے'' وہ خود یہاں آنے کے لئے تیار ہے، اور ملاقات و گفتگو کا مشتاق ہے، تو اس سے بات کرنے میں کوئی قباحت نہیں، لوگ رائے دیتے رہے، مولانا مرحوم خاموش سنتے رہے، حاضرین میں سے ایک نے مولانا کی خاموشی سے بے چین ہو کر مولانا کی رائے جاننی چاہی، مولانا نے فرمایا:

''میری رائے یہ ہے کہ اس سے بات نہ کی جائے''۔ جواب سن کر پورا ہال مبہوت سا ہو گیا۔ ایک ذمہ دار نے کہا:

''حضرت دوبارہ غور فرمالیں، اس وقت عالمی میڈیا اس مسئلہ پر نگاہیں جمائے ہے، جماعت کا بھی بہت فائدہ ہے کہ میڈیا اس کو ہائی لیٹ کرے گا، آپ اس مسئلہ پر ایک دفعہ اور غور فرمالیں''۔ مولانا نے بڑا ہی بصیرت افروز، مدبرانہ اور مؤمنانہ جواب دیا، فرمانے لگے:

''بے شک اس میں جماعت کا فائدہ ہے؛ لیکن ملت کا اس میں کوئی فائدہ نہیں، یقیناً وہ مسجد کی تقسیم اور لیو، دیو کی پالیسی کی بات لے کر آ رہا ہوگا، اور میں مسجد کی تقسیم پر اس سے کوئی بات کر نہیں سکتا؛ کیوں کہ اسلام اس کی اس طرح کی تقسیم کی اجازت نہیں دیتا''۔

یہ اسلامی حمیت! اپنے مفادات پر ملت کو ترجیح دینا! اسلام کے مسئلہ پر سودے بازی تو درکنار سودے بازی کی شائبہ تک سے خود کو محفوظ رکھنا، خود پر زد پڑتی ہے تو پڑ جائے؛ پر تعلیمات اسلامی پر حرف نہ آئے: ایسا مخلص، خدا ترس، فرض شناس ہمدرد قوم کہاں ملے گا؟ اس وقت گجرات کے مسلم کش خونی فسادات کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تھی اور کسی قائد کو وہاں جانے کی اجازت بھی نہ تھی، حکومت ہند کی جانب سے پھر فون آیا، اس نے بے چینی سے پوچھا: ''مولانا آپ نے کیا طے کیا''؟ مولانا مرحوم نے ۔ اللہ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے ۔ فرمانے لگے:

''یہ وقت بابری مسجد کے مسئلہ کے لئے گفتگو کا نہیں ہے، گجرات جل رہا ہے، مسلمان مارے جا رہے ہیں اور حکومت خاموش تماشائی ہے، یہ موقع ان فسادات کی طرف توجہ کرنے کا ہے، میں گجرات جانے والا ہوں''۔

اس نے فوراً جواب دیا: ''ٹھیک ہے آپ ضرور جائیے! ہم آپ کے لئے سیکورٹی کا نظم کریں گے''۔

اللہ رے! سیاسی بصیرت کی داد دیجئے! بات کو رد کرنے کا انداز دیکھئے! مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے ذہنی تیقظ کا اندازہ لگایئے؟ ہے آج کوئی جو اس قدر نبض شناس ہو، سیاس ہو، غمخوار ہو۔ مجموعی طور پر اٹھارہ سال تک ایوان بالا کے ممبر رہے، کانگریسی ممبر! پر کیا کانگریس کیا دیگر جماعتیں جب کبھی اقلیتوں اور مسلمانوں کے مسائل کی بات آئی، اسلام کے کسی مسئلہ پر آنچ آئی، بام دور گونج اٹھا، یہ مرد خدا چیخ اٹھا، ''مسلمانوں کے معاملہ میں کسی صورت مفاہمت نہیں، کوئی مداہنت نہیں''۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو لے کر جب ہنگامہ آرائی ہوئی اور ایک کانگریسی لیڈر نے کہا:

''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی'' سے لفظ ''مسلم'' نکال دیا جائے۔ مولانا مرحوم فورا گرج اٹھے، کہنے لگے: ''تم'' بنارس ''ہندو یونیورسٹی'' سے لفظ ''ہندو'' نکال دو، میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے لفظ ''مسلم'' میں کھرچ دونگا اور کانگریس کو سیکولر کا لیبل بھی اپنی پارٹی سے ہٹانا ہوگا''۔ حاضر جوابی ایسی کہ لوگ عش عش کرنے لگے، نباضی ایسی کہ پارلیمنٹ ہاؤس خاموش، دینی جرأت اور اسلامی حمیت ایسی کہ خود اپنی ہی معاون پارٹی پر برس پڑے۔

ہمدردی، غم خواری اور فریادرسی مولانا مرحوم کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، گجرات اور راوڑ کیلا کے مسلم کش خونیں ہولناکیاں ہوں کہ بہرائچ کے فرقہ وارنہ فسادات سب سے پہلے جس مرد مجاہد اور قائد قوم نے ان علاقوں کا دورہ کیا، اور وہاں کے مصیبت زدہ، فسادات میں گھرے، بے یارو مددگار لوگوں کی دادرسی اور مسیحائی کی، وہ یہی بلند ہمت، عالی حوصلہ اور ہمدرد قائد تھا، گجرات کا حال تو آپ نے پڑھ ہی لیا، سب سے پہلے پہونچے اور وہ عظیم خدمات انجام دیں کہ تاریخ انہیں کبھی فراموش نہیں کرسکتی، مورخ جب کبھی گجرات فسادات پر قلم اٹھائے گا، جمعیۃ کی بروقت امداد مستقل تعمیرات اور ریلیف کو بھی سراہے گا؛ بہرائچ اور راوڑ کیلا فسادات کے عینی شاہدین کا

کہنا ہے کہ مولانا مرحوم جس وقت پہنچے، آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، مسلم مکانات جل رہے تھے، مکینوں کی چربی آگ کی حرارت سے پگھل کر بہہ رہی تھی، ایسے ہیبت ناک اور خونیں ماحول میں جہاں اپنی جان کے لالے پڑے ہوں، بے خوف وخطر گھس جانا، مظلوموں اور کمزوروں کی یاری کرنا، بے بسوں کی مدد کرنا، بس اسی جری قائد اور ہمدرد قوم کا حصہ تھا، فجز اہم اللہ احسن الجزاء۔

تاریخ میں یہ واقعات آب زر سے لکھے جائیں گے، اور نسلیں اس کو سامان عزیمت اور سرمہ چشم عبرت بنائیں گے؛ فدائے ملت'' جس کسی نے اس کو کہا، اس نے کوئی شاعری نہیں کی، ادبی صنعت گری، لفظی شعبدہ بازی سے کام نہیں لیا بلکہ ایک حقیقت اور سچائی بیان کردی۔ اپنے پچپن سالہ دور قیادت میں ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے جو عظیم خدمتیں اور قربانیاں اس رحلت کرنے والے نے پیش کیں ہیں، اس کی مثال اس دور میں کون دے سکتا ہے ؟

آپ نے اس عظیم قائد کی جرأت بھی دیکھی، بے لوثی بھی دیکھی، اسلامی حمیت بھی دیکھی، سیاسی بصیرت بھی دیکھی، دادرسوں کی مثالی دادرسی بھی دیکھی، اب ذرا درویشی، خداترسی اور استحضار بھی دیکھتے جایئے۔ ۱۹۶۸ء میں ''شبستان'' اردو ڈائجسٹ نے امیر الہند کا انٹرویو لیا، ریاستی، ملکی اور بین الاقوامی سیاسیات پر، موجودہ حالات اور مسلم دنیا کے لائحہ عمل پر، آخر میں اس نے دریافت کیا کہ اِن تمام سے آپ کا منتہائے مقصد اور سب سے بڑی آرزو کیا ہے؟ مسکراتے ہوئے جواب دیا: **''ایمان پر خاتمہ''**۔

درویشی، چلہ کشی، مجاہدات، ریاضات، بیعت وارشاد تمام کا مقصد یہی استحضار ہی تو ہے؟ اللہ نے اپنے اس مقبول بندہ کی اس آرزو کی لاج کیسے رکھی یہ خود انہیں کے صاحبزادہ اور جانشیں مولانا محمود مدنی سے سنتے جایئے:

''والد محترم، پچھلے تین ماہ سے اپولو اسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبہ میں زیر علاج تھے، جب انہیں ہوش نہیں آیا تو ڈاکٹروں کے پینل نے دماغ کے آپریشن کو ضروری سمجھا، اس آپریشن کے بعد کیفیت میں معمولی بہتری آئی، ۶ رفروری ۲۰۰۶ء کو اچانک ان کے ہونٹوں نے حرکت کی، انہوں نے آنکھ بھی کھولی، پہلے انہوں نے آہستہ آہستہ اللہ اللہ کی تسبیح شروع کی،

اور آہستہ آہستہ آواز وہاں پر موجود پھوپھو صاحبہ کی سماعت تک پہنچی، تو ہم نے خدا کا شکر ادا کیا، پھوپھو صاحبہ نے فرمایا کہ جو کیفیت پیدا ہوئی ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ ہم سے جدا ہو رہے ہیں اور اللہ اللہ کرتے ہوئے اس کے دربار میں حاضری دے رہے ہیں، اُنہوں نے فوراً دیگر خاندان والوں کو بلانے کی ہدایت دی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سیکنڈ بعد اُن کی روح پرواز کر گئی۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ایسی موت ہمیں بھی عطا کرے"۔ (ویوٹائمز نئی دہلی) مخلوق کے لئے جس خدا کے بندہ نے اپنی ساری زندگی لٹائی ہو، جذبات کو تج دیا ہو، خواہشات کو قربان کیا ہو، خالق اپنے اس محبوب کی آرزو کیوں پوری نہ کرتا؟۔

خوش نصیب قبر! خوش ہو کہ تجھ میں آرام پانے کے لئے اللہ کے دین کا دلیر اور باہمت سپاہی آرہا ہے، وہ حسن مردانہ کا نمونہ، غریبوں کا سہارا تھا، بے کسوں کا والی تھا ملت کا پشت پناہ اور ایک دین دار گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔

اس عظیم قائد نے سرگرم جوش عمل سے مردوں کو جلا دیا، خوابیدہ دلوں میں اسلامی اور ملی روح پھونک دی، کتنوں کو گمنام کے قعر سے گھسیٹ کر بام شہرت پر لے آئے کتنوں کے نام چمکا دئے کتنے بے کسوں اور بے بسوں کی فریاد رسی کی، فلک کج رفتار کو اس کی یہ ہمتائی نہ بھائی، بعض اپنوں اور پرایوں نے مخالفت کی ٹھان لی، وہ ایک ہمت کا دھنی، عزم و حوصلہ کا پیکر، کسی سے ہار نہ مانا، تن تنہا سب سے مقابلہ کرتا رہا، حالات سے ٹکر لیتا رہا، عمر کی ستہتر (۷۷) منزلیں طے کر کے آخرت کو سدھارا، دنیا اس کی جرآت داد دیتی رہے گی اور نسلیں اس کے عزم و فرض شناسی کی بلائیں لیتی رہیں گی!۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

’’اللہ تعالیٰ مجھے ایمان پر موت نصیب فرمائے‘‘

(حضرت فدائے ملتؒ کی آخری رقت آمیز تقریر)

ضبط کردہ: قاری نجیب الرحمٰن صاحب بھاگلپوری

۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ کو ظہر کے بعد جامع رشید دیوبند میں سیکڑوں معتکفین کے مجمع میں بحالتِ اعتکاف خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا: ’’محترم بزرگو دوستو! اللہ تعالیٰ کا بے انتہا انعام واکرام ہے کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی اور اس میں اپنی عبادتوں کی توفیق عنایت فرمائی، اللہ تعالیٰ ہماری اِن ٹوٹی پھوٹی عبادتوں کو قبول فرمائیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ہم میں کون کون ایسا ہوگا جس کو اگلا رمضان المبارک نصیب ہوگا۔ آپ سب لوگوں نے اپنا راحت وآرام کو چھوڑ کر صرف اپنی آخرت کو بنانے کے لئے یہاں کا سفر کیا اور یہاں کی پریشانیاں اٹھائیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے رسول اپر ایمان رکھتا ہو اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے۔ آپ ہمارے یہاں آئے اور ہم سے آپ کا صحیح اکرام نہیں ہوسکا، دیوبند ایک چھوٹی سی جگہ ہے یہاں تھوڑے وسائل ہیں، یہاں نہ ڈھنگ کے کھانے ملتے ہیں، نہ کھانا بنانے والے ملتے ہیں، میرے کچھ ساتھی ہیں جنہوں نے میرا ساتھ دیا اور آپ کی خدمت کی، اللہ تعالیٰ اُن کی خدمتوں کو قبول فرمائے اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آپ کو نہ ڈھنگ کا کھانا ملا، نہ صحیح آرام کی جگہ ملی، میں اس کے لئے آپ سے معافی کا خواستگار ہوں، مجھ کو اپنی زندگی کی زیادہ توقع نہیں ہے، میں زندگی سے دور اور موت سے قریب ہوتا جارہا ہوں، آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایمان پر موت نصیب فرمائے؛ بلکہ ہر ایک کو ایمان پر موت نصیب فرمائے۔ میں دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرے مہمانوں کو مسجد میں اعتکاف کی اجازت دی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے‘‘۔ اس کے بعد حضرت نے چند حضرات کو بیعت کی اجازت دی۔ اور تقریر کے دوران بار بار روتے رہے اور مجمع بھی آنسو بہاتا رہا۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

اسعد ذیشاں نہیں رہا

مولانا لئیق احمد راغبؔ قاسمی بارہ بنکوی، مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی رامپور

قائد نہیں رہا کہ مہرباں نہیں رہا ❖ اک شور ہے کہ درد کا درماں نہیں رہا
باطل تھا جس سے خائف و ترساں نہیں رہا

پژمردہ ہر کلی ہے یہ دل نے کہا کہ کیوں ❖ ہر دل میں بےکلی ہے یہ دل نے کہا کہ کیوں
آئی صدا کہ نازش دوراں نہیں رہا

ارشدؔ ہیں غم زدہ دلِ اسجدؔ اُداس ہے ❖ بے چینیوں کی آگ محمدؔ کے پاس ہے
اس واسطے کہ اسعدؔ ذیشاں نہیں رہا

حق گوئی سے ڈرا نہ جو قاتل کے سامنے ❖ سد سکندری تھا جو باطل کے سامنے
وہ مرد جاں باز وہ انساں نہیں رہا

حسن عمل سے کفر کو بھی تلملا دیا ❖ اور جس نے چٹکیوں میں سیہ بل اڑا دیا
جرأت کا وہ ہی مہر درخشاں نہیں رہا

حسرت برس رہی ہے کہیں پر نہیں قرار ❖ محمودؔ محو غم ہیں تو مسعودؔ اشکبار
اس واسطے کہ فخر گلستاں نہیں رہا

عقدہ کشا تھا اور خطاب کا بادشاہ ❖ سرخیلِ قائدین قرارِ دل و نگاہ
اسلامیان ہند کا جاناں نہیں رہا

جو آبرو تھا ہند کی اور شان عزم تھا ❖ عشق نبی میں غرق جو اور جانِ بزم تھا
کہتی ہے کہکشاں کہ وہ خوباں نہیں رہا

سلمانؔ مضطرب ہیں تو مودودؔ ہیں نڈھال ❖ اشہد رشیدیؔ دیکھئے ہیں پیکر ملال
اس واسطے کہ رشکِ بہاراں نہیں رہا

بے تاب زندگی ہے ہوا دل سے دور چین ❖ آلِ حسینؓ اور جگر گوشۂ حسینؓ
سبط نبی کہ رشکِ بہاراں نہیں رہا

سن دو ہزار چھ تھا وہیں چھ تھی فروری ❖ پیش حیات ہوتی اجل کو ہے برتری
گونجی صدا کہ صاحب عرفاں نہیں رہا

چھ فروری کو ہاتھ سے دلکش کنول گیا ❖ جو خوف تھا وہ حزن میں یار و بدل گیا
یعنی کہ سنتوں کا گلفشاں نہیں رہا

ہر دل کے درد وغم کے سمندر میں جوش ہے ❖ بلبل اداس ہے تو پپیہا خموش ہے
چرخِ خلوص کا مہ تاباں نہیں رہا

محسنؔ کا دل تو شیخ کی یادوں کا ہے مزار ❖ چہرے کو دیکھئے غمِ رحلت ہے آشکار
صد حیف آہ نیرِ تاباں نہیں رہا

دیہات ہو شہر ہو ہر اک جا ہے غم گھٹا ❖ راغبؔ لئیق سر کو جھکا کر سنو ذرا
کہتا ہے دل کہ دلبر جاناں نہیں رہا

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

اسعد فردوس بریں رفت

۱۴۲۷ھ

مولانا قاری اصغر علی صاحب جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

امروز فدائے دیں از ما بہ قریں رفتہ ❖ از بند جہاں رستہ او خندہ جبیں رفتہ
اعراض ز ما کردہ پوشیدہ پس پردہ ❖ فردوس بریں رفتہ یک قصر حسیں جستہ
کردار و خصالش بر منوال نبی بودہ ❖ رفتار متیں بودہ گفتار حسیں شستہ
تقریر و کیم او درہائے ثمیں سفتہ ❖ صوتش بشنود آں کو در قعر زمیں خفتہ
از مرگ نہ ترسیدہ چوں فتنہ بپا دیدہ ❖ بس کوہِ گراں بودہ در عزم چنیں پختہ
اخبار حوادث چوں در گوش فرا آمد ❖ بے خوف وخطر بودہ زودے زکمیں جستہ
از رحلت حضرت آں میخانہ ہمہ ویراں ❖ ہر قلب وجگر زخمی ہر بیت ومکیں خستہ
مضبوط وقوی کردہ اہداف جماعت را ❖ ہر تخم اخوت را در اہل زمیں کشتہ
در عہد حسینیت در جمعیۃ ما ہر جا ❖ صد گلشن گونا گوں بر فرش زمیں کشتہ
گلہائے عقیدت را در سلک حسیں سفتہ ❖ ابیات رثا اصغؔر از قلب حزیں گفتہ

تاریخ وصال او ہاتف بمن ایں گفتہ
شاداں بشوی اسعد فردوس بریں رفت ہ

۱۴۲۷ھ

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

جس سے ملتی تھی ہدایت آہ رخصت ہوگیا

غم زدہ: مولانا امام علی دانشؔ صاحب صدر المدرسین ادارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور

قافلہ سالار اُمت آہ رخصت ہوا ❖ رہبر علماء امت آہ رخصت ہوگیا

اس کی رحلت پر سبھی اہل وطن غمگین ہیں ❖ پاسبانِ ملک و ملت آہ رخصت ہوگیا

سونا سونا ہے حسین احمدؒ کا روحانی چمن ❖ مرشدِ راہ طریقت آہ رخصت ہوگیا

فکرِ شیخ الہند محمود الحسن کا پاسباں ❖ جانثار قاسمیت آہ رخصت ہوگیا

حق پرستی اور حق گوئی رہا جس کا شعار ❖ وہ نگہبانِ صداقت آہ رخصت ہوگیا

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ❖ واقف دینی سیاست آہ رخصت ہوگیا

ہر طرف دینی مدارس پر اداسی چھاگئی ❖ جس کو تھی فکرِ حفاظت آہ رخصت ہوگیا

اپنے بیگانے سبھی پر جو کرم کرتا رہا ❖ سب پہ تھی جس کی عنایت آہ رخصت ہوگیا

خوگرِ اکرامِ مہماں پیکرِ لطف و کرم ❖ معدنِ جود و سخاوت آہ رخصت ہوگیا

یادگار قاسمؒ و امدادؒ و محمودؒ و رشیدؒ ❖ نازش اسلاف امت آہ رخصت ہوگیا

فتنۂ لامذہبیت پر لگائی جس نے روک ❖ وہ امیرِ اہل سنت آہ رخصت ہوگیا

پارہ پارہ ہوگیا دجل و فریبِ قادیاں ❖ حامئ ختم نبوت آہ رخصت ہوگیا

سب سمجھتے تھے کہ حق گو شیر زندہ ہے ابھی ❖ جس سے لرزاں تھی حکومت آہ رخصت ہوگیا

جس کے اخلاقِ کریمانہ پہ شاہد ہیں سبھی ❖ وہ فدائے ملک و ملت آہ رخصت ہوگیا

نورِ تقویٰ جس کے چہرے پر تھا ہر دم جلوہ گر ❖ جلوہ گاہِ نور سنت آہ رخصت ہوگیا

حالِ دل کس کو سنائیں کون دے گا مشورہ ❖ جس سے ملتی تھی ہدایت آہ رخصت ہوگیا

رہبری جس کی تھی دانشؔ کے لئے آبِ حیات
وہ سراپا خیر و برکت آہ رخصت ہوگیا

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

شیخ زماں جاتا رہا

مفتی اشفاق احمد اعظمی سرائے میر اعظم گڑھ

چھوڑ کر ملت کی کشتی ناخدا جاتا رہا ❖ شیخ اسعد، شیخ کامل، شیخ زماں جاتا رہا

رو رہا ہے پورا عالم، پوری دنیا سوگوار ❖ قوم و ملت کا محافظ، پاسباں جاتا رہا

اہل جمعیۃ کا دل ہے جس کے غم سے پاش پاش ❖ وہ امیر الہند، میر کارواں جاتا رہا

فیض جس کا عام تھا اقوام عالم کے لئے ❖ ایسا ہادیٔ، رہنما، شیخ جہاں جاتا رہا

ملت بیضاء کو جس کی جرأتوں کو ناز تھا ❖ وہ جری، حق گو، مجاہد، ترجماں جاتا رہا

اہل حق ششدر ہیں، دے گا کون باطل کو جواب ❖ حق کا وہ مرد مجاہد، ترجماں جاتا رہا

زندگی جس نے گزاری سنتوں کی چھاؤں میں ❖ اہل سنت کا محافظ، باغباں جاتا رہا

غم غلط ہو جائے گا، ہم کو نہیں امید ہے ❖ نقش جس کا دل پہ ہے، وہ نقش جاں جاتا رہا

بخش دے مولیٰ ہمارے شیخ کی ہر چوک کو

ذکر میں زندہ رہا، اور ذکر میں جاتا رہا

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

روشن آفتاب

جناب زاہدؔ ٹانڈوی، ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور

بجھ گیا آخر کو زاہد، ایک روشن آفتاب ❖ خاک آخر خاک ٹھہری، زندگی آخر سراب

رہنمائی کے پیمبر، تھے شجر اِک سایہ دار ❖ یاد سب کو آئیں گے، وہ محترم عالی جناب

باعمل تھے، باشریعت، سنتوں کے پاسباں ❖ ہو نہیں سکتا ہمیں اب ایسا گوہر دستیاب

ظاہر و باطن کا یار و چارہ گر جاتا رہا ❖ کھو گیا ہے آج ہم سے نسخہ ہائے کیمیاب

جانے کیا کیا نقش تھا، اس کے در و دیوار پر ❖ موت نے جس کو مقفل کر دیا وہ ایک باب

فکر ملت نے کبھی نا، چین سے رہنے دیا ❖ نام تھا ان کا ہی سید اسعد مدنی جناب

ایک ہو جائیں چلو ہم سب خدا کے واسطے ❖ بس یہی ان کا رہا ہے قوم سے اکثر خطاب

لکھنے والوں نے لکھا ہے، جو بھی ان کو خیر سے ❖ میں نے ان کو لکھ دیا ہے ماہتاب و آفتاب

قید خانہ ہے یہ دنیا، ایک مؤمن کے لئے ❖ یہ حدیثِ پاک میں ہے، من وعن عالی جناب

ہے دعائے قلب میری، اے مرے پرودگار ❖ مؤمنوں کے ساتھ اٹھیں جب اٹھیں یوم الحساب

میرے مولا ہے دعا تجھ سے یہی شام وسحر ❖ ساقی کوثر پلائیں، خود انہیں کوثر کا آب

وہ پیامی تھے وفا کے دیکھنا زاہدؔ میاں

قبر پر ان کی کھلیں گے، موتیا، بیلا، گلاب

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

ناصحِ اعظم ہمارا پیرِ کامل چل دیا

نتیجۂ فکر: فیروز خان ناگپوری

آہ اندھیری رات کا روشن ستارہ چل دیا ❖ ہم کو تنہا چھوڑ کر رہبر ہمارا چل دیا
دل ہوا ٹکڑے ہمارا آنکھیں بھی پتھرا گئی ❖ خود تو ہنستا ہم کو روتا چھوڑ کر وہ چل دیا
آہ و نالہ کر رہی ہیں دیوبند کی ہر گلی ❖ سرزمینِ دیوبند کو خیر کہہ کر چل دیا
وہ تصوف میں تھا کامل عاملِ سنت بھی تھا ❖ وقت کا واعظ نبی کا لاڈلا وہ چل دیا
معتکف رمضان میں ہر پل خدا کی یاد میں ❖ ذکر میں رطب اللسان تھا ذکر میں ہی چل دیا
پیر و مرشد تھا ہمارا اور طبیبِ روح تھا ❖ روح کی بیماریوں کا وہ معالج چل دیا
اس کے انوار و تبرّک پائیں گے اب ہم کہاں ❖ ناصحِ اعظم ہمارا پیرِ کامل چل دیا
طرز اس کا واعظا نہ گفتگو بھی نرم تھی ❖ دردِ امت کا تھا دل میں درد لے کر چل دیا
برق کی سرعت سے زیادہ کرتی تھی باتیں اثر ❖ داستاں کو یوں ادھوری چھوڑ کر وہ چل دیا
حق کی خاطر ہر قدم پر وہ مجاہد قوم کا ❖ قوم کی عصمت کی خاطر لڑتا لڑتا چل دیا
ہر قدم پر ہر ڈگر پر روشنی اس سے ملی ❖ قائدِ اعظم ہمارا راہ دِکھا کر چل دیا
جب بھی اس کی یاد آئے گی تڑپ جائیں گے ہم ❖ یوں تڑپتا چھوڑ کر ہم کو کہاں وہ چل دیا
آسماں اور اس زمیں کا ذرّہ ذرّہ رو پڑا ❖ چشمۂ رشد و ہدایت تشنہ رکھ کر چل دیا

روکے جب کہنے لگا مجھ سے میرا آصفؔ عزیز
سن اے فیروزِ زماں شیخِ مدنی چل دیا

کہاں ہے؟

قاسم الواصفی المظاہری خادم ہریانہ وقف بورڈ

وہ صاحبِ دل صاحبِ ایثار کہاں ہے ❖ ڈھونڈو کہ مری قوم کا غمخوار کہاں ہے
علم و ادب و فن کا طرفدار کہاں ہے ❖ تھا جہل کی گردن پہ جو تلوار کہاں ہے
ضوبار، ضیاکار جمعیۃ علماء ہند ❖ اس باغِ جمعیۃ کا نگہدار کہاں ہے
تعمیر کا پیغام تھا تحریر میں جس کی ❖ وہ قوم کا ہمدرد قلمکار کہاں ہے
ہاں ہاں وہ نئی نسل کی عظمت کا نگہباں ❖ تہذیبِ مسلماں کا نگہدار کہاں ہے
نمدیدہ سبھی سوچ رہے اہلِ مدارس ❖ وہ عظمتِ دیں اور وہ دیندار کہاں ہے
ہر دَم جو رہا قوم کے دُکھ درد میں شامل ❖ وہ قوم کا اب قافلہ سالار کہاں ہے
وہ عالی نسب ذہن رسا اسعدِ مدنی ❖ جو فتنۂ شر سے تھا خبردار کہاں ہے
طوفانِ حوادث کی ہر اِک موج کے آگے ❖ رہتا تھا ہر اِک وقت جو تیار کہاں ہے
ملت پہ فدا زندگی جس کی رہی دن رات ❖ رکھتا تھا جو اِک جذبۂ بیدار کہاں ہے
دنیا میں جو آیا ہے فنا سب کے لیے ہے ❖ یہ زندگی سوچو تو وفادار کہاں ہے
وہ مردِ مسلماں وہی مولانائے اسعدؔ ❖ اے ملتِ بیضا ترا غمخوار کہاں ہے

قاسم ہی نہیں سارا جہاں ڈھونڈ رہا ہے
وہ نسلِ حسینی کا طرحدار کہاں ہے

○❖○

میرِ کارواں جاتا رہا

کفیل احمد علوی ایڈیٹر آئینۂ دارالعلوم

منزلیں خود ہی سمٹ جاتی تھیں جس کی راہ میں ❖ وہ سراپا عزم ، میرِ کارواں جاتا رہا

عزمِ پختہ ، فکر روشن ، حوصلہ جس کا بلند ❖ عظمتیں نازاں تھیں جس پر وہ کہاں جاتا رہا

کوئی مشکل بھی تو جس کے سامنے مشکل نہ تھی ❖ وہ عمل کا ، علم کا کوہِ گراں جاتا رہا

جس کے دم سے نکہتیں تھیں جس کے دَم سے تھی بہار ❖ وہ بہاروں کا امیں ، وہ باغباں جاتا رہا

کون دے گا درس اب عزم وشجاعت کا ہمیں ❖ وہ ہمارا رہنما ، وہ مہرباں جاتا رہا

ہائے کس دل سے کہوں میں، ہائے کس دل سے لکھوں ❖ ملک و ملت کا وہ میرِ کارواں جاتا رہا

جس کے ناخن میں رہا کرتی تھی گرہوں کی کشود ❖ حکمتوں کا جو تھا بحرِ بیکراں جاتا رہا

کس طرح ہوگا ہمارا قافلہ منزل رسا ❖ راہ پیچیدہ ہے ، منزل کا نشاں جاتا رہا

ہر ادا دلکش تھی جس کی ، ہر سخن جس کا حسیں ❖ ہائے وہ مہر و وفا کا نغمہ خواں جاتا رہا

بزمِ اخلاص و وفا روشن تھی جس کے نور سے ❖ ہائے وہ اس بزم کا روحِ رواں جاتا رہا

عزم تھا جس کا جواں، جس کی نگاہیں دُور رس ❖ کوئی بتلائے تو آخر وہ کہاں جاتا رہا

سرد پڑ جائے نہ اب مے خانۂ حکمت کفیلؔ
مضطرب ہیں بام و در پیرِ مغاں جاتا رہا

یہ وفات اسعد مدنی

از ہدلطیف کشن گنج متعلم دورۂ حدیث دار العلوم دیوبند

بڑا ہی سانحہ ہے یہ، وفاتِ اسعدِ مدنی ❖ کہاں سے لائیں گے اب ہم وہ ذاتِ اسعدِ مدنی

بپا اک شور ہے یہ، قائدِ ملت کہاں ہیں اب ❖ امیر ہند، فدائے قوم جنابِ اسعدِ مدنی

نہیں تابِ بیاں مجھ میں، کروں کیسے بیاں ان کو ❖ تھی رشکِ قدسیاں ہر سو، حیاتِ اسعدِ مدنی

سیاست اور تصوف میں یگانہ، نازشِ ملت ❖ یقیناً مرجع خلقت تھی، ذاتِ اسعدِ مدنی

کبھی جب ملت بیضاء پہ کوئی آنچ آ پہنچی ❖ پلٹ جاتی تھی پھر اس دم، بساطِ اسعدِ مدنی

جگر کے خون سے سینچا، جمعیۃ کے شجر کو جب ❖ انوکھا رنگ لایا پھر، جہاد اسعدِ مدنی

بہت ہی لہلہایا باغِ قاسمؔ، تیری محنت سے ❖ تو تھا اک گوہر نایاب، جنابِ اسعدِ مدنی

کوئی انگلی اٹھاتا جب، مسلمانوں کی عزت پر ❖ گرجتا مثلِ اسد، پھر عتابِ اسعدِ مدنی

اے پیاسو! تم بجھاتے تھے ہمیشہ، پیاس کو ان سے ❖ کیا اب بھی پاؤ گے تم وہ، شرابِ اسعدِ مدنی

سبھی مجلس میں ماتم ہے سبھی محفل میں رنج و غم ❖ بڑی کلفت کا باعث ہے وفاتِ اسعدِ مدنی

لطیفؔ غم زدہ غمگین دل سے یہ دعا گو ہے
ہو آساں آخرت میں بھی حسابِ اسعدِ مدنی

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

ایک نیرِ تاباں چلا گیا

حضرت مولانا مفتی محمد اصغر صاحب، جامعہ عربیہ خادم الاسلام، ہاپوڑ

صد حیف آج نازش دوراں چلا گیا ❖ دنیا سے ایک نیرِ تاباں چلا گیا

سونی ہے آج انجمنیں محفلیں سبھی ❖ درداں کہ قصرِ دین کا درباں چلا گیا

چھائی ہوئی ہے تیرگی دارالعلوم میں ❖ اس بزم کا وہ شمعِ فروزاں چلا گیا

غمگین ہے جماعتِ علمائے ہند آج ❖ وہ رہنما وہ قائد ذی شاں چلا گیا

سونا ہے کل جہاں فضائیں خموش ہیں ❖ کر کے سبھی کو رنج میں حیراں چلا گیا

مرجھا گیا ہے آج گل و غنچہ و شجر ❖ وہ کیا گیا کہ حسنِ گلستاں چلا گیا

ساقی بغیر میکدہ بھی ہوگیا اداس ❖ نجم و ہدیٰ و مشعل عرفاں چلا گیا

ملت کا جو فدائی تھا اور ہند کا امیر ❖ سرخیل قوم و پیکرِ ایماں چلا گیا

وہ جانشینِ شیخ تھا وہ میرِ کارواں ❖ بے مثل قوم کا وہ نگہباں چلا گیا

شیدا تھے جس پہ دل سے مریدانِ باصفا ❖ عشاق کا وہ دلبر و جاناں چلا گیا

بے چین غم میں قوم کے سیماب کی طرح ❖ دُکھتے دِلوں کے درد کا درماں چلا گیا

باطل کے آگے سینہ سپر تھا وہ عمر بھر ❖ افسوس ہے کہ آج وہ انسان چلا گیا

ہر فتنہ و فساد میں جاتا تھا بے خطر ❖ وہ شیر وہ مجاہد یزداں چلا گیا

تھا ملک کے لیے بھی پریشان وفکر مند ❖ ملت پہ کر کے جان کو قرباں چلا گیا

تحریک جب کہ دین کی خاطر چلائی تھی ❖ وہ سب سے پہلے بے جھجک زنداں چلا گیا

دورِ فتن میں جس کا سہارا سبھی کو تھا ❖ ہم ناتواں ہیں قوم کا سلطاں چلا گیا

چشمے ابل رہے تھے ہدایت کے جس کے گھر ❖ وہ ہادی و قرارِ دل و جاں چلا گیا
تھا اس کو غم کہ ہند میں مسلم ہو سر بلند ❖ وجہِ بقائے شانِ مسلماں چلا گیا
ہوتی تھی اس کی رائے اصابت لئے ہوئے ❖ وہ دور بیں وہ مہر درخشاں چلا گیا
امت کے غم میں رات کو روتا تھا زارزار ❖ قربانِ ضیف و خادمِ مہماں چلا گیا
پھیلا ہے تیرا فیضِ ہدایت کہاں کہاں ❖ دنیا سے وجہ بخششِ دوراں چلا گیا
دیوانے تیرے بسمل و بے جان ہو گئے ❖ تو کیا گیا کہ زیست کا ساماں چلا گیا
رویا کریں گے دیر تک اربابِ ملک ودیں ❖ ملت کے غم میں تھا جو پریشاں چلا گیا
تا زیست ہو سکے گا نہ ہم سے ادائے شکر ❖ امت پہ کر کے اَن گنت احساں چلا گیا
دیوانے منتظر کہ چنیں گفتگو کے پھول ❖ خاموش ہو کے شہرِ خموشاں چلا گیا
کر دے خدایا شیخ کو فردوس میں مکیں ❖ دُنیا سے آج عاملِ قرآں چلا گیا

غمگین آج اصغرؔ ناچیز ہے یہاں
ملت کے سر سے سایہ یزداں چلا گیا

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۶ء)

فہرست خلفاء ومجازین

حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ

حضرت امیر الہند فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کے دستِ حق پرست پر جن خوش نصیب حضرات نے بیعت کر کے راہِ سلوک مکمل کی، اُن کے اسماء ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔ یہ فہرست حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیاضِ خاص سے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا سید محمود مدنی زید مجدہ کے توسط سے حاصل ہوئی ہے، ممکن ہے کہ اس میں بعض حضرات کے نام رہ گئے ہوں، اُن کے اسماء تحقیق کے بعد اِس میں شامل کردیئے جائیں گے، ہم نے اِس فہرست کو علاقہ وار مرتب کر دیا ہے، جس سے حضرت کے روحانی فیوض کی وسعتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (مرتب)

صوبہ اتر پردیش

۱ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دارالعلوم دیوبند

۲ حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدنی منزل دیوبند

۳ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دارالعلوم دیوبند

۴ جناب عبدالعزیز صاحب، بجنور

۵ مولوی محمد عثمان صاحب ہزاروی مرحوم دیوبند

۶ جناب صوفی عبدالرزاق صاحب محلّہ خیرات علی متصل امام باڑہ ضلع میرٹھ

۷ مولوی محمد شبلی صاحب، محلّہ چندنپور کوپا گنج ضلع اعظم گڈھ

۸ حاجی محمد محسن صاحب، چھپائی والی گلی کرنیل گنج کانپور

۹ مولوی محمد انیس الحق صاحب، جامع مسجد دیوبند سہارنپور

۱۰ مولوی عبدالغفار صاحب، قصبہ لہساڑ ضلع سہارنپور

۱۱ مولوی حکیم وصی احمد صاحب، مرحوم، علی گڈھ دواخانہ گورکھپور

۱۲ مولوی ظفر الحسن صاحب کان پور

۱۳ مولوی عادل محمد صاحب نگلہ ہرے رو ضلع میرٹھ

۱۴ ڈاکٹر محمد زاہد صاحب امروہہ ضلع مراد آباد

۱۵ حافظ ابراہیم صاحب گلاوٹھی بلند شہر

۱۶ صوفی ابوالحسن صاحب مرحوم، دودھ گڈھ ضلع سہارنپور

۱۷ جناب فیاض خاں سٹھلہ میرٹھ

۱۸ جناب حکیم ضیاء الدین کرسی ضلع لکھنؤ

۱۹ صوفی محمد لیاقت صاحب تیجل ہیڑا ضلع مظفر نگر

۲۰ مولانا محمد کامل گڈھی دولت ضلع مظفر نگر

۲۱ صوفی محمد الیاس شہجوڑ ضلع سہارنپور

۲۲ حاجی محمد قاسم سوہن چڑا ضلع سہارنپور

۲۳ مولانا محمد اشرف صاحب دیوبند ضلع سہارنپور

۲۴ مولانا ابوالحسن حیدری صاحب الٰہ آباد

۲۵ مولانا حشمت علی صاحب مرحوم سوہن چڑا سہارنپور

۲۶ حافظ ولی محمد صاحب بڑہئی مزرعہ سہارنپور

۲۷ جناب محمد حسن صاحب ماجری ضلع سہارنپور

۲۸ جناب محمد سلیم صاحب شہجوڑ ضلع سہارنپور

۲۹ جناب ملا علی حسن صاحب تیوڑہ ضلع مظفر نگر

۳۰ جناب مولوی خورشید احمد صاحب سرساوہ ضلع سہارنپور

۳۱ جناب شکیل احمد صاحب دودھ گڈھ سہارنپور

۳۲ جناب نذیر احمد صاحب برلا ضلع مظفرنگر

۳۳ جناب حافظ ظہور احمد صاحب خان پور

۳۴ جناب مولانا محمد نبیہ صاحب جلال پور فیض آباد

۳۵ صوفی محمد انوار صاحب منصور پور مظفرنگر

۳۶ جناب سید بشارت علی صاحب اکبر پور بیر بل کان پور

۳۷ مولانا عبداللطیف صاحب بھینسار یڑھی ضلع مظفرنگر

۳۸ جناب محمد یاسین صاحب شہجوڑ ضلع سہارنپور

۳۹ جناب محمد اسلام صاحب کیرانہ ضلع مظفرنگر

۴۰ جناب محفوظ صاحب درگوزی

۴۱ جناب محمد عامل موہن پورہ گنگوہ

۴۲ جناب وکیل احمد صاحب درگوزی

۴۳ ملا فخرالدین صاحب چکوالی ضلع سہارنپور

۴۴ مولوی جمیل احمد صاحب دودھ گڈھ ضلع سہارنپور

۴۵ جناب علی حسن صاحب بھاگوں والا بجنور

۴۶ جناب محمد جمیل صاحب خان پور گنگوہ

۴۷ ماسٹر انتظار احمد صاحب بھنیڑہ ضلع سہارنپور

۴۸ حکیم محمد ذکی جوگی پور ضلع سہارنپور

۴۹ جناب زندہ حسن صاحب چکوالی ضلع سہارنپور

۵۰ مولانا محمد عرفان صاحب کیرانہ مظفرنگر

۵۱ جناب محمد شاہد صاحب رتو پورہ غازی آباد

۵۲ مولوی محمد عباس صاحب مدرس مدرسہ اصلاح المسلمین بجرول باغپت

۵۳ مولانا عبدالحفیظ صاحب مرحوم بلند شہر
۵۴ حافظ محمد خورشید صاحب بلوا ضلع مظفر نگر
۵۵ مولانا عبدالحمید صاحب سمریاواں بازار بستی
۵۶ مولوی صغیر احمد صاحب تاج پورہ ضلع سہارنپور
۵۷ مولوی محمد داؤد صاحب بڑھانہ مظفر نگر
۵۸ جناب محمد سلیم صاحب بھوجپور ضلع سہارنپور
۵۹ حافظ محمد فرقان صاحب نگلہ راعی ضلع سہارنپور
۶۰ جناب اسرار رفیع صاحب ڈھانسری ضلع مظفر نگر
۶۱ جناب مولانا اسعد صاحب دیوریاوی مدرسہ شاہی مرادآباد
۶۲ جناب مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدرسہ شاہی مرادآباد
۶۳ جناب سید لائق علی صاحب مرحوم ضلع میرٹھ
۶۴ حضرت مولانا شبیہ احمد صاحب مرحوم فیض آباد
۶۵ جناب قاری عبدالستار صاحب میرٹھ
۶۶ جناب ماسٹر عبدالحکیم صاحب بجنور
۶۷ جناب صوفی محمد ظفر صاحب مظفر نگر
۶۸ جناب صوفی سالم رفیع مظفر نگر
۶۹ جناب مولوی محمد رفیع مظفر نگر
۷۰ جناب صوفی محمد ارشاد سہارنپور
۷۱ جناب مفتی محمد طیب ابراہیمی سرساوہ سہارنپور
۷۲ جناب صوفی سرفراز موضع ککرالہ مورنہ مظفر نگر
۷۳ جناب صوفی ماسٹر لیاقت علی چرتھاول ضلع مظفر نگر

۷۴ جناب مفتی محمد اصغر ویٹ غازی آباد

۷۵ جناب منشی محمد یامین صاحب بجنور

۷۶ جناب صوفی صغیر احمد تلہڑی بزرگ

۷۷ جناب مولوی محمد یعقوب مظفرنگر

۷۸ جناب قاری امیر اعظم صاحب میرٹھ

صوبہ دہلی

۷۹ جناب حاجی محمد یونس صاحب دیو بندی نظام الدین دہلی

۸۰ حافظ محمد عرفان صاحب کوچہ رحمان دہلی

صوبہ ہریانہ

۸۱ میاں جی محمد فاروق صاحب دھانہ ضلع نوح میوات

۸۲ میاں جی مہتاب صاحب نگینہ ضلع گڑگاؤں میوات

۸۳ ماسٹر محمد یونس میواتی گڑگاؤں

۸۴ مولانا عبدالرحیم صاحب بڈیڈوی میوات ہریانہ

۸۵ میاں جی دانی صاحب موضع روپڑہ ضلع گڑگاؤں ہریانہ

۸۶ جناب مولانا وزیر احمد میوات

۸۷ جناب مولانا سعید احمد میوات

۸۸ جناب میاں جی محمد یونس نوح میوات

راجستھان

۸۹ جناب علی محمد صاحب پتراوہ جھالاواڑ

۹۰ جناب مولوی محمد صاحب باڑھمیر

۹۱ جناب سید عبدالحی صاحب کرولی

۹۲ جناب قطب الدین صاحب بیکانیر

صوبہ بہار

۹۳ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کرن پور بھاگلپور

۹۴ حافظ محمد صالح صاحب اعزازی موضع کروڈیہہ بھاگلپور

۹۵ جناب مفتی محمد جاوید صاحب کشن گنج

۹۶ جناب محمد غلام مصطفیٰ صاحب مونگیر

۹۷ منشی محمد زکریا صاحب مدرسہ دارالعلوم ڈوریا ضلع پورنیہ

۹۸ مولانا ابوخطیب محمد صالح صاحب مرحوم مانڈر ضلع مونگیر

۹۹ ماسٹر محمد شفیع الہدی صاحب جل کوڑا ضلع مونگیر

۱۰۰ حافظ محمد شعیب صاحب اڈسار ضلع مونگیر

۱۰۱ حافظ محمد جمال الدین صاحب بدلو چک بھاگلپور

۱۰۲ جناب حسیب الرحمٰن صاحب چھوٹی اڈسار ضلع مونگیر

۱۰۳ مولانا عبدالحکیم صاحب موضع کروڈیہہ بھاگلپور

۱۰۴ مولوی محمد ایوب صاحب بلاس پور میا گھاٹ دربھنگہ

۱۰۵ مولوی تجمل حسین صاحب ارشاد منزل کچہری روڈ گیا

۱۰۶ ماسٹر محمد ہاشم صاحب، موضع اڈسار ضلع مونگیر

۱۰۷ ڈاکٹر ظفرالحسن صاحب چندن پارہ ضلع چمپارن

۱۰۸ مولانا جعفر حسین صاحب مرحوم مقام کوئے ماری ضلع پورنیہ

۱۰۹ حافظ سعید احمد صاحب چمپانگر بھاگلپور

۱۱۰ مولوی عبدالحمید صاحب کروڈیہہ بھاگلپور

۱۱۱ جناب محمد ولی الدین صاحب پتھنہ ضلع بھاگلپور

۱۱۲ جناب توحید علی صاحب دوگاچھی ضلع بھاگلپور

۱۱۳ مولانا محمد اشفاق صاحب مرحوم سمریا ضلع بھاگلپور

۱۱۴ جناب عبدالصمد صاحب بنائے ارون ضلع گیا

۱۱۵ جناب غلام غوث الاعظم صاحب صاحب گنج ضلع دمکا

۱۱۶ جناب مولوی صلاح الدین صاحب سمریا بھاگلپور

۱۱۷ جناب خواجہ شہاب الدین صاحب پٹنہ سٹی

۱۱۸ مولوی بشیر احمد صاحب ضلع پورنیہ

۱۱۹ مولوی عبدالقیوم صاحب پراتیں ضلع بھاگلپور

۱۲۰ جناب شمعون صاحب چندن پارہ ضلع مظفر پور

۱۲۱ جناب ظہور عالم صاحب سیتامڑھی

۱۲۲ حاجی محمد طیب صاحب چلمل ضلع بھاگلپور

۱۲۳ حاجی جان علی صاحب برلو، ضلع ہزاری باغ

۱۲۴ جناب احمد حسین صاحب گھڑی ساز توپ خانہ بازار ضلع مونگیر

۱۲۵ جناب حافظ منیر الدین صاحب کٹھنی

۱۲۶ جناب محمد منصور صاحب چمپانگر

۱۲۷ جناب عالم گیر صاحب ڈھمرا بھاگلپور

۱۲۸ جناب نعیم الدین صاحب بالوباری پورنیہ

۱۲۹ جناب ڈاکٹر مقبول عالم آرہ

۱۳۰ ماسٹر عبدالرشید صاحب سین پور دمکا

۱۳۱ جناب محمد شفیق العارفین صاحب دمکا

۱۳۲ جناب مولوی عبدالوحید صاحب کا کوڈیا ضلع بیر بھوم

۱۳۳ مولانا محمد قاسم صاحب بھاگلپور

۱۳۴ جناب عین الحق صاحب مظفر پور

۱۳۵ جناب مولانا غیاث الدین صاحب مقیم جامعہ حسینیہ راندیر گجرات

۱۳۶ جناب ماسٹر جمال احمد خان صاحب سمن پور پٹنہ

۱۳۷ جناب مولانا قاری امتیاز احمد صاحب مدھوبنی سابق استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۳۸ جناب محمد سعید صاحب بھاگلپور

۱۳۹ جناب قاری نجیب الرحمٰن صاحب بھاگلپوری اُستاذ مدرسہ تعلیم القرآن مرادآباد

۱۴۰ جناب روح الامین صاحب گڈھوارہ بیگوسرائے

۱۴۱ مولوی قمرالدین صاحب ڈھاکہ چمپارن

۱۴۲ جناب سیاد احمد صاحب گیہواں ضلع پورنیہ

۱۴۳ ماسٹر عبدالسلام بیرنگر پورنیہ

۱۴۴ مولوی رفیع اللہ صاحب کرن پور بھاگلپور

۱۴۵ جناب محمد ذکیرالدین صاحب بیرنگر پورنیہ

۱۴۶ جناب مفتی دبیر حسن صاحب بیر بھوم

۱۴۷ حاجی محمد الیاس اکراہا پورنیہ

۱۴۸ مولانا جنید صاحب پوا کھالی ضلع کشن گنج

۱۴۹ منشی کبیرالدین صاحب بارسوتی کٹیہار

۱۵۰ ماسٹر منصور علی صاحب سلطان گنج بھاگلپور

۱۵۱ جناب محمد شفیع صاحب سدھولی دربھنگہ

۱۵۲ جناب محمد شفیق صاحب جلال گڑھ پورنیہ

۱۵۳ جناب قاری محی الدین صاحب قاضی محلّہ شیر گھاتی گیا

۱۵۴ جناب حاجی محمد الیاس صاحب اکراہا پورنیہ

۱۵۵ مولوی عبدالرشید صاحب پورنیہ

۱۵۶ حکیم عبدالجبار صاحب بیرنگر سہریا پورنیہ

۱۵۷ حاجی ظہور الحق صاحب کٹھنی بہار

۱۵۸ جناب محمد حشمت علی صاحب بھاگلپور

۱۵۹ جناب عبدالماجد صاحب پورنیہ بہار

۱۶۰ جناب عبدالرزاق صاحب بارسوئی داس گرام کٹیہار

۱۶۱ جناب مولانا فیض الدین قاسمی صاحب مہیشن پور کٹیہار

۱۶۲ جناب سراج الدین صاحب سیوان بہار

۱۶۳ جناب عبدالصمد صاحب شکار پور ضلع کٹیہار

۱۶۴ جناب محمد یٰسین صاحب سوتی کماتی ضلع کشن گنج

۱۶۵ جناب مولانا عمادالدین رانچوی سیرانگو ضلع رانچی

۱۶۶ جناب قاری محمد سلیمان نعمانی انجمن اسلامیہ خزانچی پات پورنیہ

۱۶۷ جناب مولانا محمد اقبال صاحب سنہولہ باٹ بھاگلپور

۱۶۸ جناب حاجی نعیم الدین صاحب گیا

۱۶۹ جناب مولانا علاءالدین صاحب پورینہ

۱۷۰ جناب محمد حسنین صاحب پورینہ

۱۷۱ جناب محمد شاہد صاحب پورنیہ

۱۷۲ جناب حاجی زاہد پورنیہ

۱۷۳ جناب مولوی محمد راشد صاحب گڈا

۱۷۴ جناب ڈاکٹر تمیزالدین صاحب گڈا

۱۷۵ جناب عبدالسلام صاحب پورنیہ

صوبہ آسام

۱۷۶ جناب محمد عبداللطیف صاحب سلچر
۱۷۷ جناب مولانا عباس علی صاحب پرتاپ گڑھی نالی باڑی ضلع کچھاڑ
۱۷۸ جناب مولانا عبدالقاہر صاحب بھویانی پور ضلع کچھاڑ
۱۷۹ جناب مولانا مزمل علی صاحب پھول باڑی ضلع کچھاڑ
۱۸۰ جناب مولانا محمد ایوب علی صاحب دھولائی ضلع کچھاڑ
۱۸۱ جناب مولانا محمد یوسف صاحب مدرسہ مرکز العلوم بھگہ ضلع کچھاڑ
۱۸۲ جناب ماسٹر عبدالسبحان صاحب دھوبڑی
۱۸۳ جناب ریف الدین صاحب دھوبڑی
۱۸۴ جناب عبدالحی صاحب گوریپور گوالپاڑہ
۱۸۵ جناب قاری مفیض الدین صاحب امام جامع مسجد دھوبڑی
۱۸۶ جناب مولوی احمد حسین صاحب سنگاریا ضلع کچھاڑ
۱۸۷ جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب بدرپوری نیگھر ٹینک جوریاٹ کچھاڑ
۱۸۸ جناب مولوی فیض احمد صاحب مدرسہ عالیہ بوڑی بائل ضلع کچھاڑ
۱۸۹ جناب مولوی عبدالخبیر صاحب کریم گنج
۱۹۰ جناب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب ہیلا کندی
۱۹۱ جناب مولوی محبّ اللہ صاحب ہیلا کندی
۱۹۲ جناب مولوی محمد یاسین صاحب کاموری ڈھوبری
۱۹۳ جناب عبدالعزیز صاحب ڈھوبری
۱۹۴ جناب عبدالرحمٰن صاحب پردھانی
۱۹۵ جناب عزت اللہ صاحب پردھانی ڈھوبری

۱۹۶ جناب محمد اسحٰق خان صاحب ڈھوبری

۱۹۷ جناب محمد شمشیر علی صاحب ڈھوبری

۱۹۸ جناب مولانا محمد ضمیر الدین صاحب نوڈانگا نوگاؤں

۱۹۹ جناب مولوی معین الدین صاحب کچھاڑ

۲۰۰ جناب سکندر علی صاحب گوری پور

۲۰۱ جناب ماسٹر منیر الدین صاحب لوہار کاٹا ضلع کامروپ

۲۰۲ جناب عبدالحلیم صاحب بہاری بالو چر ڈھوبری

۲۰۳ جناب مولوی ابوالکلام آزاد صاحب گنوری پور گوالپاڑہ

۲۰۴ جناب خلیل الرحمٰن صاحب گنوری پور گوالپاڑہ

۲۰۵ جناب مولوی شناور علی صاحب بھانگہ بازار ضلع کچھاڑ

۲۰۶ جناب قطب الدین احمد صاحب لوہار کاٹھا ضلع کامروپ

۲۰۷ جناب مولوی محمد ایوب صاحب کھدرہ کندی ضلع کچھاڑ

۲۰۸ جناب مولوی عبدالرقیب صاحب کھدرہ کندی ضلع کچھاڑ

۲۰۹ جناب مولانا یٰسین صاحب عاصم گنجی کھدرہ کندی ضلع کچھاڑ

۲۱۰ جناب محمد عبدالمصور صاحب لالہ بازار ضلع کچھاڑ

۲۱۱ جناب مولوی شعیب الرحمٰن صاحب مالوا کچھاڑ

۲۱۲ جناب محمد مقدس علی صاحب ہولاشنگھر رانا باڑی کچھاڑ

۲۱۳ جناب مولانا مطیع الرحمٰن صاحب کباڑی بند پتھار کندی

۲۱۴ جناب مولانا عبدالمصور صاحب کھدری کندی کچھاڑ

۲۱۵ جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب بانسکندی کچھاڑ

۲۱۶ جناب حاجی شمس الدین خان صاحب کنکش پور کچھاڑ

۲۱۷ جناب محمد بلال علی صاحب برہٹہ بار پیٹا

۲۱۸ جناب مولانا تاج الدین صاحب ہیلا کندی

۲۱۹ جناب مولوی فراز الدین صاحب ہیلا کندی

۲۲۰ جناب مولوی ابوالقاسم صاحب لکھیم پور آسام

۲۲۱ جناب مولانا بدرالدین اجمل صاحب ہوجائی آسام

۲۲۲ جناب مولانا کمال الدین صاحب ہیلا کندی

۲۲۳ جناب مولانا عبدالمجید صاحب گوہاٹی آسام

۲۲۴ جناب قاری نورالدین صاحب آسام

صوبہ مغربی بنگال

۲۲۵ جناب حکیم محمد محسن صاحب جھنگری آسنسول ضلع بردوان

۲۲۶ جناب ماسٹر محمد رضا انصاری صاحب سور پور کوپسری سندر چک بردوان

۲۲۷ جناب مولانا محمد یونس صاحب براگوپال ضلع ہاوڑا

۲۲۸ جناب مولانا ضمیر الدین آروی صاحب آسنسول

۲۲۹ جناب محمد مصطفیٰ صاحب اکھڑ آسنسول

۲۳۰ جناب مولانا محمد شفیع صاحب ندیاوی

۲۳۱ جناب مولوی انیس الرحمٰن صاحب بیر بھوم

۲۳۲ جناب مولوی حمید اللہ صاحب برن پور

۲۳۳ جناب عارف الدین صاحب مغربی دیناج پور

۲۳۴ جناب محی الدین صاحب ڈرائیور سیتارامپور بردوان

۲۳۵ جناب مولوی عبدالمجید صاحب مرشدآبادی بردوان

۲۳۶ جناب مولانا ارشد علی صاحب ندیا مغربی بنگال

۲۳۷ جناب مولوی امداد الاسلام صاحب جے نگر ۲۴ پرگنہ

۲۳۸ جناب آفتاب الدین صاحب موناپور مغربی بنگال

۲۳۹ جناب زبیر احمد صاحب بردوان

۲۴۰ جناب مولانا محمد الیاس صاحب دکھین دیناج پور

۲۴۱ جناب مولانا محبوب حسن صاحب عاصم گنج

۲۴۲ جناب مولانا عبدالکریم صاحب سنام گنج

۲۴۳ جناب مولانا عبدالباسط صاحب سنام گنج

۲۴۴ جناب مولانا عبدالسبحان سنام گنج

۲۴۵ جناب محمد عمران صاحب جام پور

صوبہ منی پور

۲۴۶ جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب پائیری پوک منی پور

۲۴۷ جناب مولوی امجد علی صاحب پائیری پوک ٹولی ہل منی پور

صوبہ گجرات

۲۴۸ جناب مولانا رشید احمد صاحب بزرگ سملک، ڈابھیل

صوبہ اُڑیسہ

۲۴۹ جناب مولانا عبدالصمد صاحب راؤڑکیلا

۲۵۰ جناب مولوی نور اللہ صاحب جدد پور

۲۵۱ جناب شیخ تقی الدین صاحب بری جاج پور

۲۵۲ جناب مولانا محمد صابر صاحب منجھاپور ضلع کٹک

۲۵۳ جناب عبدالرشید صاحب راوڑکیلا

۲۵۴ جناب ڈاکٹر ابوالکلام کٹک

۲۵۵ جناب عبدالوحید صاحب کٹک

صوبہ تمل ناڈو

۲۵۶ جناب مولانا مزمل حسین صاحب سیلم مدراس

۲۵۷ جناب لیاقت علی صاحب

مہاراشٹر

۲۵۸ جناب سلیم اللہ صدیقی صاحب بمبئی

آندھرا پردیش

۲۵۹ جناب مولانا عزیز الدین صاحب نلگنڈہ

متفرق مقامات

۲۶۰ جناب مولوی رکن الدین صاحب بھودا

۲۶۲ جناب حاجی حبیب احمد صاحب گھاٹم پور

۲۶۳ جناب مولوی بہاؤالدین خانپوری

بنگلہ دیش

۲۶۴ جناب مولوی عبدالصمد صاحب مدرسہ معین الاسلام چٹگام

۲۶۵ جناب مولانا فیض الباری صاحب محدث کنائی گھاٹ ضلع سلہٹ

۲۶۶ جناب مولانا عزیز الحق صاحب سندیپ سنتوش پور، چاٹگام

۲۶۷ جناب مولانا عبدالشکور صاحب سلہٹ چاٹگام

۲۶۸ جناب مولانا علیم الدین صاحب دارالعلوم کنائی گھاٹ سلہٹ

۲۶۹ جناب مولانا رشید احمد صاحب سلہٹ

۲۷۰ جناب مولانا امداد اللہ صاحب سلہٹ

۲۷۱ جناب مولانا عبد الباری صاحب نوا کھالی

۲۷۲ جناب مولانا ارجمند قاسم صاحب سلہٹ

۲۷۳ جناب عبد المتین صاحب ڈھاکہ

۲۷۴ جناب مولوی حسین احمد صاحب لاف ناؤٹ سلہٹ

۲۷۵ جناب مولانا فرید الدین مسعود صاحب ڈھاکہ

۲۷۶ جناب مولوی نثار احمد صاحب بارہ کوٹ سلہٹ

۲۷۷ جناب مولوی عتیق الرحمٰن صاحب قاضی بازار سلہٹ

۲۷۸ جناب مولوی محسن احمد صاحب چوکی دیکھی سلہٹ

۲۷۹ جناب مولوی عبد اللہ صاحب برہمن باڑیہ

۲۸۰ جناب مولانا عمران مظہری صاحب جامعہ حسینیہ عرض آباد ڈھاکہ

۲۸۱ جناب مولانا احسن حبیب صاحب ڈھاکہ

۲۸۲ جناب مولوی عبد الخالق صاحب سلہٹ

۲۸۳ جناب مولوی احمد اللہ صاحب برہمن باڑیہ

۲۸۴ جناب محمد عاشق الرحمٰن صاحب جبی گنج

۲۸۵ جناب مولانا روح الدین صاحب مدینیہ العلوم فریل پاک سلہٹ

۲۸۶ جناب مولانا عبد السلام صاحب تالیر تل سنام گنج

۲۸۷ جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب ناز پور پیروز پوراسال

۲۸۸ جناب مولانا نور محمد صاحب غفار گاؤں میمن سنگھ

۲۸۹ جناب مولانا حفیظ الدین صاحب ڈھاکہ

۲۹۰ جناب مولانا انور محمود صاحب ڈھاکہ

۲۹۱ جناب مولانا امین اللہ صاحب ڈھاکہ

۲۹۲ جناب مولانا نور محمد صاحب غفار گاؤں میمن سنگھ

۲۹۳ جناب مولانا نعمان صاحب مولوی بازار

۲۹۴ جناب مولانا نور اللہ صاحب برہمن باڑیہ

برما

۲۹۵ جناب مولانا عبد الرحمٰن قاسمی مدرسہ رحمانیہ پڈنالاں کامبے رنگون

ایران

۲۹۶ جناب مولانا تاج محمد صاحب دار العلوم عزیزیہ سرباز بلوچستان (ایران)

انگلینڈ

۲۹۷ جناب مولانا محمد حسن بوڈھانوی انگلینڈ

۲۹۸ جناب مولانا محمد طریق اللہ صاحب لندن

۲۹۹ جناب محمد معاذ صاحب کڈرمنسٹر انگلینڈ

۳۰۰ جناب مولوی شہزاد خاں برمنگھم انگلینڈ

جنوبی افریقہ

۳۰۱ جناب مولانا محمد ایوب کاچھوی صاحب ایلسبرگ ساؤتھ افریقہ

۳۰۲ جناب شیخ احمد مسلم مرحوم جان اشمس ہائی وے، ساؤتھ افریقہ

۳۰۳ جناب حاجی ابراہیم موسی پانڈور ایلسبرگ ساؤتھ افریقہ

۳۰۴ جناب ڈاکٹر محمد بدات صاحب ساؤتھ افریقہ

۳۰۵ جناب حاجی یعقوب اسمٰعیل پانڈور ساؤتھ افریقہ

۳۰۶ جناب حاجی محمد محسن پانڈور ساؤتھ افریقہ

پاکستان

۳۰۷ جناب مولانا ایوب جان صاحب مرحوم پشاور صوبہ سرحد

۳۰۸ جناب مولانا سید محمد مظہر اسعدی صاحب بہاول پور

۳۰۹ جناب ڈاکٹر شاہد اشرف صاحب لاہور

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

مولانا سید محمد مختار امین صاحب حسین آبادؒ

ضلع مظفرنگر کے مشہور خانوادۂ سادات کی بزرگ شخصیت، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے مخلص نیاز مند جناب مولانا سید مختار امین صاحب ساکن حسین آباد (نزد کھتولی) ضلع مظفرنگر گذشتہ ۷؍ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۷؍دسمبر ۲۰۰۶ء بروز بدھ کو تہجد کے وقت مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور حضرت مولانا سید محمد نبی صاحب خانجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ (تلمیذ حضرت شیخ الہند ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند) کے فرزند اکبر تھے، دارالعلوم کی طالبِ علمی کے دور میں امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ہم درس رہے، اور آخری دم تک یہ تعلق خلوص کے ساتھ برقرار رکھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا اِس گھرانے سے خاص ربط تھا، ۱۹۴۷ء میں جب کہ تقسیم ہند کے ہنگامے زوروں پر تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک حسین آباد میں گذارا، اور عید الفطر کی نماز منصور پور جا کر اَدا فرمائی۔ اِسی طرح خودنوشتہ سوانح ''نقشِ حیات'' کی تالیف بھی یہیں رہ کر فرمائی۔

مولانا سید محمد مختار صاحب راقم الحروف کی دادی صاحبہ مدظلہا کے چھوٹے بھائی اور حضرت والد ماجد مدظلہ کے بڑے ماموں تھے، بڑے باوقار، دانش مند، معاملہ فہم اور حلیم وبردبار شخص تھے، کسی بھی معاملے میں جلد بازی یا تنگ مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُنہیں نہیں دیکھا گیا، بڑے سے بڑے صدموں اور حادثات کو انتہائی جر وضبط کے ساتھ برداشت کیا، اور ہر

معاملے کو خوش اُسلوبی سے حل کرنے کی عادت ڈالی، کوئی بھی فیصلہ جذباتی اور وقتی جوش کے تحت نہیں کیا؛ بلکہ دور اندیشی اور عواقب وانجام کو سامنے رکھ کر اقدامات کئے۔ موصوف کی مجلس باوقار اور گفتگو انتہائی متانت پر مشتمل ہوتی تھی، حسبِ موقع خوش طبعی بھی کرتے، مگر وہ بھی شرافت اور وقار کے دائرے میں رہتی تھی، اگرچہ کثیر العیال تھے، مگر سب بچوں کے معاملات اپنی زندگی ہی میں طے کر گئے؛ تاکہ بعد میں انتشار نہ ہو، اور اخیر وقت تک تمام اُمور کی نگرانی اور مناسب مشوروں سے نوازتے تھے۔

حضرت امیر الہندؒ کی طویل علالت کا موصوف پر بہت اثر تھا، ضعف کے باوجود سفر کرکے عیادت کے لئے دہلی بھی تشریف لائے، اور بار بار قلق کا اظہار کرتے رہے، کیا پتہ تھا کہ خود موصوف کا بھی رختِ سفر بندھ چکا ہے۔ وفات سے قبل شب میں معمولات سے فارغ ہوکر بعافیت سوئے، تہجد کے وقت جب اُٹھے تو سینہ میں تکلیف محسوس کی، بلند آواز سے اللہ اللہ کا ورد کرتے رہے، آواز سن کر گھر والے جاگ گئے؛ لیکن ابھی ڈاکٹر کو دکھانے کا انتظام ہی کیا جارہا تھا کہ آپ نے ذکر کرتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد علماء صلحاء متعلقین اور قریبی اعزاء کے بڑے مجمع نے حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی، مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی بھی جنازہ میں شریک ہوئے اور اہل خانہ سے تعزیت کی۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

حضرت مولانا محمد شریف الحسن صاحبؒ شیرکوٹی

مولانا مفتی بلال احمد قاسمی شیرکوٹی، صدر المدرسین مدرسہ ناصر العلوم کانٹھ ضلع مراد آباد

جمعیۃ علماء ضلع بجنور کے صدر اور بزرگ عالم دین حضرت مولانا شریف الحسن صاحب شیرکوٹی گذشتہ ۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ مطابق ۸؍جون ۲۰۰۶ء بروز جمعرات کو طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔ موصوف کی پوری زندگی درس وتدریس میں گذری، عرصہ دراز تک مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں حدیث کا درس دیا، اس وقت کئی سالوں سے اپنے وطن شیرکوٹ ہی میں مقیم تھے، اور مقامی مدرسہ کی خدمت انجام دیتے تھے۔ چند ماہ قبل حضرت مولانا سراج الدین صاحب کی وفات کے بعد ضلع جمعیۃ کا صدر منتخب کیا گیا تھا، موصوف کی وفات سے ضلع بجنور ایک بھاری بھرکم بزرگ رہنما سے خالی ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔ (مرتب)

قدرت کا نظام یہ ہے کہ اس دنیا میں لوگ آتے جاتے رہیں گے، کسی بھی شخص کی موت باعث تعجب اور حیرت نہیں ہے۔ اور کسی کو بھی موت آنے کا واقعہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے کیونکہ جب باعث تخلیق کائنات سارے نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو پھر کون ہے جو موت کی منزل سے نہ گذرے۔

جو زندہ ہے وہ موت کے آلام سہے گا ❖ جب احمدؐ مرسل نہ رہے کون رہے گا

مگر ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے عجیب وغریب صلاحیتوں سے سرفراز فرماتا ہے اور جب ایسے لوگ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اہل خانہ اور متعلقین کو ہی نہیں امت کو یا امت کے بیشتر افراد کو ان کے جانے کا غم ہوتا ہے۔ اور یہ تکلیف وپریشانی کسی طرح بھلائے نہیں بھلائی جاتی۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک شخصیت قصبہ شیرکوٹ ضلع بجنور کے محدثانہ شان کے حامل مشہور عالم حضرت مولانا محمد شریف الحسن صاحب رحمۃ

اللہ علیہ بھی ہیں جن کی رحلت بتاریخ ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ بروز ہفتہ بعد نماز فجر متصلاً تقریباً ۲/۳/ ماہ کی علالت کے بعد ہوئی۔ بارگاہ رب ذوالجلال میں حاضری کا پیغام پہونچا اور مولانا اللہ تعالیٰ کی حضور حاضر ہوگئے۔ رحمہ اللّٰہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً.

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۶۰ھ بروز منگل ۹/ بجے شب کو ہوئی تھی، آپ نے ۶۷/ سال کی عمر پائی۔ آپ ۵/ بھائی اور ۲ بہنیں تھے۔ الحمدللہ پانچوں بھائی دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، یہ سب مولانا کے والد بزرگوار حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم نوراللہ مرقدہ کے نیک، عالم اور عارف باللہ ہونے کی بات ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد ذکور میں سے ہر ایک کو عالم بنانا ضروری سمجھا جو ان کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوا۔

آپ کے دو بھائی حضرت مولانا ظریف الحسن صاحب اور حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہما آپ سے بڑے تھے۔ اور آپ کے دو بھائی (حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب) آپ سے چھوٹے تھے: حضرت مولانا محفوظ الرحمان صاحبؒ راقم کے مشفق استاذ اور مخلص مربی تھے اور حضرت مولانا کی نگرانی میں ہی احقر نے تکمیل تعلیم کی ہے۔ آج سے تقریباً ۱۴/ سال قبل حج بیت اللہ شریف سے واپسی پر حضرت مولانا کا وصال ہوگیا تھا۔ حضرت مولانا نیک خصلت، عالی مرتبت، شب بیدار، کامیاب استاذ، لائق منتظم تھے۔ اب یہ چاروں بھائی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ صرف مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ رحمانیہ شیرکوٹ، بقید حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت فرمائے، چونکہ بظاہر اسباب میں گلشن رحمانیہ کی آبیاری کے لئے ان کے علاوہ کوئی اور موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا محمد محفوظ الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد۔ جس طرح جفاکشی نہایت محنت اور مخلصانہ طریقہ پر انہوں نے مدرسہ کا انتظام سنبھالا یہ انبیاء کا حصہ ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔

حضرت مولانا محمد شریف الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کا آغاز آپ کے والد صاحبؒ کی نگرانی میں ہوا اور ابتدائی درجات میں ریاضی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ جامع شیرکوٹ

میں ہوئی اور حفظ کی تکمیل بھی اسی مدرسہ سے کی آپ کے حفظ کے استاذ محترم الحاج قاری محمد حسین صاحب دامت برکاتہم ہیں جو الحمدللہ ابھی بھی باحیات ہیں۔اس کے بعد فارسی بھی اسی مدرسہ میں پڑھی جس کے استاذ شیر کوٹ کے مشہور عالم حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب ارشق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔حضرت مولانا ارشقؒ کی زندگی کے ایسے نقوش مولانا کے قلب پر مرتسم ہوئے کہ اخیر زندگی تک نوک زبان پر ان کا تذکرہ رہا، یہاں فارسی اور عربی کا سال اول پڑھ کر آپ باغوں والی ضلع مظفر نگر مدرسہ میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ اور حضرت مولانا جمیل صاحبؒ سے پڑھا۔عربی سال دوم، وسوم پڑھ کر غالباً عربی سال چہارم میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور تقریباً ۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، دورانِ تعلیم نمایاں وممتاز طلبہ میں شمار ہوئے، اور ہمیشہ ممتاز نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔مولانا کے بتانے کے مطابق حضرت مولانا سید ارشد مدنی اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم بھی آپ کے ہم درس وساتھی رہے۔دارالعلوم دیوبند میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، امام معقولات حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، شیخ التفسیر حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا معراج الحق صاحب اور حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری رحمہم اللہ جیسے اکابر اور بافیض علماء سے اکتساب فیض کیا۔جن کے علمی نقوش مولانا کی زندگی میں بدرجہ اتم محسوس ہوتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد سے حضرت مولاناؒ نے سیال نگلا جئی میرٹھ، نانپور ضلع غازی آباد، مدرسہ حیات العلوم مرادآباد کمال پور ضلع بلند شہر اور ودالی گجرات کے مدارس میں کامیاب تدریسی خدمات انجام دیں۔آپ جب نان پور غازی آباد میں پڑھاتے تھے اس وقت استاذ الاساتذہ سید المحدثین حضرت مولانا علامہ محمد حیات صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہ نے اپنے ضعف وپیرانہ سالی کی وجہ سے اپنے درس حدیث میں ایک کامیاب معاون کی حیثیت سے

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کو منتخب فرمایا اور مدرسہ حیات العلوم میں بحیثیت استاذ حدیث تقرر عمل میں آیا۔ مولانا نے علامہ کی حیات میں مشکوۃ المصابیح اور بخاری شریف جلد ثانی پڑھائی۔ اور پھر ان کے بعد باقاعدہ شیخ الحدیث رہے، قضا وقدر کہ چند ناخوشگوار حالات اور حاسدین کے حسد کے پیش نظر حیات العلوم سے سبکدوشی ہوئی اس کے بعد بھی حضرت مولانا نے متعدد مدارس میں بحیثیت شیخ الحدیث خدمت حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجام دی۔ آج سے تقریباً ۱۴؍ برس پہلے ایک حادثہ جانکاہ اس طرح پیش آیا کہ میرے استاذ حضرت مولانا محمد محفوظ الرحمان صاحب نور اللہ مرقدہ حج بیت اللہ شریف سے واپس ہو رہے تھے کہ بمبئی ریلوے اسٹیشن پر رب ذوالجلال کی جانب سے پیغام اجل آپہنچا اور آپ نے وہیں جان جاں آفریں کے حوالے کردی۔ اس حادثۂ وفات کے بعد مدرسہ رحمانیہ کے ارباب حل وعقد نے حضرت مولانا سے مہتمم کی حیثیت سے مدرسہ میں رہنے پر اصرار کیا تو مولانا نے قبول فرمالیا، اور زندگی کے آخری لمحات تک اس خدمت وذمہ داری سے وابستہ رہے۔

حضرت مولانا ایک ذی فہم عالم حافظ قاری اور بہترین مدرس، نہایت عمدہ مقرر تھے، آپ کا انداز تخاطب نہایت سادہ اور طرز افہام بہت عمدہ ہوتا، زبان صاف ستھری اور عام فہم اختیار فرماتے تھے، نہایت پیچیدہ سے پیچیدہ علمی بات بھی ایسے سادہ انداز میں بیان فرمادیتے تھے جس کو کم پڑھا لکھا آدمی بھی آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ لباس اور انداز سے بالکل نہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ بڑے عالم ہیں کبھی کبھی فرماتے تصنع بناوٹ سے تو میری طبیعت میں بڑا تنفر سا ہوتا ہے۔ **الحمد لله على ذلك.**

آپ بڑے مقبول خطیب تھے مگر آپ کی خطابت جذباتیت اور لفاظی کا نمونہ نہیں ہوتی تھی آپ کی تقریروں میں علمی مواد، استدلال، تجزیہ اور افادیت غالب رہتی تھی۔ مختلف موقعوں اور مختلف موضوعات پر مولانا کی تقریروں کے سننے کا موقع ملا مجھے مولانا کی تقریروں میں یہی امتیازی پہلو نظر آیا کہ ان کی تقریر وسعت مطالعہ، تدبر اور حکمت ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ

بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ کا نمونہ ہوتی تھی، یہ خصوصیت مولانا کے ہم عمروں؛ بلکہ بعض معروف خطیبوں کے مقابلہ میں ترجیح کا باعث تھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ اکابرین دارالعلوم دیوبند اور اسلاف جمعیۃ علماء ہند سے والہانہ تعلق رکھتے تھے میرٹھ غازی آباد میں رہے تو بھی جمعیۃ علماء ہند کے رکن رکین رہے اور ضلعی شاخوں میں کلیدی عہدوں پر رہ کر خدمات انجام دیں، جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے جاری ہونے والے ہر ایک پروگرام کو نہایت وقیع نظر سے دیکھتے اور اپنی ہر مصروفیت پر ترجیح دیتے ہوئے جمعیۃ کے ہر ایک پروگرام میں شریک ہوتے، جب سے مدرسہ رحمانیہ میں تشریف لائے اس وقت سے تادم آخر ضلع کے اہم عہدوں پر فائز رہے اور اب چند ماہ سے حضرت مولانا سراج الدین صاحب نہٹوریؒ صدر جمعیۃ علماء ضلع بجنور کے انتقال کے بعد سے آپ ہی ضلع بجنور کی جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے، افسوس کہ عمر نے وفانہ کی، اور ہم حضرت مولاناؒ کے ساتھ بحیثیت ان کے صدر ہونے کے کچھ دیر اور کچھ دور نہ چل سکے۔

نیز حضرت مولانا کو خانوادۂ مدنیؒ سے عاشقانہ تعلق تھا میں نے دیکھا کہ جب جب حضرت مولانا مدنی نوراللہ مرقدہ اور فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے تو چشم نم ہو جایا کرتی۔ اور فرماتے اس خاندان کا ہندوستان کے مسلمانوں پر ایسا احسان ہے جس کا بدلہ نہیں دیا جاسکتا۔ ابھی گذشتہ ماہ ۲۳ رمئی کو جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند کا پروگرام دھامپور کے لئے مل گیا، وقت کم تھا، اس لئے چند ذمہ داروں نے ضلع کا دورہ کرکے پروگرام سے پورے ضلع کو مطلع کیا، اس غرض سے حضرت مولانا مفتی محمد قمر صاحب اور محترم الحاج وکیل احمد صاحب ولد حضرت مولانا جلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور راقم الحروف حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، ملاقات ہوئی، اور ہم نے حضرت مولانا کو پروگرام کی اطلاع دی اور حضرت مولانا سید ارشد مدنی کی تشریف آوری کی خبر دی، بس کیا تھا ایسا لگا، جیسا کہ کسی مردے میں کسی نے روح پھونک دی،

اٹھ کر بیٹھ گئے، اور آنکھوں سے پانی نکل آیا اور بڑے عزم وحوصلے سے فرمایا ضرور ضرور حاضر ہوں گا، بھائی ارشد میاں تشریف لائیں اور میں وہاں حاضر نہ ہوں۔ بزرگوں کی زیارت سے روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ بڑی کمزوری کے باوجود اجلاس میں شرکت فرمائی اور یہ عظیم الشان اجلاس حضرت مولانا کی صدارت میں ہوا، ضعف ونقاہت بے پناہ تھی، اس لئے اختتام اجلاس سے قبل ہی شیر کوٹ تشریف لے آئے۔

آپ کے کوئی صلبی اور نسبی اولاد نہیں تھی مگر سیکڑوں ہزاروں علماء کرام آپ کی روحانی اولاد کی شکل میں موجود ہیں، جو آپ کے واسطے صدقہ جاریہ ہیں آپ کی زوجہ محترمہ مدظلہا باحیات ہیں، ایک بھائی اور دیگر بھائیوں کی اولاد آپ کے باقیات الصالحات ہیں۔ مؤرخہ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ کو بعد نماز عصر نماز جنازہ ادا کی گئی، مدرسہ رحمانیہ کے وسیع میدان میں جہاں انسانوں کا جم غفیر تھا جس میں بیشتر تعداد پورے ضلع اور اطراف سے تشریف لائے علماء کرام کی تھی۔ حضرت مولانا امام الدین صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ دارالعلوم مالکیہ رام نگر نے نماز پڑھائی، اور سیکڑوں علماء کے ساتھ دیگر مخلصین سے اس گنجینہ علوم شرعیہ کو سپرد خاک کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۶ء)

حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاطؔ عثمانیؒ

ہمارے اُستاذ مکرم حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب نشاطؔ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۷؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ مطابق یکم اگست ۲۰۰۶ء بروز منگل کو معمولی علالت کے بعد وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحبؒ موصوف گویا متقدمین کے قافلہ کے بچھڑے ہوئے ایک فرد تھے۔ انتہائی متقی، متواضع، کم گو اور یکسو مزاج رکھنے والے شخص تھے۔ دارالافتاء، مسجد اور گھر کے علاوہ کوئی جگہ آپ کے لئے دلچسپی کا باعث نہ تھی، وقتِ مقررہ پر مدرسہ آنا اور وقتِ مقررہ پر واپس ہوجانا آپ کا لگا بندھا معمول تھا۔ راہ چلتے ہوئے نظریں ہمیشہ جھکی رہتیں، کسی سے ملاقات ہوتی تو مخصوص مسکراہٹ اور متواضعانہ انداز میں اس کا استقبال فرماتے۔ دارالافتاء میں تشریف لاکر بھی سر جھکائے فتویٰ نویسی یا مطالعہ کتب میں مسلسل مشغول رہتے۔ حضرت موصوف صرف ایک مفتی اور مدرس ہی نہیں؛ بلکہ نہایت بلند پایہ انشاء پرداز اور کہنہ مشق شاعر تھے، آپ کی نگارشات اُردو اَدب کے شہ پاروں کی حیثیت رکھتی ہیں، نثر ونظم دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، اور نظم کی بھی مختلف صفات پر مکمل قابو یافتہ تھے، حمد ونعت کے علاوہ حالاتِ حاضرہ اور غزلیات پر بھی بہت اچھا کلام ارشاد فرماتے تھے۔ ندائے شاہی کے ''نعت النبی نمبر'' کی اشاعت کا جب فیصلہ ہوا، تو راقم الحروف درخواست پر حضرت موصوف نے ''علماء دیوبند کی نعتیہ شاعری'' پر وقیع مضمون تحریر فرمایا، اور اپنی بیش قیمت تازہ نعتیں بھی اِرسال فرمائیں، جنہیں نعت نمبر میں شامل کیا گیا، اور جب نعت نمبر شائع ہوکر موصوف تک پہنچا، تو انتہائی مسرت اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور جب بھی ملاقات ہوتی تو انتہائی قدر واکرام کا معاملہ فرماتے۔ احقر نے حضرت موصوف سے شرحِ

عقود رسم المفتی پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی، موصوف کا اندازِ درس متقدمین کے طرز پر تھا، صرف برائے نام ہی کلام فرماتے اور حل مضامین ہی پر پوری توجہ صرف فرماتے تھے۔

حضرت موصوف حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی مفتی دارالعلوم دیوبند کے پوتے تھے، اور خاندانی شرافت آپ کے چہرے بشرے سے عیاں تھی، اپنے بزرگوں کی اقدار کے آپ امین تھے، نماز باجماعت اور دیگر معمولات کے سختی سے پابند تھے، اور بلاشبہ دین میں استقامت کی سعادت سے بہرہ ور تھے۔ آپ نے نائب مفتی کے عہدے پر قائم رہ کر ۳۲ر سال تک دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی، اور اِس دوران ہزاروں فتاویٰ تحریر فرمائے۔ آپ کے فتاویٰ عموماً مختصر اور جامع ہوتے تھے، آپ نے متعدد فقہی کتابوں کے اُردو ترجمہ اور تشریح کا کام انجام دیا، جن میں فتاویٰ عالمگیری، شرحِ وقایہ، نورالایضاح وغیرہ شامل ہیں۔ نیز مسلم شریف کی شرح تفہیم المسلم کے نام سے مرتب فرمائی۔ علاوہ ازیں آپ کا منظوم کلام حالیہ میں ''شناسا'' کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور سبھی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ سبھی قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اپنے اپنے مقامات پر حضرت الاستاذ موصوف کے لئے ایصالِ ثواب فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۶ء)

مفتی دارالعلوم دیوبند

مولانا کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی دیوبندیؒ

۱۳۵۹-۱۴۲۷ھ = ۱۹۲۹-۲۰۰۶ء

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی، رئیس تحریر ''الداعی'' و استاذ دارالعلوم دیوبند

موت برحق ہے اور انسان کو اپنی ساری ترقی کے باوجود، جس پر اُس کو آج بے طرح اِتراہٹ ہے، موت کی آمد کی جگہ اور وقت کا کوئی اندازہ نہیں۔ اللہ کو ہی اس کا علم ہے کہ وہ کس پر، کب اور کہاں طاری ہوگی؟ ہمارے سامنے بسا اوقات موت کے واقعات اِس طرح پیش آتے ہیں کہ اُن سے مارنے اور جلانے کے تعلق سے اللہ کی قدرتِ کاملہ کا یقین از سرِ نو تازہ ہو جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مفتی، مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی دیوبندیؒ موت سے ایک روز پہلے تک بہ ظاہر مکمل صحت مند، نشیط اور زندگی کی توانائیوں سے بھرپور تازگی کے مالک نظر آتے تھے۔ وہ ۶۷؍سال کے بوڑھے تھے؛ لیکن دارالعلوم کے سارے اساتذہ و ملازمین میں اِن کی عمر کے کسی بوڑھے کو چستی اور صحت کا وہ حصۂ وافر نصیب نہیں تھا، جس سے اللہ نے انھیں نوازا تھا۔ وہ چلت پھرت سے ۲۰-۲۵؍سال کے نوجوان لگتے تھے۔ میں انھیں دارالعلوم جانے کی راہ میں اتنی تیز گامی سے جاتے ہوئے دیکھتا کہ مجھے اُن پر رشک آتا۔ دارالعلوم جاتے ہوئے جو طلبہ معمول کے مطابق میرے ساتھ ہوتے، میں ہمیشہ ان سے کہتا: کاش میں بھی اِنھی جیسا صحت مند، توانا اور چست ہوتا!

اِسی لیے منگل: ۶؍رجب ۱۴۲۷ھ مطابق یکم اگست ۲۰۰۶ء کو تقریباً ساڑھے ۱۰ بجے، جب میں نے طلبہ کی زبانی اور پھر دیوبند کی مسجدوں کے مناروں سے ان کے انتقال کی اچانک خبر سنی تو مجھے خاصا اچنبھا ہوا؛ بل کہ اس خبر کو تسلیم کرنے میں مجھے تردد سا ہوا؛ لیکن موت کا اعلان

بار بار ہوتا رہا اور موت کے بعد ان کی دید کے بعد میرے پاس آنے والے بعض لوگوں نے، ان کی موت کی تفصیل بتائی تو بالآخر یہ یقین کرنا پڑا کہ ادھیڑ عمر کا نوجوان، صالح واقعی اللہ کو پیارا ہو چکا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ صبح اُٹھے تو انھیں معمولی سا بخار تھا، ہاتھوں میں درد تھا جو دونوں رانوں میں بھی اتر گیا اور اسی اثنا میں تقریباً سوا دس بجے انھوں نے ہارٹ اٹیک کی وجہ سے جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی یہ سب کچھ نیند میں آنے والے خیال کی مانند پیش آیا، جس کی عموماً دیکھنے والا تصدیق کرتا ہے نہ تکذیب۔

اس طرح کے واقعے سے باتوفیق اور خوش نصیب لوگوں کو، جنھیں زندگانی کے واقعات سے سبق لینے کی توفیق ملا کرتی ہے، دوبارہ یہ سبق ملتا ہے کہ یہ دنیا واقعی فانی اور اس کی ہر شے آنی جانی ہے۔ ہر زندہ ہر وقت موت کے خطرے سے دوچار ہے اور زندگی واقعی ناپائدار ہے۔ وہ بے وفا ہے، اس کا پیشہ یہ جفا ہے۔ وہ چند روزہ ہے: کچھ سالوں یا مہینوں یا دنوں یا گھنٹوں سے عبارت ہے۔ دنیا کا فاتح اور اُس کے سارے مال و اسباب کی ملکیت کا مدعی بھی موت کے شکنجے سے نہیں بچ پاتا، دولت و ثروت، اختیار و اقتدار، حکم رانی و سرداری، امارت و ریاست اور نگرانوں و نگہ بانوں کا لشکرِ جرار نت نئے تباہ کن اسلحوں کا انبار بھی موت کی راہ نہیں روک پاتا۔

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانیؒ کی موت سے دیوبند کا ہر بچہ و بوڑھا واقعی غم زدہ نظر آیا اور جس کو موقع ملا موت کے بعد ان کے گھر جا کر، اہل خانہ سے تعزیت اور ان کے آخری دیدار سے بہرہ مند ہو آیا۔ دارالعلوم کی پوری فضا ایسی سوگوار کم نظر آئی جیسی آج۔ مرحوم یہاں تقریباً ۳۵ سال سے منصب اِفتاء پر فائز تھے، انھوں نے اس اثنا میں سیکڑوں مسائل کی جوابات تحریر کیے، نیز زیرِ تعلیم طلبہ کی تدریس و تمرین کا فریضہ بھی اِحساسِ ذمّے داری اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کیا جس کو طلبہ و ذمے داران بار بار یاد کر رہے ہیں۔ ان کے چہرے مہرے اور ساری حرکات و سکنات سے دیکھنے والے کو ان کی دین داری کا یقین ہو جاتا تھا۔ وہ اکثر خاموش رہتے اور کسی ضرورت کے وقت ہی گویا ہوتے اور صرف کام کی بات کر کے خاموش ہو جاتے۔ عالم باعمل کا

نمونہ تھے اور وقت ووعدے کی پابندی ان کا شیوہ تھا۔ دارالعلوم کا وقت شروع ہوتے ہیں وہ آموجود ہوتے یا کچھ پہلے ہی آجاتے۔ وہ چھتہ مسجد کے شرق وجنوب میں واقع ایک چھوٹی سی مسجد کے امام تھے، جہاں ان کے والد بزرگوار مولانا قاری جلیل الرحمٰنؒ (۱۳۲۵-۱۴۱۶ھ = ۱۹۰۷-۱۹۹۵ء) نے بھی زندگی بھرامامت کی تھی اوران کے دادا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ (۱۲۷۵-۱۳۴۷ھ = ۱۸۵۸-۱۹۲۸ء) بھی نماز پڑھتے تھے۔

مفتی کفیل الرحمٰنؒ کی طویل اور مسلسل خاموشی، جو گفتگو کی کسی ناگزیر ضرورت کے وقت ہی ٹوٹتی تھی، ان کی گہری فکر، پختہ عقل اوران کے طویل تجربے کے ساتھ ساتھ، سطحیت پر گہرائی کو ترجیح دینے کی ان کی فطرت کی غماز تھی۔ وہ سنجیدگی، بردباری، نرم خوئی، دل جوئی اور پیاراور محبت کا مجسمہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سوچ اور فکر میں ڈوبی ہوئی خاموشی بے ضرورت کی ہمہ وقت کی بکواس اورلا یعنی گفتگو سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

مرحوم اردو زبان کے اچھے نثر نگار ہونے کے ساتھ ساتھ، قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ انھوں نے مختلف اسلامی موضوعات پرگراں قدر، مضامین لکھے، جن میں زبان کی ستھرائی اور مطالعے کی گیرائی وگہرائی نمایاں ہوتی تھی۔ میں نے خودکئی مضامین پڑھے اوراُن کی علمی لیاقت کی داددی۔ان کے اشعار میں مولانا حالی کی طرح لفاظیت سے اجتناب ہوتا تھا؛لیکن معانی اور خیالات کا انوکھاپن، زندگی کی سچائیوں کی سچی ترجمانی اور انسانوں پر بیت رہے ظلم وستم کی کہانی کا آہنگ بہت اونچا اوراس کا رنگ بہت شوخ ہوتا تھا۔ان کے اشعار بھی اس راقم نے بہت سے رسالوں میں پڑھےاوران کی پختہ وخوش گوئی سے ہر بار نیالطف ملا۔ بعد میں اِن کے اشعار کاایک مجموعہ ''شناسا'' کے نام سے چھپا جس کے ذریعے لوگوں کوان کے کہنہ مشق شاعر ہونے کی بھی شناسائی ہوئی اور یہ جان کرخوشی ہوئی کہ دارالعلوم کاایک اچھامفتی ایک اچھاشاعر بھی ہے۔

حمد ونعت کے علاوہ ان کے دیوان میں غزل کے دھلے ہوئے آب دار اشعار سے ہر باذوق قاری محظوظ ہوگا۔ان کے شعر میں میرؔ کی نزاکت، غالبؔ کی حلاوت، حالؔی کی گہرائی، داغؔ

کا سوز، مومنؔ کی شفافیت، جگرؔ کی روانی، اصغرؔ کی تپید گی، فانیؔ کا انداز اظہارِ غم و الم اور کہیں کہیں اقبالؔ کی بلند آہنگی اور اِحساسِ بلندی بھی ہے۔ ان کے دیوان پر اگر ''مولانا'' یا ''مفتی'' کا لفظ اِن کے نام کے سابقے کے طور پر لکھا نہ جائے تو عام لوگوں ہی نہیں زبان کی پرکھ رکھنے والوں کو بھی یہ کہنے کی ''جرأت'' نہ ہو سکے گی کہ یہ اشعار کسی ''مولوی'' نے کہے ہیں۔ یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ زبان پر دورِ آخر میں آزاد خیالوں کی ''اِجارہ داری'' کے بعد یہ باور کرایا جانے لگا ہے کہ مولوی لوگ زبان کا صحیح مذاق نہیں رکھتے حالانکہ اردو کے اساطین اربعہ یا خمسہ سب کے سب مولوی یا دینی تعلیم کے ہی نمائندے اور اسی کے پرداختہ تھے۔

کفیل الرحمٰن نشاطؔ کے چند اشعار آپ بھی پڑھیے اور زبان کی پختگی کے ساتھ خیالات کی خوب صورتی سے لطف اٹھائیے :

کوہِ غم ٹوٹ پڑے دیدۂ و دل پر کتنے ❖ قافلے درد کے آئے ہیں برابر کتنے

خشک کانٹوں سے ٹپکتا رہا کلیوں کا لہو ❖ قتل گاہوں سے ملے پھول سے پیکر کتنے

ہم ہیں منصور لبِ دار نے چوما ہم کو ❖ ہم ہیں سقراط ملے زہر کے ساغر کتنے

ایک دوسری غزل میں ذیل کے اشعار پڑھیے، استعارے، کنایے اور معانی و بیان کے کتنے رنگ کے پھول اپنی خوشبوؤں سے استقبال کو تیار ملیں گے :

عارض شفق، نگاہ کرن، لب حسیں گلاب ❖ اے دل قسم خدا کی ترا حسنِ انتخاب

روشن ہے تیرے دم سے شبستانِ آرزو ❖ اے شاہکارِ حسنِ ازل، رشکِ ماہتاب

غم بھی تری عطا ہے خوشی بھی تری عطا ❖ کافی ہے بارگاہِ محبت سے انتساب

کب تک رہے گی تشنۂ دیدارِ چشمِ شوق ❖ کب تک رہے گا چشمِ عنایت سے اجتناب

انتہائی سادگی میں پرکاری اور بے ساختہ تعبیر میں تخیل کی رعنائی ملاحظہ کیجیے :

عنوانِ سخن کیا کیا، عنوانِ بیاں کیا کیا ❖ ہیں اُن سے تعلق پر لوگوں کے گماں کیا کیا

پھولوں کے تخیل سے آباد ہیں ویرانے ❖ کلیوں سے تراشے ہیں سپنوں کے مکاں کیا کیا

جب نطق کو یارائے گفتار نہیں رہتا ❖ کرتی ہے بیاں اکثر اشکوں کی زباں کیا کیا

شاعر نے اپنے ہمت وحوصلے کی تصویر اور کٹھن حالات سے نبرد آزمائی کا زندہ نقشہ کتنے خوب صورت انداز میں کھینچا ہے، آپ بھی پڑھیے اور داد دیجئے :

ہم نے دیکھے ہیں بُرے وقت کے منظر کتنے ❖ پھول بن جاتے ہیں حالات سے پتھر کتنے

حادثہ شرطِ محبت ہے تو تسلیم مگر ❖ حادثے ہوں گے مرے قد کے برابر کتنے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے آبلہ پا بھی تو چلے ❖ راہ رو بیٹھ گئے راہ میں تھک کر کتنے

شاعر نے اپنے شعر کی معنویت اور محض لفظیت پر زور صرف کرنے سے بچنے کے اپنے رویے کو بھی بڑی خوب صورت تعبیر دی ہے :

صرف الفاظ کے پیکر نہیں اشعارِ نشاؔط ❖ فکر و معنی کے سموئے ہیں سمندر کتنے

ایک غزل میں جگر کی روانی اور اُنھی کی سی بے ساختگی ملاحظہ ہو :

وقت نے آخر یہ سمجھایا ❖ کون ہے اپنا کون پرایا

زیست کی راحت ڈھونڈنے والو ❖ زیست مکمل دھوپ نہ سایا

جب بھی دل نے ٹھوکر کھائی ❖ اُن کے کرم نے ہاتھ بڑھایا

ایک غزل میں اپنی بات محبوب کے دل میں، مشورے اور نصیحت کے خاکسارانہ انداز میں، اتارنے کی جو خوش انداز کوشش کی ہے، اس کو پڑھ کے، ہر سخن شناس قاری جھوم اٹھتا ہے:

ملا کرو کبھی ہم سے تو زندگی کی طرح ❖ یہ کیا کہ دیکھ کے اُٹھ جاؤ اجنبی کی طرح

سمٹ سکو تو سمٹ جاؤ ماہتاب صفت ❖ بکھر سکو تو بکھر جاؤ چاندنی کی طرح

تمھاری ریشمی زلفیں رخِ حیات کی ضو ❖ سحر کے دوش پہ مانوس تیرگی کی طرح

ابھی تو حسنِ نظر کا ظہور باقی ہے ❖ ابھی کہاں چلے بے فیض روشنی کی طرح

رہِ حیات کے غم نشاؔط کا پہلو
کسی حسنِ لب و رخ کی دل کشی کی طرح

مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ کے اشعار، رواں دواں اور پیہم جواں زندگی کے نت نئے مسائل کی ترجمانی میں لب ولہجہ، انداز واداا ور رنگ وآہنگ کے تعلق سے اپنی مخصوص طرح رکھتے ہیں۔ زندگی کی کامرانیوں اور فیض بخشیوں اور اُس کی نا قابلِ تلافی ناکامیوں اور محرومیوں دونوں کی نقشہ گری میں یہ اشعار لاجواب ہیں اور شاعر کی پاکیزہ نفسی، روح کی شفافیت، احساس کی نزاکت، تخیل کی بلندی، مسائلِ حیات کے احاطے اور کائنات کی سچائیوں کی ہمہ گیر تعبیر پر شاہد عدل ہیں۔

مرحوم کی موہنی صورت، سادہ سے سراپے، ہمہ وقت خاموشی اور بڑی حد تک گوشہ نشینی اور جلوت سے احتراز کو دیکھ کے یہ اندازہ کرنا بہت مشکل تھا کہ وہ اتنے اچھے سخن ور ہیں اور زندگی کی کج رفتاری اور مسائل کی ظالمانہ، جارحانہ یورش کا انہیں اس درجہ ادراک ہے۔ سچ ہے خاموش بعض دفعہ گویا سے زیادہ گویا ہوتا ہے اور بولنے والا بعض دفعہ زندگی کے حقائق، کائنات کے راز، انسان کی پیچیدہ گہرائیوں اور تہہ داریوں اور دنیا اور اس کے عجائبات کا ایسا ہمہ گیر مطالعہ نہیں رکھتا جیسا ایک خاموش انسان جو ہمہ وقت اِنھی کی خواندگی میں لگا رہتا ہے۔

سہ شنبہ- چہار شنبہ ۶-۷/رجب ۱۴۲۷ھ = ۱-۲/اگست ۲۰۰۶ء کی رات میں مغرب بعد دارالعلوم کے مشہور اِحاطۂ مولسری میں اُن کے برادرِ اکبر مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی دیوبندی مفتی پنجاب نے اُن کی نماز جنازہ پڑھائی، جس میں غیر معمولی بھیڑ تھی اور صفیں صدر گیٹ یعنی باب قاسم سے آگے تک پھیل گئی تھیں۔ مقبرۂ قاسمیہ میں انہیں اپنے عظیم دادا مردِ صالح مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ (۱۲۷۵-۱۳۴۷ھ = ۱۸۵۸-۱۹۲۸ء) کے پہلو میں تہہِ خاک کر دیا گیا۔ مفتی کفیل الرحمٰنؒ نے اپنے پس ماندگان میں اہلیہ پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ پاک انھیں اپنے خاندانِ والاشان کی دینی وعلمی میراث کو اپنے سینوں سے لگائے رہنے کی توفیق بخشے۔

مرحوم کو دین اور علم وصلاح، نسلا بعد نسل ورثے میں ملا تھا۔ ان کے پردادا مولانا فضیل الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ (۱۲۴۷-۱۳۲۵ھ = ۱۸۳۱-۱۹۰۷ء) دارالعلوم کی تاسیس کے لیے اولیں

سرمایہ دہندہ چھ ہُما نصیب لوگوں میں سے ایک تھے۔ وہ کچھ عرصے دارالعلوم کے مہتمم بھی رہے۔ اُن کے ولی صفت صاحب زادے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دارالعلوم کے مفتی اعظم رہے اور انھوں نے، دارالعلوم کے سابق مہتمم متکلم اسلام و حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب (۱۳۱۵-۱۴۰۳ھ = ۱۸۹۷-۱۹۸۳ء) کے بہ قول، اپنے ہاتھ سے سوا لاکھ سے زیادہ فتوے لکھے، فتاوی دارالعلوم کی شائع شدہ ۱۲-۱۳ جلدوں میں ابھی اُن کے فتاوی میں سے ایک چوتھائی بھی نہیں آسکا ہے۔ اُن کے دوسرے صاحب زادے مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ ثم الپاکستانی (۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ = ۱۸۸۷-۱۹۴۹ء) سے کون واقف نہیں، وہ اپنے دور میں اسلام کی زبانِ ناطق اور اس کے باتوفیق شارح و ترجمان تھے۔ مشہور ترجمۂ شیخ الہند ان ہی کے تفسیر عثمانیؒ سے مزین ہے۔ اُن کے تیسرے صاحب زادے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ (متوفی ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) دارالعلوم دیوبند کے نہ صرف مہتمم؛ بل کہ تاریخ دارالعلوم میں سب سے بڑے منتظم اور مدبر ذمّے دار گذرے ہیں۔ مولانا مفتی کفیل الرحمٰن کے والد مولانا قاری جلیل الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ زندگی بھر دارالعلوم میں تجوید و قرأت کے استاذ رہے اور سیکڑوں طلبہ اُن سے مستفیض ہوے۔ مفتی کفیل الرحمٰن نے کم گوئی، کثرت کار، نیکی، سلامت روی، وقت اور وعدے کے پابندی، فرائض کی ادائیگی میں تندہی یہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ اپنے آبا سے وراثت میں پایا تھا۔ ان کے نزدیک یہ اوصاف اعلی قدر کا درجہ رکھتے تھے، جس پر کاربندی ہی مومن کی سب سے بڑی شناخت ہوتی ہے۔

میرے خانۂ خیال میں ان کی تصویر اب تک متحرک ہے اور شاید تا حیات زندہ رہے گی۔ وہ ظہر کی نماز کے معاً بعد اپنے مکان اور اپنی چھوٹی سی مسجد، جس میں وہ امامت کرتے تھے، کی سمت سے سبک خرامی سے آتے ہوتے اور میں چند طلبہ کے ساتھ اِدھر افریقی منزل قدیم سے دارالعلوم کے لیے محوِ خرام ہوتا۔ وہ اکثر مولانا سید انظر شاہ کشمیری کے مکان اور چھتہ مسجد کے شمالی نکڑ کے بیچ میں مجھ سے آملتے اور اِس برق رفتاری سے میرے پاس سے گذر جاتے، جیسے کوئی

انھیں دوڑا رہا ہو یا اُنھیں کسی ضروری کام سے بروقت پہنچنا ضروری ہو۔ میں طلبہ سے جو میرے ساتھ ہوتے اکثر کہتا کہ مفتی صاحب اِس تیزی سے میرے پاس سے بھاگ نکلے ہیں جیسے کوئی اُن کا پرس، جو وہ اپنے سینے سے لگائے اور ہاتھ سے دبائے ہوئے ہیں۔ چھیننے لے رہا ہو یا انھیں خدشہ ہو کہ شاید میں ہی ان کے ساتھ اِس قسم کی حرکت کر بیٹھوں گا۔ دارالعلوم کی راہ میں ہی ہمیشہ میری اُن کی اسی طرح کی عاجلانہ اور سرسری ملاقات رہی؛ لیکن نہ میں کبھی ان سے مخاطب ہوا اور نہ انھوں نے کبھی رک کے خبر خیریت پوچھی؛ کیوں کہ شاید ان میں یہ احساس تھا کہ انھیں بہت جلد بہت دور اس دنیا کی حد کو عبور کر جانا ہے۔ میں جب سے اپنی فیملی کے ساتھ افریقی منزل قدیم کا باسی ہوا، میرے اُن کے درمیان مذکورہ جگہ کے بیچ روزانہ کی ''دوڑ'' کا جو سلسلہ شروع ہوا، اُس میں وہ اِس دنیا میں بھی ''جیتے'' ہوے تھے اور اُس دنیا کی طرف بھی مجھ سے آگے لپک کے جا پہنچے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں کی زندگی میں مجھے پیچھے چھوڑ جانے والا وہاں کا ''ہدف'' بھی پہلے پالے گا، گویا اُن کے لپکنے اور مجھے ''ہرا'' دینے کے لیے کوشاں رہنے، کا راز اب مجھ پر منکشف ہوا۔

میں ان کی زندگی کے حوالے سے غالباً اِس سے بھی کم جانتا ہوں، جتنی دیر کے دورینے میں، میں اُنھیں روزانہ چھتے مسجد کے پاس اُنھیں کم عمر بچے کی طرح پھرتی سے چلتے دیکھتا تھا۔ انھیں دیکھنے کا دوسرا ذریعہ ان کی نثر نگاری تھی اور تیسرا واسطہ ان کے چھپے ہوے اشعار اور چوتھا ذریعہ ایک آدھ آدمی جس نے دالعلوم کی ۲۵-۲۶ سالہ ملازمت میں مجھ سے ان کے حوالے سے ایک آدھ بات کہی ہوگی۔ ان سارے ذرائع سے میرے خانۂ خیال میں اُن کی جو تصویر بنی وہ خوب صورت ہے اور محبوب بھی اتنی کہ اب تا حیات گردش کرتی رہے گی اور ذہن کے اسکرین پر اپنی دل ربائی کے ساتھ اُبھرتی رہے گی۔ یعنی ایک اچھے اور باہمہ و بے ہمہ اور بے ضرر انسان کی تصویر- دل کہتا ہے کہ شاید اِس انسان نے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائی ہوگی - یہ ان کے سچا، مسلمان ہونے کی دلیل ہے۔ روزانہ اُن کا اسی جگہ ملنا جس کی طرف اِشارہ ہوا، اُن کے پابند اوقات، کے ذمے داری کے اِحساس اور اپنے فرائض کو بے کم و کاست ادا

کرنے کے لیے ان کی تڑپ کی دلیل ہے، جو ان کے مومن ہونے کی بھی دلیل ہے اور یہ دونوں باتیں اِن شاء اللہ ان کے جنتی ہونے کی بھی علامت ہیں، کیوں کہ رب کریم کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اِن صفات کے حامل افراد کو اپنی جنت سے محروم نہ کرے گا۔

مفتی کفیل الرحمٰن کی شرافت اور نیکی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اِس آب وگل کی دنیا سے اُن کا رب انھیں اس طرح لے گیا کہ وہ قبل از موت کسی کے لیے، اپنی معذوری، طویل بیماری اور ارذل العمری کی بنا پر بلا ارادہ بھی باعث زحمت نہ بنے اور اللہ حکیم نے انھیں چلتے چلاتے آناً فاناً اٹھالیا۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۶ء)

یادگار اسلاف عظیم مصنف بلند پایہ شاعر

حضرت مولانا کفیل الرحمٰن صاحب نشاطؔ عثمانیؒ

از: مولانا خورشید حسن قاسمی رفیق دار الافتاء دار العلوم دیو بند

مادر علمی دار العلوم دیو بند میں شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہوگا کہ جس میں از اول تا آخر دو رفقاء دو عزیزوں کو تقریباً ۳۵ ؍سال تک ایک دوسرے کے ساتھ ایک شعبہ میں خدمات کا اتفاق ہوا ہو، جیسا کہ راقم الحروف اور حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے ساتھ ہوا۔

حضرت موصوفؒ سے راقم الحروف کے دو رشتے ہیں، ایک خاندانی رشتہ دوسرا شعبہ جاتی رفاقت، اور جو کہ ۷؍رجب ۱۴۲۷ھ مطابق یکم اگست ۲۰۰۶ء بروز منگل ہم سب سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خاندانی رشتہ کی تفصیل یہ ہے کہ موصوف مفتی صاحبؒ کے والد ماجد حضرت مولانا قاری جلیل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ احقر کی والدہ ماجدہ کے حقیقی ماموں تھے اور شعبہ جاتی رشتے کی تفصیل یہ ہے کہ تقریباً احقر کا اور مفتی صاحب کا تقرر شعبہ افتاء میں کچھ ہی سال کے فرق سے ہوا، مفتی کفیل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی ولادت مبارکہ ۱۹۳۹ء میں دیو بند کے مشہور علمی گھرانے خاندان عثمانی میں ہوئی، حضرت مفتی صاحب کا خاندان عالم اسلام میں ایک ممتاز حیثیت کا حامل رہا ہے، موصوف کے پردادا حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ دار العلوم دیو بند کی سب سے پہلی مجلس شوریٰ کے رکن اور بانیان دار العلوم میں سے ہیں، جن کے فرزند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دار العلوم دیو بند کے مفتی اعظم تھے (اور جن کے دوسرے فرزند علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تھے)

مفتی کفیل الرحمٰن صاحب عثمانی نے ابتدائی تعلیم بھی دارالعلوم دیوبند میں حاصل فرمائی اور بہت کم عمر میں حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی اور کافی عرصہ تک دیوبند کی مختلف مساجد میں تراویح قرآن کریم سنانے کا موقع ملا، اس کے بعد شعبہ فارسی وریاضی سے اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل فرمائی، ۱۳۸۰ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل فرمائی، اور ۱۳۸۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی، فن افتاء سے خصوصی مناسبت کی بناء پر حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ نے موصوف کو افتاء کی سند خصوصی سے بھی نوازا، اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بھی موصوف نے ایم اے عربی کے امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کو ۱۳۹۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں فتویٰ نویسی کی خدمات کے لئے منتخب فرمایا گیا، جہاں پر موصوف نے تاوفات بحیثیت نائب مفتی بتیس سال تک فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دیں اس طویل مدت میں موصوف نے جو فتاویٰ تحریر فرمائے ان کی تعداد تقریباً ۵۰/ہزار سے زائد ہے۔

فن فتویٰ نویسی میں مفتی صاحبؒ کا طرز نگارش اپنے جد مکرم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے مشابہ تھا، موصوف کے فتاویٰ مختصر جامع اور سوال کے ہر پہلو پر حاوی ہوتے تھے، مفتی صاحبؒ سے کافی زمانہ تک فن افتاء کی مشہور کتاب ''رسم المفتی'' کا درس بھی متعلق رہا، اور طلبہ افتاء کو فتویٰ نویسی کی مشق وتمرین بھی متعلق رہی، موصوف کے تلامذہ عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملک کے مختلف علاقوں میں مفتی صاحبؒ کے تلامذہ اس عظیم خدمت میں مصروف ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید الرحمٰن صاحب راجستھانی مفتی دارالعلوم امدادیہ بمبئی، مفتی رئیس احمد صاحب تاج المساجد بھوپال، حضرت مولانا مفتی ریاست علی صاحب ہریدواری استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی، مولانا رحیم اللہ صاحب مسوری ضلع غازی آباد،

حضرت مولانا مفتی طاہر صاحب مظاہر علوم سہارنپور وغیرہ حضرات مفتی صاحبؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں۔

مفتی صاحبؒ عظیم مصنف ومحقق وبلند پایہ شاعر بھی تھے، عالم اسلام کے مختلف مطابع سے آپ کی متعدد تصانیف شائع ہوچکی ہیں، اہم کتب کی تفصیل درج ذیل ہے: فتاویٰ عالمگیری جدید اردو مع اضافاتِ جدیدہ (زیرِ طبع) سراج الوقایہ شرح وقایہ، سراج الحواشی، شرح اصول الشاشی، شرح فصول اکبری، شرح شرح جامی، شرح نورالایضاح، شرح پنج گنج، تفہیم المسلم، شرح مسلم شریف تا حال ۳۲؍اجزاء شائع شدہ، تلخیص وتعلیقات شرح عقود رسم المفتی، تاریخ حرمین شریفین، (مصنف عباس کرارا) مسائل اربعین، مصنف شاہ اسحٰق صاحب دہلوی کا ترجمہ بھی مفتی صاحب موصوف نے فرمایا۔

خداوند قدوس نے مفتی صاحبؒ کو فن فارسی وریاضی میں بھی غیر معمولی صلاحیت واستعداد عطا فرمائی تھی، آپ کی فارسی شروحات میں شرح مالابد منہ مع حل لغات شرح پند نامہ، شرح گلستاں شرح فارسی اول ودوم شرح گلزار دبستاں وغیرہ قابل ذکر ہیں، اردو میں بھی آپ نے مختلف موضوعات پر اہم کتب تحریر فرمائیں، جن میں اصح السیر مع تسہیل وحواشی وعنوانات جدیدہ کے علاوہ نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ اہم کتب میں سے ہیں۔

ایسا بھی کم ہی ہوتا ہے کہ کسی روایتی علمی، روحانی، خانقاہی شخصیت میں شعری وادبی زندگی کے احساسات وادراکات کی کامل جھلک ہو، اوراس فن لطیف سے کامل درجہ کی مناسبت ہو، مفتی صاحبؒ اس فن لطیف کے بھی اعلیٰ شہ سوار تھے، اور آپؒ کی شاعری بھی ایک پاکیزہ شاعری ہے، روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ موصوفؒ کی شاعری صرف ذہنی آسودگی تفریح طبع اور قافیہ پیمائی کی کوئی کوشش نہیں؛ بلکہ موصوف کی شاعری ایک بامقصد شاعری ہے، جو کہ انسانی زندگی کے مسائل کا پوری طرح احاطہ کرتی ہے اوران کی شاعری میں اس فن لطیف کی بلند قامتی پوری طرح پائی جاتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف اس فن کے بھی اعلیٰ فنکار

ہیں، شعری زندگی کے علاوہ موصوف نے طویل عرصہ تک جو سہرے اور رخصتی وغیرہ قلم بندفرمائیں وہ آپؒ کی صحافتی اور ادبی زندگی کا اعلیٰ ثبوت ہیں، موصوف کے جو رباعیات، مراثی، مثنوی، غزلیں، نظمیں اور نعتیہ کلام ہندو پاک کے بیشتر رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں، ان کا بھی ایک طویل سلسلہ ہے، چناں چہ موصوفؒ کو اس فن میں بھی استاذ درجہ کا شاعر تصور کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے عقیدت مندوں اور متعلقین ومتوسلین کے اصرار پر موصوفؒ نے زندگی میں اپنے منتشر کلام کو یکجا کتابی شکل میں مرتب فرمایا جو کہ ''شناسا'' کے نام سے فیصل پبلی کیشنز دیوبند سے حال ہی میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

موصوفؒ کے کلام میں جدید اسلوبِ بیان اور فکر بلندی کے ساتھ انکساری طبع پوری طرح پائی جاتی ہے، آپؒ کے اشعار میں درج ذیل شعر آپ کی متواضع زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے:

خاک ہوں خاک کی مانند اُڑا لو مجھ کو
نقش بر آب ہوں پانی میں ملا لو مجھ کو

جتنا چاہو میزان عمل میں پرکھو
کورے برتن کی طرح خوب کنگھالو مجھ کو

اس کے علاوہ آپ کے بعض اشعار ایسے ہیں جن کی آپ اچانک ہم سب سے رخصت ہونے کی حیثیت سے خود اپنے شعر کا خود مصداق بن گئے:

ظلماتِ زندگی سے سحر تک پہنچ گئے
ہم بے ارادہ آپ کے در تک پہنچ گئے

اے چشم اشک بار تیرا شکریہ کہ اب
آنسو میرے حدود اثر تک پہنچ گئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی صحافتی اور ادیبانہ نہج سے مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ خانقاہی زندگی سے بھی پوری طرح منسلک تھی؛ بلکہ موصوف کی زندگی میں خانقاہی اور درویشی کا رنگ غالب تھا، اور موصوف اپنی زندگی میں اکابر کے معمولات پر پوری طرح کاربند تھے، چناں چہ

اپنے والد ماجدؒ کی وفات کے بعد سے اپنی خاندانی مسجد، مسجد عزیز کی امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ تقریباً نصف صدی قبل سے جاری مبارک سلسلہ وظیفہ ختم خواجگان کے پوری طرح عامل تھے، اورتاوفات اس ختم کے سلسلہ کو پوری طرح بعد فجر جاری رکھے ہوئے تھے۔

جہاں تک مفتی صاحبؒ کی ذاتی اور معاشرتی زندگی اور تقویٰ کا تعلق ہے تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے، کہ مفتی صاحبؒ میں وہ احتیاط پوری طرح غالب تھی کہ جو صرف خیر القرون کے اکابر کے واقعات میں سننے کوملتی ہے معاملات کے سلسلے میں مفتی کفیل صاحبؒ کی غیر معمولی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ موصوف دارالافتاء کے سادہ کاغذ اور روشنائی ذاتی کام میں استعمال نہ فرماتے؛ بلکہ ان امور کی انجام دہی کے لئے ذاتی روشنائی اور ذاتی کاغذ استعمال فرماتے۔

اس پرفتن دور میں جب کہ زبان کے سلسلہ میں عام طور پر احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا، مفتی صاحبؒ کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ موصوفؒ کے سامنے کوئی کسی کے بارے میں منفی تأثرات بیان کرتا تو خوش اسلوبی سے گفتگو کا رخ دوسری طرف متوجہ فرمادیتے، کسی کی غیبت کا تصور بھی ان کی زندگی میں نہیں تھا، مزاج کے اعتبار سے مفتی صاحبؒ گوشہ نشین اور خلوت نشیں تھے، دارالافتاء، مسجد اوران کا دولت خانہ صرف ان کی توجہات کا مرکز تھا، بظاہر ان کی زندگی مجلسی زندگی نہیں تھی؛ لیکن موصوف کی وفات پر اور موصوف کے نماز جنازہ میں شریک ہزاروں کی تعداد کے مجمع نے اور احاطہ مولسری سے لے کر مہمان خانہ دارالعلوم تک عظیم الشان مثالی مجمع نے ثابت کردیا کہ مفتی صاحب بلاشبہ ولی کامل اور عنداللہ ایک مقبول شخصیت تھے، درحقیقت مفتی صاحبؒ اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ تھے، ان کی وفات حسرت آیات سے جو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی عرصہ تک بہت مشکل ہے، خداوند قدوس حضرت کواعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۶ء)

مردِ صالح مولانا محمد عارف سنبھلی ندویؒ

۱۳۵۲-۱۴۲۷=۱۹۳۳-۲۰۰۶ء

بہ قلم: مولانا نور عالم خلیل امینی رئیس تحریر الداعی واستاد ادب عربی دارالعلوم دیوبند، یوپی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قدیم مایۂ ناز اُستاذ حضرت مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی گذشتہ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ مطابق ۸ر جون ۲۰۰۶ء کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے سادگی پسند، گوشہ نشین، کم گو، متواضع اور سنجیدہ عالم دین تھے، آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں رد بدعت پر آپ کی کتاب ''بریلوی فتنہ کا نیا روپ'' بہت معروف ہے، اس میں آپ نے بہت سلجھے ہوئے انداز میں مروجہ بدعات کی مدلل تردید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

موصوف کے متعلق حضرت مولانا نور عالم صاحب زید مجدہم کا یہ مضمون یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ (مرتب)

جمعہ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ء = ۹ر جون ۲۰۰۶ء کو صبح ۵ر بجے مولانا محمود حسنی ندوی سلمہ نے لکھنؤ سے فون پر مجھے یکا یک یہ بتا کر چونکا دیا کہ تقریباً ایک گھنٹہ قبل حضرت مولانا محمد عارف سنبھلی ندویؒ اُستاذِ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ حرکتِ قلب بند ہو جانے سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چوں کہ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مولانا محمد عارف اس طرح اچانک داغ مفارقت دے جائیں گے؛ اس لئے ان کے انتقال کی خبر سے بڑا صدمہ ہوا۔ ان سے قلبی تعلق تھا جو ان کی نیکی، خاکساری اور سادگی کی، دین تھا، جو ان کو بہت سے معاصرین اور رفقاے کار سے ممتاز کرتی تھی۔

وہ میرے دو ایک سال بعد دار العلوم ندوۃ العلما کے مدرس اور تفسیر واصول کے استاد کی حیثیت سے تشریف لائے اور اپنی تواضع، نیکی، بے ساختگی اور زندگی کے سارے معاملات میں اپنی سادگی کی وجہ سے اساتذہ وطلبہ کے معاشرے میں خاصے مقبول ومحبوب بن گئے۔ وہ ہر کسی سے اس طرح ملتے جیسے فردِ خاندان؛ بل کہ اس کی ذات کا حصہ ہوں۔ دل سے ملتے، اخلاص سے خیر خیریت دریافت کرتے، اپنائیت کی وجہ سے دل میں گھر کر جاتے اور احساس وجذبات میں شریک ہو جاتے۔

اللہ کی اس کشادہ دنیا میں، خوش قسمتی سے چند ایسے لوگوں سے ملاقات وتعارف کا موقع ملا، جن کے متعلق دل نے، اپنی فراست ایمانی سے گواہی دی کہ یہ بالیقین اللہ کے مومن بندے ہیں۔ دنیائے فانی میں ان کی آرزوئیں قلیل اور ہمیشہ کی آخرت کے حوالے سے ان کے مقاصد جلیل نظر آئے۔ زندگی کی رونقوں اور آسایشِ حیات میں سے ستر پوشی کے بقدر لباس اور بقائے حیات کی بقدر خرد ونوش کا سامان ان کے لیے کافی تھا اور ان دونوں ضرورتوں کے پوری کرنے سے بھی ان کا مقصد اپنے رب کی طاعت وعبادت تھا۔ میں نے انھیں پایا کہ وہ دنیا کو آخرت کی کھیتی جانتے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ یہاں کا بویا ہوا ہی وہاں کاٹنا ہے میں قسم کھا سکتا ہوں کہ مولانا محمد عارف سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ یقیناً ان میں سے ایک تھے۔

وہ ہمیشہ انتہائی معمولی کپڑے میں نظر آتے۔ وہ کپڑوں کو پریس کرنے یا کروانے سے بالکل بے پروا تھے کئی بار ندوہ میں ان کے رہائشی مکان میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ بعض دفعہ اپنے وطن مالوف سنبھل کے علاقے میں تیار کی جانے والی کھانے کی کسی خاص چیز کے لیے بہ اصرار مجھے اور بعض رفقا کو بلا لے جاتے یا چائے کے لیے مدعو کرتے۔ ہم نے ہمیشہ ان کے ہاں ضرورت کی چیزیں بھی انتہائی ضرورت کے بہ قدر ہی دیکھیں اور ٹھاٹ باٹ کی چیزوں کا تو ان کے ہاں کوئی گذر ہی نہ تھا۔ وہ زندگی کے سارے گوشوں میں بے ساختگی پر عمل پیرا تھے، تکلف اور تصنع سے ان کی زندگی کی ڈکشنری نا آشنائے محض تھی؛ لہٰذا وہ وقت اور توجہ کا قیمتی سرمایہ کسی ایسی

چیز پر خرچ نہ کرتے تھے جس سے دنیا و آخرت میں کوئی بھلائی متصور نہ ہو۔

اس کے باوجود وہ خندہ رو، خوش اخلاق اور انتہائی حلیم و کریم تھے، نمائیشی زاہدوں کی طرح ترش رو، بد اخلاق اور اپنے سوا ہر ایک کو ''بے عمل'' سمجھنے والوں کی طرح خشک نہ تھے۔ انتہائی ظریف، خوش طبع اور زندہ دل تھے۔ ملنے جلنے والوں سے نہ صرف مذاق کو روا جانتے تھے؛ بلکہ برجستہ مزاحیہ جملوں سے دل کی مرجھائی کلی کو دفعتاً کھل اٹھنے کا ایسا موقع دیتے کہ لوگ عش عش کرنے لگتے۔ غم غلط کرنے میں انہیں مہارت تھی اور روتوں کو ہنسانے میں وہ طاق تھے۔ ان سے جب بھی اچانک ملاقات ہوتی اور وہ مجھے کسی سنجیدگی یا پیچیدگی میں الجھا ہوا محسوس کرتے تو برجستہ ایسے جملے کہہ جاتے، جس سے دل اور ذہن دونوں کا ماحول تبدیل ہو جاتا۔ دراصل ان کی طرح کے نیک اور آخرت نصب العین بنائے رہنے والے سعادت مند لوگ دنیا، اس کے غم والم اور اس کے سارے مسائل کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتے؛ اس لیے دنیا اور اس کے مسائل کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی لاپروائی کا ہوتا ہے۔ دنیا کو ہنسی کھیل کے گزارنے میں آخرت کی فکر کے لیے انہیں وافر وقت مل جاتا ہے۔ مقصد کا استحضار اور اس کی عظمت و اہمیت کا ہمہ وقت احساس، دنیاوی غم والم کی اہمیت کو کم کیے رہتا ہے۔

مولانا محمد عارفؒ کو اکثر میں دیکھتا کہ بغل میں کوئی کتاب ضرور دبائے ہوتے۔ عموماً تفسیر کی یا کسی بھی اسلامی موضوع کی، جس کے وہ مطالعے کے درپے ہوتے۔ درجے میں جاتے یا آتے ہوئے یا کینٹین (Canteen) میں داخل ہوتے یا نکلتے یا کسی جگہ گھنٹے (Period) میں کہیں بیٹھے ہوئے وہ کتاب ہاتھ میں ضرور لیے ہوتے۔ جیسے ہی اُن کی نظر میرے ایسے کسی مخلص رفیق پر پڑتی، تو کسی ایسے مزاحیہ جملے سے تواضع ضرور کرتے، جس سے ہنسی بھی آتی، خوشی بھی ہوتی اور اُن کے لیے دعا بھی نکلتی۔ ان کے مزاحیہ جملے بھی کسی پر تکلف سوچ کا نتیجہ نہ ہوتے؛ بلکہ وہ ہمیشہ بے تکلفی اور اپنائیت کی دین ہوتے۔ مثلاً وہ کہتے: ''بھئی! آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نے آپ کو دیکھا نہیں ہے کہ آپ کمرے کی اور بھاگے چلے جارہے ہیں'' یا ''برادرم! آپ یہ

سمجھے نہ بیٹھیں رہیں کہ صرف آپ ہی کو عربی زبان آتی ہے۔ میں نے بھی پڑھنے کے زمانے میں بہت سے عربی کے بہت اچھے جملے بڑی محنت سے رٹے تھے، بوڑھا ہو جانے کی وجہ سے انہیں بھول گیا ہوں؛ ورنہ آپ میرے سامنے کبھی بھی ٹھہر نہیں سکتے تھے؟ کبھی کہتے: ''دیکھئے! آپ اس دھوکے میں نہ رہیئے گا کہ صرف آپ ہی مولانا علی میاںؒ (......اور اس وقت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہے کہ بہ قیدِ حیات تھے؛ اس لیے کہ آپ کی وفات بہ روز جمعہ تقریباً ۱۲ بجے بہ تاریخ ۲۲ر رمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو پیش آئی اور میں ۱۹۸۱-۱۹۸۲ء سے قبل کے واقعات کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، جب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد تھا) کے مقرب ہیں اور عربی جاننے یا حسنِ خط کی وجہ سے اُن کے منظورِ نظر ہیں؛ اس لیے کہ میں بھی بہت بڑا ''خطیبِ اسلام'' ہوں اور اہل بدعت کی تردید میں ''لاجواب'' ہوں، اس لیے مولانا علی میاں مجھے آپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ آپ اس حوالے سے میرے نزدیک کسی کھیت کی مولی نہیں''۔ ایک دفعہ مولانا عارف نے مجلس کو یہ کہہ کر زعفران زار بنا دیا کہ ''خاکسار'' بہت پرانا لفظ ہو چکا ہے، اَب ''ڈھیلا سار'' استعمال کرنا چاہیے۔ کئی بار ''ایسی تیسی'' کو ''ایسی کی سوا تیسی'' اور ''ایسی کی سوا چار تیسی'' استعمال کیا۔ دگر جملوں میں اسی طرح کی دیگر مسرت ریز ترمیمات کے ذریعے دوستوں کے ہنسنے کے مواقع پیدا کرتے رہتے۔

مولانا سنبھلیؒ کئی معنوں میں ممتاز بل کہ بے مثال تھے، وہ اپنی ذات میں اتنے مشغول رہتے کہ دوسروں کی طرف توجہ کی انھیں فرصت نہ ہوتی، یعنی وہ اپنی ذات کے عیوب ونقائص کے شمار سے کبھی فارغ نہ ہوتے تھے، اس لیے وہ پیہم مشغول رہتے تھے، ایسا آدمی کبھی بھی دوسروں کے معایب کے پیچھے نہیں پڑتا، چناں چہ مولانا محمد عارفؒ کو بھی دوسروں کے عیوب کے تعلق سے بے پروا پایا، قرآنِ پاک سے شغف کے حوالے سے بھی وہ اپنی مثال آپ تھے، قرآن کی تلاوت بہت سوز کے ساتھ سمجھ کر ایک ایک لفظ اور شوشے کو محسوس کر کے، کرتے، اس کے معانی ومطالب، الفاظ کے مفاہیم تعبیروں کی گہرائیوں، اس کے اعجاز کے رازوں اور بلاغت

کے گوشوں اور اسباب پر غور کرتے، قرآنی موضوعات کی کتابوں کے حصول کے لیے کوشاں رہتے، علمائے اعلام کی اس حوالے کی کاوشوں سے فائدہ اٹھاتے، تفسیر کی امہات الکتب کے امتیازات سے اتنے واقف تھے کہ اتنے واقف کم لوگ ہی ہوتے ہیں۔

اردو تفسیروں میں مرحوم، ادیب کبیر مولانا عبد الماجد دریابادی (۱۳۰۹-۱۳۹۷ھ =۱۸۹۲-۱۹۷۷ء) کی ''تفسیر ماجدی'' کے بڑے دلدادہ تھے کہ اس میں عصر حاضر کے مسائل، جدید ذہن کے شکوک وشبہات اور بعض ایسے اعتراضات کو بھی حل کیا گیا ہے جو ماضی میں بھی تفسیر کے طلبہ کے لیے الجھن کا باعث رہے تھے، اسی طرح وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (۱۲۶۸-۱۳۳۹ھ-۱۸۵۱-۱۹۲۰) کے مشہور ومقبول اردو ترجمۂ قرآن کے حاشیے پر لکھی گئی علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی ثم الپاکستانی (۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ-=۱۸۸۷-۱۹۴۹ء) کی تفسیر عثمانی کے ثنا خواں تھے اور فرماتے تھے کہ تفسیر کی زبان، اس کا معجزانہ اختصار، حقائق قرآن کی اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق کھری، صحیح اور ٹھوس ترجمانی اور تفسیر قرآن کے باب میں امت کے ثقہ علماء کی راہ کی مکمل پیروی میں یہ تفسیر لاثانی ہے، مجھ سے مرحوم نے کئی بار فرمایا کہ ادب کے طلبہ کو زبان وبیان کی نزاکت سے واقفیت کے لیے بھی اس تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہیے یہ اردوے معلّٰی کی بھی بے مثال کتاب ہے، بعض بعض جگہ انھوں نے حقائق قرآن کی ترجمانی کے لیے جو زبان استعمال کی ہے، وہ ادب کا جاوید شہہ پارہ ہے، ایک اچھے مقرر کے لیے بھی مضامین، طرز تکلم اور خیالات کے الہام کا یہ بہترین ذریعہ ہے، افسوس ہے کہ ہمارے ہاں اس تفسیر کی اہمیت کو مدرسوں کے ماحول نے مذاقِ ادب سے عمومی ناآشنائی کی وجہ سے اب تک کما حقہ محسوس نہیں کیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ-=۱۳۶۳ھ-۱۹۴۳ء) کی تفسیر ''بیان القرآن'' کو ائمہ فن کی تفسیروں کا عطر کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس تفسیر میں معانی گہرائی اور لطیف اشاروں کی جو بہتات ہے، اس کی وجہ سے اس کا مطالعہ عالم وعامی طالب علم ومدرس ہر ایک کے لیے ضروری ہے، اس کے مطالعے سے فکر ونظر گہرائی، عقل وخرد میں کشادگی،

بصیرت میں اضافہ اور کتاب اللہ کے لفظی و معنوی اعجاز پر ایمان اور مضبوط ہوتا ہے۔

مولاناؒ کی سعادت کی بات تھی کہ وہ تفسیر کے مضمون کا سال ہا سال درس دیتے رہے قرآن پاک کے معانی و مطالب میں غور وخوض سے ان کو طبعی دلچسپی تھی، اس مضمون کی تدریس میں ان کے لیے اپنے پیشے اور اپنی دلچسپی دونوں کی تسکین کا بہترین سامان مُیسر آ گیا یہ کسی آدمی کی بڑی خوش قسمتی ہوتی ہے کہ اس کے پیشے اور خدمت کے لیے اس کو اس کی دلچسپی کی شے ہی مل جائے اور وہ بہ یک وقت اپنی ڈیوٹی بھی انجام دیتا رہے اور اپنے ذوق کو تسکین بھی، تفسیر کا موضوع علوم شریعت میں سب سے کشادہ ہے، بل کہ یہ بحرِ ناپیدا کنار ہے، لہٰذا جس کسی کو اس میں گیرائی حاصل ہو جاتی ہے، اس کو کئی موضوعات میں ازخود دسترس حاصل ہو جاتا ہے اور وہ علومِ شریعت میں ہمہ گیری کا حامل بن کر اسلام کی ترجمانی کا اہل ہو جاتا ہے، اس میں اسلام کے دفاع اور ملحدین و منحرفین راہ سے مقابلے کی بہ خوبی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے، مولانا سنبھلیؒ بھی خدا کی توفیق سے اسی طرح کے وسیع النظر عمیق العلم اور رقیق الفکر عالم بن گئے تھے، اسی لیے فرق ضالّہ اور تحریکاتِ باطلہ، بالخصوص بدعتی فرقے سے محاذ آرائی میں وہ پیش پیش رہتے تھے، یہ فرقہ اندرونی و بیرونی اسلام دشمن طاقتوں کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے برصغیر میں ہمیشہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر اسلامی صحیح تعلیمات میں رخنہ اندازی کی ناکام کوشش کرتا رہا ہے، مولانا سنبھلیؒ نے ان کے ایک چرب زبان و تیز قلم عالم کی کتاب ''زلزلہ'' کا جواب ''بریلوی فتنے کا نیا روپ'' کے نام سے دیا، یہ کتاب خاصی دنداں شکن ثابت ہوئی اور بہت پڑھی گئی، مولاناؒ نے اہل بدعت سے مناظرے بھی کیے اور اپنی مکمل و مضبوط تحریروں اور مدلل و مربوط تقریروں میں بھی ان کو رگیدتے اور للکارتے رہے، ان کی تقریروں کا بنیادی موضوع ہی توحید کا بیان اور بدعت و ضلالت کی تردید ہوا کرتا تھا۔

مرحوم نے ردقادیانیت میں بھی بڑا کردار ادا کیا، قادیانیت کا توڑ ہمارے جلیل القدر اور غیرت مند علما کا معزز انہ کام رہا ہے، نبوتِ محمدی کے خلاف جب سے یہ عظیم فتنہ برطانوی استعمار کی سازش سے برپا ہوا، جس نے اسلام ہی کو اپنی توسیع پسندی کی راہ کا سب سے بڑا پتھر محسوس

کیا، علمائے اسلام نے اس فتنہ کی خطرناکی کو محسوس کرتے ہوئے اس کی کی سرکوبی پر زبان وقلم اور تبلیغ ودعوت کی راہ سے بہت زور صرف کیا، مولانا سنبھلی نے بھی اپنے اکابر کی سنت ادا کی اور زبان وقلم کو ہمیشہ اس محاذ پر بھرپور طور پر استعمال کیا۔

مولانا محمد عارف مرحوم ملک کے طول وعرض بالخصوص لکھنؤ اور اس کے اطراف میں ہونے والے دینی ودعوتی جلسوں میں کثرت سے شریک ہوتے اور جم کر تقریر کرتے تھے۔ وہ فن تقریر کے میدان کے بھی شہ سوار تھے؛ لیکن وہ پیشہ ور مقرروں کی طرح بامعاوضہ تقریر نہ کرتے تھے؛ بل کہ وہ اکثر دفعہ آمد ورفت کا صرفہ بھی خود ہی برداشت کرتے تھے، حالانکہ وہ مالی طور پر بہت کم زور تھے، تدریس کے علاوہ کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا؛ لیکن دین ودعوت کی خدمت ان کی گھٹی میں پڑی تھی؛ اس لئے وہ اس کے لیے ہر طرح کا بار اسی طرح برداشت کرتے تھے، جیسے اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے۔ ہمارے بہت سے نام نہاد علما اور دعاۃ نے تو تقریر وتحریر کے پیشے کو تعویذ وگنڈوں کے پیشے کی طرح زرکشی کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور عام مسلمانوں کے لیے ان کی سیرت اور ان کا کردار ذریعۂ اذیت بنا ہوا ہے؛ لیکن مولانا محمد عارف سنبھلی جیسے بھی کچھ علما ہیں جو دین ودعوت کی آبرو کو بچائے ہوے ہیں۔ مولانا کی تقریر کا اصل موضوع تو وہی توحید اور اس کے مخالف رجحانات کی شرح وتفصیل اور ان رجحانات کے رد کے دلائل کا بیان ہوتا تھا؛ لیکن وہ معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی اصلاح کے طریقوں پر بھی خوب بولتے تھے۔ شادی بیاہ، موت کے مراسم اور غم والم کو منانے کے غیر اسلامی طریقوں سے بھی عوام کو واقف کراتے اور انہیں کتاب وسنت کی راہ پر لوٹ آنے کی دعوت دیتے تھے۔ اسی طرح برصغیر کے صحیح اسلامی مسلک یعنی ''دیوبندیت'' عصر حاضر میں اس کی معنویت اور مختلف انتہائی پسندیوں کے بیچ اس کی افادیت اور اس کی روح یعنی اعتدال وتوازن پر بھی اکثر بھرپور روشنی ڈالتے تھے۔

مولانا مرحوم رقیق القلب تھے۔ وعظ ونصیحت کے موقع سے، خصوصاً نماز کے اندر یا باہر ترہیب وانذار کی آیتوں کی تلاوت خود کرتے یا دوسرے سے سنتے تو گریہ طاری ہو جاتا اور پھر

روتے ہی رہتے تا آں کہ خوف وخشیت کی کیفیت زائل ہو جاتی اور اس کا دباؤ ختم ہو جاتا۔ کسی کو اپنے کسی رویئے سے تکلیف پہنچ جانے یا اس کے احساس کے مجروح ہو جانے کا ذرا بھی اندازہ ہوتا تو فوراً معذرت خواہ ہوتے۔ میں نے ہر اچھے اور نیک میں یہ شیوہ دیکھا اور برتا ہے واقعی نیک ضرور دوسرے سے معذرت خواہ ہوتا، بتکلف نیکی کا لبادہ اوڑھ لینے والا البتہ کسی کو اذیت دے کر کبھی نادم نہیں ہوتا اور نہ معذرت کا لفظ کبھی زبان پر لاتا ہے؛ کیوں کہ غرور نفس اس کو اس سے روکے رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے رفقا اور متعارفین سے ہمیشہ یہ کہتے: بھئی! میری تحریر یا تقریر یا کسی گفتگو سے آپ میں سے کسی کو ذاتی تکلیف پہنچی ہو یا آپ لوگوں نے اس میں کوئی دینی، علمی یا دعوتی یا کسی اور قسم کی کوئی غلطی کبھی محسوس کی ہو تو بتا دیجئے تا کہ اس کا ازالہ کیا جا سکے اور دیگر لوگ اس سے گم راہ نہ ہوں۔ ان کے سارے معمولات سے صاف طور پر یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہر وقت آخرت کے حساب اور رب قہار کی پکڑ کو مستحضر رکھتے تھے۔ دنیا کے جھمیلے اور یہاں کی زینت انہیں وہاں سے کبھی غافل نہیں کر پاتی تھی۔ وہ واقعی خوش قسمت تھے اور ہم جیسے واقعی بد قسمت ہیں جو ان جیسوں کی زندگی سے سبق نہیں لے پاتے۔ اللہ انہیں بہت نوازے اور یہاں کی محرومیوں کا انہیں وہاں خوب خوب بدلہ دے۔ ان کا عمومی برتاؤ بھی ان کے بھولے پن کا غماز ہوتا تھا، ان کی ہر ادا سے معصومیت ٹپکتی تھی۔ وہ ایذا رسانی کی صلاحیت سے عاری لگتے تھے زندگی کا میرا اپنا تجربہ جو تجربے کی میرے زندگی ہی کے بہ قدر ہے یہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگ کم ہوتے ہیں؛ لیکن بہت اچھے ہوتے ہیں اور شاید جنتی لوگ دنیاے دنی میں عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں اور صحیح علم تو ہر بات کا اللہ عالم الغیب ہی کو ہے۔

انہیں نہ علم کا غرور تھا، نہ مطالعے کی وسعت کا دعوی تھا، نہ اپنے عالم ہونے کا پندار تھا، نہ مقرر ہونے کا احساس تھا، نہ مناظر ہونے کی اہمیت کا گھمنڈ تھا، نہ کام یاب اور مقبول ومحبوب مدرس ہونے پر فخر تھا، نہ دنیوی عزت کی خواہش تھی، نہ ستایش کی تمنا تھی، نہ صلے کی پروا تھی۔ ان کے سامنے صرف ایک ہدف تھا، خدا کی رضا جوئی کا ہدف، جو انہوں نے اللہ کی رحمت کے طفیل ضرور پالیا ہوگا۔

مولانا محمد عارف سنبھلیؒ، برصغیر کے مشہور عالم وداعی واسلامی اہل قلم حضرت مولانا محمد

منظور نعمانیؒ (۱۳۲۳-۱۴۱۷ھ = ۱۹۰۵-۱۹۹۷ء) کے حقیقی بھتیجے تھے۔ انہوں نے ۲۵-۳۰ر سال تک یعنی زندگی کے آخری سالوں میں موت تک دارالعلوم ندوۃ العلما میں تفسیر وعقیدے کے ہر دل عزیز استاذ کی حیثیت سے تدریسی فریضہ انجام دیا۔ وہیں ان کا وقت آخر آیا اور اسی کے میدان میں ندوۃ العلما کے حالیہ ناظم مولانا محمد رابع حسنی ندوی صدر مسلم پرسنل لا بورڈ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں بڑی بھیڑ تھی، جو ان کے مقبول عنداللہ وعندالناس ہونے کے دلیل ہے۔ دوسری نماز ان کے صاحب زادے مولوی حمزہ ندوی سنبھلی نے پڑھائی، بعدہ ''ڈالی گنج'' کے قبرستان میں سپرد خاک ہوے۔

مولانا نے پس ماندگان میں اہلیہ، دو صاحب زادے اور ایک صاحب زادی چھوڑی ہے؛ لیکن انہوں نے ان خاکی پس ماندگان کے علاوہ، اس دنیا کے لوگوں کے دلوں میں اپنی ناقابل فراموش یاد چھوڑی ہے، جس کا نقش ان کے دلوں میں اتنا گہرا ہے کہ وہ کبھی مٹ نہ سکے گا۔ ان کی انسانیت، تواضع، سادہ دلی، یگانگت، سچے زہد اور ساتھ ہی ان کی علمی لیاقت کی یاد، وہ لیاقت جس کی وجہ سے ہزاروں زبانیں ان کی ثنا خواں اور درس وافادے اور وعظ ونصیحت، علمی تبادلے اور دینی مناظرے کے ذریعے فیض بخشی کی وجہ سے ان کی شکر گزاری اور ان کی لیے دعا گو تھیں، ہیں اور رہیں گی۔

کتنے لوگ اس دنیا سے روزانہ رخت سفر باندھ جاتے ہیں اور چند روز بعد لوگ انہیں قطعاً فراموش کر دیتے ہیں؛ لیکن اپنی انسانیت، تواضع اور بے نفسی کے ذریعے جو لوگ دلوں میں گھر کر جاتے ہیں وہ ہمیشہ دلوں میں اور زبانوں پر زندہ رہتے ہیں اور ان کے ذکر خیر بلا انقطاع جاری رہتا ہے۔ انہی میں مولانا مرحوم بھی ہیں، جو اپنے علم سے پہلے اپنے اخلاق سے عالی قدر تھے اور اپنی نام آوری سے پہلے اپنی نیکی آمیز گم نامی سے اور اپنی برتری سے پہلے اپنی خاکساری سے اور اپنے علم سے پہلے اپنی دین داری سے۔ **اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ.**

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۶ء)

حضرت مولانا سید محمد اسحٰق صاحب حسینی ندویؒ

مؤرخہ ۱۰؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۳۰؍جنوری ۲۰۰۷ء بروز منگل کولکھنؤ کے معروف عالم دین حضرت مولانا سید محمد اسحٰق صاحب ندوی اُستاذ مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ (برادر خورد حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی مدظلہ) اچانک وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف انتہائی وضع دار، ملنسار، خوش خلق اور باوقار شخص تھے، اسی سال وفات سے چند روز قبل سفر حج سے واپس تشریف لائے تھے، اور ابھی وہاں کی یادیں تازہ تھیں، اور اُٹھتے بیٹھتے وہیں کی باتوں کا تذکرہ تھا، وفات والی شب میں آپ شہدائے اسلام کے جلسہ (منعقدہ اِحاطہ شوکت علی لکھنؤ) میں شرکت اور خطاب کر کے واپس آئے تھے کہ قلب کا دورہ پڑا اور چند ہی لمحوں میں واصل بحق ہوگئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

ابھی آپ کی عمر صرف ۴۶؍سال تھی؛ لیکن آپ اپنے مخصوص انداز اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ اور خوش گفتاری کی بناپر عوام وخواص میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، جس کا اندازہ آپ کے جنازہ میں شریک عظیم مجمع سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے حسنات کو بے حد قبول فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

متفرقات:

سید فرید احمد صاحب دہرہ دون

دہرہ دون کے معروف ومقبول صاحبِ خیر جناب سید فرید احمد صاحب (سابق شریک ہمالیہ ڈرگ کمپنی) ایک حادثہ میں شدید زخمی ہونے کے بعد چند یوم موت وحیات کی کشمکش میں رہ کر مؤرخہ ۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۳ رفروری ۲۰۰۶ء بروز پیر کو ۵۳ رسال کی عمر میں وفات پاگئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کو اپنی ملن ساری اور طبعی جود وسخا کی بنا پر پورے علاقے کے عوام وخواص اور مسلم وغیر مسلم سبھی حلقوں میں ہر دل عزیزی کا مقام حاصل تھا، علماء اور اکابرین کے بڑے قدر داں، نماز کے انتہائی پابند اور دینی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔ مزاج میں تواضع اور ظرافت رچی اور بسی ہوئی تھی۔

اِس الم ناک حادثے پر اِدارہ ندائے شاہی مرحوم کے سبھی اہل خاندان بالخصوص موصوف کے برادرعزیز جناب ڈاکٹر سید فاروق احمد صاحب کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور سفر آخرت کے سکون سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۶ء)

حضرت مولانا سراج الدین صاحب مظاہری

حضرت مولانا سراج الدین صاحب مظاہری صدر جمعیۃ علماء ضلع بجنور مؤرخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۱ اپریل ۲۰۰۶ء بروز جمعہ بوقت تہجد مالک حقیقی سے جاملے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف جمعیۃ علماء کے نہایت فعال اور سرگرم رکن تھے۔عرصہ ۳۰ر سال سے جمعیۃ علماء بجنور سے وابستہ رہے، پہلے ناظم تھے پھر دو سال قبل حضرت مولانا حکیم حفیظ الرحمٰن صاحب دھامپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کو صدر بنایا گیا۔ان ذمہ داریوں کو آپ نے بحسن وخوبی نبھایا،اور اپنے دور نظامت وصدارت میں ضلع جمعیۃ کو ایک فعال اکائی بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، آپ جامعہ مظاہر علوم کے فاضل تھے۔۶۳ر سال کی عمر پائی، پسماندگان میں تین لائق فرزند ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۶ء)

حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی

ملک کے معروف عالم دین اور مفکر حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ ناظم جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ وسط ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ میں طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف صاحب نظر عالم اور مصنف تھے،فقہ سے اچھی مناسبت تھی،اس موضوع پر اُن کی کتابیں اور مقالات باوزن شمار ہوتے ہیں۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۶ء)

منشی صدیق احمد صاحب ہردوئی

منشی صدیق احمد صاحب ہردوئی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کے نہایت معتمد خادم تھے،۵۲ر سال مدرسہ اشرف المدارس میں خدمات انجام دیں، ۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۳ر جولائی ۲۰۰۶ءشب جمعہ ہردوئی میں وفات پائی۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۶ء)

مولانا محمد عرفان قاسمی ہلدوانی

موصوف نہایت صالح نوجوان عالم تھے، کئی سال مدرسہ شاہی میں تعلیم حاصل کی، اُس کے بعد مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اپنے ہی وطن مالوف ہلدوانی میں مدرسہ جامع مسجد بنجاران میں تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے، اور پورے کماؤں کے علاقہ میں تبلیغی جماعت کے اہم ستون شمار ہوتے تھے، اورعوام وخواص کی نظر میں نہایت مقبول تھے، جس کا اندازہ موصوف کے جنازہ میں اُمڈنے والی زبردست بھیڑ سے ہوا۔ موصوف کی نماز جنازہ مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کی اقتداء میں ادا کی گئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۶ء)

مولانا محمد میاں صاحب آگرہ

مولانا محمد میاں صاحب خطیب مسجد ٹال حبیب اللہ آگرہ پرانی وضع کے بزرگ تھے، اکابر دیوبند سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے، اوراخیر تک انہیں کے مشن اورفکر سے وابستہ رہے۔ آگرہ کے معروف مدرسہ افضل العلوم تاج گنج کی ذمہ داری بھی عرصہ تک مولانا مرحوم کے سپرد رہی۔ ماہنامہ ندائے شاہی کے مستقل قاری تھے، اور موقع بموقع مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ مؤرخہ ۱۹ر شعبان ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۳ر ستمبر ۲۰۰۶ء بروز بدھ کو طویل علالت کے بعد وصال فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین سے بھی ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۶ء)

مولانا سید سراج الساجدین صاحبؒ اڑیسہ

صوبہ اڑیسہ کے مشہور عالم اور خطیب حضرت مولانا سید سراج الساجدین صاحبؒ اواخر رمضان المبارک میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف انتہائی مقبول واعظ اور ملی رہنما تھے، حضرت مولانا سید محمد اسمعیل صاحبؒ کی

وفات کے بعد صوبہ اڑیسہ کے امیر شریعت اور صوبائی جمعیۃ کے صدر بنائے گئے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔

مولانا محمد عمر صاحب بلندشہریؒ

جناب مولانا محمد عمر صاحب اُستاذ امداد الاسلام کمال پور بلندشہر سابق اُستاذ دارالعلوم دیوبند انتہائی سادہ دل، زاہد و متقی بزرگ تھے، قابل رشک، صاف ستھری زندگی گذاری۔ موصوف کی سادگی، اور تواضع ضرب المثل تھی۔ مؤرخہ ۱۷رشوال ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۰رنومبر ۲۰۰۶ء بروز جمعہ کو وفات ہوئی، اللہ تعالیٰ جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۶ء)

رفتـــــگاں

۲۰۰۷ء

- حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قاسمیؒ
- حضرت مولانا سید محمد قاسم صاحب امروہویؒ
- حضرت مولانا صفات اللہ صاحب مئویؒ
- حضرت مولانا منظور احمد صاحب ڈھکیویؒ
- حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ
- حضرت مولانا معین الدین صاحب گونڈویؒ
- حضرت مولانا سید محمد امین شاہ اوکاڑویؒ

مولانا محمد شفیع صاحب قاسمیؒ

(ولادت: ۱۹۳۴ء —— وفات: ۲۰۰۶ء)

مولانا عبدالناصر صاحب اُستاذ حدیث و نائب مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد

اس عالم ناپائیدار میں جو بھی آیا جانے ہی کے لئے آیا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ اس دنیائے آب وگل میں کتنے لوگ آئے اور چلے گئے جن پر کوئی آنکھ آنسو بہانے والی نہیں ﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمِ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور کتنے لوگ ایسے بھی آئے جنہوں نے اپنے بعد یادگاریں چھوڑیں جن کی وجہ سے نسلیں ان کو یاد رکھتی ہیں اور ایسے نقوش چھوڑے جو قوم کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں جن پر چل کر وہ قوم فوز وفلاح اور ترقی کی منازل طے کرتی ہے انہیں برگزیدہ اور زندہ جاوید ہستیوں میں حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ ہیں جنہوں نے اپنے پیچھے شاگردوں کی ایک طویل فہرست چھوڑی ہے جن کے پڑھنے پڑھانے کا ہدیہ ثواب لمحہ بہ لمحہ ان کی قبر میں پہنچ رہا ہے اور پہنچتا رہے گا۔ اللہ اس صدقۂ جاریہ کو قائم دائم رکھے۔

وطن مالوف اور پیدائش

آپ کا وطن ڈونک پوری ٹانڈہ ضلع رامپور ہے، جو سوار اور رامپور کے درمیان واقع کھم پور سے جانب مشرق میں تقریباً تین کلومیٹر کی مسافت پر ہے، اس بستی میں علماء کی اچھی خاصی تعداد ہے جن کی فیوض وبرکات سے یہ آبادی مالا مال ہے، یہاں کے اکثر لوگ صحیح العقیدہ ہیں، تجارت اور کاشتکاری مشغلہ ہے، اسی گاؤں کے ایک باشندہ حاجی محمد یوسف صاحب عرف حاجی چھوٹے تھے جو حضرت مولانا محمد نبی صاحب ٹانڈہ بادلی (خلیفہ مجاز حضرت تھانوی قدس سرہٗ)

سے بیعت تھے اور حضرت تھانویؒ کے صحبت یافتہ تھے ان کی گوہر بار مجالس اور حکمت بھری تقاریر ومواعظ سے بھرپور فیض اٹھائے ہوئے تھے، نفس کشی ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ انہوں نے اپنے ظاہر وباطن کو محاسن سے آراستہ وپیراستہ کرلیا تھا، ان کے گھر میں ۱۹۳۴ء میں ایک سعادت مند فرزند متولد ہوا، گھر خوشیوں سے بھر گیا، اس خوشی کی اطلاع اپنے دادا پیر یعنی حضرت تھانویؒ کو دی اور نام تجویز کرنے کی درخواست کی، حضرت تھانوی قدس سرّہٗ نے نام نامی اسم گرامی محمد شفیع تجویز کیا اور عقائد حقہ پر استقامت اور مسلک ولی اللہ پر قائم رہنے کی دعا دی، اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ مرحوم جہاں رہے، جس ماحول میں رہے اور جس ادارہ سے وابستہ رہے اپنے مشن کو زندہ رکھا اور صحیح عقائد کی ترویج کی اور دیوبندیت کی اشاعت اور فکر ولی اللّٰہی کی صیانت وحفاظت کا فریضہ انجام دیا۔

حلیہ

دراز قد، بڑی بڑی آنکھیں، لمبی داڑھی، تراشیدہ مونچھ، پرگوشت بدن، بارعب چہرہ، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، سادہ زندگی، سفید لباس، لمبا کرتا، ڈھیلی شلوار، سر پر دوپلی ٹوپی، مضبوط اعصاب، تکلفات سے بری، بڑوں میں بڑے، چھوٹوں میں چھوٹے، ہر ایک سے جلد بے تکلف ہوجانے والے، انہیں جو دیکھے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، اللہ نے آپ کو تندرست دل ودماغ اور ذہن ثاقب مرحمت فرمایا تھا، غضب کے ذہین اور انتہائی درجہ سریع الفہم تھے، مبادیات سے صحیح نتائج تک جلد پہنچ جانا، لوگوں کو ایک ہی ملاقات میں پرکھ کر صحیح تجزیہ اور رائے قائم کرلینا ان کے لئے بہت آسان تھا، قدیم معلومات، سابقہ مطالعہ اور گزشتہ واقعات نوک زبان تھے، فقہی مسائل اور علم الفرائض سے خصوصی دلچسپی اور گہری واقفیت رکھتے تھے۔

تعلیم

ناظرہ قرآن، پرائمری اردو اور ریاضی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ اشرف العلوم (جو اس وقت

مدرسہ اشرف المدارس کے نام سے موسوم ہے) دونکپوری ٹانڈہ اور ایک کلومیٹر پر واقع موضع جٹپورہ میں حاصل کی اور بہت تھوڑی مدت میں یہ تعلیم حاصل کرلی اور فارسی کی تعلیم حضرت مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب ٹانڈہ بادلی اور حضرت مولانا محمد نبی صاحب (خلیفہ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ) جیسے لائق فائق اساتذہ سے حاصل کی، رسالہ نادر، رہبر فارسی مولانا اختر صاحب سے پڑھی، گلستاں، بوستاں، دروس الادب، شرح مائۃ عامل مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی میں حضرت مولانا ظریف الحسن صاحب بن مولانا ابراہیم شیرکوٹی سے پڑھیں۔ ۱۹۴۷ء میں مولانا ظریف الحسن صاحب بعض وجوہات کی بنا پر لکھنؤ چلے گئے مرحوم اپنے استاذ کے دامن فیض سے وابستہ رہے اور سایہ کی طرح چمٹے رہے اور کشاں کشاں ان کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے، وہاں مدرسہ انوار العلوم میں رہتے ہوئے دارالعلوم ندوہ العلماء کے شیخ التفسیر حضرت مولانا اویس صاحب سے بھی استفادہ کرتے رہے، لکھنؤ میں دو سال گذار کر مرحوم مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد، ضلع مظفرنگر چلے گئے، اس زمانہ میں مفتاح العلوم میں حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب اور مولانا حشمت علی ساکنان ٹانڈہ بادلی اور مولانا سیلم اللہ خان اور دیگر اہم اساتذہ درس دیتے تھے جن کی علمی لیاقت وصلاحیت کی طوطی بولتی تھی، ان کے ورع وتقویٰ، اخلاص وللّٰہت، انابت الی اللہ کا شہرہ تھا، مرحوم نے ان حضرات سے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ استفاضۂ باطنی بھی کیا، وہاں آپ کا دوسرا سال تھا کہ بیمار ہوگئے مجبوراً گھر آنا پڑ گیا مگر تعلیمی سلسلہ کو منقطع نہیں ہونے دیا، اپنے سابق استاذ حضرت مولانا اختر صاحب میرٹھی کے پاس مدرسہ اشرف المدارس میں پڑھنے جاتے رہے، اسی بیماری کی حالت میں آپ نے سال سوم مکمل کرلیا پھر دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا، شرح جامی میں داخلہ ہوگیا، اس داخلہ کی قدر یہ کی کہ پوری لگن، انہاک اور دلچسپی کے ساتھ اپنی تعلیم میں لگے رہے، اور ۱۹۵۷ء میں آپ نے دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ سے بخاری پڑھی، یہ سال حضرت شیخ کے مکمل بخاری پڑھانے کا آخری سال ہے، اگلے سال ۵۷ء میں

نصف سال پڑھائی اور وصال ہوگیا اور پھر بخاری شریف کا درس آپ کے حقیقی جانشیں و ہمنشیں فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب سے متعلق ہوگیا، مولانا مرحوم نے فراغت کے بعد شعبہ طب میں داخلہ لے لیا تھا مگر حسن اتفاق کہ جس گھنٹہ میں حضرت فخر المحدثین بخاری کا درس دیتے وہ گھنٹہ آپکا خالی تھا موقع غنیمت سمجھا اور بخاری کے سبق میں پابندی کے ساتھ حاضری دی اور علمی جواہر پاروں سے دامن بھرلیا، یہ تھا شوقِ علم کہ ضابطہ میں فارغ ہونے کے باوجود خالی وقت کو ضائع کرنا پسند نہیں کیا بلکہ تحصیل علم میں لگا دیا، دیوبند میں جن اساتذہ سے آپ نے اکتساب فیض کیا اور جن کے علوم سے بہرہ اندوز ہوئے، ان میں سے ہر ایک علوم ومعارف کا بحر ذخار، تقوی کا پہاڑ، زہد کا مجسمہ، علم وعمل کا سنگم اور معرفت واحسان کا منارہ تھا۔

مشتے نمونہ از خروارے چند نام درج ذیل ہیں

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت فخر المحدثین مولانا فخر الدین صاحب، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب ناظم تعلیمات، حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً۔ اور قاری جلیل احمد صاحب، قاری احمد میاں صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ جن سے علم تجوید حاصل کیا۔

جیسے آپ کو اساتذہ ملے ویسے ممتاز آپ کو ساتھی ملے جیسے مولانا خورشید عالم صاحب استاذ حدیث وقف دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا ریاست علی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا حسیب احمد صدیقی منیجر مسلم فنڈ دیوبند، حضرت مولانا عبدالغفور صاحب استاذ مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، حضرت مولانا کاشف الہاشمی صاحب راجو پور صاحب تفسیر ہدایت القرآن، حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بانی ومہتمم جامعہ عبداللہ بن مسعود ٹانڈہ بادلی رام پور، حضرت مولانا اشرف علی صاحب بانی ومہتمم مدرسہ درسگاہ عالیہ شریف نگر مرادآباد، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب تیلی پورہ رام نگر، ان میں سے مؤخر الذکر رحلت فرماگئے، بعض دورہ کے

ساتھی رہے، بعض ابتدائی و درجہ متوسطہ کی کتابوں میں شریک درس رہے، مذکورہ تمام ساتھی علوم دینیہ کی اشاعت وترویج میں مشغول ہیں اور قوم وملت کی آبیاری میں ہمہ تن مصروف، اللہ ان حضرات کا سایہ دراز فرمائے۔

دورِ تدریس

جب دیوبند سے فارغ ہوکر اپنے وطن آئے تو افادہ وتدریس کے لئے اپنے مادر علمی مدرسہ اشرف العلوم ڈونک پوری ٹانڈہ کو منتخب فرمایا، آپ کے آنے سے مدرسہ میں چار چاند لگ گئے، مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نائب مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد، مولانا نجم الحق صاحب دارالعلوم مالکیہ رام نگر، حاجی محمد حنیف صاحب نگلیا عاقل، قاری علی احمد بانی ومہتمم مدرسہ بحرالعلوم نانکار رانی رام پور، اور قاری حسین صاحب آپ کے اسی مدرسہ کے شاگرد ہیں، یہ ملازمت ایک سال سے زائد نہ رہ سکی پھر آپنے خدمت خلق اور ذریعہ معاش کے طور پر طبابت اختیار کی اپنے گاؤں ہی میں مطب تھا مگر بعض عوارض اور مخالفتوں کی بنا پر والد صاحب نے دوکان بند کرنے کا مشورہ دیا، والد کے حکم کی تعمیل کی اور مطب ختم کردیا اور اپنے آبائی وقدیمی وطن کو چھوڑ کر ۱۹۶۰ء میں گجرات کا رخ کیا گٹھامن ضلع پالن پور پہنچے، مدرسہ اسلامیہ میں پڑھانا شروع کیا، قیام حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کے مکان پر رکھا، آپ دبلے پتلے تھے مگر وہاں کی آب وہوا نے فربہ اور صحت مند بنادیا آپ نے وہاں رہ کر گلستاں، بوستاں، نورالانوار، مختصر المعانی، قطبی وغیرہ درجہ چہارم وپنجم کی کتب دلچسپی اور محنت سے پڑھائیں، تقریباً سات سال گٹھامن میں رہ کر تشنگان علوم نبوت کو سیراب کیا آپ کے شاگردوں کی خاصی تعداد وہاں موجود ہے جن کا تذکرہ مرحوم اپنی مجلسوں میں کرتے تھے گٹھامن چھوڑ کر آپ شہر پالنپور آگئے تھے، مگر وہاں کی آب وہوا راس نہ آئی اس لئے واپس گھر چلے آئے اور آبائی پیشہ یعنی کاشتکاری میں لگ گئے، کاشت کاری انتہائی ہنرمندی اور تندہی کے ساتھ کی جس کی وجہ سے آپ ایک اچھے کاشت کار بن گئے اور مزید زمین خرید کر کاشت میں اضافہ بھی کرلیا، آپ کی محنت وجفاکشی پر لوگ رشک کرنے لگے اور

اس میدان میں تقابل کی کوشش کرنے لگے، مولانا نے اپنی زندگی کا دس بارہ سالہ طویل عرصہ کسانی میں صرف کیا، اتفاقاً ایک دن آپ کے مخلص کرم فرما اور دیرینہ رفیق جناب مولانا کاشف الہاشمی صاحب آپ کے گھر آ گئے دیکھا کہ آپ مکمل کاشت کار بنے ہوئے ہیں، کہنے لگے بھائی شفیع! آپ نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ اور آپ اپنی ٹھوس صلاحیت علمی لیاقت کو کہاں زمین میں دفن کر رہے ہیں؟ اور اپنے آپ کو خاک میں ملا رہے ہیں، اس کام کے لئے مزارع اور بٹائی دار بہت دستیاب ہیں، مگر لوگوں کو سیراب کرنے والے اُن کی علمی تشنگی بجھانے والے اور دین کی اشاعت کا جذبہ رکھنے والے افراد کمیاب ہیں، لہٰذا آپ ان جھمیلوں کو چھوڑ کر اپنی اصلی و پرانی لائن اختیار کیجئے، بات سمجھ میں آ گئی اور اسی وقت آپ نے پختہ عہد کر لیا کہ اب کسی مدرسہ میں پڑھاؤں گا، جلد ہی آپ نے اپنے وطن ہی میں ''مدرسہ کاشف العلوم'' قائم کیا اور پڑھانا شروع کر دیا، آپ کے بھانجے مولانا شاہد نور صاحب بن حاجی غلام رسول نے وہیں تعلیم حاصل کی، چند ماہ آپ نے مدرسہ ممتاز العلوم سلیم پور میں پڑھایا، پھر جامع العلوم رام نگر منڈی کے ذمہ دران نے آپ کو صدر مدرس اور امام موتی مسجد بنا کر رام نگر بلا لیا، آپنے وہاں پہنچ کر مدرسہ کی تقدیر بدل دی جو مدرسہ پرائمری، ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم تک محدود تھا، آپ کی کوششوں سے اس میں فارسی، عربی کی تعلیم شروع ہوگئی، انہیں دنوں راقم الحروف کے گھر پہنچے اور والد محترم کو دادا کی وصیت یاد دلائی کہ ماموں جان (میرے دادا حاجی وحافظ عبدالرزاق مرحوم مولانا کے ماموں ہوتے تھے) نے مجھے منجملہ وصیتوں کے ایک وصیت کی تھی کہ ہمارے گھر میں ایک مولوی ضرور بنا دینا ورنہ روز قیامت دامن گیر ہوں گا، میرا تجھ پر حق ہے اس کو ضرور ادا کرنا، والد صاحب سے میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ اس کو میرے حوالہ کر دو، میں اس کو مولوی بناؤں گا، والد صاحب نے بہت ہی کم عمری اور صغر سنی میں مجھ کو مولانا کے سپرد کر دیا، میں رام نگر چلا آیا، مگر من پسند کھانا نہ ملنے کی وجہ سے طبیعت اچاٹ ہوگئی، جی گھبرانے لگا، کبھی کواڑ کے پیچھے چھپ کر اور کبھی تنہائیوں بیٹھ کر آنسو بہاتا اور دل کو تسلی دیتا اور خود کو تھامتا، مولانا مرحوم نے جب

میری بے کلی اور بے چینی کو محسوس کیا تو مولانا نے میرے لئے ماں کا کردار ادا کیا اور باپ کا بھی، بہلا پھسلا کر طبیعت کو لگایا، جس کے نتیجہ یہ ہوا کہ میں ہشاش وبشاس رہنے لگا۔ دوران تعلیم ایک مرتبہ میں گھر آیا، شیطان نے ورغلایا اور گھر رک گیا، اگلے ہفتہ مولانا مرحوم میرے گھر آئے سینہ سے لگایا اور ہمراہ لے کر رام نگر چلے گئے، اُن کی بے پناہ محبت کا ثمرہ اور ان کی خدمت وکفش برادری کا صدقہ ہے کہ مجھ جیسا ظلوم وجہول، آوارہ ونا کارہ کو بھی مدرسہ شاہی میں تدریس کا موقع میسر آیا، اور علوم دینیہ اور معارف قرآنیہ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی، وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم۔ جامع العلوم کے شاگردوں میں مولانا افتخار احمد صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، مختلف مدارس میں تعلیم دی، اس وقت کسی اسکول میں ملازم ہیں، مولوی جلیس احمد صاحب رام نگر جو مختلف مدارس کا ذائقہ لینے کے بعد اس وقت گم نامی کی زندگی گذار رہے ہیں، اسی طرح ایک شاگرد مفتی مظفر حسین رام نگری ہیں، بڑی منت سماجت کر کے ان کے والد سے مولانا نے ان کو مانگا تھا، اور ان کو بیٹے کی طرح عزیز رکھا تھا، آج کل مدرسہ فیض النبی ٹانڈہ بادلی میں مدرسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ایک شاگرد مولوی حفظ الرحمٰن صاحب رام نگری اور مولوی شاہد الرحمٰن ہیں جو مدرسہ شاہی کے فاضل ہیں، جو مختلف مدارسوں میں رہ کر آج کل ٹانڈہ حرمت نگر میں مدرسی کر رہے ہیں۔ ایک شاگرد مولوی محمد حنیف ہیں جو فاضل دیوبند ہیں، آج کل مدرسہ شف العلوم دونک پوری ٹانڈہ میں نظامت کے عہدہ پر مامور ہیں۔ مولانا مرحوم ڈیڑھ دو سال رام نگر میں رہے، پھر اپنے گھر چلے آئے، کچھ دنوں اپنے گاؤں کے مدرسہ میں حسبۃً للہ پڑھایا، پھر کاشی پور میں ملازمت اختیار کی، میں مولانا کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہا، میں نے مدارس سے زیادہ مولانا کو ترجیح دی، اسی وجہ سے جہاں مولانا جاتے رہے، میں بھی اُن کے ساتھ وابستہ رہا اور علم حاصل کرتا رہا، شمس العلوم بھی ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا، مولانا کے پہنچنے سے مدرسہ میں عربی چہارم تک کی تعلیم ہونے لگی، دارالعلوم دیوبند سے ربط مضبوط ہوا، حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، حضرت مولانا

ریاست علی صاحب مدظلہما جیسے اساتذہ دیوبند امتحان میں تشریف لائے؛ بلکہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب کو اہل مدرسہ نے مشیر خاص اور مدرسہ کا سرپرست بنالیا، مولانا مرحوم بعض وجوہ کی بنا پر مدرسہ شمس العلوم سے مستعفی ہوکر گھر چلے آئے اور اپنے وطن دونک پوری ٹانڈہ میں ایک سال مدرسی کی، یہاں کے شاگردوں میں مولانا شمس الدین احمد صاحب فاضل دیوبند ہیں اور آپ کے داماد ہیں، مدرسہ اشرف المدارس میں مدرس ہیں اور دوسرے شاگرد مولانا زاہد نور صاحب قاسمی ہیں جو آپ کے بھانجے ہوتے ہیں، آج کل مدرسہ فیض ہدایت محلّہ کلکتہ رام پور کے منتظم ہیں، تیسرے شاگرد مولانا سلمان صاحب ہیں جو آپ کی بیوی کے بھانجہ ہوتے ہیں، آج کل دہلی میں اپنے کاروبار میں مشغول ہیں، دونک پوری ٹانڈہ کے بعد مولانا مرحوم نے مدرسہ شمس العلوم کاشی پور میں چودہ پندرہ سال مدرسی کے ساتھ ساتھ نظامت کی، بہت سے طلبہ نے آپ سے پڑھا مولانا عبدالوحید، مولانا قمرالدین، مولانا عتیق احمد، مولانا اسلام، مولانا انوار ساکناں ڈونک پوری ٹانڈہ آپ کے شاگرد ہیں، پھر رام پور شہر کی مشہور ومعروف دینی درس گاہ فیض العلوم تھانہ ٹین رام پور میں تقریباً دو ماہ مدرسی کے ساتھ ساتھ انتظامی امور کی نگرانی کی، یہاں کے بعد کچھ دنوں گھر خالی رہے پھر جامعہ الصالحات رام پور جو لڑکیوں کے لئے اسلامی ودینی تعلیم کا مرکز ہے وہاں سترہ اٹھارہ سال مدرس رہے، علم الفقہ، علم الحدیث، علم التفسیر اور دیگر فنون پڑھاتے رہے، جامعہ الصالحات ایک مخصوص مکتب فکر کا ادارہ ہے، مگر مولانا نے اپنی فکر اپنا نظریہ، اپنا مسلک ومشرب نہ صرف باقی رکھا؛ بلکہ احباب ومتعلقین اور تلمیذات میں اس کی اشاعت فرماتے رہے، مرحوم کے انتقال سے جامعہ الصالحات میں ایک خلا پیدا ہوگیا جس کا جامعہ کے در و بام کو زبردست احساس ہے۔

حادثہ فاجعہ

مولانا مرحوم کی زندگی میں چھوٹے موٹے حوادث آتے رہے، مگر ۲۶ رشعبان ۱۴۲۱ھ کو آپ کی رفیقۂ حیات کی وفات کا جو حادثہ پیش آیا اس سے مولانا کی زندگی میں اضطراب پیدا ہو

گیا تھا، دل دماغ متاثر ہو گئے طبیعت منفعل ہوگئی تھی جب مرحومہ کی یادوں کا سیلاب آتا تو ظاہر کے پرسکون رہنے کے باوجود باطن متلاطم ہو جاتا اور بے تابی میں اضافہ ہو جاتا، مرحومہ انتہائی دیندار صوم وصلاۃ کی پابند، مزاج شناش، اطاعت گزار، فرمانبردار، خدمت گار، وفا شعار، بے حد صابر وشاکر، قناعت پسند، مہمان نواز، مرنجان مرنج، منتظم مزاج خاتون تھیں، ان کے انتقال سے مولانا کی زندگی بے کیف ہوگی تھی، تنہائی اور خلوت کو ترجیح دینے لگے تھے۔

مولانا باہمت آدمی تھے، مگر آخر عمر میں مقدمہ بازی جو آپ کی جان کے ساتھ بادل ناخواستہ لگ گئی تھی اس کی وجہ سے ذھنی طور پر بہت پریشان رہتے، دفاعی کارروائیاں بھی کرتے اور بار بار خواہش کا اظہار کرتے، لوگوں سے کہتے کہ کسی طرح اس جھنجال سے نجات دلایئے اور مقدمہ بازی ختم کرایئے، لوگوں نے بیچ میں پڑ کر حل کرانا بھی چاہا مگر کوشش ناکام رہی، اور اس حسرت کو لے کر دار فانی سے مؤرخہ ۵ر شوال ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۲۰۰۶ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے تین بجے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ **طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ.**

علالت

مولانا مدت سے گردہ میں پتھری کے مریض تھے، آپریشن سے بچنا چاہتے تھے، کبھی یونانی کبھی ہومیوپتھک اور کبھی ایلوپیتھک علاج کرتے رہے، ڈاکٹروں کے علاج سے تنگ آجاتے، حکیموں کے پاس پہونچ جاتے حکیموں کے علاج سے افاقہ نہ ہوتا تو ہومیوپیتھوں سے علاج شروع کر دیتے وقتی افاقہ ہوا دائمی ازالہ نہ ہوا، عارضی سکون ملا مگر مکمل قرار اسی وقت ملا جب روضۃ من ریاض الجنۃ میں اقامت گزین ہوئے اور نفس مطمئنہ اپنے مستقر اصلی یعنی اعلی علین میں اپنے رب حقیقی سے جاملا، رمضان المبارک کے اواخر میں مولانا کی علالت کی اطلاع ملی تو راقم الحروف حافظ محمد شاہد صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر جامعہ الصالحات رام پور پہنچا، ہم لوگ جامعہ کے صدر دروازہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مولانا کرسی پر بیٹھے دھوپ کھا رہے ہیں، سلام مصافحہ ہوا اور کمرہ کی طرف چل دیئے اور اپنی بیماری، کمزوری کا تذکرہ فرماتے رہے کمرہ پہونچتے

ہی مرحوم بستر پر دراز ہوئے، مولانا مجھ کو اپنے گھر کا اہم فرد مانتے تھے اور بیٹے جیسی حیثیت دیتے تھے؛ بلکہ بعض امور میں بیٹوں پر فوقیت دیتے تھے اور اپنی ہر خوشی وغم میں ضرور شریک کرتے اور مجھ جیسے کم مایہ و بے بضاعت طالب علم پر ناز کرتے، اسی قدیم اور دیرینہ تعلق کی بنا پر پاؤں دبانے کو کہا، میں اس حکم کو اپنے لئے سعادت سمجھ کر پاؤں دبانے میں مصروف ہو گیا میرے رفیق سفر مطالعہ میں مشغول ہو گئے جانبین سے گفتگو ہوتی رہی اسی دوران آپ کے پڑوسی حاجی عبدالرحیم صاحب دوکان دار آگئے اور کچھ معاملہ داری کی بات چیت ان سے ہوئی پھر مایوس کن انداز میں کہنے لگے کہ ''بچوں کا نہیں میرا وقت پورا ہو گیا ہے'' میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا: حضرت بخار کی وجہ سے کمزوری ہے یونانی دوا کے بجائے آپ ایک دو دن ڈاکٹر کی دوا لے لیجئے بخار ٹھیک ہو جائے گا اور کھائیں پئیں گے کمزوری ختم ہو جائے گی اور کچھ دنوں آپ چھٹی لے کر گھر تشریف لے جایئے آرام مل جائے گا اور حسب منشاء غذا مل جائے گی، فرمانے لگے: کل جاؤں گا، مگر قدرت کا فیصلہ کہ طبیعت مزید خراب ہوگئی داخل اسپتال کرنا پڑا، بخار تو اتر گیا مگر مثانہ کے غدود بڑھ جانے کی وجہ سے پیشاب بند ہو گیا، ڈاکٹر نے آپریشن کا مشورہ دیا اور مرادآباد کو ریفر کر دیا، آپ کے سمدھی حضرت مولانا ڈاکٹر اکرام علی صاحب جنہوں نے خدمت کا پورا حق ادا کر دیا اور بھرپور تیمارداری کی آپ کو لے کر مرادآباد پہنچے جناب مکرم صدیقی صاحب جو جامعۃ الصالحات کے اہم ذمہ داروں میں ہیں اور سوشل ورکر ہیں وہ لائق تشکر ہیں کہ انہوں نے بڑی دلچسپی لی اور اپنی گاڑی اور ڈرائیور حوالہ کر دیا اور ہر ممکن خدمت کی، مرادآباد کے ڈاکٹر نے پیشاب خارج کرنے کے لئے نلکی ڈال دی اور کہہ دیا اب آپ ان کو لے جایئے، کل کو عید ہے عید بعد لے آیئے گا، آپریشن ہو جائے گا، جب عید گذری اور مرادآباد پہنچے، تو مولانا کی حالت دیکھ کر ڈاکٹر نے فیصلہ بدل دیا اور گھر واپس لے جانے کا مشورہ دے دیا، اس مشورہ کی قدر کرتے ہوئے مولانا کو بحالت بے ہوشی و نیم جان لے کر جامعۃ الصالحات رامپور پہنچے، وہاں کے احباب و متعلقین اور متعلقات نے آخری دیدار کیا، اور اسی دن شام کو گھر لے گئے اگلے دن

بروز ہفتہ بندہ کو اطلاع ملی کہ مولانا کی طبیعت زیادہ ناساز ہے، میں مرادآباد سے فوراً حافظ بدر اشفاق صاحب اُستاذ جامع الہدیٰ مرادآباد کے ہمراہ بغرض زیارت وعیادت روانہ ہوگیا، ابھی دونکپوری ٹانڈہ پہنچنے میں تین چار کلومیٹر کی مسافت تھی، فون پر اطلاع ملی کہ مولانا کا طائر روح قفس سے پرواز کر گیا ہے زباں پر انا للہ وانا الیہ راجعون تھا اور ذہن میں یہ شعر:

قسمت کی بات دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

انتقال کی خبر قرب وجوار میں بہت تیزی سے پھیل گئی لوگ مرادآباد رامپور، ٹانڈہ بادلی اور دیگر مقامات سے جوق در جوق شوق در شوق آنے لگے، علماء صلحاء کا تانتا بندھ گیا، عوام وخواص اور رفقاء کا ایک جم غفیر اکٹھا ہوگیا، عشاء کی نماز پڑھ کر تقریباً سوا آٹھ بجے جنازہ اٹھایا گیا اور ہزاروں قدوسیوں کی جلو میں قبرستان لے جایا گیا مجمع کی کثرت کی وجہ سے آنیوالوں کا تسلسل بہت دیر قائم رہا جس کی وجہ سے صف بندی اور نماز شروع کرنے میں تاخیر ہوگئی، بڑے صاحبزادہ جناب مولوی قمرالدین صاحب نے نماز جنازہ ادا کرائی اور جسد خاکی کو نیک وصالح اور زیور علم وتقویٰ سے مزین ہاتھوں نے آہستہ آہستہ عزت واحترام کے ساتھ چار پائی سے اتارا اور کروٹ دیکر ابدی نیند سلا دیا اب زمین تا قیامت محافظ امین رہے گی، کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو
یہ گنجینۂ علوم ہے گنج زر نہیں

پسماندگان

مولانا نے تین لڑکے مولانا قمرالدین مولانا شرف الدین اور شہاب الدین اور تینوں بیٹے اپنے پیروں پر کھڑے ہیں اول الذکر دونوں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہیں اور مولانا قمرالدین اشرف المکاتب میں مدرس ہیں سائڈ میں بزنس اور کاشت کاری کرتے ہیں اور مولوی شرف الدین کیرالہ میں دارالعلوم دیوبند کے لئے سفارت کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تجارت

بھی ہے موخر الذکر تجارت اور کاشت کاری ہی کرتے ہیں، اور تین لڑکیاں چھوڑیں سب کو مولانا نے پڑھایا اور سب کے لئے مناسب رشتے تلاش کر کے شادیاں کردیں۔ بڑے داماد مولوی شمس الدین صاحب، منجھلے داماد حافظ فخر الدین صاحب، چھوٹے داماد عاقل صاحب ہیں۔

کمالات

مرحوم کو اللہ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا من جملہ خوبیوں کے ایک خوبی یہ تھی کہ جس موقف کو حق سمجھتے اس کو برملا کہتے، کسی ملامت گر کی ملامت کی ذرا فکر نہ کرتے، مصلحت آمیزی اور چشم پوشی کو نا قابل معافی جرم سمجھتے، نہی عن المنکر کا وصف ان کے مزاج میں غالب تھا، وہ غلط کام پر بے تکلف ٹوک دیتے اسی بنا پر بعض اوقات ان کے قریبی لوگوں بھی دور ہو جاتے مگر مولانا اپنے جذبہ صادق کی وجہ سے لوگوں کی ناراضگی کا احساس نہ فرماتے جو کہنا ہوتا منہ پر کہد یتے۔

مولانا مرحوم کی ایک خوبی اور تھی جو اس زمانہ میں عنقاء نظر آتی ہے ہمہ وقت یہ سوچ کہ لوگوں میں زیادہ سے علماء تیار ہوں جو قوم کی باگ ڈور سنبھال سکیں اور علم کی روشنی پہونچے، اس کے لئے ہمیشہ فکر مندرہے کوشش فرماتے لوگوں سے ان کی اولاد کے بارے میں گفتگو فرماتے کہ اپنے لڑکے کو قرآن وحدیث کا علم سیکھنے میرے ساتھ بھیج دو بہلا پھسلا کر سرپرستوں سے ان کی اولاد کو حاصل کر لیتے ان کو دینی تعلیم کے لئے اس مدرسہ میں داخل کر لیتے جس میں پڑھاتے ہوتے، چنانچہ مولانا کے ذریعہ طلبہ کی خاصی تعداد اس مدرسہ میں پہونچ جاتی پھر اس پر مستزاد کہ ان بچوں کو جمانے کی جدوجہد کرتے کہ یہ بھاگنے نہ پائیں اسی باعث ان سے کچھ بے تکلفی فرتے، ان کو اپنے قریب رکھتے، انہیں وقتاً فوقتاً معمولی معمولی کام سپرد فرما دیتے اور جب اپنے مدرسہ کی تعلیم مکمل کر لیتے تو بڑے مدارس دارالعلوم دیو بند، مظاہر علوم، مدرسہ شاہی، جیسے عظیم اداروں میں ان کے داخلہ کے لئے ذرائع استعمال فرماتے اور کافی حد تک کامیاب ہو جاتے بالخصوص دارالعلوم دیو بند میں داخلہ کے لئے طلبہ کی ذہن سازی کرتے اور اس کے نصاب کے مطابق اپنا

نصاب رکھتے اور دیو بند کے اکابر کے محاسن و کمالات سے طلبہ کو آشنا کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے شاگردوں کی ایک متعدد تعداد دیو بند سے فارغ ہوئی اور فراغت کے بعد مختلف مکاتب و مدارس میں اپنی اپنی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق اشاعت علم کا فریضہ انجام دے رہی ہے اور تشنگان علوم نبوت کی پیاس بجھا رہے ہیں اس کا ثواب مرحوم کو قیامت تک ملتا رہے گا۔

''آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے''

اسی طرح مولانا مرحوم کی ایک اچھی صفت یہ تھی جو عوام تو درکنار خواص میں بھی کمیاب ہے، نیک اور دیندار گھرانوں میں بھی اس جوہر کا تقریباً فقدان ہے مولانا کے گھر میں شرعی پردہ کا بہت اہتمام تھا، میں نے بچشم خود دیکھا کہ غیر محرم قریبی رشتہ دار مولانا کے گھر میں بے حجاب نہیں داخل ہو سکتے تھے، میرا بچپن تھا میں اندر گھر میں بے تکلف آتا جاتا تھا جب میں نے بلوغ کی دہلیز پر قدم رکھا تو مجھ سے پردہ ہونے لگا، میں نے اس بات کو محسوس کیا تو میں خود ہی احتیاط برتنے لگا جب کہ خود مولانا مجھے اپنے بیٹوں پر فوقیت دیتے تھے اور رشتہ میں چچا ہوتے تھے اور مجھ سے بے پناہ محبت فرماتے بایں ہمہ شریعت کا دامن چھوڑنا گوارا نہ ہوا اللہ کیا شریعت کا پاس لحاظ تھا؟

شبِ قدر

شب قدر کی بیش بہا نعمت جس کو میسر آجائے وہ بڑا خوش نصیب اور سعادت مند انسان ہے ہم جیسے کور چشم اور کور باطن مدتوں سے شب قدر کی آس لگائے بیٹھے ہیں، لیکن مرحوم ان روشن ضمیروں میں ہیں جنہیں اللہ نے شب قدر عطا فرمائی اور کئی بار عطا فرمائی، ایک بار یہ سعادت عظمی دیو بند کی طالب علمی کے دور میں جب کہ رات میں جاگے ہوئے تھے، انتہائی تاریک رات تھی اچانک تیز روشنی ہوگئی، قرب و جوار کی تمام اشیا منور ہوگئی اور اتنی روشنی ہوئی کہ چیونٹوں کے اپنے بلوں میں آمد و رفت بھی نظر آنے لگی مولانا کاشف الہاشمی رفیق کمرہ تھے ان کو اٹھایا کہ بھائی کاشف: آج شب قدر ہے، مانگ لیجئے جو مانگنا ہے اور خود بھی محو دعاء ہو گئے فرماتے تھے کہ میں نے تین دعائیں مانگیں تھیں:

(۱) میری اولاد عالم بنے:- الحمد للہ دولڑکے دیوبند سے فاضل ہوئے، ایک نیم عالم ہوئے جن کو بیماری کے باعث تعلیم بیچ میں منقطع کرنا پڑی۔

(۲) گھر میں ہمیشہ دودھ دینے والا جانور رہے:- بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے گھر ایک دو جانور دودھ کے رہے اور کبھی دودھ گھر میں نہیں ٹوٹا۔

(۳) میری مغفرت فرما:- اس دعا کا تعلق اگر چہ عالم غیب سے ہے؛ تاہم امید قوی ہے کہ یہ دعاء بھی ضرور قبول ہوئی ہوگی؛ کیونکہ مولانا کی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم وتعلم درس وتدریس میں صرف ہوا **"من یرد اللّٰہ به خیرا یفقهه في الدین"**.

اورالحمدللہ اسی حیات مستعار میں ایک مسجد بھی اپنی زمین میں تعمیر کی **"من بنی للّٰہ مسجدًا بنی اللّٰہ له بیتًا في الجنة"** اورارادہ تھا کہ اپنی اس مسجد کوبستی کی جامع مسجد بنائیں مگر زندگی نے وفانہ کی۔

اسی طرح ایک مرتبہ شبِ قدر اس وقت میسر آئی جب کہ آپ کی رفیقۂ حیات کا انتقال ہوئے چند ہی ایام ہوئے تھے، رات کو ۱۱-۱۲ ربجے کا ٹائم تھا، ماحول میں سناٹا تھا، تاریکی چھائی ہوئی تھی، اچانک تاریکی ختم ہوئی، روشنی پھیل گئی جیسے کسی نے فضاء میں نور کی چادر پھیلا دی ہو، صبح ہوئی تو اپنے منجھلے صاحبزادہ مولوی شرف الدین صاحب سے کہا کہ آج کی رات شبِ قدر تھی، مجھے محسوس ہوا کہ تمہاری والدہ کی مغفرت ہوگئی۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا سید محمد قاسم صاحب امروہویؒ

گذشتہ ۱۷/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۶/اپریل ۲۰۰۷ء بروز جمعہ کو جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے مہتمم حضرت مولانا سید محمد قاسم صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف امروہہ کے ایک علمی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا حافظ سید زاہد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی متوسلین میں سے تھے، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ''صاحبِ معارفِ مدنیہ'' کے آپ بھتیجے اور حضرت مولانا سید حامد حسن صاحب امروہویؒ سابق مہتمم مدرسہ جامع مسجد کے آپ صاحب زادے تھے، اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا، طبعی شرافت، رواداری، معاملہ فہمی اور حسن انتظام میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، آپ کے دور میں مدرسہ نے تعمیری اور تعلیمی اعتبار سے بہت ترقی کی، اور آپ نے مدرسہ کے وقار میں چار چاند لگانے کی ہر ممکن کوشش کی، اہتمام کے ساتھ آپ امروہہ میں امام شہر کے منصب پر بھی فائز تھے، اور آپ نے اپنے حسنِ اخلاق سے نہ صرف عوام وخواص؛ بلکہ انتظامیہ کے افسران کے دلوں میں بھی اپنی وقعت قائم کرادی تھی۔ آپ کی زندگی کا اکثر حصہ قوم وملت کی خدمت میں ہی گذرتا تھا، ان ذمہ داریوں کے ساتھ اخیر تک آپ نے تدریسی سلسلہ بھی بحسن وخوبی جاری رکھا، جو آپ کی علمی قابلیت اور اس سے شغف کی دلیل ہے۔

عرصہ سے آپ قلب کے مریض تھے، اور ڈاکٹری رپورٹوں کے اعتبار سے بہت نازک حالات سے گذر رہے تھے، اسی درمیان پتہ میں پتھری کی بھی تشخیص ہوئی، اور ڈاکٹروں نے

فوری طور پر آپریشن کا مشورہ دیا، لیکن آپ کی روزمرہ کی مصروفیات اور ہمہ وقت کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا، حتی کہ وفات سے ایک روز قبل مرادآباد بھی تشریف لائے، اور خاصا وقت مدرسہ شاہی دارالطلبہ میں اساتذہ کے ساتھ گزارا۔ وفات کے دن جمعہ کی نماز جامع مسجد کے صحن میں ادا کی (جہاں آپ کی توجہ سے حال ہی میں سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا ہے) نماز کے بعد حسبِ معمول شہر کے معزز حضرات کے ساتھ دفتر میں بیٹھ کر گفتگو کی، اور یہاں سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے، جہاں کچھ ہی دیر کے بعد طبعیت بگڑی، اور دیکھتے ہی دیکھتے ذکر کرتے ہوئے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگلے روز صبح دس بجے ہزارہا ہزار افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، پوری جامع مسجد اندر باہر نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، نماز جنازہ آپ کے بڑے بھائی پروفیسر سید طارق حسن صاحب نے پڑھائی، پھر آپ کو آبائی قبرستان میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب اور راقم الحروف نے متعدد اساتذہ کے ساتھ نماز جنازہ میں شرکت کی، اور اہل خانہ سے تعزیت پیش کی۔ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ مرحوم کی جگہ ان کے برادر اکبر پروفیسر سید طارق حسن صاحب کو مہتمم بنایا گیا ہے، امید ہے کہ موصوف اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھانے کی کوشش کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کا حامی ومددگار رہو، آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا صفات اللہ صاحب مئو

مشرقی یوپی کے معروف بزرگ حضرت مولانا محمد صفات اللہ صاحب طویل علالت کے بعد گذشتہ ۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴؍مئی ۲۰۰۷ء بروز جمعرات کو اپنے وطن مالوف ''مئو'' میں انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نئی عیدگاہ کے میدان میں آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا مفتی سعید الحق صاحب کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، عوام وخواص کا جم غفیر جنازہ میں حاضر تھا۔

موصوف حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور خلیفہ اجل تھے، ۱۳۳۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد ایک عرصہ تک مئو کی قدیم اسلامی درس گاہ ''دارالعلوم مئو'' میں تعلیمی وتدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دیں۔ دارالعلوم مئو سے تعلق کے انقطاع کے بعد کچھ عرصہ تجارتی مشاغل میں منہمک رہے، پھر ۱۹۷۷ء میں مدنی دارالقرآن کے نام سے خود ایک مدرسہ قائم کیا، اور تادم وفات اسی سے وابستہ رہے، آپ کو جمعیۃ علماء ہند اور اس کی تحریکات سے بڑی دل چسپی تھی اور اس میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں آپ نے محدثِ جلیل حضرت امیر الہند مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہٗ کے مشورہ سے مئو میں محکمہ شرعیہ قائم کیا، اور تاحیات بحیثیت قاضی اس عظیم کام کو انجام دیتے رہے۔

آپ نہایت وضع دار، عاقبت اندیش اور پرعزم شخصیت کے مالک تھے، جرأت وحمیت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جس بات کو حق سمجھتے اس میں کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے۔

جمعیۃ علماء ہند، دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ساتھ مدرسہ شاہی مرادآباد سے بھی مولانا

موصوف کو بہت انسیت تھی، سابق مہتمم حضرت مولانا رشید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بے تکلفانہ تعلقات تھے، مرادآباد تشریف لاتے، تو کئی کئی روز مدرسہ کے مہمان خانہ میں قیام فرماتے۔ موصوف کئی سال سے علیل تھے، زیادہ تر غشی کی کیفیت رہتی تھی، چند ماہ قبل مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مئو کے علاقہ میں تشریف لے گئے تو موصوف کے دولت خانہ پر جا کر عیادت کی، اس وقت بھی حالت تشویش ناک تھی، تا آں کہ وقت موعود آ پہنچا اور بے قرار روح اپنے خالق سے جا ملی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

ادارہ ندائے شاہی موصوف کے سبھی پسماندگان بالخصوص حضرت مولانا سعید الحق صاحب کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا محمد ناصر صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد ناصر صاحب گذشتہ ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق یکم جون ۲۰۰۷ء بروز جمعہ کو ایک حادثہ کی وجہ سے مختصر علالت کے بعد اچانک وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف انتہائی بے نفس، سادہ دل اور کریم النفس عالم دین تھے، پوری زندگی یکسوئی، گوشہ پسندی اور دنیاوی تکلفات وتصنعات سے دور رہ کر گزاری اور اخیر تک تعلیمی وتدریسی مشاغل میں پابندی وقت کے ساتھ منہمک اور مشغول رہے، تواضع، کسرنفسی اور فنائیت آپ کا خصوصی امتیاز تھا۔ وفات سے ایک روز قبل فجر کی نماز کے بعد اپنے دولت خانہ سے حسب معمول چہل قدمی کے لئے باہر نکلے، تو کسی نامعلوم تیز رفتار سواری کے چپیٹ میں آکر آپ کے سر میں چوٹ لگی جو بالآخر وفات کا سبب بن گئی، علاج کے طور پر دماغ کا آپریشن بھی کیا گیا لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکا، اور اگلے دن جمعہ کے روز اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔

آپ کا علمی فیض ندوۃ العلماء کے مسند حدیث کے توسط سے چہار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے، جو آپ کے لئے بڑا صدقہ جاریہ ہے، یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آخرت میں آپ کے درجات بلند فرمائیں گے اور جنت الفردوس سے سرفراز فرمائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۷ء)

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب ڈھکیویؒ

جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے قدیم ترین استاذ اور بزرگ بافیض عالم دین حضرت الاستاذ مولانا منظور احمد صاحب ڈھکیوی رحمۃ اللہ علیہ طویل علالت اور ضعف کے بعد مؤرخہ ٦ رشعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰ راگست ۲۰۰۷ء کو اپنے وطن مالوف میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت موصوف نہایت مشفق اساتذہ میں سے تھے، آنموصوف کا فیض امروہہ اور اس کے اطراف میں گاؤں گاؤں پھیلا ہوا ہے، آپ کے بے شمار شاگرد جابجا دینی خدمات میں مشغول ہیں، موصوف بہت ہی سادہ اور متواضع بزرگ تھے، ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے بے مثال ذہانت اور معاملہ فہمی کی صفت سے نوازا تھا، حاضر جوابی پر حاضرین عش عش کر اٹھتے تھے، عرصہ سے صاحب فراش تھے لیکن وفات سے چار روز قبل ایک دینی جلسہ میں شرکت کے لیے چار پائی پر لیٹے لیٹے امروہہ تشریف لے گئے، حسن اتفاق کہ راقم الحروف مرتب بھی اس دن ایک جلسہ میں شرکت کے لئے امروہہ گیا ہوا تھا، معلوم ہونے پر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضری ہوئی، ملاقات پر انتہائی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا اور دیر تک دعائیں دیتے رہے، احقر حیرت زدہ تھا کہ اس انتہائی ضعف اور نقاہت کے عالم میں آخر آپ نے امروہہ کا سفر کیسے کیا؟ آپ کے سفر وحضر کے حاضر باش حضرت الاستاذ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ آج صبح ہی سے حضرت کو امروہہ آنے کا تقاضہ تھا اس لئے جلسہ والوں نے حضرت کی آمد کا خصوصی انتظام فرمایا، جس جگہ یہ جلسہ منعقد ہو رہا تھا اس مسجد میں آپ نے سالہا سال تک قیام فرمایا ہے، بہر حال حضرت الاستاذ کی جدائی دل پر بہت شاق ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ حضرت کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محبّ الحق صاحب اُستاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

اَمروہہ تحصیل کے مضافات میں ڈھکیہ چمن ایک مشہور ومعروف گاؤں ہے، محل وقوع کے اعتبار سے دہلی مراد آباد ہائی وے پر واقع ہے، یہ قریہ کبھی حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہویؒ کے اجداد کی جاگیر میں رہا ہے۔ اِسی میں بیسوی صدی کے ۱۹۲۱ء میں مولانا منظور احمد صاحب کی ولادت ہوئی، سن شعور کو پہنچے تو کھیاپتی کے پرائمری اسکول میں داخل کرادیا گیا۔ پرائمری اسکول میں درجہ چہارم تک منشی عبدالحمید صاحب اور ماسٹر پیمن سنگھ سے پڑھا، اس زمانہ میں صرف درجہ چہارم ہی ہوا کرتا تھا، اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے، اس کے بعد علومِ مشرقیہ کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا، تو مولانا حکیم مشتاق احمدؒ کے مدرسہ فرقانیہ مراد آباد میں داخلہ لے کر مولانا علی حسین بلال پتیؒ اور مولانا منہاج الحق سنبھلیؒ سے ابتدائی صرف ونحو پڑھی۔ میزان، نحومیر، پنج گنج، شرح مائۃ عامل وغیرہ پڑھ کر مدرسہ قادریہ حسن پور میں (یہاں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مولانا ولی احمد صاحب پشاوریؒ پڑھایا کرتے تھے) داخلہ لیا۔ مدرسہ قادریہ میں ہدایۃ النحو اور کافیہ دوسال میں مکمل کرکے بقیہ علوم کی تحصیل وتکمیل کے لئے جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں اپنی علمی تشنگی کو سیراب کرنے کے لئے داخل ہوئے۔ شرحِ جامی سے لے کر دورۂ حدیث شریف پڑھ کر ۱۳۶۶ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ امروہہ میں جن اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا، اُن میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہویؒ، مولانا سی رضا حسن امروہویؒ، مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہویؒ، مولانا عبدالقدوس صدیقیؒ، مولانا سید اعجاز حسنین امروہویؒ، مولانا انوار الحق عباسی امروہویؒ، مولانا خلیل الرحمٰن مراد آبادیؒ،

مولانا حاجی محمد طاسین پاکستانیؒ، مولانا محمد ابراہیم ترکیؒ تھے، اور قرأت کی مشق قاری عزیز الحق عباسی امروہویؒ سیکی، اور ساتھ ہی فوائد مکیہ، جمال القرآن بھی پڑھی، تجوید کی سند بھی ملی۔

فراغت کے بعد اکابر کی منشاء کے مطابق درس وتدریس کا آغاز جامعہ ہذا سے ہوا، جو آخری وقت تک جاری رہا، ہر چھوٹی بڑی کتابیں زیر درس رہیں۔ بڑی خوش دلی اور پورے انشراح کے ساتھ ہر کتاب کا درس دیا کرتے تھے، کبھی بھی پیشانی پر اس کا اثر نہیں ہوا کہ ابتدائی کتابیں کیوں دی؟ نہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر آیا۔

درس کے وقت نہایت بشاشت رہتی تھی، اللہ اللہ! آپ کے درس کا کیا نقشہ پیش کروں، بس گذشتہ اکابر کا طریقۂ درس تھا، طلبہ پر بڑے شفیق ومہربان، جیسا کہ والدین اپنی اولاد پر ہوتے ہیں۔

میزان سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک کی کتابوں کا درس دیا، خصوصاً شرحِ جامی، ہدایہ اولین، جلالین شریف ثانی، مشکوٰۃ شریف ثانی اور نسائی شریف ہمیشہ زیر درس رہیں۔ صرف ونحو اور فرائض میں تو یکتا تھے، طلبہ کو فرائض سکھانے اور سراجی پڑھانے میں ید طولیٰ حاصل تھا، کافی طلبہ کامیاب ہوئے، جس نے بھی آپ کے طریقہ کو اختیار کیا، وہ کامیاب رہا۔ درس کا سلسلہ مسلسل ۲۶ سال تک جاری رہا۔

جامعہ کی مالیہ فراہمی کے لئے مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں طویل اور کامیاب سفر ہوا کرتا تھا۔

مولاناؒ ایک بزرگ فرشتہ صفت نیک سیرت خصلتوں کے حامل تھے، اللہ نے اُن کی ذاتِ والا صفات کو خوبیوں کا مرقع بنایا تھا، آپ کے اندر بعض ایسی خصوصیات تھیں جو بہت کم پائی جاتی ہیں، مثلاً صبر واستقامت، اخلاص وللّٰہیت، تقویٰ وتقدس کی تصویر تھے، سادگی اور تواضع میں سلف کا نمونہ تھے۔

مولاناؒ کی بڑی خوبی یہ تھی کہ اظہار رائے میں جری تھے، جس کو حق سمجھتے تھے اُس کی

بھرپور حمایت ونصرت کرتے تھے، کبھی بھی رائے دینے میں مرعوب نہیں ہوئے، آپ کی رائے کو ہر بڑا چھوٹا ماننے کو تیار ہوجاتا تھا۔

آپ کی بے نیازی استغنا اور قناعت کے متعلق کیا لکھوں، قلم میں طاقت اور میرے پاس الفاظ نہیں۔ اقبال کے اس شعر کے پورے مصداق تھے:

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

مولاناؒ نماز کے بڑے پابند تھے، عنفوانِ شباب سے لے کر بسترِ مرگ پر بھی نماز قضا نہ ہوئی، اور ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ پر مکمل کاربند تھے۔

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

آپ کے اَوصاف وکمالات ایک ایک یاد آتے ہیں، علمِ دین کی اشاعت، خلقِ خدا کی خدمت، عبادت وریاضت، تقویٰ ودیانت، مہمان نوازی، بڑوں کا اکرام واحترام، خوردوں پر رحمت ورأفت، خوف وخشیت، خلوص وللّٰہیت، متواضعانہ زندگی، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی شخصیت اسلاف کا کامل نمونہ تھی۔

آپ کا رشتہ مناکحت جن سے ہوا وہ ایک عابدہ، زاہدہ عبادت گذار خاتون تھیں، مولانا مقبول حسین اکاویؒ کی صاحب زادی اور مولانا عبدالقادرؒ مونڈھا ائمہ کی نواسی تھیں، مولانا عبدالقادرؒ جس طرح اپنے علاقے میں پہلے عالم تھے، اسی طرح مولاناؒ بھی اپنے گاؤں ڈھکیہ میں پہلے عالم تھے، مولانا عبدالقادرؒ کی وجہ سے علاقے میں شرک وبدعت میں کمی آئی۔ اسی طرح آپ کی کوششوں سے بھی کافی اصلاح ہوئی، بہت سے دینی مدارس ومکاتب کا ایک سلسلہ قائم ہوا، جس کی وجہ سے دینی شعور بیدار ہوا، اور عالم وحافظ وقاری وجود میں آئے، سلوک ومعرفت میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، اور ۱۳۹۶ھ میں حج وزیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

ضعف ونقاہت کے باوجود چہرے کی شادابی اطمینان بخش تھی؛ لیکن ﴿اِذَا جَـآءَ اَجَـلُهُـمْ لَا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ کا خدائی فیصلہ اٹل ہے، جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، یہی فیصلہ آپ کے لئے بھی صادر ہوا۔ ۷ر شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰ر اگست ۲۰۰۷ء بروز پیر کی شب کو ۸ر بج کر ۲۱ر منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی، امروہہ اور علاقے میں کہرام برپا ہوگیا۔

وصیت کے مطابق غسل مولانا محمد اسماعیل صاحب دامت برکاتہم نے دلایا، جو کہ آپ کے شاگرد عزیز اور سفر وحضر کے رفیق جاں نثار ہیں، نماز جنازہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب نے پڑھائی، نماز میں امروہہ کے علاوہ قریب سے مرادآباد، حسن پور، سنبھل، اوجھاری اور ڈھکیہ وغیرہ کے حضرات نے شرکت کی، جس میں عوام کے علاوہ علماء کافی تعداد میں تھے، دفن میں ایک جم غفیر تھا، اس سے پہلے ڈھکیہ میں اتنا بڑا مجمع کبھی نہیں ہوا، اور گاؤں کے قبرستان میں اس گنجینۂ علم وعمل کو ۷ر شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱ر اگست ۲۰۰۷ء کو ہمیشہ کے لئے سپرد رحمت کردیا گیا۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو تیرا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالناصر صاحب رامپوری نائب مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ساکن سڈرہو نظرپور ضلع مرادآباد واُستاذ مدرسہ جامع الہدیٰ مرادآباد طویل علالت کے بعد مؤرخہ ۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء بروز جمعہ اس خاکدان عالم کوالوداع کہہ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی پیدائش ۶؍مارچ ۱۹۲۲ء کو ہوئی، کل چوراسی سال کی عمر پائی۔ مولانا کے والد جناب اللہ بخش صاحب گاؤں کے خوش عقیدہ لوگوں میں تھے، اور پردھان تھے، اس لئے اُنہوں نے موصوف کو اسلامی نہج پر تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لئے مدرسہ شاہی مرادآباد بھیجا؛ تاکہ عقائد میں درستگی اور پختگی پیدا ہوجائے، اور اُن کے ذریعہ پورے گاؤں میں دین کی صاف ستھری روشنی پہنچے۔

آپ نے حضرت مولانا مستحسن الدین صاحبؒ سے شاہی میں رہ کر فارسی پڑھی، جس طرح مولانا مستحسن الدینؒ مدرسہ شاہی میں فارسی کے ماہر اور اہم اُستاذ تھے، اسی طرح مولانا مرحوم بھی جامع الہدیٰ میں فارسی کے اُستاذ کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اگرچہ آپ نے فارسی سے لے کر کافیہ تک کتابیں پڑھائیں۔

۱۳۶۴ھ میں آپ نے مدرسہ شاہی سے سند فراغت حاصل کی، اور فراغت کے بعد آپ نے مختلف مقامات (جیسے: کاشی پور، معصوم پور، عمری کلاں) پر درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ اخیر میں آپ کا تقرر جامع الہدیٰ میں اُس وقت ہوا جب کہ جامع الہدیٰ محلّہ پیرزادہ میں تھا، اور بالکل ابتدائی مرحلہ میں تھا، جب مدرسہ محلّہ گلشہید میں منتقل ہوا، تو آپ بھی مدرسہ

کے ہمراہ منتقل ہوکر گلشہید چلے آئے، اور یہیں رہ کر علومِ شرعیہ کی نشر واِشاعت اور دین کی خدمت میں اپنی قیمتی زندگی گذاردی، جب بیماری شدید ہوئی، تو چھٹی لے کر گھر پر سکونت اختیار کی، اور وطن اصلی کو ابدی خواب گاہ کے طور پر منتخب کیا، اللہ تعالیٰ اُن کی قبر کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنائے اور مقاماتِ عالیہ سے سرفراز فرمائے۔

مولانا مرحوم طبعیت کے اعتبار سے مرنجان مرنج، خندہ رو، شیریں سخن، لطیفہ گو، بزلہ سنج واقع ہوئے تھے، آپ سے جو آدمی ملاقات کرتا اُس کو اُکتاہٹ نہیں ہوتی تھی، مخاطب سے اُس کے مزاج کے مطابق گفتگو فرماتے، اسی وجہ سے آپ کے شاگرد آپ سے بہت مانوس رہتے، اور آپ کا سبق مقبول تھا۔

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مدرسہ شاہی سے آپ کو بیعت کی اجازت بھی حاصل تھی۔ آپ کے پسماندگان میں چار لڑکے: مولانا شفیق احمد صاحب، مولانا عتیق احمد، رفیق احمد، ماسٹر سعید احمد اور ایک لڑکی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اس عظیم صدمہ پر اجل جزیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۷ء)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ

مؤرخہ ۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۳؍اگست ۲۰۰۷ء بروز جمعرات کو نمونۂ سلف، بافیض عالم دین اور بزرگ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند نے امریکہ میں تقریباً ۹۰؍سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت موصوف دارالعلوم کے قدیم ترین اُستاذ تھے، انقلاب کے بعد دارالعلوم وقف سے وابستہ ہوگئے، اور تادم حیات وہاں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، اور بخاری شریف کا درس پوری دلجمعی کے ساتھ دیتے رہے۔ ۵؍سال قبل شکاگو (امریکہ) تشریف لے گئے، جہاں آپ کے لائق وفاضل صاحب زادے حضرت مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب مقیم ہیں؛ تا آنکہ وہیں وقت موعود آپہنچا، اطلاع کے مطابق آپ کے جنازہ میں اتنا مجمع تھا کہ امریکہ کے ماحول کے اعتبار سے اُسے تاریخی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

مولانا موصوف کا علم بڑا راسخ تھا، پوری عمر درس وتدریس اور اِفادہ واستفادہ میں گذری۔ یکسوئی، سادگی، حلم ووقار اور متانت آپ کی امتیازی صفات تھیں، اور ''خیر العمل مادیم علیہ'' کو آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین بنایا تھا، اِسی بنا پر ہر معمول میں مداومت اور استقلال کا اہتمام رہا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے تدریسی مشغولیت کے ساتھ تصنیفی مشغلہ بھی جاری رکھا، اور ''کمالین'' کے نام سے ''جلالین'' کی شرح لکھی، جو طلبہ واساتذہ میں بے حد مقبول ہے۔ اسی طرح اخیر عمر میں ''انوار القرآن'' کے نام سے تفسیر قرآن لکھی، جو ۱۲؍جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ علاوہ ازیں اطراف واکناف عالم کے بے شمار طلبہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، یہ سب آپ کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۷ء)

شیخ الحدیث مولانا معین الدین صاحب گونڈویؒ

مشہور عالم دین، محدث جلیل، شیخ الحدیث حضرت مولانا معین الدین خاں صاحب گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤرخہ ۱۰؍شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۳؍اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز اتوار کو رات میں سوا گیارہ بجے طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے، جرأت وحمیت اور احقاقِ حق وابطالِ باطل میں اپنی نظیر آپ تھے۔ علم بڑا پختہ اور مستحضر تھا، اور اسلاف کی نسبتوں کے حامل تھے۔ موصوف کا شمار ملک کے معروف خطیبوں میں ہوتا تھا، شریعت کے اسرار وحکم اور رد بدعات وغیرہ پر دلائل کی روشنی میں بے تکان بولتے تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اُس کی فکر سے زندگی بھر وابستہ رہے، اور عرصۂ دراز تک امارت شرعیہ ہند دہلی کے ماتحت قائم امارتِ شرعیہ یوپی کے امیر رہے۔

مولانا موصوف کی پیدائش ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق ۴؍جنوری ۱۹۳۵ء کو وطن مالوف گوالیار گرنٹ دتولی ضلع گونڈہ یوپی کے ایک دینی گھرانے میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ اور مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۶ء تک دارالعلوم دیوبند میں کافیہ سے بخاری شریف تک کی کتابیں پڑھیں۔ آپ کے بلند پایہ اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ وغیرہ حضرات قابل قدر ہیں۔ فراغت کے بعد آپ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد میں تدریسی خدمات پر مامور رہے؛ تا آں کہ آپ کو ۱۳۸۸ھ میں مدرسہ کا شیخ الحدیث بنایا گیا، اور بخاری شریف آپ سے متعلق ہوئی، جس کا سلسلہ مرادآباد کے قیام تک جاری رہا۔ اس طرح تقریباً پچاس سال آپ نے

مدرسہ امدادیہ سے وابستہ رہ کر تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیں، اس درمیان شہر و اطراف میں اصلاحی بیانات اور مواعظ کا مفید سلسلہ بھی جاری رہا۔ بعض مرتبہ رضا خانی علماء سے مناظرہ کی نوبت بھی آئی، اور آپ نے مسلک حقانی کے دفاع کا کام بخوبی انجام دیا۔

آپ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کر چکے تھے، پھر حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد ۱۳۸۰ھ میں آپ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع فرمایا، اور حضرت کی توجہات سے راہِ سلوک کی تکمیل کی، اور ۱۳۸۸ھ میں اجازت بیعت سے سرفراز ہوئے۔ عرصے تک حضرت شیخ الحدیثؒ کی مجالس میں اصلاحی کتابوں کو پڑھ کر سنانے کی ذمہ داری آپ کے سپرد رہی، اور حضرت شیخ کے ساتھ متعدد بیرونی اسفار فرمائے۔

حضرت مولانا موصوف نے کئی سال رمضان المبارک میں کنتھاریہ اور سورت کی صوفی باغ مسجد میں اعتکاف فرمایا، جس سے علاقے کے لوگوں کو بڑا فیض پہنچا، اور بیعت وارشاد کے ذریعہ سے آپ کے دست مبارک پر بہت سے حضرات نے اصلاحِ نفس کا عہد لیا، بعد میں آپ نے اسی غرض سے طالبین کی دعوت پر افریقہ، انگلینڈ، کناڈا، پاکستان اور زامبیا وغیرہ کے اصلاحی اسفار بھی فرمائے۔

مولانا موصوف کی صحت عموماً ٹھیک رہی؛ لیکن چار سال قبل قلب کے آپریشن کے لئے متعلقین و متوسلین کے اصرار پر ممبئی تشریف لے گئے، اور علالت کی بنا پر دارالعلوم مرکز اسلامیہ انکلیشور گجرات میں قیام فرمایا، اور منتظمین مدرسہ کی خواہش پر حسب موقع و سہولت آخر کے تین سالوں میں بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کی تدریس آپ سے متعلق رہی؛ تا آں کہ گردوں کے فعل کے متأثر ہونے کی وجہ سے سورت کے اسپتال میں داخل کرنا پڑا، اور ۱۰/شوال ۱۴۲۸ھ رات سوا گیارہ بجے آپ کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ آخر آخر تک آپ کی زبان پر ذکر خداوندی جاری رہا، فالحمد للہ۔ ہزاروں علماء اور صلحاء نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی

سعادت حاصل کی، حضرت مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور دارالعلوم مرکز اسلامی کے احاطے میں اس گنج گراں مایہ کو سپرد خاک کردیا گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

پسماندگان میں چار صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں حیات ہیں، اس کے علاوہ ملک وبیرونِ ملک میں آپ کے شاگرد بڑی تعداد میں دینی خدمات انجام دینے میں مشغول ہیں، جو اِن شاء اللہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور درجات بلند فرمائیں، آمین۔

مدرسہ شاہی میں آپ کی وفات کی خبر ملتے ہی ختم قرآنِ کریم اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، قارئین سے بھی اپیل ہے کہ وہ حضرت مولانا موصوف کو دعاء خیر میں یاد فرمائیں، اور اپنے اپنے مقامات پر ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۷ء)

مولانا سید محمد امین شاہ اوکاڑوی

تلمیذ حضرت شیخ الاسلامؒ

مؤرخہ ۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۱؍اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز بدھ کو حضرت مولانا مفتی شیر محمد صاحب علوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کے فون سے یہ الم ناک خبر معلوم ہوئی کہ پاکستان کے معمر ترین عالم دین اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے قدیم شاگرد حضرت مولانا سید محمد امین شاہ اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۷؍سال کی عمر میں اپنے وطن مخدوم پور میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دارالعلوم دیوبند کے قدیم ترین فضلاء میں تھے، اُنہوں نے ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳۵۶ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی تھی، پوری زندگی علم دین کی خدمت واِشاعت میں گذاری، اور نہایت پامردی اور ثبات قدمی کے ساتھ علمی فیضان جاری کئے رہے۔ چار سال قبل بہاول پور منعقدہ ''شیخ الاسلام سیمینار'' میں شرکت کے لئے پاکستان جانا ہوا، تو مولانا موصوفؒ سے شرف نیاز حاصل ہوا، شدید ضعف اور کمزوری کے باوجود اپنے استاذ اعظم کی محبت میں بہاول پور تشریف لائے اور خراجِ عقیدت پیش کیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے درجات بلند فرمائیں، اور پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۷ء)

بزم جہاں سے پیکرِ ایمان چلا گیا

(بیاد: حضرت مولانا سید محمد امین شاہ اوکاڑویؒ)

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری

تقریباً دو سال پہلے یہ ناچیز اپنی بیٹی کے یہاں کبیر والا گیا، تو بعض احباب نے بتایا کہ قریب کے ایک گاؤں مخدوم پور پہوڑاں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد سید محمد امین شاہ صاحب رہتے ہیں، جن کی عمر ایک سو پانچ سال ہے۔ دل میں ان کی زیارت کا شدت سے اشتیاق پیدا ہوا، ہم کچھ ہی دیر کے بعد مخدوم پور کی تنگ گلیوں سے ہوتے ہوئے آپ کے درِ دولت پر حاضر ہو گئے، پرانے انداز کے بنے ہوئے مکان میں آپ مونج یا بان کی چارپائی پر تشریف فرما تھے، انتہائی سادہ لباس زیب تن تھا، قمیص کے اوپر کپڑے کی پرانی سی جیکٹ پہن رکھی تھی، از حد محبت سے ملے، کسر نفسی، تواضع، لطافت طبع، رقت قلبی، زہد وتقویٰ، خوف وخشیت، بزرگانِ دین سے محبت اور اسلامی غیرت کے جتنے واقعات کتابوں میں پڑھے تھے، مجھے ان کے وجود میں مجسم دکھائی دیئے۔ کافی عرصہ بعد اللہ کے ایسے بندے سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی جس کے دیکھنے سے دل میں ایمانی حرارت انگڑائیاں لیتے ہوئے محسوس ہوئی۔

میں نے حالاتِ زندگی جاننے کی خواہش ظاہر کی تو پس وپیش کے بعد فرمایا: ”ہم اصل میں مانسہرہ ہزارہ ڈویژن صوبہ سرحد کے رہنے والے ہیں“۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کرنے کے بعد میں نے دورۂ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند میں کیا، شیخ العرب والعجم حضرت

مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، دورانِ طالب علمی ہی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی تھی، حضرت مدنی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی جاذبیت عطا فرمائی تھی کہ انہیں دیکھنے کے بعد کوئی دوسرا نظر میں جچتا ہی نہ تھا، میرا بھی یہی حال ہوا، ہزاروں علماء وصلحاء اور اولیاء دیکھے، مگر جو چیز حضرت مدنی میں تھی وہ کہیں اور نہیں دیکھی۔ میں انہیں اپنے وقت کا بڑا ولی سمجھتا تھا اور آج بھی میرا یہی فیصلہ ہے، صرف دینی امور میں ہی نہیں، سیاسی معاملات میں بھی مجھے حضرت ہی کی رائے سب سے صائب اور برحق نظر آتی تھی۔ تقسیم ہند کے مسئلہ میں بھی میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ہمنوا تھا اور بلاخوف اس رائے کا پرچار کرتا تھا، میری حق گوئی سے انگریز کے پروردہ وڈیرے اور خوانین میرے خلاف مشتعل ہو گئے، سخت اندیشہ تھا کہ وہ میرے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ لیتے، میں حضرت والد صاحب کے حکم پر سرحد سے ہجرت کر کے پنجاب چلا آیا۔

مخدوم پور آنے سے پہلے مختلف جگہوں پر امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا، مگر فطرت میں رچی بسی حق گوئی اور بے باکی نے کہیں بھی ٹکنے نہ دیا۔ بالآخر جامع مسجد زکریا مخدوم پور کی انتظامیہ مجھے صدر مدرس کی حیثیت سے یہاں لے آئی، میں مستقل سکونت کی نیت سے یہاں نہیں آیا تھا؛ بلکہ موزوں جگہ ملنے تک یہاں قیام کا ارادہ تھا۔ مدرسہ اور مسجد کے ذمہ داروں کو میرے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے میرے شیخ اور مربی حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں دو باتیں لکھیں: ایک تو یہ کہ آپ کے شاگرد رشید کے ہمارے دور افتادہ اور پسماندہ قصبہ میں آنے سے لوگوں کو بہت فائدہ ہو رہا ہے، کئی ایک کی زندگی میں تبدیلی آ گئی ہے، شرک وبدعت کی آگ ٹھنڈی ہو رہی ہے اور توحید وسنت کے چراغ کی لو دن بدن بلند ہو رہی ہے، مگر ہمیں خدشہ ہے کہ یہ اس قصبہ کی پسماندگی کی وجہ سے یہاں سے نقل مکانی نہ کر جائیں، آپ انہیں تاکید فرمائیں کہ یہ اسی قصبہ میں رہ جائیں۔ دوسری بات یہ لکھی کہ ہم ان کے شایانِ شان وظیفہ نہیں دے سکتے؛ لہٰذا اس حوالہ سے بھی انہیں سمجھا دیجئے کہ ہم سے کچھ امید نہ رکھیں۔

خط کے جواب میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے شاہ صاحب کو جو مکتوب ارسال فرمایا اس کے آغاز میں لکھا: ''میں تم سے راضی ہوں''۔ یہ بات بتاتے ہوئے شاہ صاحب زار وقطار رونے لگے کہ مجھے اپنے دور کے سب سے بڑے ولی اور شیخ نے بہت بڑی سند عطا کر دی، یہ سند انشاء اللہ آخرت میں بھی کام آئے گی۔ اس کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ نے لکھا: ''الحمد للہ آپ جس قصبہ میں شمع علم روشن کئے ہوئے ہیں اس کے مفید اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ رازق حقیقی ہیں، آپ توکل بر خدا اسی جگہ دین عالی کی محنت کے لئے اپنی زندگی بسر کرنے کا عزم مصمم کر لیں''۔ چناں چہ حضرت کے حکم کے بعد ہم نے مانسہرہ کو تو بھلا ہی دیا اور زندگی مخدوم پور کے لئے وقف کر دی۔

بالآخر ۱۳؍شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۶؍اکتوبر ۲۰۰۷ء بروز جمعہ کو ۵۲؍سال بعد آپ کا جنازہ اپنے وطن اصلی سے سیکڑوں میل دور اسی گمنام گاؤں سے اٹھا جہاں آپ کے شیخ نے آپ کو خدمت ودعوتِ دین کے لئے بیٹھ جانے کا حکم دیا تھا۔ اگر ہم دین کے خدام، داعیوں اور مبلغوں کے حالات کا مطالعہ کر لیں تو ثابت ہوتا ہے کہ ایسے ہی لوگ تھے جن کی مساعی کی برکت سے ضلالت وجہالت کے اندھیروں میں علم وہدایت کی شمعیں روشن ہوئیں۔ اپنے اپنے شیوخ سے تربیت وتزکیہ کے مراحل طے کرنے کے بعد ان میں سے کوئی ہندوستان کے وحشت زدہ دیہاتوں میں کتاب وسنت کا درس دینے لگا، کسی نے سری لنکا کے جزیروں میں خانقاہ بسالی، کوئی چین کے جنگلات میں چراغ جلا کر بیٹھ گیا اور کسی نے کوہ قاف کے دامن میں زندگی بسر کر دی۔

حضرت سید امین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی منتخب انسانوں میں سے تھے، حضرت مدنی کی محبت ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکی تھی، کسی نہ کسی بہانے سے ان کا تذکرہ زبان پر آ ہی جاتا تھا اور جب ان کا تذکرہ فرماتے تو آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور زبان لڑکھڑانے لگتی۔ پہلی ملاقات کے بعد جب ہم اُٹھنے لگے تو انہوں نے سستے لٹھے سے بنی ہوئی جیکٹ کی جیبیں ٹٹولنا شروع کر دیں، ایک جیب سے پچاس روپئے اور دوسری جیب سے ڈیڑھ

سو روپئے برآمد ہوئے اور انہوں نے اپنے پوتوں اور نواسوں جیسے شخص کو اتنی لجاجت اور محبت سے پیش کیئے کہ اس کی گردن شرم سے جھک گئی۔ دوسری حاضری میں بھی ایسا ہی ہوا، آپ نے نہ صرف اس ناچیز کو نوازا؛ بلکہ اس کے ہمراہ جانے والے سارے عزیزوں کو بھی نہال کیا۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ جود وسخا کا یہ سلسلہ سارا سال اور پورا دن جاری رہتا ہے، آنے والا مہمان گمنام طالب علم ہو یا کوئی مشہور خطیب اور مدرس، امیر ہو یا غریب، پہلے طعام اور مشروب سے تواضع کی جاتی ہے پھر نقد ہدایا بھی دئے جاتے ہیں، وہ زندگی بھر دوسروں کو نوازتے رہے مگر اپنا دامن سیم وزر کی آلائشوں سے پاک رکھا۔

وفات کے وقت آپ کی ملکیت میں کوئی پلاٹ تھا اور نہ کوئی بینک بیلنس، گاڑی نہ مکان، جس کچے مکان میں آپ نے پوری زندگی گزاری اور جہاں سے آپ کا جنازہ اٹھا، اسے بھی آپ نے خود خرید کر جامع مسجد زکریا کے امام کے لئے وقف کر دیا تھا۔ آپ کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہ تھا، آپ کے متعلقین میں سے بعض نے لاکھوں روپئے مالیت کی زمین آپ کے نام کروانے کی کوشش کی، مگر آپ اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے، اگر آپ دینے کے بجائے ان سے لینا شروع کر دیتے تو لاکھوں کی جائیداد بنا سکتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ آج ایک اہل حق کے سوا اکثر گدیاں دکانوں کی صورت اختیار کر چکی ہیں، جہاں نذرانے پیش کرنے والوں میں ایسے عقیدت مند بھی ہوتے ہیں جن کے اپنے گھر میں فقر وفاقہ نے ڈیرے ڈال رکھے ہوتے ہیں۔ شاعر مشرق نے اسی صورتِ حال کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا تھا:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی ❖ گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد ❖ زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

شاہ صاحب کی مسجد اور ان کا مدرسہ بھی سادگی کی منہ بولتی تصویر ہے، آج کے دور کو پروپیگنڈہ کا دور کہا جاتا ہے، شاید ہی کوئی ایسی جماعت اور شخصیت ہو جو اپنے حقیقی اور فرضی کارناموں کا ڈھنڈورا نہ پیٹتی پھرتی ہو؛ لیکن حضرت شاہ صاحب نے تحریک آزادی، تحریک ختم

نبوت، مجلس احرار اور جمعیۃ علماء اسلام سمیت تمام تحریکات میں فعال کردار ادا کرنے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود اپنے آپ کو گوشۂ گمنامی میں چھپائے رکھا۔ ان کے انٹرویو شائع ہوئے نہ ان کے لئے کسی سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد ہوا، ان کے نام کے نعرے لگے نہ اشتہاروں میں نام آیا...... مگر کون نہیں جانتا کہ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی برکت سے ایمان قبولیت کے چراغ روشن ہوتے ہیں اور جن کے اعمال اور کارنامے دکھاوے کی پرچھائیں سے بھی محفوظ رہتے ہیں ورنہ شہرت کی دنیا اچھے اچھوں کے قدموں میں لغزش پیدا کر دیتی ہے۔ انہوں نے اپنے مشائخ کی ہدایات اور تعلیمات کی روشنی میں پون صدی قبل جس طرز زندگی کا انتخاب کیا تھا، زندگی کی آخری سانس تک اس پر قائم رہے، ایک سو سات سال کی عمر میں بھی تہجد قضا نہیں ہونے دی اور نہ دوسرے معمولات میں کوئی فرق آنے دیا۔

حضرت کے انتقال کے بعد یہ ناچیز تعزیت کے لئے مخدوم پور حاضر ہوا تو حضرت کے خلف الرشید سید محمد معاویہ امجد شاہ صاحب نے بتایا کہ زندگی کی آخری شب بھی تہجد کے لئے تین بجے بیدار ہو کر چار بجے تک نوافل پڑھتے رہے پھر اذانِ فجر تک اوراد و وظائف میں مصروف رہے، نماز فجر کے بعد چائے نوش فرمائی، سورج طلوع ہونے کے بعد نماز اشراق ادا فرمائی، کچھ دیر بعد دو مسافر طالب علموں کو شرفِ ملاقات بخشا، دس بجے نماز چاشت کے آٹھ نوافل پڑھ کر تسبیح ہاتھ میں لے کر ذکر میں مصروف ہو گئے اور اسم ذات کا ذکر کرتے ہوئے گیارہ بجے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

فطرت ہے اشک بار کہ انساں چلا گیا
بزمِ جہاں سے پیکرِ ایماں چلا گیا

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۸ء)

متفرقات:

حکیم برہان الدین پھلتی

قدیم مردم خیز قصبہ پھلت کی معروف شخصیت جناب مولانا حکیم برہان الدینؒ (عم محترم مولانا حکیم رضی الدین صاحب پھلتی) نے گذشتہ ۲۷و۲۸؍ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸؍جنوری ۲۰۰۷ء بروز جمعرات وجمعہ کی درمیانی شب میں سفر آخرت اختیار فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف حضرت شیخ الاسلامؒ کے شاگرد رشید تھے، اورقدیم وضع کے بزرگ تھے معمولات اور اوراد وظائف کے پابند تھے اس حالت میں حسن خاتمہ کی دولت نصیب ہوئی، وصیت کے مطابق حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب نے بعد نماز جمعہ موصوف کی نماز جنازہ پڑھائی، قارئین سے ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۷ء)

قاری رضی احمد صاحبؒ لاہور

حضرت مولانا قاری رضی احمد صاحب دیوبندی مقیم لاہور کا گذشتہ ۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۳؍جنوری ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ کو لاہور میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف نہایت مخلص، باوقار اور اپنے اکابر اور بزرگوں سے گہرا تعلق رکھنے والے شخص تھے، بالخصوص حضرت شیخ الاسلامؒ اوران کے گھرانے سے بہت عقیدت رکھتے تھے، جب بھی ہندوستان تشریف لاتے تو موقع نکال کر مرادآباد کا بھی سفر فرماتے اور حضرت مولانا سید رشید الدین حمیدی سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد کی زیارت کرتے۔ ندائے شاہی کے قدیم قاری تھے اور پاکستان میں اس کی توسیع اشاعت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کوغریق رحمت فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ اجراڑوی

حضرت مولانا اطہر حسین صاحب اجراڑوی استاذ مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور مؤرخہ ۲۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ء مطابق ۱۲؍جولائی ۲۰۰۷ء بروز جمعرات کو وصال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتی اعظم مظاہر علوم کے صاحب زادے اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے برادر اصغر تھے، طبعی طور پر خلوت نشیں اور گہری علمی استعداد کے مالک تھے، فن تعبیر رویا، اور ادب عربی سے بہت مناسبت تھی، مظاہر علوم کی تاریخ پر آپ کی عربی نظم مشہور ہے، نیز شرح عقود رسم المفتی پر آپ کا حاشیہ بے نظیر وقیع اور مقبول ہے، یہ علمی خدمات اِن شاء اللہ تعالیٰ آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنیں گی۔

ادارہ ندائے شاہی آپ کے پسماندگان بالخصوص حضرت مولانا محمد سعیدی ناظم مظاہر علوم کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا ظل الرحمٰن صاحبؒ ممبئی

شہر ممبئی میں علماء حق کے نقیب، بزرگ اور باا ثر عالم دین حضرت مولانا ظل الرحمٰن صاحب خطیب مسجد سات راستہ ممبئی گذشتہ ۵؍شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۹؍اگست ۲۰۰۷ء بروز اتوار کی شب میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، پوری زندگی خدمت دین میں گزاری، باطل کے خلاف سینہ سپر رہے، اور ہر موڑ پر بے لوث انداز میں تعلیمی، سماجی اور ملی خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم دیوبند کے دفتر رابطہ ممبئی کے آپ نگراں تھے اور مادر علمی کی ترجمانی کا بھرپور حق ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے عوام وخواص میں قبولیت سے نوازا تھا، بمبئی کے حلقہ میں آپ کی

تصدیقات نہایت معتبر سمجھی جاتی تھیں، موصوف کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ آسانی سے بھر نہ سکے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کی بال بال مغفرت فرمائے اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب رحمہ مفتی اعظم دہلی

مدرسہ اَمینیہ دہلی کے مفتی اعظم، ہندوستان کے معروف اور معتبر عالم دین حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب مانکوی رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ۸/شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۲/اگست ۲۰۰۷ء بروز بدھ کو شب میں دہلی میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم بڑے جید مفتی اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے، علم بڑا پختہ اور مستحضر تھا، جزئیات واُصول پر گہری نظر تھی، دہلی اور اُس کے اطراف میں آپ کے فتاویٰ کو نہایت قبولیت اور اعتماد کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور آپ کو دینی مرجعیت کا مقام حاصل تھا۔ آپ کی پوری زندگی فقہ وفتاویٰ اور تعلیم وتعلم میں گذری، جمعیۃ علماء ہند اور امارتِ شرعیہ ہند سے بھی گہرا رابطہ تھا، امارتِ شرعیہ کی رویت ہلال کمیٹی کے اجلاس عموماً آپ ہی کی صدارت میں ہوتے اور آپ کے فیصلوں کو عوام وخواص قبول کرتے تھے۔

آپ کی پہلی نماز جنازہ دن میں ۱۱/بجے دہلی میں اَدا کی گئی، اُس کے بعد آپ کی میت وطن مالوف موضع ''مانکی'' نزد دیوبند لے جائی گئی، وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی اکتوبر ۲۰۰۷ء)

رفتگاں

۲۰۰۸ء

- حضرت مولانا رعایت علی صاحب قاسمیؒ
- حضرت مولانا اکرام علی صاحب قاسمی بھاگلپوریؒ
- حضرت مولانا حکیم نظام الحق صاحبؒ
- عارف باللہ حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ
- حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیریؒ
- حضرت مولانا مبین احمد صاحبؒ
- حضرت حافظ محمد اقبال صاحب گونڈویؒ
- حضرت مولانا ناظر حسین صاحبؒ ہاپوڑ

حضرت مولانا رعایت علی صاحب قاسمیؒ

مولانا اِمام علی دانشؔ صاحب صدرالمدرسین اِدارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور

میرے لئے پچھلے دنوں ایک بڑا سانحہ پیش آیا کہ برادرِ محترم رفیق درس حضرت مولانا رعایت علی صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸/ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۹/نومبر ۲۰۰۷ء بروز جمعرات صبح نماز فجر کے لئے وضو کرکے بیٹھے ہی تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ایک ماہر تدریس اور مسلک حق کے مضبوط داعی تھے۔ اُن کی ولادت غالبًا ۱۹۴۰ء میں ہوئی، اپنے وطن رائے پور ضلع لکھیم پور کے مکتب میں درجہ پنجم تک اور اس کے بعد فارسی کی تعلیم ممتاز و مشہور اُستاذ مولوی غلام حسین خاں عارفؔ سیتاپوری سے حاصل کی، پھر محمدی آکر مولانا حکیم رمضان الحقؒ کے آغوشِ تربیت میں رہ کر میزان سے شرح جامی بحث فعل تک کی کتابیں مکمل کرکے حکیم صاحب مرحوم کے حکم پر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں ایک سال علم حاصل کیا، جہاں شرحِ جامی بحث اسم امام النحو مولانا صدیق احمد کشمیریؒ سے پڑھی، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر وہاں سے ۱۳۸۲ھ میں دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، اُس کے بعد پوری زندگی تدریسی خدمات میں گذار دی۔ سیتاپور میں جامعہ عربیہ کے قیام سے چالیس سال تک تعلیم و تدریس کا اہم کام سادگی اور قناعت اور صبر و توکل کے ساتھ کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔ بہت سے شاگرد چھوڑ گئے، جن میں سو کے قریب علماء ہیں، جو مختلف مقامات پر حسب استطاعت دینی و تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اہل علم میں مقبولیت کا اندازہ اسی سے لگتا ہے کہ اُن کے جنازے میں ضلع سیتاپور و لکھیم

پور کے بہت سے علماء وحفاظ واَساتذۂ مدارس شریک تھے۔ مولانا کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہترین تدریسی صلاحیتوں سے نوازا تھا، اس کے علاوہ سیتاپور شہر واطراف میں اکابر علماء دیوبند سے تعلق وعقیدت قائم کرانے میں مولانا کا ہاتھ رہا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، فدائے حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ، اور مبلغ دین حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحبؒ کو مدعو کر کے اُن کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہونے کے مواقع فراہم کرتے رہتے تھے۔ کوئی بڑا عالم آجائے یا چھوٹا، ہر ایک کی خدمت کرنا؛ بلکہ اپنے شاگردوں تک سے نیازمندی سے پیش آنا اور مالی حالت بہتر نہ ہونے کے باوجود آنے والوں کی مہمان نوازی کرنا، مختلف مساجد اور اجتماعات میں اہل حق کے بیانات کا انتظام کرنا اُن کی امتیازی خصوصیت تھی، کتابوں پر بھی گہری نظر تھی۔ کچنار کے مناظرے کے موقع پر جو کہ احقر کی صدارت میں ہوا رہا تھا، اور مولانا سید ارشاد احمد صاحب مناظر تھے۔ فریق مخالف نے فتاویٰ رشیدیہ کی ایک عبارت کو بدل کر پیش کیا، فوری طور پر فتاویٰ رشیدیہ کی صحیح عبارت مولانا موصوف نے کتاب سے نکال کر سامنے رکھ دی، جس سے اہل حق کو احقاقِ حق کا فریضہ ادا کرنا آسان ہوگیا۔

ایک مرتبہ بریلوی مولوی سے تثویب مروجہ کے مسئلہ پر گفتگو کے دوران میں نے لمعات شرحِ مشکوٰۃ کی یہ عبارت پیش کی: ''اتباع رسول چناں چہ در فعل باشد در ترک فعل ہم باشد'' فوری طور پر کتاب کھول کر اُس کے صفحہ کی نشان دہی مولانا نے کی، جس سے یہ بات واضح کرنے کا موقع ملا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع جیسا کہ اُن کے کئے ہوئے اعمال میں لازم ہے، اسی طرح جن اعمال کے کرنے کا تقاضا موجود تھا، پھر بھی آپ نے ان کو نہیں کیا، اُن میں بھی اتباع ہوتی ہے۔ اس سے صاحب لمعات نے تثویب کا غیر مسنون ہونا ثابت کیا ہے، اس سے ہمارا دعویٰ مستحکم ہوگیا کہ مروجہ تثویب جس میں اہل بدعت اپنے عقائد کا اعلان کرتے ہیں، وہ کسی طرح مسنون نہیں کہی جاسکتی۔ اِس موقع پر فتاویٰ شامی کی یہ عبارت ''**إذا تردد الحکم بین السنة والبدعة فکان ترك السنة راجحًا علیٰ فعل البدعة**'' یعنی جس کام کے سنت یا بدعت ہونے میں تردد واختلاف ہو، اُس کا چھوڑنا بہتر ہوتا ہے۔ یہ عبارت میں نے

زبانی پیش کی تھی، مگر مولاناؒ نے کتاب کو کھول کر عبارت صفحہ کے حوالے کے ساتھ سنانے کا موقع فراہم کیا۔ اس موقع پر ماہنامہ ''الفرقان'' کے خصوصی نمبر کا ایک مضمون بھی مولانا نے ڈھونڈ کر دیا، جس میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ نقل تھا کہ جہاں اذان سن کر لوگ مسجد میں پہنچ جانے کا اچھا رواج ہو، وہاں تثویب کو رائج نہیں کرنا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی طویل عبارت کا خلاصہ یہی تھا، میں گفتگو کر رہا تھا، اسی دوران عبارت ڈھونڈنے کا کام مولانا نے انجام دیا۔

اس قسم کے کام دوسرے مواقع پر بھی اُنہوں نے کر کے رفاقت و معاونت کا حق اچھا ادا کیا۔ سیتاپور کے قریب مواضعات کی متعدد مساجد پر اہل بدعت کے تسلط قائم کرنے کا اندیشہ تھا، مولانا نے وہاں پر ائمہ و مدرسین متعین کر کے اس فتنہ کو دفع کیا۔ قادیانیت کا فتنہ سیتاپور کے علاقے میں اُبھرنے لگا، نیپالہ پور میں پتہ چلا کہ قادیانیوں نے ایک مرکز بنالیا۔ ردِ قادیانیت کی اور احقاقِ حق کی اہمیت کو اس علاقہ میں سب سے زیادہ مولاناؒ نے محسوس کیا۔ اسی مرکز باطل کے قریب بہت بڑے بڑے دو جلسے ردِ قادیانیت پر کئے گئے، جن میں مولانا پیش پیش تھے، جس وقت احقر چند شاگردوں کے ساتھ سیتاپور پہنچا تو مولانا نے بتایا کہ یہاں کے بعض علماء بھی جھگڑا ہو جانے کے اندیشہ سے جلسہ میں شریک نہ ہونے کو؛ بلکہ اس کے موقوف کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ مولانا کے مشورہ پر میں نے وہاں کے بااثر علماء پر زور ڈال کر اُن کو جلسے میں بلوایا اور اُن سے کچھ کہلوایا؛ تاکہ عوام میں یہ بات اچھی طرح پھیل جائے کہ تمام علماء حق اس فتنہ کے خلاف ہیں۔ اس کے بعد بھی ہم بھائیوں نے طے کیا کہ ہم کو گروہ بندی سے کوئی مطلب نہیں، ہم کو بلاتفریق ان تمام اَفراد کا ساتھ دینا ہے جو تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں سرگرم ہونا چاہتے ہیں، اس سے بڑی حد تک اس فتنہ کا قلع قمع ہوا؛ لیکن اثرات ابھی تک باقی ہیں، جنہیں مٹانے کے لئے علماء کرام کو اجتماعی وانفرادی جدوجہد کرنی چاہیے، اور ایسے حضرات کی زندگیوں سے سبق لینا چاہیے، جو حالات سے صلح کرنے کے بجائے حالات کا رخ حق کی طرف بدلنے کے لئے جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ مولاناؒ بھی ایک ایسے ہی شخص تھے، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، اور ترقی درجات سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۸ء)

❍❖❍

حضرت مولانا اکرام علی صاحب قاسمی بھاگلپوریؒ

ملک کے معروف بافیض عالم اور محدث اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا اکرام علی صاحب قاسمی بھاگل پوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل نے گذشتہ ۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۸؍جنوری ۲۰۰۸ء بروز منگل داعی اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑے صاحب نظر اور وسیع المطالعہ عالم دین تھے، پوری زندگی حدیث شریف کے اشتغال میں گذاری۔ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں آپ کی پیدائش ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، اور ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خاص شاگرد تھے، فراغت کے بعد دو سال دارالعلوم ہی میں رہ کر فنون کی تعلیم حاصل کی، بعدازاں مدرسہ اشرف العلوم تھانہ بھون اور اُس کے بعد جامعہ حسینیہ ہرنتھ بھاگل پور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد میں صوبہ بہار کی مشہور بافیض دینی درس گاہ جامعہ رحمانیہ میں ۱۶؍سال تک اعلیٰ کتابوں کا درس دیا۔ اُس کے بعد ۷؍سال مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں حدیث شریف پڑھائی، اور ۱۹۸۴ء سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف جیسی اہم کتابیں آپ سے متعلق تھیں، تادم آخر یہ سلسلہ برقرار رہا۔ ڈابھیل کے زمانۂ قیام میں ملک و بیرونِ ملک کے سیکڑوں طلبہ نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔

آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم نے پڑھائی، اور ڈابھیل میں ہی آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

علاقے کے ہزاروں عوام وخواص علماء وطلبہ جنازہ میں شریک تھے، آپ کے درسی اَمالی

''نفع المسلم'' کے نام ایک ضخیم جلد میں شائع شدہ ہیں، جس میں مسلم شریف کتاب الایمان کی جامع اور مبسوط شرح آ گئی ہے، جس سے طلبہ وعلماء برابر مستفیض ہو رہے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۸ء)

حضرت مولانا حکیم نظام الحق صاحبؒ

وسط یوپی کے معروف ومشہور بافیض عالم دین اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا حکیم نظام الحق صاحب مہتمم اِدارہ محمودیہ قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور گذشتہ ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۲؍فروری ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ کو ۸۲؍سال کی عمر میں وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب موصوف دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے خصوصی شاگرد، بہترین منتظم، صاحب تدبر وفراست عالم دین تھے۔ تقریباً نصف صدی تک آپ نے پوری ہوش مندی اور عزم وحوصلہ کے ساتھ اپنے علاقے اور اطراف میں سبھی دینی، ملی اور تعلیمی تحریکات کی کامیاب سرپرستی فرمائی، اور افراد سازی کا عظیم کارنامہ انجام دیا، آپ کی توجہ اور اَنتھک محنت کی بدولت ''اِدارہ محمودیہ'' کو علاقہ میں مرکزیت اور مرجعیت کا مقام حاصل ہوا، اور سیکڑوں حفاظ وعلماء اِس ادارہ سے فیض یاب ہوئے، اور برابر ہورہے ہیں۔ آپ نے معاش کی خاطر حکمت کا مشغلہ اپنایا؛ لیکن مطب کی مشغولیات آپ کی علمی مصروفیات میں حارج نہ بن سکیں، ہمہ جہتی خدمات ومشاغل کے باوجود آپ کا علم پختہ اور مستحضر تھا، چناں چہ اگر کوئی ہلکی پھلکی یا بلا ثبوت بات آپ کے سامنے آتی، تو آپ فوراً اُس جانب متنبہ فرماتے، اور اپنی پختہ یادداشت کے بموجب حوالے سے اپنی بات کو مدلل فرماتے تھے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دل دردمند سے نوازا تھا، اُمت کی اصلاح کی فکر آپ پر غالب رہتی، وعظ ونصیحت کا انداز نہایت آسان اور مشفقانہ ہوتا تھا، کم پڑھے لکھے عوام کو بھی آپ کی باتوں کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی تھی۔ اطراف کے دیہاتوں اور قصبات میں وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والے دینی پروگراموں کے علاوہ جامع مسجد محمدی (جہاں عرصۂ دراز تک

پورے قصبہ میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا رہا) میں ہر جمعہ کو آپ سالوں سال تک وعظ فرماتے رہے۔

آپ کو دارالعلوم دیو بند، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور ملی تنظیموں میں جمعیۃ علماء ہند سے خاص لگاؤ تھا، اور اس کے پروگراموں اور تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد کے اعتبار سے بھی بڑا خوش نصیب بنایا تھا، آپ کے نہ صرف چاروں صاحب زادے عالم دین ہیں (مولانا حکیم عصام الحق اطہر مرحوم، مولانا احترام الحق (اسعد) صاحب، مولانا اسلام الحق (اسجد) صاحب، مولانا مطیع الحق (انظر) صاحب، اور مولانا ضیاء الحق (اخلد) صاحب؛ بلکہ چاروں صاحب زادیاں بھی دینی تعلیمی مشغلہ سے وابستہ ہیں، اور بڑی صاحب زادی لکھنؤ کے مشہور ''مدرسہ طالبات مدرسۃ المؤمنات'' کا نظم وانتظام بخوبی چلاتی ہیں۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی وفات پر مدرسہ شاہی میں بہت غم محسوس کیا گیا، فجر کے بعد تلاوت کے بعد ایصالِ ثواب کا اہتمام ہوا، اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب اُسی دن محمدی تشریف لے گئے، اور صاحب زادگان و متعلقین کی خدمت میں تعزیت پیش کی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور آخرت میں اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۸ء)

مولانا حکیم نظام الحق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

تأثرات: مولانا اِمام علی دانش صاحب صدر المدرسین اِدارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور

حضرت مولانا حکیم رمضان الحق صاحب نور اللہ مرقدہٗ علاقہ لکھیم پور اور متصل اضلاع سیتاپور، ہردوئی اور شاہ جہاں پور کے لئے مامور من اللہ معلم و مصلح وداعی الی اللہ تھے، اُن کے بڑے صاحب زادے اور جانشین حضرت مولانا حکیم نظام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزرگوار کے متعین کردہ نصب العین ونظام عمل پر گامزن رہتے ہوئے اِس علاقہ میں خصوصیت سے عظیم الشان خدمات انجام دیتے ہوئے بتاریخ ۲۴ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۲ر فروری ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ بوقت ۳ر بجے شب اِس دار فانی سے رخصت ہوگئے، دن میں نماز ظہر کے بعد تین بجے نماز جنازہ اَدا کی گئی، اور تقریباً چالیس ہزار سے زائد افراد نے سوگوار ماحول میں اَشک بار آنکھوں کے ساتھ تجہیز وتکفین میں شرکت کرتے ہوئے آبائی قبرستان میں سپردخاک کردیا۔

شرکت کرنے والوں میں علماء وحفاظ ومعلمین مدارس اور دین سے تعلق رکھنے والے عوام کی بہت بڑی تعداد شامل تھی۔ حکیم صاحب مرحوم خواص وعوام کے ہر دل عزیز رہنما تھے، اُن کا احترام ہر مذہب کے لوگ کرتے تھے، حکام کی نگاہوں میں بھی وہ اَمن کے پاسبان تھے، اس لئے حکام اور قانون ساز اِداروں کے عوامی نمائندے تعزیت کے لئے حاضر ہوئے، اور سب نے توصیفی کلمات سے نوازتے ہوئے پسماندگان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ یہ پوری قوم کا مشترک غم ہے، سب ایک دوسرے کی تعزیت کے لائق ہیں، ملک کے دور دراز حصوں سے بھی تعزیتی کلمات آنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اور بہت سے دینی مدارس میں ایصالِ ثواب کے لئے دعا وقرآن خوانی کا انتظام کیا گیا اور کیا جارہا ہے۔

حکیم صاحب مرحوم کی تاریخ ولادت ۶؍جولائی ۱۹۲۶ء ہے، وہ بیاسی سال کی عمر میں شمسی حساب سے ۲؍فروری ۲۰۰۸ء کو رحلت فرما گئے، ابتدائی تعلیم اپنے گھر کے دینی وعلمی ماحول میں حاصل کرنی شروع کی، اور قصبہ کے مقامی مکتب سے پرائمری مضامین کی تکمیل کی۔ پھر فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ قرآنِ حکیم ناظرہ اپنے ماموں حافظ عبد الاحد مدظلہ سے پڑھا، اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں والد بزرگوار نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کرادیا، یہاں علم وعمل کے ماہتاب، دنیائے اسلام کے ممتاز اکابر علماء کرام، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، علامہ بلیاویؒ وغیرہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، اور ۱۹۴۲ء میں سند فراغت حاصل کر کے وطن مالوف واپس آئے۔ فن طب کی تکمیل حکیم مختار احمد صاحب امروہویؒ سے بریلی جا کر فرمائی، پھر گھر واپس آ کر حضرت والد بزرگوار نے قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڈھ کے مدرسہ عربیہ میں عارضی طور پر تدریس کے لئے روانہ کردیا، جہاں عربی کی کتب درسیہ متداولہ کی تدریس کی خدمت انتہائی محنت وجاں فشانی سے انجام دیتے رہے؛ لیکن مقامی دینی ضروریات کے تقاضے کو فوقیت دیتے ہوئے واپس آ گئے، مطب شروع کیا اور والد صاحب کے دینی تعلیمی ودعوتی کاموں میں ہاتھ بٹانے لگے، یہاں تک کہ والد مرحوم نے سلسلہ تعلیم وتبلیغ کو مستحکم ومربوط کرنے اور اُسے تسلسل کے ساتھ جاری رکھنے کے لئے ۱۹۵۰ء میں اِدارہ محمودیہ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے مبارک ہاتھوں سے قائم کیا۔ اِدارہ کی نسبت رسمی اپنے اُستاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی طرف فرمائی، اس کا مہتمم حضرت بانیؒ نے اپنے فرزند اکبر حکیم نظام الحق صاحبؒ کو متعین کیا، جنھوں نے اِس خدمت کو احسن طور پر تاحیات انجام دیا، اور ساتھ ہی جب تک اعضاء میں طاقت رہی، اعزازی طور پر بعض اہم کتب کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا، تدریس کا انداز بہت دل نشیں اور ہر فہم کے طلبہ کو ذہن نشیں کر دینے والا تھا۔

تدریسی حلقہ سے بلاواسطہ فیض یاب ہونے والوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے، جن میں

بعض نامور وفیض رساں اساتذہ مقامی طور پر اور دور دراز علاقوں میں بھی دینی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور بواسطہ فیض رسانی کا سلسلہ بڑے پیمانے پر جاری ہے، اور اِن شاءاللہ جاری رہے گا۔

حکیم صاحب مرحوم بلند پایہ خطیب ومقرر بھی تھے، پابندی کے ساتھ جامع مسجد محمدی میں جمعہ کی اِمامت اور اُس کے ساتھ خطابت کا فریضہ اَدا کرتے رہے، وہ مسجد جہاں بمشکل چند نمازی ہوتے تھے، وہاں مسلسل مواعظ دینیہ کا سلسلہ جاری رہنے کے نتیجے میں عمارت کی توسیع ہونے کے باوجود تنگی رہتی ہے، نمازیوں کا ہجوم برابر بڑھتا رہا اور بڑھ رہا ہے۔ علاقے کے بہت سے دینی اجتماعات اور جلسوں میں مربیانہ حیثیت سے شرکت فرما کر مواعظ حسنہ سے مستفیض کرتے، یہ سلسلہ بھی تاحیات جاری رہا، جس سے علاقے کو بہت فائدہ پہنچا۔

حکیم صاحب مرحوم انتظامی صلاحیت بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتے تھے، اِدارہ محمودیہ کے اہتمام کی نازک ذمہ داری پوری کرنے کے ساتھ بہت سی مسجدوں اور مدارس ومکاتب کی سرپرستی ورہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انتظامی صلاحیت اور تعمیری ذوق سے بھی نوازا تھا، اِدارہ محمودیہ کی موجودہ عمارتیں اور قصبہ کی متعدد مساجد کی تعمیرات اُن کے حسن ذوق کا نمونہ ہیں۔ آخر عمر میں جب خاندانی باغ کو پلاٹوں کی شکل میں شرکاء کو تقسیم کر دیا تو وہاں پر ایک مسجد کی جگہ چھوڑ کر اُس کو تعمیر کروایا، اور اُس میں نماز پڑھنے کا سلسلہ اپنی وفات کے چند روز پہلے قائم کرایا، اور اُسی مسجد کے قریب مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ نماز کے قیام کے وقت فرمایا کہ یہ مسجد میں نے والد صاحب مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لئے تعمیر کرائی ہے، اور اس کے قریب ایک مکتب بھی چلانے کا اِرادہ ہے۔

ایک مرتبہ احقر کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ایک سو سے زیادہ مساجد کا سنگ بنیاد میں نے رکھا ہے، اسی سلسلہ گفتگو میں میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ سو سے زیادہ لوگ میرے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

حکیم صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے دین پر استقامت، حق گوئی اور جرأت وہمت سے بھی نوازا تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے شاگرد ہونیکے ساتھ

اُن کے دست حق پرست پر بیعت بھی تھے، اور اُن کو یہاں تشریف لانے کی زحمت بھی دیتے رہے۔ اور اُن کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد میاں مدنیؒ کو ہر سال یہاں مدعو فرماتے رہے، دیگر علماء ربانی کو بھی تشریف آوری اور فیض رسانی کا موقع دیا کرتے تھے، جن کے ناموں کا سلسلہ طویل ہے۔

ہردوئی کے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ سے پہلے کے اکابر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ کی خدمت میں اُن کے والد مرحوم نے پہنچایا تھا؛ بلکہ میں نے اُن کے والد مرحوم استاذ محترم مولانا رمضان الحق صاحب سے سنا کہ میں نے نوشے (حکیم نظام الحق) کو حضرت تھانویؒ کے سامنے بچپن میں دعا کے لئے پیش کیا، حضرت نے جسم پر ہاتھ پھیر کر علم وعمل میں ترقی کے لئے دعا فرمائی، جس کا نتیجہ ہے کہ اُن کا ذہن علم میں بہت چلتا ہے، اُن کے پاس پابندی سے پڑھنے جایا کرو، فائدہ ہوگا۔

حکیم صاحب مرحوم کو اکابر ملت کے ساتھ بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، نظریاتی طور پر وہ جمعیۃ علماء سے وابستہ رہے، اور تقسیم ملک کے ہنگامے کے وقت اُنہوں نے فرقہ پرستوں کا مقابلہ بھی کیا، جو حق سمجھا اُسی پر قائم رہے، اور بلاخوف لومۃ لائم مسلمانوں کو ہندوستان میں مقیم رہنے کی اہمیت سمجھتا رہے، اور اس کی تلقین کرتے رہے کہ معاملات وعادات میں دین پر عمل پیرا ہونے سے غیر مسلم قریب آئیں گے۔ چناں چہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قصبہ محمدی میں کبھی کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا، جذباتی لوگوں کو حسن تدبیر سے ٹھنڈا کر دیتے تھے، اور اَمن کی فضا برقرار رکھتے تھے۔

حکیم صاحب مرحوم نے سیاسی خدمات انڈین نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے بھی انجام دیں، اُن کی سیاسی وابستگی دین کے لئے اور قوم وملت کے مفاد کے لئے تھی، کوئی ذاتی فائدہ حاصل نہیں کیا، اسی لئے ہر پارٹی کے لوگ اُن کا احترام کرتے تھے؛ لیکن سیاست کے خاردار راستے میں اُنہوں نے مداہنت وتملق کو کبھی گوارا نہیں کیا، حکام رس ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے مفاد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ محمدی کے تھانہ انچارج نے کالے جانوروں کی قربانی پر بھی پابندی لگادی، حکیم صاحب نے عوام کونہیں بتایا؛ تاکہ لوگوں کے جذبات برانگیختہ نہ ہوں، اور فساد کی شکل نہ بن جائے ،فوری طور پرنماز جمعہ سے کچھ قبل لکھیم پور روانہ ہو گئے، نماز پڑھانے کی ہدایت دوسرے کو دی، اورتاکید کردی کہ کچھ مت بتانا کہ کہاں گئے ہیں، اور کس لئے گئے ہیں۔ لکھیم پور جا کر ڈی ایم اور ایس پی سے ملے اور اپنی ذمہ داری پر صورتِ حال سے آگاہ کر کے قربانی حسب معمول کئے جانے کا حکم نافذ کرایا۔ اُن کی واپسی سے پہلے ہی تھانہ انچارج تک ایس پی کا آرڈر آ گیا کہ قربانی حسب معمول ہوگی، اس کا انتظام کیا جائے ،واپسی پر وہ تھانہ انچارج انتہائی نیازمندی سے ملا اور ایسا ریکارڈ قائم ہو گیا کہ اس وقت سے اَب تک الحمدللہ قربانی جاری ہے، خدا کرے جاری رہے۔

ایمرجنسی کے دور میں جلسوں اور جلوسوں پر پابندی تھی، خصوصی اجازت کے بغیر کوئی عوامی جلسہ نہیں ہوسکتا تھا، اس موقع پر گولا کے مسلمانوں نے ایک دینی جلسہ کا انتظام کیا، جب کوتوال کو بتلایا کہ جلسہ حکیم نظام الحق صاحب کی نگرانی میں ہوگا، تو تھانہ والوں نے فوری طور پر اجازت دے دی اور کہا کہ وہ مہان ہستی ہیں، اُن کے ہوتے ہوئے کسی فساد کا اندیشہ نہیں ہے، ایسے متعدد واقعات ہیں جن میں سے ایک پیش کیا گیا۔

ایک شخص نے اسلام قبول کیا، اُس وقت کا تھانہ انچارج گرم مزاج کا تھا، اس نے حکیم صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے مسلمان بناتے وقت یہ نہیں سوچا کہ اس سے کوئی فساد ہوسکتا ہے، گفتگو کا انداز تحکمانہ تھا، حکیم صاحب نے سنجیدگی اور متانت سے جواب دیا کہ جس کے دل میں یہ بیٹھ جائے کہ ایک اللہ جو کہ پر ماتما ہے، سب کا مالک وخالق ہے، وہی اکیلا عبادت اور پوجا کے لائق ہے، پس وہ مسلمان ہو گیا۔ آپ یہ سمجھ لیں تو آپ بھی مسلمان ہو گئے، میرا کام صرف اتنا ہے کہ دل میں جو اسلام پیدا ہوا ہے، اُس کو ظاہر کرنے کے الفاظ میں بتا دیتا ہوں، وہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' کا کلمہ ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پوجا کے لائق نہیں، اسی نے پیدا کیا اور پالا، اُسی کا حکم ماننا چاہیۓ، اور حکم ماننے کا

طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، اس لئے وہ سچے رسول ہیں، یا کہئے کہ مہارشی ہیں، جن سے سچائی کا راستہ معلوم ہوا، یہ بتا کر میں نے جرم نہیں کیا؛ بلکہ بھلائی کی ہے، اس پر اگر کچھ لوگ فساد کرتے ہیں تو اُن کو فساد سے روکنے کی ذمہ داری پولیس پر ہے، مجھ پر نہیں ہے، ہاں امن وشانتی قائم رکھنے میں میری مدد پوری طرح حاصل رہے گی۔ یہ باتیں سن کر تھانہ انچارج متأثر ہوا اور کہنے لگا کہ اس طرح تو آپ مجھے بھی مسلمان بنالیں گے، اس طریقہ پر بہت سے لوگ وقتاً فوقتاً مشرف باسلام ہوئے۔

ایک موقع پر کچھ تشدد پسند غیر مسلموں نے کہا کہ آپ کے یہاں بھی فرقہ پرست ہیں، جس پر اجلاس میں بینشی دھر مدھرا نے (جو کہ کانگریس کے پرانے لیڈر تھے) برادرانِ وطن کے اجلاسِ عام میں کہا کہ اگر حکیم نظام الحق فرقہ پرست اور دیش برودھی ہیں، تو میں اُن سے پہلے فرقہ پرست اور دیش برودھی ہوں، اُن کے سمجھانے پر لوگوں کو آپ کی اہمیت کا غیر معمولی اندازہ ہوا۔ جرأت وحق گوئی حکام اور لیڈروں کے سامنے ظاہر فرمانے کے علاوہ دینی دعوت، احیاء اسلام اور تردید باطل وبدعات میں بھی نمایاں رہتی تھی، وہ مقابلہ آرائی اور بلاضرورت شدیدہ مباحثہ آرائی کو پسند نہیں فرماتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ آدمی ضد میں آ کر نہ غور کرتا ہے اور نہ اس کو سمجھتا ہے؛ البتہ موقع پڑنے پر حق پرستوں کی ہی رہنمائی اور تعاون فرماتے ہیں۔

ایک موقع پر جھولا باری میں ایک صاحب نے لوگوں کو مسئلہ بتایا کہ دیوبندی مسلمان نہیں ہیں، اُن کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ اور خود دینی عقائد میں غلو رتے ہوئے یہ سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اختیارات رسول اللہ کو دے دئے ہیں، وہ جسے چاہیں دیں، جس کو چاہیں نہ دیں۔ اِس بات پر گاؤں میں ہنگامہ آرائی تھی، حکیم صاحب کو بلایا گیا اور اُن صاحب سے گفتگو کرائی گئی، حکیم صاحب نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ رسول اللہ کو دے دیا ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے، حکیم صاحب نے کہا کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے اُس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کہنے لگا کہ میں کوئی مفتی نہیں ہوں

جو فتویٰ دوں، حکیم صاحب نے فرمایا کہ آپ دیوبندیوں کے خلاف حکم سنانے میں تو مفتی بن گئے، اور اب کہتے ہو کہ میں مفتی نہیں ہوں جو حکم بتاؤں، یہ سن کر وہ لاجواب ہو گیا۔ یہ واقعہ سنا کر حکیم صاحب نے فرمایا کہ بہرحال زیادہ بہتر یہی ہے کہ مباحثہ سے پرہیز کیا جائے؛ کیوں کہ انسان لاجواب ہو کر بھی مانتا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہی جس کو ہدایت دے وہ ہدایت پاتا ہے۔

حکیم صاحبؒ علمی حیثیت سے بھی پختہ استعداد رکھتے تھے، سخت سے سخت تر عبارت آسانی سے سمجھا دیتے تھے۔ علاقہ کے عوام؛ بلکہ علماء کرام تک مسائل میں اُن کی طرف رجوع کرتے تھے، اور اساتذۂ کرام اُن سے دریافت کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی بلندی سے نوازا تھا، وہ ہمیشہ اُصولی رہنمائی فرماتے تھے، اُنہوں نے کوئی تصنیف تو نہیں کی؛ لیکن اُن کے بے شمار شاگرد اُن کی تصانیف ہیں، جس سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں، اِن شاء اللہ یہ صدقہ جاریہ جاری رہے گا۔ حکیم صاحب مرحوم طب یونانی میں مہارت و تجربہ رکھتے تھے، جس کی بنا پر مریضوں کا اُن کی جانب ہمیشہ رجوع ہوتا رہا، اور من جانب اللہ شفا ملتی رہی، اپنے اخلاق و کردار سے مریضوں پر اچھا اثر ڈالتے تھے، اور حسب موقع اُن کو اپنے والد کے انداز پر دینی ہدایات سے بھی نوازتے تھے، جس سے اصلاح کا دروازہ کھلتا تھا۔

حکیم صاحب کے پسماندگان میں چار صاحب زادگان ہیں، چاروں عالم ہیں اور دینی تعلیمی خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔ چار بیٹیاں ہیں وہ بھی دینی تعلیمی جذبات رکھتی ہیں، اور طالبات کے مدارس سے وابستہ ہیں، اُن کے چھوٹے بھائی بھی عالم تھے، اور اُن کے بڑے بیٹے اور دو داماد عالم اُن کی زندگی میں وفات پاگئے، جن کی جدائی پر حکیم صاحب نے صبر و تحمل کا معیاری نمونہ پیش کیا، ایسے بزرگوں کی یادوں کے چراغ ہمیشہ روشن رہیں گے۔ صلبی اَولاد کے علاوہ روحانی اولاد کا ایک سلسلہ دراز ہے، سب دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو مغفرت اور درجاتِ عالیہ سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۸ء)

عارف باللہ حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ

پاکستان کے معروف صاحب نسب بزرگ عارف باللہ، امام الخطاطین ''نفیس رقم'' حضرت سید شاہ نفیس الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہ نے گذشتہ ۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۵؍فروری ۲۰۰۸ء بروز منگل کو لاہور میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شاہ صاحبؒ واقعی اسم بامسمی تھے، نفاست اُن کے چہرے بشرے، اخلاق وکرداراور اقوال واِرشادات سے نمایاں تھی، اللہ تعالیٰ نے ہر معاملے میں نہایت اعلیٰ ترین ذوق سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس دور میں فن خطاطی کے آپ بے تاج بادشاہ تھے، آپ کی اُنگلیوں میں کتابت کا ایسا حسن تھا کہ بس جو لکھ دیا، وہ حرفِ آخر ہو گیا، جس پر قواعد یا ذوقِ جمیل کے اعتبار سے اُنگلی رکھنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شان دار اور دیدہ زیب طغرے اور کتابوں کے سرورق بلاشبہ نادرۂ روزگار کہلائے جانے کے لائق ہیں۔ خط نستعلیق لاہوری اور خط ثلث میں تو آپ کی مہارت کا دور دور تک کوئی جواب ہی نہ تھا۔ ''ندائے شاہی'' کا طغریٰ آپ ہی کا تحریر فرمودہ اور آپ کی یادگار ہے، اِس رسالے اور اس کے مرتب سے آپ کو قلبی اُنسیت تھی۔ ''نعت النبی نمبر'' کی تیاری میں آپ کی توجہاتِ عالیہ اور عملی تعاون شامل حال رہا، فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس حسن ذوق کا جب عشق رسول کی مئے طہور سے امتزاج ہوا، تو آپ کے نفیس ترین جذبات خوب صورت نعتیہ غزلوں کی شکل میں مرتسم ہو کر صفحاتِ قرطاس پر بکھر گئے، آپ کی نعتیں کیا ہیں؟ بس یوں سمجھے ایک پروانۂ محبت کی فریادیں، یا پھر محبوب کے فراق میں تڑپنے والے سچے عاشق کی تڑپ کے اثر انگیز مظاہرے۔

آپ خانوادۂ نبوت سے نسبی طور پر تو وابستہ تھے ہی، ساتھ میں آپ اُس روحانی وراثت کے بھی امین تھے، جو اَولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے واسطوں سے ہم تک پہنچی ہے۔ آپ رائے پوریؒ دکّانِ معرفت کے خواجہ تاش اور موجودہ دور میں سلسلۂ چشتیہ کے سرتاج تھے، اسی کے ساتھ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا جذبہ بھی رگ و ریشہ میں بسا ہوا تھا۔

جہادِ افغانستان اور تحریک طالبان کے آپ بڑے مؤید تھے، اور تحریک ختم نبوت کے ممتاز قائدین میں تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی وفات سے دنیا ایک بڑے مربی، مصلح اُمت اور دینی رہبر سے محروم ہوگئی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۸ء)

صاحب النفائس حضرت سید شاہ نفیس الحسینیؒ

مولانا محمود حسن حسنی صاحب ندوی

اللہ کی زمین اس کے نیک اور مقبول بندوں سے کبھی خالی نہیں رہی ہے، اور نہ ہی خالی رہے گی، جن کے پاس جا کر قلب کو ایمانی حرارت سے گرمایا جائے، اور اللہ سے عشق اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے دل ودماغ کو معمور کیا جائے، زندگی گذارنے کا طریقہ سیکھا جائے، اخلاص واختصاص کی دولت حاصل کی جائے۔ مربی جلیل حضرت سید شاہ نفیس الحسینی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اُنہیں عارفین باصفا اور اصحابِ قلوب میں ایک امتیازی شان کی حامل شخصیت تھے، اور انہی مردانِ خدا میں سے ایک تھے، جن پر علامہ اقبالؔ کا یہ مصرعہ صادق آتا ہے:

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خود اُنہیں ایسا ہی ''مردِ مؤمن'' ملا تھا، پھر کیا تو وہ خود خضرِ راہ بن گئے، اور طریقت کی رہبری لینے اور جامِ محبت پینے کے لئے بڑے بڑے ربانی علماء نے اُن کے دروازے کو کھٹکھٹایا اور جامِ معرفت پیا، اِس حقیقت کو سمجھنے کے لئے صرف تین نام لینا ہی کافی ہے۔

جن میں ایک نام مولانا محمد عبدالحلیم چشتی نعمانی کراچوی کا ہے، ممتاز محقق، مصنف، علم اور صوفی باصفا۔ دوسرا نام مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا ہے، کتاب وسنت کے ممتاز عالم، شہرۂ آفاق خطیب وداعی اور مایۂ ناز معلم ومبلغ دین۔ تیسرا نام مولانا طارق جمیل صاحب کا ہے، مبلغ، مصلح، داعی اور ایک ہردل عزیز شخصیت اور صاحب تاثیر عالم دین۔ **كثر اللّٰه أمثالهم وبارك الله في حياتهم**۔

صاحب النفائس حضرت مولانا سید انور حسین ''نفیس رقم'' زیدی الحسینی حضرت علی زین

العابدین کے صاحب زادے، حضرت زید الشہید کی نسل کی ممتاز علمی، دینی، اصلاحی وروحانی شخصیت حضرت سید محمد بن یوسف الحسینی معروف بن ''گیسودراز'' کی اولاد میں تھے۔ خواجہ گیسو دراز سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اَولیاء کے خلیفہ اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے نامور اور مرجع خلائق خلیفہ تھے، ہندوستان کی ریاست کرناٹک کا شہر ''گلبرگہ'' اُن کا مولد وموطن اور مدفن ہوا، اُن کی نسل کے بعض افراد پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں ہیں۔ حسینی سید نفیس رقم اسی سیالکوٹ میں ۱۱/ مارچ ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد خطاط القرآن حضرت سید اشرف علی ایک صاحب دل بزرگ بھی تھے، اور خطاطیت میں مقام امتیاز رکھتے تھے۔ اُن کے ذوق وفکر کے اثرات شاہ صاحب پر مرتب ہوکر رہے، تعلیم وتربیت میں اُن کی دوسری محسن شخصیت مولانا سید محمد اسلم صاحب کی تھی، جنھوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی تھی، اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے فیض اُٹھایا تھا، اُن سے کتاب وسنت کا علم حضرت شاہ صاحب نے حاصل کیا، گریجویٹ کی تعلیم بھی اُنہوں نے حاصل کی۔ پھر فن خطاطی سے خلق خدا کو نفع پہنچانے لگے، یہ چیز اُن کی معیشت کو جہاں فائدہ پہنچاتی تھی، وہیں وہ روز کچھ کام اس تعلق سے بغیر مالی منفعت کے بھی انجام دیتے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اُنہیں شروع ہی سے بڑی محبت رہی، چناں چہ زمانۂ طالب علمی میں ہی نعت کہنی شروع کردی، اور بہت جلد اعلیٰ شعری ذوق حاصل کرلیا۔ دوسری طرف اُنہیں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے بڑا تعلق بڑھ گیا، جس میں اُن کی طرف خاندانی انتساب کے علاوہ اُن کی مظلومانہ شہادت، دین اور اعلاء کلمۃ اللہ، اُن کی جان ومال کی قربانی اور جرأت ایمانی کا عظیم مظاہرہ؛ اس چیز نے حضرت سید نفیس رقم صاحب کو برابر بے چین رکھا۔ متأخرین رہنمایانِ اُمت میں اُنہیں سید المجاہدین حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق عشق کی حد تک پہنچ گیا تھا، اُن کی ایک ایک اَدا پر وہ فدا تھے، اُنہیں قدرت سے جو عشق ومحبت کا خمیر عطا ہوا تھا، وہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمت میں اُنہیں کھینچ لایا، اور صرف ایک سال کے عرصہ میں اِرشاد وتربیت کے عظیم کام کے

اہلِ قرار پائے، اور اُن کے خلیفہ ہوگئے، یعنی جو تعلق مع اللہ کی دولت حاصل کرنے کے لئے کسی سچے صاحب عشق و محبت کی صحبت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ اُن کی خدمت میں رہ کر یہ دولت حاصل کرسکتا ہے۔ اس خلعت سے سرفراز ہونے کے باوجود اُنہوں نے اپنے کو ہمیشہ حقیر ہی جانا، مگر وہ دوسروں کی نگاہ میں معظم و مکرم ہوتے چلے گئے، اور یہ دعائیہ حدیث نبوی اُن پر صادق آئی: ''اللّٰھم اجعلني في عیني صغیراً وفي أعین الناس کبیراً''۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کوئی لمبی مدت استفادہ کی نہ رہی، پانچ سالوں پر محیط اِس مختصر عرصے میں اُنہوں نے وہ کسب فیض کیا جو طویل مدت استفادہ کے بعد حاصل کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی وفات کے بعد اُنہوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو اپنا رہنما سمجھا، مراسلت اور خدمت میں حاضری کے ذریعہ وہ مستفید ہوتے رہے۔ دیگر علماء وقت میں محدثِ عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ سے بھی استفادہ جاری رکھا، اور اُن کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کو اپنے لئے سعادت کی بات جانی، اُن کے بعد بھی اُن کے اِداروں اور اُن کے اخلاف سے تعلق رکھا، اور اپنے علم و فن سے اُن کو فائدہ پہنچایا۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اُنہیں بڑی عقیدت و محبت رہی، اسی لئے اُنہیں اُن کے خانوادے کے جمیع اَفراد سے تعلق خاطر رہا، اور اُن کے اکرام میں اُنہوں نے کبھی فرق نہیں آنے دیا۔ یہی حال حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے اخلاف کے ساتھ رہا، اور اِس حد تک کہ اُن کے صاحب زادہ عالی قدر حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی کو وفات سے چند ماہ قبل یہ کہلوایا کہ: ''مرنے کے بعد آئیں گے تو کیا آئیں گے''۔ اِس پیغام کو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ نے حکم کا درجہ دیا اور فوری طور پر سفر پاکستان پر روانہ ہوئے۔ سید المجاہدین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے خاندانی نسبت رکھنے والوں کا بڑا خیال فرماتے، اور اُن کی راحت کے لئے اپنی راحت کو قربان

کر دیتے، اُن کی ضیافت میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، اور حضرت سید صاحبؒ کا والہانہ ذکر کرتے، بعض ایسے افرادِ خاندان کی حاضری ہوئی تو اُنہیں بالاکوٹ بھیجنے کا التزام کیا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے خلفاء واخلاف کا بھی بڑا احترام فرماتے، اُن میں انہیں حضرت شاہ عبدالعزیز نواسہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور حضرت مولانا عبدالجلیل (برادر زادہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ) اور حضرت مولانا عبدالوحید صاحب (خواہر زادہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ) سے بڑا تعلق رہا۔ اور حضرت مولانا عبدالوحید صاحب کا یہ احسان مانتے کہ شیخ ومرشد کے دربار میں رسائی اور تقرب کے احکامات کو اُن کے طرزِ عمل سے بڑی تقویت ملی، حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب کے نام حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے مکاتیب کو بڑے اہتمام سے طبع کرایا۔

دعوت وتبلیغ کے کام سے اُن کو بڑی مناسبت تھی، آج بھی جماعت تبلیغ (خصوصاً پاکستان) کے اہم اور مرکزی افراد اور جماعت سے وابستہ عمومی اَفراد کا اصلاح واستفادہ میں اُن سے خاص تعلق نظر آتا ہے، اور پورے حلقہ میں اُن کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔

تحریک شہیدین سے اُن کو بڑا جذباتی تعلق تھا، اسی نسبت سے اُنہوں نے اپنی خانقاہ کا نام ''خانقاہِ حضرت سید احمد شہیدؒ'' رکھا، اور وہاں ابتدائی مدرسہ بھی قائم کیا۔ لکھنؤ میں جب اُن کے مسترشد باکمال حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے جامعہ سید احمد شہید کی بنیاد ڈالی، اور اُس کو ترقی دینے کے لئے تگ ودو کی، تو حضرت شاہ نفیس رقم صاحب کی روحانی توجہات اور دلی دعائیں اس کے ساتھ رہیں، اور وہ اس کی ترقی کی ہر خبر سے بڑے خوش ہوتے، اور اس کو دیکھنے کی بڑی تمنا رکھتے۔

اسی طرح اُنہیں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے وطن اور جائے ولادت اور اُن کے خاندان کے مستقر دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی سے بڑا ہی تعلق تھا، یہاں وہ ۱۹۸۷ء

میں تشریف بھی لائے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ایک بار پھر حاضری ہوجائے جو مقدر نہیں ہو سکی، مگر اُنہیں اس کی خوشی حاصل ہوتی رہی کہ یہاں کے افراد اُن سے جذباتی تعلق رکھتے ہیں۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اصلاح ودعوت کی روداد ''وقائع احمدی'' جو کئی جلدوں میں مخطوطہ تھی، اس کا عکسی نسخہ جب یہاں کے حضرات نے اُن کی خدمت میں بھیجا، تو اُنہوں نے بڑے اہتمام سے اس کو نہایت اعلیٰ کاغذ پر شائع کرایا، اوراس پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے مقدمہ تحریر کرنے کو فرمایا، اور سرورق پر اُن کا نام درج کیا۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے سلاسل تصوف پر گہرے اثرات کے نہ صرف وہ قائل تھے؛ بلکہ اُنہیں امام طریقت اور مجدد سلسلہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے اُنہوں نے ایک اہم اور وقیع کتاب ''حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تعلقات'' کے نام سے لکھی، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ''رسالہ اشتغال'' جو فارسی زبان میں تھا، اور اُن کی کتاب ''صراطِ مستقیم'' کا ایک حصہ تھا، الگ سے مستقل رسالہ کے طور پر اُردو زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا، حضرت سید صاحب شہید کے مکتوبات بھی اہتمام سے شائع کرائے، اور اُن کے مشہد بالاکوٹ میں مدرسہ سید احمد شہیدؒ قائم کیا، اور بالاکوٹ جب زلزلہ سے متأثر ہوا تو اُس کی آبیاری کے کام میں بھی گراں قدر حصہ لیا۔

خانوادۂ نبوت کی محبت اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، جب وہ یہ دیکھتے کہ مخالفت شیعیت میں غلو کے نتیجے میں خانوادۂ نبوت سے تعلق میں کوتاہی ہورہی ہے، جس سے محبت نبوی کا متأثر ہونا ناگزیر ہے، وہ بڑے فکرمند ہوجاتے، اس غلو سے بچانے کے لئے اُنہوں نے کئی کتابیں شائع کیں۔ جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''المرتضیٰ'' چھپ کر سامنے آئی، تو اُنہوں نے نہایت اعلیٰ کاغذ پر چھپوانے کا نظم کیا، اور خوب اشاعت کی۔ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر خود ایک کتاب لکھی، اور اُن کی شخصیت سے متعلق ایک تحقیقی کتاب عربی زبان میں شائع کرائی، جو اُستاذ عبدالواحد الخیاری ندوی الجزائری کے قلم سے ہے۔

حضرت زید شہید پر ایک عربی کتاب کا ترجمہ کرا کے اس کی تلخیص شائع کی، جو اُن کے خاندانی اسلاف کے احوال پر مشتمل کتاب ''شجرۃ الاشراف'' کا حصہ ہے، یہ ترجمہ مولانا مختار احمد ندوی مہتمم جامعۃ الشیخ عبدالسلام الاسلامیہ ہنسوہ فتح پور کے قلم سے ہے۔ اس طرح اور بھی کچھ رسائل ہیں، جن میں مولانا محمد اویس نگرامی ندوی اور مولانا عبدالجبار غزنوی کی بھی تحریریں ہیں۔

انہیں اپنے سلسلہ طریقت کے بزرگوں سے والہانہ تعلق تھا، اُن کے احوال پر بھی چند کتابیں ہیں۔ ''شعر الفراق'' حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے احوال پر ہے۔ ''قاسم العلوم والخیرات'' حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے احوال ہیں، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے عنوان سے ایک رسالہ ہے۔

دعوت وتبلیغ کا ایک موضوع ''ردقادیانیت'' بھی تھا، تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے بھی اُن کی خدمات سامنے آئیں، اور وہ پاکستان میں ختم نبوت کے سرپرستوں میں تھے، اُنہوں نے اس تعلق سے بھی کئی کتابیں شائع کیں، جن میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''قادیانیت'' بھی ہے، اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی بھی ایک کتاب ہے۔

اُن کے کئی اِشاعتی اِدارے تھے، جن میں بعض کے وہ خود مالک تھے، اور بعض کے ذمہ داران اُن کے متوسلین ومعتقدین تھے، اس لئے اُن کو اشاعت کے کام میں دشواری پیش نہیں آتی تھی، اللہ تعالیٰ نے مکتبوں کے مالکوں اور اکیڈمیوں کے ذمہ داروں کو اُن کے لئے مسخر کر رکھا تھا۔

حضرت نوراللہ مرقدہٗ بڑے ہی اولوالعزمانہ کردار کی شخصیت اور پاک نفس اور عظیم ترین بزرگ ہستی تھے۔ اِرشاد وتوجہ، دعوت وعزیمت اور جہاد بالعلم وجہاد بالسیف دونوں اور اُن سبھی رسائل کے گویا زبان، قلم اور قلب کے ساتھ جوارح کی صلاحیتوں سے بھی بنفس نفیس وہ کارہائے نمایاں اور خدماتِ جلیلہ انجام دے گئے جو تاریخ کے صفحات کے اَنمٹ نقوش ہی نہیں؛ بلکہ غلط رخ پر جارہی تاریخ کو صحیح رخ پر پہنچانے کی کشتی کی ناخدائی کے لئے اُن کے ناقابل

فراموش عمل کی نشان دہی کرتے ہیں۔

۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۵؍فروری ۲۰۰۸ء بروز منگل کو صبح صادق سے پہلے دعوت رب کو لبیک کہہ گئے، خانقاہِ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک گوشہ میں ابدی نیند سو گئے، ۷۵؍سال کی عمر پائی۔

رحمه اللّٰه تعالیٰ رحمةً واسعةً، وغفر له مغفرةً تامةً

وأدخله في جنات النعيم مع النبيين والصديقين

والشهداء والصالحين

وحسن اولٓئك رفيقًا۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۰۸ء)

حضرت مولانا محمد افتخار الحق صاحبؒ

مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب استاذ جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

مشرقی یوپی کے ممتاز اِدارہ جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے مہتمم اعلیٰ حضرت مولانا افتخار الحق صاحبؒ ۲۱ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰ر جنوری ۲۰۰۸ء بروز بدھ کو صبح ساڑھے دس بجے انتقال فرماگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک عرصۂ دراز سے علیل تھے، بالآخر اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ آپ ایک طویل مدت سے مدرسہ نور العلوم بہرائچ کے مہتمم رہے، اسی اِدارے میں آپ نے تعلیم پائی اور پھر اخیر تک اسی سے منسلک رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائیں، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، آمین۔ آپ کے پسماندگان کو خاص طور سے مدرسہ نور العلوم کو بہترین نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔ (مرتب)

ہر روز کی طرح ۲۱ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰ر جنوری ۲۰۰۸ء بروز بدھ کو جامعہ مسعودیہ نور العلوم کی صبح اپنی علمی جولانیوں کے ساتھ نمودار ہوئی، صبح حسبِ معمول تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، طلبہ واساتذہ اپنی درسگاہوں میں ہمہ تن مصروف تعلیم وتعلم تھے، ہر چہار جانب علم کا غلغلہ وشور تھا، ایسے میں یہ خبر بجلی بن کر کوندگئی کہ جامعہ کے مؤقر مہتمم، مایہ ناز عالم دین حضرت مولانا محمد افتخار الحق صاحب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اِنا للّٰہ واِنا الیہ راجعون۔

بعد نماز مغرب جامع مسجد میں ایک جم غفیر نے آپ کے صاحب زادے مولانا ڈاکٹر ابرار الحق صاحب کی اقتدا میں جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد جنازہ آپ کی آخری آرام گاہ قبرستان مولوی باغ لے جایا گیا، جہاں آپ کے اعزہ واقربا پہلے سے مدفون ہیں اور وہیں پر آپ کو سپرد خاک کردیا گیا۔

بیمار عشق لے کے ترا نام سوگیا
مدت کے بے قرار کو آرام آگیا

موصوف کئی سالوں سے علیل چل رہے تھے، کبھی صحت اور کبھی بیماری کا عارضہ رہتا، لیکن جب بھی افاقہ ہوتا ہمت وطاقت ہوتی تو مدرسہ نور العلوم تشریف لاتے، البتہ ادھر قریب سال بھر کا عرصہ اس طرح گذرا کہ بیماری اور کمزوری کے سبب بالکل صاحب فراش ہوگئے تھے، اٹھنے بیٹھنے کی سکت بالکل نہیں رہی تھی، اور بالآخر وقت موعود آپہنچا۔ رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں محلّہ ناظرہ پورہ کے ایک علمی گھرانے میں آپ نے آنکھیں کھولیں، والد بزرگوار حضرت مولانا احسان الحق صاحبؒ مہتمم اول جامعہ اور مولانا محفوظ الرحمٰن صاحبؒ نامی بانی جامعہ نور العلوم کے زیر نگرانی آپ نے اپنا علمی سفر طے کیا، والدہ محترمہ سے ناظرہ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ نے جامعہ مسعودیہ نور العلوم میں داخل ہوکر فارسی سے لے مشکوۃ شریف تک تعلیم حاصل کی، جامعہ کے جن مؤقر اور عظیم المرتبت اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل رہا، ان میں حضرت مولانا سید حمید الدین صاحبؒ شیخ الحدیث جامعہ واستاذ تفسیر دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاویؒ صاحب مصباح اللغات، حضرت مولانا سلامت اللہ بیگ صاحبؒ صدر المدرسین جامعہ، حضرت مولانا حافظ محمد نعمان بیگ صاحبؒ مہاجر مکی ناظم تعلیمات جامعہ، حضرت مولانا حافظ حبیب احمد صاحبؒ اعمیٰ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، دورۂ حدیث شریف سے آپ کی فراغت از ہر الہند دار العلوم دیوبند سے ۱۹۵۰ھ میں ہوئی اور آپ نے اس وقت کے دار العلوم کے علمی افق پر طلوع تابندہ ستاروں اور عبقری شخصیتوں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور مولانا بشیر احمد صاحبؒ سے علمی و روحانی اکتساب فیض کیا، دار العلوم کے امتحان ششماہی میں آپ نے اول پوزیشن حاصل کی اور امتحان سالانہ میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، اساتذہ میں سے حضرت شیخ الاسلام کے اسفار جفاکشی، ان کے مجاہدانہ کارناموں اور مہمانوں کی ضیافت وخدمت کا تذکرہ بڑی محبت اور عقیدت سے فرماتے کبھی کبھار تذکرہ کرتے کرتے آبدیدہ ہوجاتے، اور اسی تعلق اور عقیدت کے سبب آپ کو

خاندانِ مدنی سے بڑی گرویدگی اور محبت تھی، بالخصوص فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ اور حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی سے۔

فراغت کے معاً بعد جامعہ نور العلوم میں تدریس کے لئے آپ کی تقرری ہوگئی اور ابتدائی کتابیں آپ سے متعلق کی گئیں، ۵۴،۱۹۵۳ء میں مولانا محفوظ الرحمٰن صاحبؒ نے آپ کو شوریٰ کا رکن نامزد کیا اور ۱۹۶۱ء میں جب آپ کے والد اور جامعہ کے مہتمم اول مولانا احسان الحق صاحبؒ اپنی بیماری کے سبب جامعہ سے مستعفی ہوئے تو حضرت مولانا سلامت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا کلیم اللہ صاحب نوریؒ الحسینی کی تجویز پر ۲۲؍جنوری ۱۹۶۱ء کو جامعہ کا مہتمم آپ کو بنایا گیا، جب کہ آپ کی عمر صرف تیس سال تھی اور تا زیست آپ اس منصب پر فائز رہے، اس طرح تقریباً چھیالیس سال آپ جامعہ کے مہتمم رہے، اس درمیان جامعہ نے تعلیمی، تعمیری اور انتظامی ہر میدان میں نمایاں ترقی کی۔ مرحوم کم گو، خلیق، ملنسار، مخلص اور نیک سیرت انسان تھے، مقرر اور واعظ نہیں تھے، اس لئے اسفار وغیرہ نہ کے برابر تھے، زندگی کا بیشتر حصہ گھر یا مدرسہ میں گذرا، ایک زمانہ کتابت اور اکلیل پریس جو آپ کے دادا مولانا نور محمد صاحبؒ نقشبندی مجددی مرحوم کا قائم کردہ تھا اور جہاں سے انھوں نے اپنے شیخ ومرشد شیخ الدلائل حضرت مولانا عبدالحق صاحب مہاجر مکیؒ کی تصنیف کردہ حاشیہ تفسیر **"الاکلیل علی مدارك التنزیل"** شائع کی تھی اس سے وابستگی رہی اور کچھ دنوں اس کی مشغولیت کے سبب تدریس سے انقطاع بھی رہا، لیکن جب پریس کی ذمہ داری نہیں رہی اور کتابت کی مشغولیت بھی کم ہوگئی تو اہتمام کی ذمہ داریوں کے ساتھ تدریس کی خدمت بھی انجام دیں، کافی عرصہ تک جلالین شریف یا ترجمہ قرآن کریم کا سبق آپ سے متعلق رہا، اسی لئے تفاسیر پر آپ کی اچھی نظر تھی، بعض مرتبہ تفسیر کے عنوان سے کچھ کام کرنے کے شوق وداعیہ کا اظہار بھی کرتے، لیکن شوق وجذبہ زیب قرطاس نہ بن سکا، قرآن پاک کی تلاوت کا بھی بڑا اہتمام تھا، خالی اوقات میں کثرت سے تلاوت کلام اللہ کا وِرد رہتا، اسی لئے حفاظ قرآن تراویح میں اگر کوئی غلطی کرتے تو فوراً لقمہ دیتے، اور مہتمم صاحبؒ کی موجودگی

حافظ کے لئے کسی حافظ کی موجوگی سے کم نہ ہوتی، آپ ایک بہترین خطاط وخوش نویس بھی تھے، قریبی اضلاع میں وہ اپنے فن میں منفرد تھے، اچھے اشتہارات اور دیگر کاغذات کی کتابت کے لئے لوگ بالعموم آپ ہی سے رجوع ہوتے تھے، اسی کے ساتھ شاعری کا پاکیزہ ذوق بھی اللہ نے آپ کو دیا تھا، منور آپ کا تخلص تھا اور یہ کسبی سے زیادہ فطری تھا، آپ کی حمد ونعت کے کئی کلام رسائل وجرائد میں بھی شائع ہوئے، جس کو اہل علم نے پسند بھی کیا جیسے ''محمد کی محبت'' کے عنوان سے ایک نعتیہ کلام میں نذرانہ عقیدت یوں پیش کرتے ہیں:

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے ❖ اسی میں ہو اگر خامی تو ایماں نامکمل ہے
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی ❖ خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

اپنے ایک دوسرے کلام میں جس کا سرِ عنوان ''اللہ اللہ'' ہے، فرط عقیدت ومحبت اور جذبات دل کو یوں بیان کرتے ہیں ۔

اگر کاش ہوتی حضوری حرم کی ❖ تو ہو جاتا میں نہال اللہ اللہ
پہنچتا ترے در پہ حسرت ہے دل کی ❖ ختم ہوتا میرا ملال اللہ اللہ
گناہوں کی کثرت سے مایوس ہے دل ❖ کرم کا ہے ان کے خیال اللہ اللہ
یہ طیبہ ہے طیبہ محمد کا طیبہ ❖ ہر اک سمت ان کا مجال اللہ اللہ
تڑپتا ہے دل ان کی زیارت کو یارب ❖ نہیں دل میں کوئی خیال اللہ اللہ
دوبارہ حضوری کی ہے اب تمنا ❖ زہے گر ہو پورا سوال اللہ اللہ
رسائی اگر ان کے روضے پہ ہوتی ❖ تو مٹ جاتے سارے ملال اللہ اللہ
خدا کے ہیں پیارے خدا کے دلارے ❖ محمد نبی خوش خصال اللہ اللہ
بیان آپ کا اور زبانِ منور ❖ ارے چپ یہ تیری مجال اللہ اللہ

بیعت وسلوک میں آپ کا تعلق حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ سے تھا، لیکن اجازت آپ کو ایک صاحب سلسلہ بزرگ حضرت مولانا حکیم منیر الدین صاحب امام شاہی مسجد مئو سے

حاصل تھی اور اسی سلسلہ سے آپ لوگوں کو بیعت بھی کرتے تھے، عاقل پور اور نرہر گونڈہ کا علاقہ آپ کے خاص معتقدین میں تھا، عیدین کی نماز اور ویسے بھی گاہ بگاہ اس علاقہ میں آپ کی آمدو رفت کا سلسلہ تھا، طبیعت میں غایت درجہ عاجزی وانکساری تھی، ہر ایک کے ساتھ بڑی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے، طلبہ و اساتذہ کے ساتھ ہمیشہ بڑا خیر خواہانہ معاملہ رہا، خورد نوازی اور حوصلہ افزائی بھی طبیعت میں بہت تھی، الحمد للہ آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت جامعہ اور ملک کے مختلف اداروں میں دین وعلم کے مختلف مناصب پر فائز ہو کر علم دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جو انشاء اللہ موصوف کے لئے توشہ آخرت اور رفع درجات کا باعث ہوں گے، اللہ ان پر رحم وکرم کی بارش فرما کر قرب کا اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ (آمین)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۸ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیریؒ

اِمام العصر محدثِ کبیر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کے خلف الصدق، دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین، ہزاروں تلامذہ کے اُستاذ ومربی اور عالم اسلام کے ممتاز عالم دین، حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶؍اپریل ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ کو دہلی کے ایک اسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کی نماز جنازہ اُسی دن بعد نماز عشاء دارالعلوم دیوبند کے ''اِحاطہ مولسری'' میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی اقتداء میں اَدا کی گئی، جس میں ہزاروں علماء اور عوام وخواص نے شرکت کی، اور ''مقبرۂ انوری'' میں اپنے والد محترم کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ بے نظیر اور منفرد صلاحیتوں کے مالک تھے، جہاں آپ خطابت کے بے تاج بادشاہ تھے، وہیں آپ کی تحریریں بھی اپنے اندر بڑی جاذبیت اور تاثیر رکھتی تھیں، تحریر میں آپ گویا کہ اپنے اُسلوب کے خود ہی موجد تھے، بندشیں نہایت چست اور برمحل، اور تعبیرات انتہائی بلند اور اُردو اَدب کے شاہکار کی حیثیت رکھتی تھیں۔ بالخصوص منظر نگاری اور شخصیات کے تعارف میں آپ کو بلا کا ملکہ حاصل تھا، ذہانت اِس درجہ کی تھی کہ آپ عموماً دورانِ سفر سادہ کاغذ اُٹھاتے اور دل ودماغ میں متلاطم خیالات، بے تکلفی اور متانت کے ساتھ صفحہ

قرطاس پر بکھیر دیتے۔ آپ نے پوری زندگی حدیث شریف اور علوم نبوت کی درس وتدریس میں گذاری۔ دارالعلوم دیوبند اور بعد میں دارالعلوم وقف کی مسند حدیث سے آپ کا فیض چار دانگ عالم میں پھیلا، دنیا کے مختلف خطوں میں؛ بلکہ گوشہ گوشہ میں بڑی تعداد میں آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان موجود ہیں، جو آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنیں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

تدریس کے ساتھ آپ کو سیاسی اور سماجی موضوعات سے بھی دلچسپی رہی، جمعیۃ علماء ہند سے بھی عرصۂ دراز تک وابستہ رہے۔ آپ کی فکر ''انڈین نیشنل کانگریس'' کی فکر کے موافق تھی، اور آپ اُتر پردیش کانگریس کے نائب صدر بھی تھے؛ تاہم کانگریس کی غلط پالیسیوں کو دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا تھا، اور کبھی کبھی اپنے مضامین میں اس کا برملا اظہار بھی کردیا کرتے تھے۔ آپ نے ملی مسائل پر اظہار رائے کے لئے ''تنظیم علماء ہند'' کی داغ بیل ڈالی تھی، جس کے روحِ رواں آپ ہی تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی پیدائش ۱۹۲۷ء میں دیوبند میں ہوئی، کل ۴/سال کی عمر میں عظیم باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، ابتدائی تعلیم دیوبند ہی میں حاصل کی، پھر لاہور چلے گئے، وہاں پنجاب یونیورسٹی سے اُردو میں مختلف ڈگریاں حاصل کیں، پھر واپس دیوبند آکر دارالعلوم دیوبند سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جیسے جلیل القدر اَساتذہ سے آپ نے اکتسابِ فیض کیا۔ فراغت کے بعد ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم دیوبند کے تدریسی شعبے سے وابستہ ہوئے، اور شروع سے لے کر اخیر تک درسِ نظامی کی تقریباً سبھی کتابیں پڑھانے کی سعادت حاصل کی، اور ساتھ میں مختلف انتظامی شعبوں پر بھی ذمہ دارانہ حیثیت سے فائز رہے۔ ۱۹۸۰ء میں آپ نے دارالعلوم وقف دیوبند سے وابستگی اختیار کی، اور اِس ادارے کو پروان چڑھانے میں مؤثر کردار اَدا کیا۔

آپ نے زندگی کے آخری دور ۱۹۹۷ء میں دیوبند میں ایک تعلیمی اور تربیتی اِدارہ کی

بنیاد رکھی، جو آج ''جامعۃ الامام انور شاہ'' کی شکل میں تن آور درخت بن چکا ہے، اور جس کا تعلیمی اور تربیتی ریکارڈ قابل قدر ہے۔

آپ کو اپنے والد ماجد حضرت امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے اِفادات وتبرکات کی اِشاعت سے بڑی دلچسپی تھی، اِس سلسلہ کی متعدد کتابیں آپ نے شائع کرائیں۔ اخیر میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تقاریر ترمذی کو تحقیق وتنقیح کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی کے ذریعہ ''العرف الذکی'' کی صورت میں اِشاعت کا منصوبہ بنایا، جس کی پہلی ضخیم جلد عربی میں شائع ہوکر شائقین سے دادِ تحسین وصول کررہی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ منصوبہ جلد از جلد بخیر وخوبی انجام کو پہنچے گا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے منجملہ آثار باقیات میں شامل ہوگا، اِس کے علاوہ اور بھی متعدد تالیفات اور تراجم آپ کی یادگار ہیں۔

پسماندگان میں صاحب زادیوں کے علاوہ ایک صاحب زادے جناب مولانا احمد خضر صاحب ہیں، جو دارالعلوم وقف کے نائب ناظم تعلیمات اور ''جامعۃ الامام انور شاہ'' کے روحِ رواں ہیں۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۸ء)

حاجی محمد داؤد خاں صاحبؒ بہرائچ

مولانا مفتی عبدالجلیل خاں قاسمی ناظم اوقاف جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

علاقہ بنکٹی گاؤں ظہور پورہ ضلع بہرائچ کی نامور شخصیت مولانا محمد عرفان خان صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند کے والد بزرگوار راقم الحروف کے بڑے ابو جناب حاجی محمد داؤد خاں صاحب ایک طویل علالت کے بعد مؤرخہ ۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵/اپریل ۲۰۰۸ء بروز جمعہ بوقت ڈھائی بجے دوپہر تقریباً ۸۵/سال کی عمر پاکرانتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تدفین آبائی قبرستان میں ہوئی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے مولانا محمد عرفان صاحب نے پڑھائی جنازہ میں قرب وجوار کے اکثر علماء، صلحاء اور سینکڑوں بندگانِ خدا نے شرکت کی۔

مرحوم نیک دیندار، صوم وصلوۃ کے پابند اور اپنے علاقے کے امیر تبلیغ جماعت اور مرجع خلائق تھے، موصوف ٹھیکیدار نور محمد خاں کے چھوٹے صاحبزادے جناب محمد سرفراز خاں کی بڑی اولاد میں سے تھے، مرضیٔ خداوندی کم عمری ہی میں والدہ ماجدہ کا سایہ اٹھ گیا والد بزرگوار پیدائشی گونگے تھے بایں وجہ بچپن سے لیکر جوانی تک آپ کے منجھلے بڑے ابو جناب رجّب خاں صاحب مرحوم کی تربیت میں رہے اوران سے بڑی شفقتیں اور رہنمائی حاصل کی، تعلیم آپ کی کم تھی مگر خداوند قدوس نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں واوصاف حمیدہ سے مالا مال فرمایا تھا۔

خداداد صفات میں سے (۱) مہماں نوازی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی آپ اپنے علاقہ کے مشہور مہماں نواز شمار کیئے جاتے تھے۔

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ نے گویائی ذہانت وفطانت کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اچھے سے اچھے لوگ مرعوب ہوجاتے اور بڑی سے بڑی واہم پنچایت کو بہت حسن اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے۔

(۳) علماء، صلحاء سے محبت اور لگاؤ بے پناہ تھی یہی وجہ تھی کہ باوجود کم علم ہونے کے دینی معلومات آپ کو بہت تھی باریک سے باریک مسائل کو چٹکیوں میں حل فرمادیتے تھے۔

(۴) ایمانی رعب اللہ رب العزت نے ایسا عطا فرمایا تھا کہ عام قسم کا انسان جلدی آپ کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔

(۵) عام طور پر پیدل چلنے کی عادت تھی بڑی سے بڑی مسافت پیدل ہی طے کرتے پیدل چلنے میں آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔

(۶) تقویٰ وپرہیز گاری، خوف خدا اور سنت نبوی کے بہت پابند تھے ایک عرصۂ دراز سے اپنے آپ کو دنیا ومافیہا سے الگ کر کے عبادت وریاضت اور بندگی خداوندی میں اپنے آپ کو پورے طور پر لگا رکھا تھا۔

(۷) آپ کو تبلیغی جماعت سے ایسا لگاؤ تھا کہ اخیر کی پوری زندگی ۲۴ رگھنٹہ تبلیغ کے لئے وقف کر رکھی تھی یہی وجہ تھی کہ آپ علاقۂ بنکی کے امیر تبلیغی جماعت رہے، ہر وقت آپ کا بستر اور سامان بندھا رہتا تھا، جماعت میں آپکی تشکیل بہت مشہور تھی، آپ کئی چلے اور چار ماہ راہ خدا میں لگائے ہوئے تھے، نیز مرکز نظام الدین دہلی کی ترتیب پر مرکز میں آپ کے دو ماہ بھی لگے ہوئے تھے۔

(۸) آپ کا اصلاحی تعلق عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی سے تھا۔

(۹) آپ قومی مسائل اور جمعیۃ علماء سے والہانہ تعلق رکھتے تھے اکابر کی زندگی اور ان کے احوال پر اچھی گفتگو اور معلومات رکھتے تھے۔

(۱۰) آپ معاملات کے بہت صاف انسان تھے یہی وجہ تھی کہ انتقال کے وقت آپ پر کوئی قرضہ اور لین دین نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی جملہ حسنات جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطاء فرمائیں، آمین۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین آباد

نوٹ : قارئین ندائے شاہی سے بھی اپیل ہے مرحوم کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب و دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۸ء)

حضرت مولانا مبین احمد صاحبؒ

حضرت مولانا مبین احمد صاحب اُستاذ حدیث وتفسیر مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ غازی آباد نے مختصر علالت کے بعد ۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰/ جون ۲۰۰۸ء بروز پیر کو دہلی کے ایک اسپتال میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف ایک کامیاب مدرس مایۂ ناز خطیب اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ کے چہرے بشرے سے عالمانہ وقار نمایاں رہتا تھا نہایت وضع دار اور خوش اخلاق شخصیت کے مالک تھے۔ زیارت حرمین اور حج بیت اللہ سے خاص شغف تھا، ۱۹۹۰ء سے وفات تک تقریباً ہر سال حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اور عموماً آپ پہلے تشریف لے جاتے اور آخری جہازوں سے واپس آتے تھے، مکہ معظّمہ کے زمانۂ قیام میں آپ مدرسہ صولتیہ میں حجاج کرام کی دینی رہنمائی فرماتے اور اپنا فیض عام فرماتے، اسی بناپر آپ کو حج کے مسائل میں کافی عبور حاصل ہو گیا تھا، آپ کی ولادت ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۵/ اگست ۱۹۵۲ء میں ہوئی، دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۹۰ھ میں فراغت حاصل کی اس کے بعد استاذ معظم حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کے حکم پر مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس ہوئے اور دو سال کے بعد آپ ہی کی ایما پر مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ سے وابستہ ہوئے اور تادم حیات اسی ادارہ میں رہ کر تدریسی واصلاحی خدمات انجام دیں۔

آپ کو تصوف میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت شاہ محمد امین صاحب ملتانی سے اجازت بیعت حاصل تھی، آپ کا وعظ کافی مقبول تھا، ملک کے طول وعرض میں آپ کے اسفار ہوتے رہتے تھے۔ وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک دہلی سے اوّلاً ہاپوڑ لائی گئی، اور بعد ازاں وطن مالوف ٹانڈہ بادلی لے جائی گئی، اور ایک بڑے مجمع نے آپ کے صاحب زادے حافظ عبد المتین صاحب کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی اور ٹانڈہ عیدگاہ کے قریب واقع قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (ندائے شاہی اگست ۲۰۰۸ء) □□□

خادم القرآن

حضرت حافظ محمد اقبال صاحب گونڈویؒ

تعلیم قرآن سے عشق کے درجہ کا تعلق رکھنے والے خوش نصیب اور بافیض بزرگ خادم القرآن حضرت حافظ محمد اقبال صاحب گونڈوی نور اللہ مرقدہٗ مہتمم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ گذشتہ ۲۶/رجب ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰/جولائی ۲۰۰۸ء بروز بدھ بعد نماز ظہر تقریباً ۹۵/سال کی عمر میں جوار رحمت میں پہنچ گئے، اسی دن بعد نماز عشاء ہزاروں کے مجمع نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور اس گنج گراں مایہ کو سپرد خاک کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف انتہائی زاہد فی الدنیا، صاحب ورع وتقویٰ، اذکار واشغال اور نوافل کے پابند بزرگ تھے، اور اللہ کے ان خوش نصیب مقبول بندوں میں تھے جنہیں دیکھ کر خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ عبادات کا نور آپ کے چہرے بشرے سے نمایاں تھا، آپ کی گفتگو حکمت ریز اور باتیں عارفانہ ہوتی تھیں، بلاشبہ آپ فنا فی القرآن تھے، پوری زندگی قرآن ہی کو اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، ان کی زندگی کا نصب العین قرآن پاک کی ترویج واشاعت تھی، آپ کا اصلاحی تعلق عارف باللہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ سے تھا، اور موصوف ہی سے آپ کو اجازت بیعت حاصل تھی، آپ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر ندوۃ العلماء میں تحفیظ القرآن کے شعبہ میں دسیوں سال خدمت انجام دی اور اس شعبہ میں نکھار پیدا کیا، آپ ہی کی توجہ کی بدولت ندوہ العلماء کا یہ شعبہ دور دور تک نیک

نام ہوا اور سیکڑوں بچوں نے آپ کی درس گاہ سے تکمیل حفظ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے مشرقی یوپی کے ممتاز دینی ادارہ مدرسہ عربیہ فرقانیہ گونڈہ کی تدریسی اور انتظامی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ضعف اور اعذار اور عمر کی زیادتی کے باوجود آخری لمحات تک ان مبارک مشاغل میں لگے رہے۔ موصوف کو اچھی نماز اور اچھے قرآن کی بڑی قدر تھی، فرماتے تھے کہ جس شخص کی نماز اچھی ہو یہ اس کے دین کے اچھے ہونے کی علامت ہے؛ اسی لئے مدرسہ کے طلبہ کو قرآنِ کریم کا رشتہ نماز سے قائم کرنے پر بہت زور دیتے تھے، اور عموماً تحفیظ القرآن کے طلبہ کو نماز مغرب کو اوابین میں پارہ سنانے کا پابند بنایا جاتا تھا۔

راقم الحروف سے موصوف کی شناسائی تقریباً پچیس سال سے تھی، احقر کی جب بھی آپ سے ملاقات ہوئی انتہائی انسیت، محبت اور شفقت کا معاملہ فرمایا۔ مرادآباد تشریف لاتے تو شروع میں مدرسہ شاہی میں مولانا عبدالجلیل خاں صاحب کے کمرہ میں قیام رہتا تھا، اور اخیر میں ضعیف العمری اور اعذار کی وجہ سے الحاج عبدالحفیظ خاں صاحب لال باغ کے یہاں قیام فرماتے تھے؛ لیکن ایک وقت کھانا یا ناشتہ کے لئے احقر کے غریب خانہ پر اور مہتمم جامعہ حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب کے دولت خانہ پر تشریف لاتے، اور نہایت مسرت کا اظہار فرماتے، اور انتہائی قیمتی نصائح سے نوازتے تھے۔ بعض مسائل معلوم کرنے کے لئے تحریری سوالات بھی بھیجتے اور جواب پر پورے شرح صدر سے عمل فرمایا کرتے تھے۔ موصوف کی وفات سے پورا علاقہ گویا ایک عظیم سایہ سے محروم ہوگیا، اور اسلاف کی ایک جیتی جاگتی نشانی ہم سے اوجھل ہوگئی۔

مہتمم جامعہ کی ہدایت پر حافظ صاحب مرحوم کے لئے درجاتِ تحفیظ القرآن میں خصوصیت سے ایصال ثواب کرایا گیا، قارئین سے بھی گذارش ہے کہ وہ موصوف کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصال ثواب کریں، اللہ تعالیٰ حافظ صاحب مرحوم کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، اور ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۸ء)

حضرت مولانا ناظر حسین صاحب

مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ

مؤرخہ ۱۷؍ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۶؍نومبر ۲۰۰۸ء بروز اتوار کو معروف عالم دین حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مہتمم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ، ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی روز بعد نماز عصر حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی اقتداء میں ہزاروں علماء اور عوام وخواص نے نماز جنازہ پڑھ کر آپ کو سپرد خاک کیا۔

مولانا موصوف مغربی یوپی کے بافیض بزرگوں میں شامل تھے، ۸۷؍سال کی طویل عمر پائی اور عمر کا اکثر حصہ تعلیم وتدریس اور دین کی اشاعت میں صرف فرمایا۔ جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ جو مغربی یوپی کا قدیم ترین مدرسہ ہے وہ پہلے صرف جامع مسجد اور اس سے ملحقہ عمارت تک محدود تھا، آپ نے اپنے دیرینہ رفیق حضرت مولانا قاری مشتاق صاحبؒ کے سرگرم تعاون سے بلند شہر روڈ کی وسیع آراضی میں منتقل فرمایا، جو آج شمالی ہند کے مرکزی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔

آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں تھے، ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے خصوصی شاگردی کی نسبت حاصل تھی۔ جمعیۃ علماء ہند سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، اس کے ہر پروگرام اور تحریک میں سرگرم حصہ لیتے رہے، عرصہ سے آپ ضلعی جمعیۃ کے صدر تھے، اور صوبائی تنظیم میں بھی شامل تھے۔ آپ کی نگرانی میں محکمۂ شرعیہ ضلع غازی آباد نے مسلمانوں کے معاشرتی مسائل کو سلجھانے میں اہم کردار

ادا کیا، نیز علاقہ کے اطراف وجوانب میں آپ کی دعوتی واصلاحی خدمات عرصہ تک یاد رکھی جائیں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو بے حد قبول فرمائیں، بالخصوص آپ کے لگائے علمی چمن کو آباد اور شاداب رکھیں اور بادخزاں سے محفوظ رکھیں، آمین۔

مدرسہ شاہی میں آپ کی وفات کا غم محسوس کیا گیا اور مہتمم جامعہ کی قیادت میں ایک مؤقر وفد نے جنازہ کی نماز اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ قارئین ندائے شاہی سے بھی ایصال ثواب اور دعا کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۸ء)

متفرقات:

حافظ محمد نعمان صاحب شمسی ساکن محلّہ جامع مسجد مرادآباد

موصوف نہایت دین دار، مخیّر اور تمام اکابر سے عقیدت مندانہ تعلق رکھنے والے شخص تھے، نماز باجماعت کے انتہائی پابند اور دینی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے، ۷۵؍سال کی عمر پائی۔ حافظ عبدالغفور صاحب اُستاذ حفظ مدرسہ فلاحِ دارین کے خصوصی شاگرد تھے۔ موصوف کی وفات مؤرخہ ۴؍ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵؍دسمبر ۲۰۰۷ء بروز شنبہ ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں، اور اولاد و پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۸ء)

جناب الحاج ڈاکٹر شاکر علی صاحب بدرکھہ غازی آباد

موصوف حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے، اور اکابر دیوبند کے سچے معتقد اور صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے۔ اِمسال بڑے جذب وشوق سے سفر حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، وہیں پر میدانِ عرفات میں پیغام اجل آپہنچا اور احرام کی حالت میں جان جاں آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی مغفرت فرمائیں، آمین۔ قارئین ندائے شاہی سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۰۸ء)

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن حیاتیؒ

مؤرخہ ۱۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۵؍مئی ۲۰۰۸ء بروز اتوار کو مرادآباد کے

مشہور صاحب ورع وتقویٰ اور بافیض بزرگ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب حیاتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی دن عشاء کے بعد ہزاروں افراد نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی، اور آخری آرام گاہ تک پہنچایا۔

موصوف کا اصل وطن بنگال تھا؛ لیکن تعلیم کے لئے مرادآباد آئے تو یہیں کے ہو رہے، آپ نے مدرسہ حیات العلوم سے فراغت حاصل کی، محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ کے خاص شاگرد اور حضرت مولانا عبدالمالک نقشبندی کے خلیفہ اجل تھے۔ آپ نے نصف صدی تک محلّہ مقبرہ کی کیت والی مسجد میں اِمامت وخطابت کے فرائض انجام دئے، اور انتہائی پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی گذاری۔ سادگی، قناعت اور زہد وتقویٰ میں آپ اپنی مثال آپ تھے، معمولات کے سخت پابند اور ہر طرح کے منکرات سے قطعاً نفور تھے۔ بات چیت صرف حسب ضرورت کرتے، اور ہر طرح کے جھمیلے سے اپنے کو بچا کر رکھتے تھے، معاصر اکابر اور علماء کا اکرام کرتے، کوئی ملنے چلا جاتا تو باغ باغ ہوجاتے۔ آپ کی دعاؤں اور پراثر تعویذات سے ہزاروں عوام وخواص نے فائدہ اُٹھایا، اور غلط کار لوگوں کے چنگل میں جانے سے محفوظ رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۸ء)

حضرت مولانا ولی محمد صاحب سیتاپوریؒ

سیتاپور کے مشہور مدرسہ ملت کے مہتمم اور جمعیۃ علماء کے قدیم ذمہ دار حضرت مولانا ولی محمد صاحب سیتاپوری رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۹؍ جون ۲۰۰۸ء بروز جمعرات کو وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف اپنے عقیدہ اور فکر کے بڑے پختہ اور دل دردمند رکھنے والے عالم دین تھے، پوری عمر ملت کی خدمت میں گذاری، عرصۂ دراز سے مختلف اعذار میں مبتلا تھے؛ لیکن ان معذوریوں

کے باوجود اُن کی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں۔ دارالعلوم دیوبند سے عشق کی حد تک تعلق تھا۔ جمعیۃ علماء کی تحریکات میں جی جان سے حصہ لیتے تھے، بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۸ء)

جناب قاری محمد اظہر صاحب اصالت پورہ

اصالت پورہ مرادآباد کی مشہور ومعروف شخصیت جناب قاری محمد اظہر صاحب قریشی رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۱۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۸؍جون ۲۰۰۸ء بروز بدھ کو مختصر علالت کے بعد انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کی نماز جنازہ اصالت پورہ کی بڑی مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کی اقتداء میں ادا کی گئی، جس میں ہزاروں عوام وخواص شریک ہوئے۔ قاری صاحب موصوف منفرد خصوصیات کے حامل تھے، اللہ تعالیٰ نے خطابت اور گفتگو کا بہترین سلیقہ عطا فرمایا تھا، مجلسی آدمی تھے، جہاں بیٹھ جاتے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا کرتے تھے۔ ۱۹؍جون ۲۰۰۸ء کو عشاء کے بعد آپ کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا، جس میں شہر کے مستند علماء اور معززین نے موصوف کے محاسن پر روشنی ڈالی، اور دعائے مغفرت کی۔ مدرسہ شاہی میں بھی آپ کے لئے ایصالِ ثواب کیا گیا، قارئین سے بھی سبھی مرحومین کے لئے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۸ء)

الحاج شمس الدین اعظمیؒ

موصوف بڑے وضع دار اور باہمت شخص تھے۔ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ کے معتمد علیہ اور جمعیۃ علماء کے پرانے خادم تھے۔ تادم حیات ریاستی جمعیۃ کے صدر رہے اور آپ کے دور صدارت میں اہم خدمات انجام دیجاتی رہیں کئی بڑے

بڑے اجلاس بھی ممبئ میں منعقد ہوئے، مؤرخہ ۲۰؍شوال ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۱؍اکتوبر ۲۰۰۸ء بروز پیر وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا حافظ محمد قاسم صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء ضلع میرٹھ

موصوف بڑی باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے، جمعیۃ علماء ہند کے شیدائی تھے اور پوری سرگرمی اور تندہی سے اس کے پروگراموں میں حصہ لیتے تھے۔ ڈینگو بخار میں مبتلا ہوکر وسط شوال میں وفات پائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۰۸ء)

حاجی محمد مصطفیٰ صاحب مالیگاؤں

موصوف مالیگاؤں جمعیۃ علماء کے سرپرست اور علماء کے نہایت مخلص خادم تھے، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی کے خاص معاون تھے، مالیگاؤں میں موصوف کا دولت خانہ اکابر علماء کی قیام گاہ کی حیثیت رکھتا تھا اور موصوف دل کھول کر مہمان نوازی فرماتے تھے)

(ندائے شاہی دسمبر ۲۰۰۸ء)

رفتـــــگاں

۲۰۰۹ء

نیک بخت، نیک نام اور نیکوکار تاجر

الحاج محمد اجمل علی آسامی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء-۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء)

بقلم: مولانا نور عالم خلیل امینی اُستاذ اَدب عربی و چیف ایڈیٹر ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند

سہ شنبہ ۲۱/صفر ۱۴۳۰ھ-۱۷/فروری ۲۰۰۹ء کو صبح تقریباً ۷/بج کر ۵۵/منٹ پر، عطر و عود کے بڑے اور دیانت دار و نیک نام مشہور تاجر الحاج محمد اجمل علی بن عبدالمجید آسامی اپنی رہائش گاہ واقع ''میکر ٹاور'' علاقہ ''کف پریڈ'' ممبئ- سابق بمبئ- میں ۸۶/سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ کئی سال سے بڑھاپے کی وجہ سے کئی طرح کے امراض کا شکار تھے، ان کا اعلیٰ پیمانے پر اچھے سے اچھا علاج ہوا، ان کے سپوت اور ہونہار فرزندوں نے ان کی خدمت ونگہ داشت کے ذریعہ بڑی نیکی کمائی اور ان کا جی خوش کرنے کے ساتھ ساتھ رب شکور کے ہاں اپنے لئے بہت سا ثواب و جزا اندوختہ کیا۔ ان کی نماز جنازہ ممبئ کے ''وی ٹی'' علاقے کے انجمن اسلام ہائی اسکول کے میدان میں سہ شنبہ و چہار شنبہ ۲۱-۲۲/صفر ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۷-۱۸/فروری ۲۰۰۹ء کی درمیانی شب میں تقریباً ۱۰/بجے دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ نے پڑھائی، جس میں ممبئ کے بڑے بڑے تجار و کاروباری حضرات کے ساتھ ساتھ ملک کے متعدد مسلم قائدین وسیاست داں وعلماء وطلبہ اور عام مسلمانوں کا جم غفیر شریک ہوا۔ مرحوم کے فرزندان اور رشتہ دار بیرونِ ملک بالخصوص خلیجی عرب ممالک میں کاروبار کے لئے مقیم ہیں، سبھی آگئے تھے، نیز دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علماء کے مؤقر وفود نے بھی نماز جنازہ اور تدفین

میں شرکت کی۔ دارالعلوم کے وفد کی سربراہی، دارالعلوم کے نائب مہتمم مولانا عبدالخالق مدراسی نے کی۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن نے اپنی ذاتی نمائندگی کے لئے اپنے صاحب زادے مولانا انوار الرحمٰن قاسمی کو بھیجا۔ دوسری نماز جنازہ ''مرین لائن'' کے قبرستان میں، جس میں مرحوم کی تدفین عمل میں آئی، بارہ-ایک بجے شب میں، ان کے صاحب زادے مولانا بدرالدین اجمل قاسمی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی۔ ۲/بجے شب میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اللہ غریق رحمت کرے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

چند سال قبل تک وہ عموماً صحت مند تھے، اس وقت ان کا حرمین شریفین کی زیارت اور حج وعمرہ کے لئے معمول رہا تھا۔ وہ کافی وقت حرمین شریفین میں گزارتے تھے۔ وہ بڑے نیک، خدا ترس، فقیروں اور مسکینوں پر ترس کھانے والے آدمی تھے۔ بیواؤں، یتیموں، مجبوروں پر فراخی سے خرچ کرنا ان کا معمول تھا۔ دینی ورفاہی کاموں اور اسلامی علوم کی ترویج واشاعت کے منصوبوں پر بڑی بڑی رقمیں صرف کرنا ان کی عادت تھی، وہ مکمل حساب کے ساتھ ایک ایک پائی زکوٰۃ کی رقم ادا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اللہ نے صرف اسی لئے مجھے برکت سے نوازا ہے۔ امانت ودیانت ان کا کاروباری ستون تھا، انھوں نے اپنی تجارت کی بنیاد سچائی اور پاک بازی پر رکھی تھی۔ وہ نوجوانی سے نہ صرف پابند صوم وصلوٰۃ؛ بلکہ تہجد گزار اور شب بیدار رہتے تھے۔ اپنی ساری اولاد کو دین اور احکام دین کا پابند بنایا، اس حوالے سے وہ بڑے سخت واقع ہوئے تھے۔ وہ وقت، وعدہ اور نظام وقانون کے بھی بڑے پابند تھے۔ ان کی اصول پسندی سے ان کے سارے ملازمین واقف تھے، اور ذراسی بے اصولی ان میں سے کسی سے بھی سرزد ہوجائے، تو وہ بہت ڈرتا تھا کہ حاجی اجمل اسے سزا ضرور دیں گے۔ انھوں نے اپنی تجارت کے فروغ پر جتنی محنت کی، اسی قدر یا اس سے کچھ سوا اپنی اولاد کی تربیت پر توجہ دی، ان کے لئے علماء وصالحین کی تربیت وصحبت سے باقاعدہ فائدہ اٹھاتے رہنے کا نظم وضع کیا، جس پر ان سے پابندی سے عمل کرواتے تھے۔ اپنے ایک صاحب زادے مولانا بدرالدین اجمل قاسمی کو باقاعدہ عالم بنایا، وہ دارالعلوم سے نہ صرف فارغ ہوئے؛ بلکہ شروع سے اب تک دارالعلوم کی خدمت کے لئے وقف

ہیں۔ وہ نہ صرف عالم بنے؛ بلکہ مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء-۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء) اور مولانا احمد علی آسامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء-۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء) کے باقاعدہ دست گرفتہ اور ان کے خلیفہ ہوئے۔ حاجی محمد اجمل علی کے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہ تھی، وہ چاہتے تو اپنی اولاد واحفاد کے لئے بڑی سے بڑی عصری تعلیم گاہ میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کا اپنے مصارفِ خاص سے انتظام کر سکتے تھے؛ لیکن انہوں نے اپنے پوتوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے بھی باقاعدہ دیوبند میں مکان خریدا، ان کی رہائش کا انتظام کیا اور انہیں حافظ وقاری قرآن پاک کے بعد عالم ومفتی بننے کی راہ ہموار کی۔ ان کے تقریباً ایک درجن پوتے دیوبند میں رہائش پذیر ہیں، اور علماء واتقیا کی صحبت میں دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

حاجی محمد اجمل علی بن عبد المجید ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں ایک پس ماندہ علاقے میں (جو ''سلہٹ'' کے نام سے جانا جاتا تھا اور اس وقت غیر منقسم ہندوستان میں آسام کا حصہ تھا، اور اب ''بنگلہ دیش'' میں ہے) اس عالم آب وگل میں آئے۔ ''ہوجائی'' کے قریب ''علی نگر'' گاؤں میں ابتدائی تعلیم اور ''نیل باغان'' کے ہائی سکنڈری اسکول سے آگے کی تعلیم حاصل کی، وہ اپنے آبائی پیشہ زراعت میں ہی لگے رہے؛ لیکن شروع سے وہ بیماری کی وجہ سے قدرے کم زور ہوگئے تھے؛ اس لئے ان کا میلان تجارت کی طرف ہوا، انہوں نے ''ہوجائی'' میں عطر وعود کا چھوٹے پیمانے پر کام شروع کیا۔ ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں وہ ''ہوجائی'' سے ''ممبئی'' (بمبئی) آگئے، یہاں انہوں نے معمولی پیمانے پر یہی کاروبار جاری رکھا۔ ''الحافظ ٹریڈرس'' کمپنی کے ساتھ اشتراک کرلیا، وہ آسام سے سامان لاتے اور اس کے اشتراک میں کام کرتے۔ محنت، سچائی، دیانت داری اور دین داری کے ساتھ شبانہ روز کی محنت کی وجہ سے اللہ نے انہیں برکت دی، آج ان کی اولاد کے پاس دنیا کے مختلف ملکوں اور ہندوستان میں ایک سو سے زائد شوروم ہیں۔ ان کی اجمل کمپنی عطر وعود کے حوالے سے دنیا بھر میں اپنا امتیاز ووقار رکھتی ہے اور اجمل کا مطلب ہی مال کے اصل ہونے کی علامت ہے۔ ان کے کاروبار میں اتنی وسعت وترقی کا راز صرف یہ ہے کہ ان کے ہاں دیانت وسچائی اور زکوٰۃ کے مکمل طور پر ادا کرنے کا جس درجہ اہتمام ہے، وہ کم

تاجروں کے ہاں ہوگا۔ آج حاجی محمد اجمل علی دنیا سے اس حال میں گئے ہیں کہ ان کی اولاد صاحب ثروت ہے، ان کے ہاتھ اونچے ہیں کہ وہ خوب لوگوں میں دادو دہش کیا کرتے ہیں۔

مرحوم ہمیشہ نیکوں اور علمائے متقین سے جڑے رہے، ان کی صحبت میں جانا، ان کے نفس گرم کی تاثیر سے اپنی ذات کو منور کرنا اور باطن کو سنوارنا، ان کا مستقل رویہ رہا۔ دارالعلوم اور جمعیت علماء ہند تو ان کے گھر اور خاندان کی طرح تھے۔ وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء-۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲) سے بیعت ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد وہ حضرت مولانا احمد علی آسامی رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ ہوئے۔ انھوں نے دگر بہت سے رفاہی کاموں کے ساتھ ''ہوجائی'' میں ایک بڑا ہسپتال ''حاجی عبدالمجید میموریل ہوسپٹل اینڈ ریسرچ سینٹر'' (Haji Abdulmajeed Memorial & Reserch Center) قائم کیا، جس میں ۳۵۰/ بیڈ کی گنجائش ہے، ان کے فرزندوں نے اسے ۴۰۰/ بیڈ تک وسعت دینے کا عزم کا اظہار کیا ہے۔ نیز انھوں نے ''گوالپاڑہ'' اور ''ڈھوبری'' ضلعوں میں فساد سے متأثر یتیموں کے لئے دو ہاسٹل قائم کئے، جن میں سے ایک میں ۵۰۷/ اور دوسرے میں ۳۵۰/ بچوں کی گنجائش ہے، نیز انگریزی اور عصری تعلیم کے لئے ۱۲/ اسکول قائم کئے گئے ہیں، اور مزید کے لئے سرگرمی جاری ہے۔ اسی کے ساتھ ٹیکنیکل تعلیم کے لئے بھی ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ ایک بڑا اور اہم کام ''مرکز المعارف'' کے نام سے دینی مدارس کے طلبہ کے لئے انگیزیزی تعلیم کے ادارے کا قیام ہے، جس کا مرکز ممبئی میں ہے، جس میں اعلیٰ پیمانے پر انگریزی تعلیم دوسالہ نصاب کے تحت دی جاتی ہے، نیز کمپیوٹر میں بھی اکسپرٹ بنایا جاتا ہے۔ اس ادارے سے بڑی تعداد میں فارغین مدارس نے انگریزی سیکھی اور وہ دین و دنیا سے متعلق مختلف میدان ہائے حیات میں عزت و آبرو اور وقار کے ساتھ مصروف عمل ہیں۔ تحقیق وریسرچ کے شعبے کے ساتھ ساتھ، اس سے ایک ماہ اور ہمہ گیر انگریزی رسالہ بھی شائع ہوتا ہے، جو گویا زیر تعلیم طلبہ کے لئے مضمون نویسی کا بہترین پلیٹ فارم ہے۔

حاجی محمد اجمل علی مرحوم نے اپنے پیچھے پانچ باتوفیق بچے: امیرالدین اجمل، فخرالدین اجمل،

مولانا بدرالدین اجمل قاسمی، سراج الدین اجمل اور نذیرالدین اجمل، نیز دو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ سبھی صاحب اولاد ہیں اور مجموعی طور پر سبھی دینی مزاج کے حامل ہیں۔ ان کے لڑکے مولانا بدرالدین اجمل قاسمی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا، دارالعلوم دیوبند سے فارغ اور دارالعلوم کی شوریٰ کے سرگرم رکن ہیں۔ وہ دینی میدانوں کے علاوہ پچھلے کچھ سالوں سے میدانِ سیاست میں بھی فعال ہیں، انہوں نے ''آسام یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ'' (یوڈی ایف) کے نام سے مستقل سیاسی پارٹی ترتیب دی، پہلے اپنے صوبے آسام میں اس کو سرگرم کیا، وہاں اس کی جڑیں مضبوط ہو چکی ہیں۔ اب ملک کے دوسرے صوبوں میں اس کی توسیع کے لئے تگ ودو کی جارہی ہے۔

مرحوم الحاج محمد اجمل علی آسامی دین دار وامانت دار تاجر کی قابل تقلید مثال تھے۔ اللہ نے انہیں جہاں بے پناہ مال ودولت سے نوازا تھا، وہیں انہیں نیک سیرت وفرماں بردار اولاد بھی عطا کی، ساتھ ہی انہیں اپنے اس توفیق خاص سے بھی نوازا کہ انہوں نے اپنی دولت کا قابل لحاظ حصہ، دین، دینی تعلیم، اسلامی مدارس وجامعات، بالخصوص دارالعلوم دیوبند وجمعیت علماء ہند پر فیاضی کے ساتھ خرچ کیا اور ضرورت مندوں، مسکینوں، بیواؤں اور بیماروں کے علاج ومعالجے کے لئے اپنی پاک کمائی کا معتد بہ حصہ مخصوص کیا اور اپنے بعد اپنی اولاد کو تاکیداً نصیحت کی کہ وہ مذکورہ شریفانہ مقاصد کے لئے انہی کی طرح کوشاں رہیں، اور آمدنی کے بڑے جزو کو مستقلاً ان کے لئے مخصوص رکھیں۔ وہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کہتے تھے کہ ہماری تجارت میں برکت کا راز محض زکوٰۃ کی مکمل ادائیگی اور کارخیر میں خرچ میں پوشیدہ رہا ہے۔ وہ انہیں بتاتے تھے کہ قرآن پاک اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صاف لفظوں میں وارد ہوا ہے کہ ہمارے مالوں میں زکاۃ کے علاوہ بھی فقراء ومحرومین کے کچھ حصے ہوا کرتے ہیں، جنہیں نکالنے میں ہمیں دریغ نہیں ہونا چاہئے۔

رمضان ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲ء میں یہ راقم آثم ''جدہ'' میں تھا۔ ''مرکز الفیصلیہ'' نام کی مشہور عمارت میں حاجی اجملؒ ہی کے شوروم کے ملازمین کی قیام گاہ میں رکا ہوا تھا؛ کیوں کہ علماء وصلحا بالخصوص دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علماء ہند سے متعلق علماء کے لئے یہ قیام گاہ شروع سے ان کی ہدایت کے مطابق مہمان خانہ بھی رہا، جہاں ہر ایک کو ہمیشہ حج وعمرے کی ادائیگی، یا کسی اور

ضرورت سے سعودی عرب آمد کے موقع سے، گھر کی سی سہولت اور آرام میسر رہتا تھا۔ میں عمرے کی سعادت کے بعد یہاں مقیم تھا، مجھے مدینہ منورہ جانا تھا اور وہاں سے واپسی پر ''جدہ'' سے ریاض ہوتے ہوئے ہندوستان واپس ہونا تھا، ہر جگہ آمد و رفت کا ٹکٹ مجھے اس وقت سعودی عرب کے سفیر برائے ہند جناب فواد صادق مفتی نے عنایت فرمایا تھا۔ میں پا بہ رکاب تھا کہ شوروم کے ملازمین نے بتایا کہ آج الحاج محمد اجمل علی آرہے ہیں، اور وہ آج ہی یا کل مدینہ منورہ جانے کو ہیں۔ مجھے ان لوگوں نے کہا کہ آپ آج رک جائیں، ان سے ملاقات بھی ہوجائے گی اور تعارف بھی ہوجائے گا، انہیں یقیناً آپ سے دیگر اساتذۂ دارالعلوم کی طرح مل کے خوشی ہوگی۔ چناں چہ وہ تشریف لائے تو ان سے ملاقات و تعارف ہوا۔ میں نے انہیں اپنا پروگرام بتایا کہ میرا آج شام کے وقت کا مدینہ منورہ کے لئے ٹکٹ OK اوکے تھا؛ لیکن ان لوگوں نے مجھے آپ کی آمد کے بارے میں بتایا تو میں شرفِ ملاقات کے لئے رک گیا تھا۔ اب آپ اجازت دیجئے؛ تاکہ میں سفر کے لئے تیاری کرسکوں۔ انہوں نے سنتے ہی فرمایا: تمہیں مدینہ منورہ جانا ہے تو میرے ساتھ چلو، میں گاڑی سے جاؤں گا، بڑی اور آرام دہ گاڑی ہے، راستے کے منظر سے ہم لطف اندوز ہوں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی یاد سے ہمیں سعادت حاصل ہوگی، کیا عجب کے اس صحرا میں کسی ایسی جگہ پر بھی ہماری نگاہیں پڑ جائیں، جہاں سے کبھی ان قدسی صفات انسانوں کا گذر ہوا ہوگا۔ ہوائی جہاز کا OK ٹکٹ کینسل کرادو، ٹکٹ تمہارا اوپن ہے، یہ واپس ہوجائے گا اور تمہاری رقم بچ جائے گی۔ ساتھ رہو گے باتیں کرتے کرتے چلیں گے اور مجھے تم سے انسیت بھی ہوگی۔

چناں چہ دوسرے دن ہم لوگ ظہر کی نماز کے بعد دو ڈھائی بجے کے قریب روانہ ہوئے، ان کے ساتھ کئی خدام اور جدہ کے شوروم کے کئی ملازمین تھے۔ راستہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی جاں فشانی اور اسلام کے لئے ان کی قربانی کا تذکرہ رہا۔ بدر و احد کے معرکوں کے واقعات یاد کئے جاتے رہے۔ ہم ٹھیک اذانِ مغرب کے وقت مسجد قبا پہنچ گئے، ہم نے سیکڑوں روزہ داروں کے ساتھ افطار کیا اور نماز مغرب کے بعد فوراً مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔

جنت البقیع قبرستان کے شمال میں ایک بلڈنگ میں حاجی صاحب کے خدام نے کئی کمروں پر مشتمل ایک ''شقہ'' لے رکھا تھا، ہم جیسے ہی اس میں داخل ہوئے اوران کا سامان سیٹ ہو گیا، تو ہم نے حاجی صاحبؒ سے اجازت لے لی کہ یہاں ہم بلاتکلف رہنا چاہتے ہیں، آپ کی درازئ عمراوراس کے عوارض کی وجہ سے، آپ کی ترتیبات دوسری ہوں گی اور میری دوسری؛ اس لئے یہاں کی مبارک ساعتوں میں، میں آپ کے لئے خلل اندازی کا باعث ہونا مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں بعض دوستوں کے ساتھ جنہیں پہلے سے کہہ رکھا ہے وقت گزاروں۔ انہوں نے میری ''مدلل تقریر'' کے بعد بادل ناخواستہ اجازت دے دی؛ لیکن فرمایا کہ تم ساتھ رہتے تو اچھا تھا، مجھے کوئی خلل نہ ہوتا؛ لیکن مجھے تمہارے آرام میں آرام ہے۔

حاجی اجمل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس سے پہلے یا اس کے بعد اتنی دیر تک اس طرح بے تکلفی کی صحبت تو کیا ملاقات کا بھی موقع نہیں ملا، وہ اس تفصیلی ملاقات میں جو مبارک شہر کے مبارک سفر کے دوران مجھے ان کے ساتھ حاصل ہوئی، انتہائی متواضع، بے نفس، سادہ مزاج، دینی فکر سے سرشار نظر آئے۔ ان میں علماء وصالحین سے بڑی محبت محسوس ہوئی۔ انہوں نے پورے سفر میں دنیا کی کوئی بات نہیں کی، وہ صرف دینی باتیں کرتے اور سنتے رہے۔ ان پر دینی فکر غالب نظر آئی اور آخرت کے متعلق سوچنا ہی ان کا شیوہ محسوس ہوا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ خاص توفیق الٰہی کی بات ہے کہ بہت سارے مال ودولت کے باوجود، ان کے ذہن اور دل پر دنیا کا تسلط نہیں ہے؛ ورنہ ان کے جیسے اکثر لوگ مال ودولت کی فراوانی کی وجہ سے فخر ومباہات، بے وجہ کی شہرت اور ریاکاری ومکاری ہی میں مبتلا رہتے ہیں اور نیکی کا کام بھی دینی شہرت اور دنیوی نام آوری کے لئے کیا کرتے تھے؛ کیوں کہ ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنالیتی ہے تصویریں۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب باغوں والیؒ

دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز اُستاذ تفسیر اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کے سابق اُستاذ حدیث حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ مختصر علالت کے بعد مؤرخہ یکم ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۷ر فروری ۲۰۰۹ء بروز جمعہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ۱۳۹۷ھ سے ۱۴۰۹ھ تک تقریباً بارہ سال مدرسہ شاہی مراد آباد میں درجہ وسطی وعلیا کی مختلف کتابوں کا درس دیتے رہے، اس کے بعد سے تادم آخر ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور لائق وفائق شاگرد تیار کئے۔

مولانا مرحوم نے دہلی کے ایک اسپتال میں پتہ کا آپریشن کرایا تھا جو ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق کامیاب بھی ہوگیا تھا؛ لیکن اسی دوران غالباً آپ کو قلب کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوگیا۔

مرحوم ایک کامیاب مدرس، کہنہ مشق استاذ اور مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے، آپ ایک وضع دار شخصیت کے مالک اور اپنے اکابر واسلاف کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے نہایت گرویدہ اور عاشق زار تھے، اکثر وبیشتر ان کا تذکرہ کرتے کرتے آنکھوں سے آنسوں جھلک پڑتے۔

رب ذوالجلال مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اوران کی خدمت کا بہترین صلہ عطاء فرمائے۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۹ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر صاحبؒ

برصغیر ایشیا کے نہایت ہی معتبر مستند اور باصلاحیت عالم دین، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور فرق باطلہ کے لئے شمشیر برّاں حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ پاکستان مؤرخہ ۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ مطابق ۵؍مئی ۲۰۰۹ء بروز منگل طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ نے تقریباً سو سال کی عمر پائی، مسلک دیوبند کی ترجمانی اور اس کے دفاع وتحفظ کے سلسلے میں آپ کی زریں خدمات تاریخ کا ایک عظیم حصہ بنی رہیں گی، قادیانیت ہو یا شیعیت، بریلویت ہو یا غیر مقلدیت، فتنہ انکار حدیث ہو یا نیچریت، آپ کے اشہب قلم نے ان سب کو دندانِ شکن جواب دیتے ہوئے ان کے دلائل کو ہباءً منثورا کر دیا، اور ان کے خلاف ایسا مضبوط مواد پیش کر دیا ہے، جس سے بعد میں آنے والے ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔

آپ نے تقریباً ۴۶؍سال تک متواتر بخاری شریف کا درس دیا، اور ہزاروں تلامذہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(ندائے شاہی جون ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا بایزید محمود افریقی رحمۃ اللہ علیہ

...... وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے سفر وحضر کے خادم خاص اور خلیفۂ اجل حضرت مولانا بایزید محمود افریقی گذشتہ ۱۴؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۸؍جولائی ۲۰۰۹ء بروز بدھ کی شب میں افریقہ میں ۸۲ سال کی عمر میں مختصر علالت کے بعد وفات پاگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف بڑے باکمال، باوقار اور صاحب معرفت شخص تھے، معمولات اور اوراد ووظائف کے نہایت پابند، مسجد کی جماعت کے حد درجہ شوقین، اور صحیح معنی میں ان خوش نصیب بندوں میں شامل تھے جن کے دل مسجدوں میں اٹکے رہتے ہیں، عموماً اذان ہوتے ہی جماعت کے تیاری شروع کردیتے، بلکہ بسا اوقات اذان سے قبل ہی مسجد پہنچ جاتے تھے، موصوف کی راتیں زندہ وتابندہ گذرتی تھیں، نوافل میں دھیمی آواز میں معانی کے استحضار کے ساتھ طویل قراءت فرماتے، تھکاوٹ ہوتی تو لیٹ جاتے اور پھر تازہ دم ہوکر نوافل میں مشغول ہوجاتے، ساری رات یہی صورت رہتی، ماثور دعائیں اور عارفانہ اشعار خوب یاد تھے، بالخصوص فارسی کے اشعار سے بڑا شغف تھا۔ حج وعمرہ کا بھی بڑا شوق تھا، احقر کو بھی متعدد بار سفر حج میں آپ کی رفاقت کا موقع ملا بے تکلفی اور سادگی کی بنا پر آپ کے ساتھ سفر میں اکتاہٹ بالکل نہ ہوتی تھی۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی گفتگو جاری رہتی، اور مجلس باغ وبہار بنی رہتی، اپنے ساتھ گذرے ہوئے واقعات کی منظر کشی ایسے انداز سے کرتے تھے کہ سننے والا دم بخود ہوکر سنتا تھا، آپ ہر ملنے والے کے ساتھ نہایت اکرام کا معاملہ کرتے، اور اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دیتے تھے، حرمین کے

سفر کے دوران فٹ پاتھ پر بیچنے والوں سے چھوٹی موٹی چیزیں قصداً اس نیت سے خریدتے کہ ان غریبوں کا فائدہ ہوجائے اور پھر وہ اشیاء اپنے ملنے جلنے والوں میں تقسیم کردیتے تھے۔

موصوف کا آبائی وطن سملک (گجرات) تھا، لیکن آپ کے والد صاحب ترک وطن کر کے افریقہ چلے گئے تھے، وہیں ۱۹۲۷ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ پھر والد صاحب کے حکم پر ۱۹۴۱ء میں ہندوستان آئے اولاً ڈابھیل کے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین میں تعلیم حاصل کی، بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے اور یہاں کے بافیض اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کر کے ۱۹۴۸ء میں فارغ ہوئے، اس کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے دامن فیض سے وابستہ ہوگئے، اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ بعد میں کئی سال حضرتؒ کے ساتھ سفر وحضر میں رفاقت ومعیت کی سعادت بھی میسر آئی۔ پھر آپ افریقہ چلے گئے اور عرصۂ دراز تک معاش کے لئے سائیکلوں کی دوکان کا سہارا لیا؛ لیکن یہ معاشی مصروفیت آپ کے معمولات یا طرز زندگی میں کوئی فرق پیدا نہ کرسکی، آپ نے اخیر تک اپنی عالمانہ شان برقرار رکھی، خاص کر احقاق حق اور ابطال باطل میں آپ کا جذبہ نہایت قابل قدر تھا، جس بات کو حق سمجھتے اس کا برملا اظہار کرتے۔ شیخ الاسلامؒ کے بعد ان کے خانوادہ سے خصوصی تعلق برقرار رکھا، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کا جب بھی افریقہ کا سفر ہوتا تو مسلسل ساتھ رہتے۔ اسی طرح حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ حضرت مولانا رشید الدین حمیدی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد آپ کے صاحبزادگان جناب مولانا اخلد رشیدی اور جناب مولانا اشہد رشیدی مدظلہما کی مکمل میزبانی کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوتا اور آپ ضیافت کا پورا حق اَدا کرتے تھے۔ گذشتہ چند سالوں سے آپ معاش کے اعتبار سے فارغ البال ہوگئے تھے، اس لئے آپ کا زیادہ وقت ہندوستان یا مدینہ منورہ میں گذرتا تھا۔ مدینہ منورہ میں بھائی اخلد صاحب کے یہاں طویل قیام رہتا، اور ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند، مدرسہ شاہی اور دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی میں قیام رہتا تھا۔ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے اساتذہ وطلبہ آپ سے بہت مانوس رہتے تھے، اور آپ کی مجالس وملفوظات سے فیض یاب ہوتے تھے۔

آپ واقعۃً ''فنافی الشیخ'' تھے، گویا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے بعد آپ کی نظر میں کوئی سمایا ہی نہیں، شیخ کا ذکر جب مجلس میں چھڑ جاتا تو بشاشت پھیل جاتی، اور پرانی یادیں تازہ ہوجاتی تھیں، حضرت شیخ الاسلامؒ کا آپ کی نظر میں کیا مقام ومرتبہ تھا اس کا اندازہ آپ کی ان تحریرات سے ہوسکتا ہے جو آپ نے اپنی مرتب کردہ کتابوں ''اخلاق حسینی'' اور ''محامد شیخ الاسلام ودیوان حبیبؒ'' میں شائع فرمائی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں نادر یادداشتوں پر مشتمل ہیں، موصوف بعض معاملات میں اپنی منفرد رائے رکھتے تھے، اور بہت زور دے کر اسے بیان کرتے اور حاضرین سے تائید کے متمنی رہتے تھے، کبھی کبھی یہ ناکارہ موصوف کی رائے پر طالب علمانہ اشکال کرتا تو محبت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہوجاتے۔ اس وقت کی مسکراہٹ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی تھی، اور کمال یہ کہ کبھی اس طرح کی باتوں پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، جب بھی ملے کامل تپاک سے ملے، اور حوصلہ افزائی کے بطور نہایت بلند کلمات سے نوازا، افسوس ایسی مخلص ذات کی زیارت اور صحبت سے ہم محروم ہوگئے، ان کی یادیں تا دیر دل کے نہاں خانوں میں محفوظ رہیں گی۔

اخیر عمر تک آپ کی صحت زیادہ تر ٹھیک رہی، اور آپ کسی کے محتاج نہ رہے۔ اپنے امور کی انجام دہی میں پوری طرح مستعد رہتے تھے، صرف دو دن معذوری کی کیفیت رہی کیونکہ گھر میں پھسل گئے تھے جس کی وجہ سے کولہے کی ہڈی میں بال آگیا تھا، جس کے بعد کمزوری بے حد ہوگئی اور ۸؍ جولائی ۲۰۰۹ء کی شب میں آرام کے لئے لیٹے تو صبح آنکھ نہ کھل سکی، سونے کے دوران ہی روح قفس عنصری سے پرواز کرکے رب حقیقی سے جاملی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کے بڑے صاحب زادے جناب مولانا محمد خالد صاحب دارالعلوم کے فاضل اور دینی خدمات میں مشغول ہیں، جب کہ چھوٹے صاحب زادے محمد خویلد کاروبار میں مشغول ہیں، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۹ء)

ایک اور مرد خدا چل بسا

حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

گزشتہ ہفتہ احقر مدرسہ شاہی کے دفتر اہتمام میں مصروف عمل تھا کہ اچانک موبائل کی گھنٹی بجی، سلام کر کے گفتگو کا آغاز کیا تو دوسری طرف سے برادر اکبر مولانا اخلد صاحب کو مدینہ منورہ سے مخاطب پایا، موصوف نے خیریت کے بعد ایک حادثہ فاجعہ کی خبر دیتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا بایزید محمود صاحب کی وفات حسرت آیات کی تفصیل بیان کی۔

ایصال ثواب کی تاکید کرتے ہوئے بھائی صاحب موصوف مرحوم کے حسن اخلاق مخلصانہ تعلق اور بے انتہاء قلبی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے گلوگیر ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا بایزید محمود صاحب گجرات کے مشہور گاؤں سملک کے رہنے والے تھے، مولانا کے والد مرحوم نہایت دیندار عابد وزاہد اور پرہیزگار انسان تھے، مذہبی سوچ اور علمائے دین سے ربط وتعلق کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنی اولاد کو علم دین سے آراستہ کرنے کی ٹھانی اور مولانا بایزید صاحب مرحوم کو ابتدائی دین تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں داخل کیا، یہاں سے فیضیاب ہونے کے بعد مزید علوم وفنون کے حصول کے لئے آپ عازم دیوبند ہوئے، جہاں اس وقت کے اکابر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے عقائد وافکار اور اعمال وکردار میں جلا پیدا کیا، جس کے اثرات موصوف کی زندگی میں آخری لمحات تک واضح طور پر محسوس کئے جاتے رہے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مولانا مرحوم اپنے والد کے پاس ساؤتھ افریقہ چلے گئے جو وہاں رہائش اختیار کر چکے تھے، اور پھر وہیں کے ہوکر رہ گئے۔

حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ اور مولانا بایزید صاحب مرحوم

دارالعلوم دیوبند میں دوران قیام آپ نے نابغہ روزگار اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا اور سب سے زیادہ متاثر حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی سحرانگیز شخصیت سے ہوئے، اور آپ کے قریب ہوتے چلے گئے حتی کہ یہ قربت آہستہ آہستہ سفر وحضر کی رفاقت میں تبدیل ہوگئی اور پھر خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوکر آپ اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی ہمرکابی میں ملک کے طول وعرض کی جادہ پیمائی کرنے لگے اور جب عقیدت ومحبت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر اپنی ذات کو مکمل طور پر ان کے حوالہ کردیا، اور مدارج سلوک طے کرنے میں مشغول ہوگئے ہر معاملہ میں اپنے پیر ومرشد سے مشورہ کرتے ان کی تعلیمات کو حرز جاں بناتے اور اپنے احوال وواردات بلاکم وکاست حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش فرماتے بالآخر پیرومرشد نے باطنی کیفیات سے مطمئن ہوکر آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ **ذالك فضل الله يو تيه من يشآء.**

کچھ ذاتی روابط کا تذکرہ

مولانا بایزید صاحب مرحوم کو ویسے تو خاندان مدنی کے ہر فرد سے تعلق تھا، لیکن احقر کے والدین مرحومین سے مولانا کو کچھ زیادہ ہی مناسبت اور انسیت تھی، بالخصوص والدہ مرحومہ سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی، زندگی بھر اُن کو صاحب زادی صاحبہ ہی کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے، کبھی نام نہیں لیتے تھے، والد صاحب مرحوم کے توسط سے باصرار والدہ صاحبہ کو افریقہ آنے کی دعوت دی اور ضیافت کا حق ادا کردیا، تقریباً تین چار ماہ اپنے گھر رکھ کر ایسی شفقت اور محبت سے میزبانی فرمائی کہ جس کی مثال مشکل ہی سے پیش کی جاسکتی ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ ایک ڈیڑھ سال گذرنے کے بعد پھر دوبارہ اصرار کرکے بلایا اور نہایت اعزاز واکرام کا معاملہ کیا، والد صاحب مرحوم کے سفر کا انتظام کرنا قیام کی سہولت اور ملک میں آمدورفت کے

ذرائع مہیا کرنے کے علاوہ دوران سفرحتی الامکان جگہ جگہ ساتھ رہنا مولانا مرحوم گویا اپنی ذمہ داری سمجھا کرتے تھے، اور ہرگز اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں ہونے دیتے تھے۔

حضرت والد صاحب علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد مولانا بایزید صاحب مرحوم کی شفقتوں اور توجہات کا مرکز میری حقیر ذات بن گئی تھی، جس کو میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کی خدمت کا بارگراں جب میرے ناتواں کندھوں پر رکھا گیا تو بندہ ناچیز کے حق میں چند دعا کرنے والے مخلص لوگوں کی فہرست میں سب سے اوپر حضرت مولانا بایزید صاحب مرحوم کا نام نامی تھا، جب بھی موصوف ہندوستان آتے تو مرادآباد تشریف لاکر ضرور خدمت کا موقع دیتے، اور نہایت اپنائیت اور بے تکلفی کے ساتھ کئی کئی ماہ قیام پذیر رہتے، مدرسہ کے حق میں دعائیں فرماتے اور مجھے افریقہ آنے کی دعوت دیتے، مولانا مرحوم کی زندگی میں ان کی دعوت پر افریقہ کے میرے دو سفر ہوئے، اس پیرانہ سالی میں بھی وہ مستقل بندہ کے ساتھ رہتے اور جو کچھ ان کے بس میں ہوتا اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے، جگہ جگہ پہنچ کر میرا اور مدرسہ شاہی کا نہایت بہترین انداز میں تعارف کراتے، دعوتی اور اصلاحی پروگرام مرتب فرماتے، اور دوران وعظ خود شروع سے اخیر تک مجلس میں شریک رہتے، اور بعد میں نہایت خوشی ومسرت کا اظہار فرماتے۔ **فجزاه الله أحسن الجزاء ۔**

مولانا موصوف کے چند بہترین اوصاف

حضرت مولانا بایزید صاحب علیہ الرحمہ میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں جو عام طور پر بہت کم لوگوں میں دکھائی دیتی ہیں:

(۱) موصوف کو تصنع بناوٹ اور دیکھاوے سے بہت نفرت تھی اپنی تعریف سن کر بڑی ناراضگی کا اظہار کرتے اور بالکل اس کو پسند نہ فرماتے اگر کبھی بے تکلفی میں کوئی یہ کہہ دیتا کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی جانب سے حاصل شدہ خلافت واجازت سے آپ نے

دوسروں کو فیضیاب کیوں نہیں کیا؟ تو بڑے درد کے ساتھ فرماتے کہ ہم نے حضرت رحمہ اللہ کو پہچانا ہی نہیں تھا، آپ کی عنایات اگرچہ بہت رہیں لیکن میں کندۂ ناتراش ہی رہا اور کچھ حاصل نہ کرسکا، جس شخص کے اندر خود بے شمار کمیاں ہوں وہ دوسروں کی کیا اصلاح کرے، ان جملوں میں پوشیدہ خلوص وللّٰہیت اور تواضع وانکساری کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔

(۲) نماز باجماعت کا اہتمام، سردی ہو یا گرمی، اندھیرا ہو یا روشنی، بارش ہو یا تیز وتند ہوا ہر حال میں مولانا مرحوم مسجد جا کر باجماعت نماز ادا کرنے کا زبردست اہتمام فرمایا کرتے تھے ، اتنا ہی نہیں بلکہ نماز میں انہماک اور خشوع وخضوع بھی قابل دید ہوا کرتا تھا، فرائض کے علاوہ نوافل بالخصوص تہجد بڑی پابندی سے ادا کیا کرتے تھے، راتوں میں سونا، اٹھنا، نوافل میں مشغول رہنا اور پھر سوجانا اور کچھ دیر کے بعد دوبارہ اٹھ کر عبادت میں مشغول ہو جانا آپ کا پسندیدہ معمول تھا۔

(۳) معمولات کی پابندی اور اَوْرَاد ووظائف، نیز سنن ونوافل کو مستقل ادا کرتے رہنا اور سفر وحضر میں یکساں طور پر ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنا مولانا مرحوم کی امتیازی شان تھی، گویا کم وبیش ۹۰؍سال پر مشتمل طویل عمر کو آپ آخری دم تک بھرپور طور پر کیش کرنے میں لگے رہے، اور ضائع ہونے سے بچانے کی جدوجہد کرتے رہے، وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔

(۴) مولانا مرحوم طبعی طور پر گوشہ نشین آدمی تھے، علائق سے دور، عامۃ الناس سے ربط وتعلق کو ناپسند کرتے ہوئے پورے طور پر اپنے معمولات کی تکمیل کی جانب متوجہ رہا کرتے تھے، جس کی وجہ سے کچھ لوگ مولانا علیہ الرحمہ کے حوالہ سے بدگمانی میں مبتلا رہتے تھے، مولانا مرحوم اس کو خوب سمجھتے اور محسوس کرتے تھے، لیکن پھر بھی اپنے طرز عمل اور مزاج میں کسی طرح کی تبدیلی کا اظہار نہیں فرمایا کرتے تھے، کیونکہ ان کو اپنی خلوت میں کسی کی دخل اندازی ہرگز پسند نہیں تھی، خاص طور پر مزاج سے مناسبت نہ رکھنے والوں کو وہ کسی صورت میں اپنے پاس نہیں پھٹکنے دیتے تھے، کیونکہ مولانا مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جو محض دوسروں کی خاطرداری میں

اپنے معمولات کو ترک کرنا کسی طرح سے گوارا نہیں کیا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا بایزید محمود رحمہ اللہ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہیں جو نیک، صالح اور اپنے والد کے صحیح جانشین ہیں، ہم مدرسہ شاہی اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے جناب مولانا خالد صاحب، بھائی خویلد صاحب، والدۂ محترمہ اور دیگر افراد خانہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں، اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ مرحمت فرمائے، اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل سے مالا مال فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۹ء)

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

اکابر و اسلاف کی سچی یادگار، شب زندہ دار، معرفت الٰہیہ اور حب نبی سے سرشار حضرت مولانا بایزید محمود شہید افریقی نور اللہ مرقدہٗ بھی اس دنیائے دنی کو خیر آباد کہہ کر- گذشتہ ۱۴؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۸؍جولائی ۲۰۰۹ء بروز بدھ کو- راہی ملک بقاء ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا مرحوم نے تقریباً بیاسی سال کی عمر پائی، اور ان سعادت مندوں میں اپنا نام لکھوایا جو عمر طویل کے ساتھ انابت الی اللہ کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ اَنْ يَّطُوْلَ عُمْرُهٗ وَ يَرْزُقَهُ اللّٰهُ الإِنَابَةَ. (مستدرك حاكم ٢٤٠/٤)	انسان کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور اللہ اس کو رجوع وانابت کی توفیق سے مالا مال کریں۔

مولانا مرحوم بڑے اولوالعزم اور باہمت واقع ہوئے تھے، ہم نے اخیر زمانہ تک ان کو اپنے کام میں مستعد، چاق وچوبند اور نوجوانوں سے زیادہ پختہ ارادہ کا حامل پایا، کبھی کبھی گھٹنے میں درد کی شکایت تو ضرور کرتے تھے؛ لیکن کیا مجال کہ یہ درد ان کی شب خیزی اور تہجد گذاری میں رکاوٹ بنے یا مسجد میں جماعت کی نماز سے تخلف کا سبب بن جائے، چند پیٹنٹ انگریزی دوائیں اور خمیرہ جات سفر وحضر میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہتیں، کبھی اتفاق سے کوئی معمولی شکایت ہوگئی تو اپنی رکھی ہوئی دواؤں میں سے ایک دو خوراک استعمال کی اور نشاط وچستی لوٹ آئی، نہ

کبھی کسی ڈاکٹر کے پاس جاتے اور نہ ہی کسی حکیم سے نسخہ لکھواتے، اوران دواؤں کے سلسلہ میں مولانا مرحوم اتنے فراخ دل واقع ہوئے تھے کہ ہم جیسا کوئی گستاخ اگران کے سامنے اپنی کسی تکلیف کا اظہار کرتا تو اسے کوئی نہ کوئی دوا کھلا کر ہی چھوڑتے، اور پھر جب تک وہ یہ نہ کہہ دیتا کہ حضرت اب طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی ہے اس وقت تک دوا کھلاتے ہی رہتے، اور ضرورت پڑتی تو پورا ڈبہ بھی اس کے حوالہ کردینے سے نہ چوکتے تھے۔

پان اور شیرینی (مٹھائی) ان کی سب سے مرغوب شئ تھی، ہر کھانے میں میٹھے کا ہونا ضروری تھا، چائے بھی تیز میٹھے کی پیا کرتے تھے، اور وقفہ وقفہ سے کوئی میٹھی چیز استعمال کیا کرتے تھے۔

راتوں میں اٹھ اٹھ کر نمازیں پڑھنا پھر کچھ دیر کے لئے سوجانا، پھر اٹھ جانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا، خود فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھ پر نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے تو میں کچھ نہیں کرپاتا۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں ہم لوگ بھائی اخلد صاحب کے یہاں مقیم تھے، حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہ نے احقر کو تہجد کی نماز پڑھانے پر مامور کیا تھا، حضرت مولانا سید رشید الدین صاحبؒ اور مولانا بایزید صاحبؒ اقتداء فرماتے تھے، بارہا ایسا ہوتا کہ مولانا بایزید صاحبؒ درمیان نماز ہی میں چلے جاتے اور کچھ دیر نیند لینے کے بعد پھر تیار ہوکر آتے اور نماز میں شریک ہوجاتے۔ حضرت مولانا رشید الدین صاحبؒ جب دریافت فرماتے کہ حضرت کہاں چلے گئے تھے؟ تو ان کا بس یہی جواب ہوا کرتا تھا کہ حضرت نیند کا ایسا غلبہ ہوگیا تھا کہ میں کھڑے رہنے پر قادر نہ تھا۔

دیر تک سنن و نوافل پڑھنے کا معمول تھا، اور نماز مغرب کے بعد صلاۃ الاوابین کا بھی اہتمام فرماتے تھے، ہلکے سے جہر کے ساتھ ان نمازوں میں قراءت فرمایا کرتے تھے، اور عام طور پر سورۃ الشوریٰ، سورۂ زخرف اور سورۂ محمد کی قرأت زیادہ فرمایا کرتے تھے۔

ہمیں مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اخیر کے چند سالوں میں جب آپ فارغ البال ہوچکے تھے، سال کا بیشتر حصہ افریقہ سے باہر گزارتے یا تو عمرہ کے سفر پر تشریف لے

جاتے یا چھ چھ مہینے تک ہندوستان میں قیام پذیر رہتے، اور یہاں کے قیام میں بھی اکثر حصہ دیوبند، مرادآباد، دہلی اور اس کے اطراف میں گذرتا، یا اپنے وطن ''سملک'' گجرات میں قیام فرماتے۔

آپ کو اپنے شیخ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے عشق کے درجہ کا تعلق تھا، خانوادۂ مدنی کے ساتھ آپ کے مضبوط اور دیرینہ روابط اسی تعلق کا مظہر تھے، خاص طور پر مجھ جیسے نالائق اور گستاخ پر تو آپ کی اتنی شفقتیں تھیں جو ناقابل بیان ہیں، اور انہی شفقتوں نے مجھے کچھ جری بھی بنا دیا تھا، کسی موضوع پر آپ سے گفتگو ہوتی تو کھل کر بحث ومباحثہ ہوتا، بڑی پرلطف مجلس ہوتی، حضرت کسی بات کا برا نہیں مانتے تھے، بلکہ نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی سے سلسلہ گفتگو کو دراز فرماتے رہتے تھے۔

گذشتہ سال رمضان المبارک میں آپ دیوبند میں قیام فرما تھے، پورے دن ذکر وتلاوت، مزارات پر حاضری اور اپنے اوراد ووظائف میں مشغول رہتے تھے، نماز تہجد چھتہ مسجد میں حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی مدظلہ العالی کی اقتداء میں ادا فرماتے اور آپ ہی کے ساتھ سحری بھی کرتے، جب کہ افطار اور کھانا شام میں حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی مدظلہ العالی کے ہمراہ مسجد رشید میں تناول فرماتے۔

عید الفطر کے بعد دار العلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی میں داخلوں کے دوران مولانا مرحوم جدید طلبہ کے جھرمٹ میں رہتے، جب دیکھو کوئی طالب علم آپ کے پاس بیٹھا ہے، اور اپنی درخواست داخلہ پر مولانا سے سفارشی کلمات لکھوانے کی استدعا کر رہا ہے، مولانا دونوں اداروں کے ذمہ داران کے نام بغیر کسی تاخیر کے سفارشی کلمات تحریر فرما دیا کرتے تھے، اور کسی کو محروم نہیں فرماتے تھے، مولانا کی لکھی ہوئی پچاسوں درخواستیں دفتر میں جمع رہتیں اور ان میں سے چند کا داخلہ بھی ہو جاتا۔

مولانا مرحوم کے امتیازی اوصاف

○ مولانا مرحوم کی زندگی میں ہم نے ایک ایسا امتیازی وصف دیکھا تھا جو عام طور پر

دوسروں کی زندگیوں میں دکھائی نہیں دیتا، اس سے آپ کے تدین اور عشق نبوی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا مرحوم یوں تو اذان سے پہلے ہی مسجد پہنچنے کی کوشش کرتے تھے؛ لیکن اگر تاخیر ہوجاتی اور مسجد پہنچنے سے پہلے راستے میں اذان کی آواز سنائی دے جاتی تو نگاہیں نیچی کر کے وہیں کھڑے ہوجاتے اور بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ کلمات اذان کا جواب دیتے، اور جب تک اذان مکمل نہ ہوجاتی، اپنی جگہ سے نہ ہٹتے، حجاز مقدس میں جہاں اذانوں کے تھوڑے وقفے کے بعد ہی نماز شروع ہوجاتی ہے، اگر راستہ میں اذان کی آواز سنتے تو کھڑے ہوکر ایک کلمہ کا جواب دیتے، پھر چلتے جب مؤذن دوسرا کلمہ پڑھ کر فارغ ہوتا تو کھڑے ہوکر اس کا جواب دیتے، اسی طرح تیسرے اور چوتھے کلمات کے جوابات دیتے رہتے۔ اور مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ہم مولانا مرحوم کے ساتھ مسجد نبوی جارہے تھے، درمیان ہی میں اذان ہوگئی ہم نے اور تیزی کے ساتھ چلنا شروع کردیا؛ کیوں کہ مسجد ابھی کچھ فاصلہ پر تھی؛ لیکن جب مؤذن نے اشہدان محمداً رسول اللہ کہا تو آپ کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے، درود پاک کا نذرانہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، مؤذن نے دوسری مرتبہ یہ کلمات دہرائے، اس کا جواب دینے کے بعد پھر آگے بڑھے۔ مولانا مرحوم کا یہ خاص وصف اور ادا تھی، جو عام طور پر دوسروں کی زندگیوں میں نہیں پائی جاتی۔

○ اسی طرح اگر کسی امام نے نماز میں ﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ﴾ پڑھ دی، تو مولانا مرحوم کا موڈ خراب ہوجاتا تھا، موقع ملتا تو امام سے کہتے: کیا تمہیں قرآنِ کریم میں اس کے علاوہ کوئی اور سورت نہیں ملی؟ دیوبند میں بھی اور مرادآباد میں بھی کئی دفعہ مولانا مرحوم نے مجھ سے یہ فرمایا کہ آج میں نے فلاں مسجد میں نماز مغرب پڑھی تو امام صاحب نے ﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ﴾ پڑھ دی، پتہ نہیں اماموں کو اس سورت سے اتنی دل چسپی کیوں ہے؟ میں نے پوچھا کہ حضرت اس میں کیا حرج ہے؟ یہ سورت بھی تو کلام پاک ہی کا جزء ہے، آپ کو اس کے پڑھنے پر ناگواری کیوں ہوتی ہے؟ آپ فرماتے کہ اس میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزاء کے لئے

بددعائیہ کلمات ہیں، اس لئے ہم اسے سننا نہیں چاہتے۔ (یہ مولانا کا ایک خاص انداز تھا، دوسروں کے لئے یہ قابلِ تقلید نہیں، اور سورۂ تبت یدآ پڑھنے میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (مرتب)

○ حضراتِ اکابرؒ کے مزارات پر حاضری آپ کا معمول تھا، دیوبند میں قیام کے دوران روزانہ مزار قاسمی تشریف لے جاتے، دیر تک اپنے شیخ کی قبر پر مراقب رہتے، اہل قبور کے لئے ایصالِ ثواب کرتے اور واپس تشریف لے آتے۔ مرادآباد میں قیام کے دوران شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مزار پر پابندی سے تشریف لے جاتے اور بارہا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ کی قبر پر بڑے انوار و برکات محسوس ہوتے ہیں۔

○ آپ کا ایک امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ اپنی تعریف قطعاً گوارا نہیں کرتے تھے، اگر کسی سے تعارف کراتے ہوئے یہ کہہ دیا گیا کہ آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ اجل ہیں، تو فوراً چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا، اور غصہ ہو جاتے تھے، استغفر اللہ کے کلمات زبان پر جاری ہو جاتے تھے، اور موقع ملتے ہی مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ آپ لوگ مجھے لوگوں کے سامنے ذلیل کرتے ہیں، میں اس لائق کہاں کہ میری نسبت شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے جوڑی جائے۔

○ اسی طرح اگر کوئی آپ کے جوتے یا چپل اٹھالیتا یا مسجد سے نکلتے وقت سیدھے کر دیتا تو اس کے اوپر بہت ناراض ہو جاتے تھے، اور دیر تک استغفار پڑھتے رہتے تھے۔

○ جس طرح آپ جماعت کی نماز کے شوقین تھے، اسی طرح اذان دینا بھی آپ کا محبوب عمل تھا، مرادآباد میں قیام کے دوران اکثر و بیشتر فجر و مغرب اور دیگر اوقات کی اذان بھی مدرسہ شاہی دارالطلبہ کی ''مدنی مسجد'' میں دیا کرتے تھے۔

آپ اپنے شیخ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی روایات کے بھی سچے پاس دار اور امین تھے، نمازوں میں قرأت مسنونہ کو پسند فرماتے تھے، غیر مسنون قراءت پر نماز کے بعد امام صاحب کو سمجھاتے تھے۔

جمعہ کی نماز میں بھی یہ پسند فرماتے تھے کہ خطیب حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا مرتب کردہ

خطبہ جمعہ پڑھے، اگر خطیب خطبہ مدنی پڑھتا تو نماز کے بعد اس سے ملنے کی کوشش کرتے اور اظہار خوشی فرماتے، اور اگر اس نے کوئی اور خطبہ پڑھ دیا تو اس کو زیادہ پسند نہ فرماتے تھے، ہم جیسا کوئی آدمی ہوتا تھا تو اس کو ٹوک بھی دیتے تھے کہ آپ خطبہ مدنی جیسا جامع خطبہ چھوڑ کر دوسرا خطبہ کیوں دیتے ہیں؟

مولانا مرحوم شعر و شاعری کا بڑا استھرا ذوق رکھتے تھے، آپ کا تخلص ''شہید'' تھا، اردو کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی کے سیکڑوں اشعار نوکِ زباں رہتے تھے، جن کو نجی مجلسوں میں پڑھا کرتے تھے یا گنگناتے رہتے تھے، یہ ذوق ان کو اپنے استاذ مولانا حبیب اللہ سلطان پوری علیہ الرحمہ سے ملا تھا، ''دیوانِ حبیب'' کے نام سے اپنے استاذ کے مجموعہ کلام کو مولانا مرحوم نے شائع بھی فرمایا تھا۔

اپنے استاذ زادوں کی نہایت خبر گیری فرماتے تھے، اس پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی جب ہندوستان آتے تو سلطان پور کا سفر ان کے ذہن پر سوار رہتا، ویسے بھی ان کے اہل خانہ کے لئے آنے جانے والوں کے ذریعہ ہدایا اور تحائف بھیجا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بڑی خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا، مزاج میں عزلت نشینی اور گوشہ نشینی کا مادہ غالب تھا، بھیڑ بھاڑ، شور وشغب، غیر پرسکون ماحول اور بھاری بھاری جلسے جلوسوں میں شرکت پسند نہ فرماتے تھے، مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بھی بھیڑ کے زمانہ میں آگے جانے کی بالکل کوشش نہیں فرماتے تھے؛ بلکہ جہاں خالی جگہ ملتی وہیں مشغول عبادت ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور آپ کے پسماندگان بالخصوص صاحب زادگان مولانا محمد خالد صاحب اور بھائی خویلد صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۹ء)

مفسر قرآن حضرت مولانا قاری سید اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ

مولانا محبّ الحق صاحب اُستاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ

سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا قول ہے کہ: ''در عہد محمد شاہ بادشاہ بست ودو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند''۔

محمد شاہ کے عہد (۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء تا ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء) میں دہلی میں ہر سلسلہ کے ۲۲/مشائخ صاحب ارشاد موجود تھے، یعنی دہلی ۲۲/بزرگوں (علماء وصوفیاء) کا مرکز تھی، شاہ صاحبؒ کے اسی قول کی رو سے دہلی کو اب ۲۲/خواجہ کی چوکھٹ کہا جاتا ہے۔

یہ دہلی کی روحانی عظمت کا ایک پہلو ہے، اور دہلی کی علمی عظمت کو چار چاند لگانے والا یہ شرف ہے کہ دہلی دنیا کے نامور علماء خصوصاً حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اوران کا خاندان، استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی صدیقی نانوتویؒ، مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری ثم دہلوی، مولانا امین الدین دہلویؒ، سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور سید الملت مولانا محمد میاں صاحب کا گہوارہ رہی ہے۔

ادبی اعتبار سے دہلی کی عظمت وشہرت میر، ذوق، داغ، غالب، مؤمن، سودا اور سائل جیسے بلند پایہ شعراء کے تعلق سے قائم ہے۔ دہلی کو صنعت وحرفت اور تجارت کا چین وجاپان بنانے والی وہ مسلم برداریاں ہیں جنہیں شاہجہاں جیسے نیک دل اور محبّ وطن حکمراں نے ملک کے دوسرے حصوں سے لاکر یہاں آباد کیا، انہیں مسلم برادریوں کے سادات کے صنعتی گھرانے میں مولانا سید اخلاق حسین صاحب قاسمیؒ کی ولادت ۱۲/شعبان ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں

ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب جگر گوشۂ رسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

آپ کے خاندان میں دہلی کی مشہور صنعت تارکشی، کامدانی اور گوٹہ پیمک کا کام ہوتا تھا، اس صنعت کو قلعہ معلیٰ کی سرپرستی حاصل تھی، آپ کے والد کے ماموں آ کا شرف الدین صاحب لاولد تھے، انہوں نے آپ کو گود لے لیا اور بمنزلہ اولاد کے پرورش کی۔ مولانا قاسمی صاحبؒ کے خاندان میں دو شخصیتیں علم دین سے تعلق رکھتی تھیں: (۱) حافظ صدر الدین صاحبؒ (۲) محمد ابراہیم صاحبؒ۔ حافظ صدر الدین صاحبؒ نواب ''مالیر کوٹلہ'' کے مدرسہ میں حفظ قرآن کی خدمت پر مامور تھے، اور آپ کا مزار ''مالیر کوٹلہ'' کے شاہی قبرستان میں واقع ہے۔ محمد ابراہیم صاحب کو تحصیل داری کے عہدے سے سبک دوش ہونے کے بعد علوم دینیہ حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تو اپنی تشنگی کو دور کرنے کے لئے علوم متداولہ کی تحصیل و تکمیل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے کر کے حدیث شریف کی سند حاصل کی۔

آ کا شرف الدین صاحب پر ان دونوں بزرگوں کا بڑا اثر تھا، خود پڑھے ہوئے نہیں تھے، اس کے باوجود علم دین سے والہانہ وابستگی تھی، اسی لئے مولانا قاسمیؒ کو پہلے قرآن حفظ کرایا، اس کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری میں درس نظامی کی تحصیل کے لئے داخل کرا دیا، مدرسہ عالیہ مذکور میں علوم وفنون کی تحصیل مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ، مولانا ولایت احمد صاحب سنبھلیؒ، مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ اور قاضی سجاد حسین صاحب کرت پوریؒ سے کی۔

دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے لئے مرکز علوم دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا سید عبدالسمیع دیوبندیؒ سے اکتساب فیض کر کے سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے درسِ تفسیر میں بھی شریک ہوتے تھے، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے تفسیر قرآن کی خصوصی سند حاصل کی۔

تحصیلِ علوم کے بعد ۱۹۴۲ء میں مسجد کھجور والی تراہا بہرام خاں دہلی میں تفسیر قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ افتتاح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا عبد الحنان صاحب ہزارویؒ نے کیا، آپ کے لئے سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کی صحبت وتربیت بہت زیادہ مفید ثابت ہوئی، سحبان الہندؒ اردو کے پہلے بامحاورہ ترجمہ ''موضح قرآن'' شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے؛ بلکہ شاہ صاحب کے قدیم اردو محاورات کے شارح سمجھے جاتے تھے۔ مولانا قاسمی نے مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ کی ''تفسیر کشف الرحمٰن'' کی ترتیب میں بطور معاون کام کیا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''مولانا قاسمی تحریر وتقریر اور قرآن فہمی میں سحبان الہندؒ کے جانشین ہیں''۔

آپ دہلی کارپوریشن کے ممبر اور اس کے ایجوکیشن محکمہ کے نائب صدر بھی رہے، فرقہ وارانہ فسادات میں پورے ملک کا دورہ کیا، فرقہ پرستی کے خلاف آپ نے ایک کتاب لکھی ''فرقہ پرستی کی آگ'' اس پر تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۵۳ (الف) کے تحت لگائے گئے مقدمات اور سنگین الزامات کی بارہ سال تک خوب پیروی کی؛ لیکن دہلی والوں کی پوسٹر بازی کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموشی جہلاء کی باتوں کا مسکت جواب ہے، چناں چہ مولانا کی خاموشی پر مخالفت کا وہ جوش دودھ کے اُبال کی طرح بیٹھ گیا۔ آپ ایک زمانہ میں جمعیۃ علماء ہند کے ناظم بھی رہے، مولانا قاسمیؒ کو عوامی خطیب اور اتحاد ویکجہتی کے داعی کے طور پر بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے، خصوصاً سیرتِ نبوی کے موضوع پر خطابت علمی وتحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت شگفتہ عام فہم اور دہلی کی پراثر ادیبانہ اسلوب کا بہترین نمونہ ہوتی تھی۔

مولانا نے دہلی کے مشہور ومعروف مدرسہ ''حسین بخش'' میں تفسیر وحدیث اور فقہ کا درس دیا اور مدرسہ کی جامع مسجد کی امامت وخطابت کا منصب بھی آپ کو تفویض ہوا۔ آپ آخری وقت تک اس ممبر سے خطاب فرماتے رہے، اس مسجد کی خطابت کے منصب پر مولانا نوازش علیؒ، مولانا کرامت اللہ خاںؒ، مولانا محمد حسین فقیرؒ اور مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندیؒ فائز رہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سرہانے بیٹھ کر علوم ولی اللّٰہی کی روشنی میں قرآنِ کریم کا

درس دیا۔ مدرسہ عالیہ فتح پوری کے اہتمام کی بھی ذمہ داری سپرد رہی، مولانا قاسمی صاحب برصغیر کے کامیاب بلند پایہ مشہور ومعروف مصنف ومؤلف تھے، آپ کی تمام تصنیفات علمی، تحقیقی، تبلیغی اور اصلاحی موضوع پر مشتمل ہیں، جن کتابوں نے برصغیر میں شہرت حاصل کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں: (۱) مستند موضح قرآن (۲) محاسن موضح قرآن (۳) مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت (۴) اخلاقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۵) شاہ اسماعیل شہید اوران کے ناقد (۶) بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ (۷) شاہ ولی اللہ اوران کا خاندان (۸) جمہوری دور میں اسلام کی کامیابی (۹) مودودی صاحب کی تفسیر پر ایک نظر (۱۰) رحمت عالم اگھر والوں کے ساتھ (۱۱) فوائد الفواد کا علمی مقام (۱۲) معارف التفسیر (۱۳) ازواج مطہرات وبناتِ طیبات (۱۴) بصائر قرآن (۱۵) مشکلاتِ موضح قرآن (۱۶) تفسیر عثمانی۔ وغیرہ۔

مستند موضح قرآن مولانا قاسمی کا عظیم کارنامہ ہے، ''موضح قرآن'' جس کی عمر تقریباً سوا دوسو سال ہے، اور روز اول سے ہی برصغیر میں مقبول بھی ہے۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مستند موضح قرآن کے متعلق تحریر کرتے ہیں: ''مولانا اخلاق حسین قاسمی کی اس کاوش اور عرق ریزی کو جوانہوں نے اس ترجمہ کے سلسلہ میں کی ہے، احقر کے نزدیک شیخ الہندؒ کی پیروی ہے، جو ماشاء اللہ مقبولیت پر مقبولیت کا نشان ہے۔ مولانا قاسمی نے اپنی اس کاوش کو اردو زبان کی تدریجی ترقی کی تاریخ اور فقہ اللغت کے اصول پر بہترین انداز میں واضح فرمایا ہے، اور محققانہ طریقہ پر شاہ صاحب کی قابل قدر مدافعت بھی فرمائی ہے، جو ہم سب خدام پر شاہ صاحبؒ کا فریضہ تھا، جسے مولانا موصوف نے پورے حلقہ کی طرف سے بطور فرضِ کفایہ ادا کیا ہے۔

مولانا عبد السلام قدوائی مدیر ماہنامہ ''معارف'' نے معارف میں لکھا ہے کہ: ''اہل مطابع کے ہاتھوں شاہ صاحبؒ کے ترجمہ کے ساتھ جو ہو رہا تھا، اس پر ملال سب کو تھا، مگر کسی کو اتنے بڑے کام پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مولانا قاسمی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ شاہ صاحبؒ کے اس شاہ کار کو بربادی سے بچائیں''۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ ''صدق جدید'' میں لکھتے ہیں کہ: ''مولانا اخلاق حسین قاسمی

مستحق مبارک باد ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لے کر موضح قرآن کے مختلف ایڈیشنوں کو سامنے رکھ کر اس کا صحیح اور مستند نسخہ تیار کیا''۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی سابق مدیر ''برہان'' دہلی تحریر کرتے ہیں کہ: ''مولانا اخلاق حسین قاسمی جو نامور علم دین ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید کی تفسیر و ترجمہ کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور ساتھ ہی داغؔ اور سائلؔ کی زبان میں ''دلی والے'' ہونے کے سبب اس زبان ہفت رنگ کے مزاج شناس اور نکتہ داں بھی ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے ان دونوں ضرورتوں کی طرف مجموعی طور پر توجہ کی، چناں چہ شب و روز کی مسلسل برسوں کی محنت و کاوش، غور و فکر، مطالعہ اور تحقیق کے بعد مستند موضح قرآن کا جدید ایڈیشن تیار کیا ہے، جس میں مشکل و متروک یا نامانوس الفاظ و محاورات کا حل بھی ہے اور اغلاط کی تصحیح بھی''۔

مولانا سید منت اللہ رحمانی مونگیریؒ مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ: ''مولانا اخلاق حسین قاسمی فکر ولی اللہؒ کے ناشر اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی عبقری شخصیت کے شارح ہیں، مولانا کو ابتداء ہی سے قرآنِ کریم سے خاص تعلق اور اس کی تفسیر کا اچھا ذوق رہا ہے۔ آج سے چند سال پہلے اپنی اسی تفسیری ذوق اور تحقیقی مزاج کی مناسبت سے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ اور تفسیر پر ایک تاریخی اور علمی تبصرہ محاسن موضح قرآن مرتب فرما چکے ہیں، جو جامع ہو کر اربابِ علم و تحقیق سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے''۔

مولانا حفیظ الرحمٰن واصف بن مفتی کفایت اللہ دہلویؒ مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت میں لکھتے ہیں کہ: ''مولانا اخلاق حسین قاسمی فن تفسیر میں صاحب نظر عالم ہیں، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ موضح قرآن پر موصوف نے جو تحقیقی کام کیا ہے وہ اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے''۔

مولانا ابوالحسن زید مجددی فاروقی دہلوی مرحوم سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ مولانا قاسمیؒ کی خدمات کے بارے میں اپنے ایک مکتوب مرقومہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۲ مارچ ۱۹۷۸ء میں تحریر کرتے ہیں کہ: ''جس دن سے آپ نے حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہٗ کے ترجمہ قرآنِ

مجید اور توضیحی فوائد موسوم بہ ''موضح قرآن'' کی تصحیح کا کام شروع کیا ہے، بے ساختہ آپ کے واسطہ دعاء خیر نکلتی ہے۔ آپ نے فروری ۱۹۶۶ء میں رسالہ ''محاسن موضح قرآن'' لکھ کر اپنی مساعی سے واقف کیا۔ پھر ۱۹۷۷ء میں محاسن موضح قرآن ۳۲۸ر صفحات کی کتاب مع رسالہ ''اغلاط کی تصحیح'' ۸۸ر صفحات کا رسالہ شائع کیا، اس کتاب اور رسالہ کو پڑھ کر دل بے حد خوش ہوا، جو تحقیق اور تفتیش آپ نے کی ہے، یقیناً شایانِ صد مدحت ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۲۰۵ھ میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''موضح قرآن'' تجویز فرمایا، اس نام سے تاریخ بھی ظاہر ہے، آپ کا ترجمہ بعد کے تراجم کا مرجع اور اصل ہے، اور ہندوستان کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ مبارک ترجمہ بلا شک بے نظیر ہے، اس عظیم کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کا انتخاب کیا، پروردگار عالم جب کسی بندے سے کوئی کام لیتا ہے تو اس کی صلاحیت بھی اس کو عنایت کرتا ہے، چناں چہ یہ عاجز دیکھ رہا ہے کہ آپ نے ''موضح قرآن'' کے محاسن جس خوبی سے بیان کئے ہیں وہ بجائے خود ایک بڑا کارنامہ ہے، عاجز نے جب آپ کے بیان کردہ محاسن کو پڑھا زبان پر آیا ''محاسن موضح قرآن زیادہ باذ'' آپ کے تجویز کردہ نام پر ''زیادہ باذ'' کا دعائیہ لفظ اضافہ ہوا ہے، اور اس سے ۱۳۹۸ھ کا پتہ چلتا ہے''۔

مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم وقف دیوبند بصائر القرآن جلد سوم کے پیش لفظ میں ارقام فرماتے ہیں کہ: ''مطالعۂ بصائر القرآن نے غیر معمولی طور پر احقر کو مسرور وشاداں کیا کہ حضرت علامہ اخلاق حسین قاسمی مدظلہ نے مستند اور معتمد علماء اعوام کے تراجم وتفاسیر قرآنیہ کے مابین اپنی ایمانی اور علمی فراست سے اس امر کو پورے طور پر ملحوظ رکھا ہے کہ یہ سب اکابر طالبین حق ہی نہیں؛ بلکہ واصلین حق بھی ہیں؛ لیکن اپنے بارے میں خطا کے احتمال سے ان کے قلوب صافیہ خالی نہیں۔ اسی کے ساتھ علامہ اخلاق حسین صاحب قاسمی کی وسعت مطالعہ اور علمی فراست کے مبنی برحق اعتراف کے باوجود کہیں کہیں سبقت قلمی محسوس ہوتی ہے کہ بعض حضرات کے بارے میں ان کا ترجیحی نقطۂ فکر و دیگر علماء اسلام کے بارے میں ابہام نقص کی جانب مشیر ہوتا ہے؛ بلکہ احقاق حق میں ان کی زبان وقلم کو شاہد عدل کا درجہ حاصل ہے۔ اسی کے ساتھ یہ

حقیقت بھی لائق اعتراف اور قابل ذکر ہے کہ حضرت العلام مولانا اخلاق حسین قاسمی دامت برکاتہم کی ذاتِ گرامی عصر رواں میں مختلف علوم دینیہ میں وسعت و تعمق نظر کے ساتھ خاص طور پر علوم قرآنیہ میں آج جماعت حق میں منفرد و یکتا مقام عظمت کی حامل ہے''۔

مولانا قاسمی صاحبؒ کی کتاب ''بصائر القرآن'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ابو یوسف مکی ''موضح قرآن'' کے بارے میں ماہنامہ ''ترجمانِ دارالعلوم'' میں لکھتے ہیں کہ: ''مصنف کو خاندانِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے حد درجہ عقیدت ہے، آپ شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ قرآن کو اردو زبان میں الہامی ترجمہ مانتے ہیں، بلاشبہ برصغیر کی اسلامی تاریخ میں شاہ ولی اللہؒ اور ان کے لائق فرزندوں نے ہی قرآن وسنت کی شمع روشن کی، شاہ صاحبؒ کی ذاتِ گرامی ہی سے برصغیر میں عمل بالحدیث کا سلسلہ شروع ہوا، یہ سب اپنی جگہ مسلم الثبوت ہیں، ان ساری خدمات کے باوجود قرآنِ کریم کے علوم ومعارف کو جس کی وسعت بحر ناپیدا کنار ہے اس کی انتہاء تک پہنچنا کسی ایک ذات یا ایک خاندان کے لئے ممکن نہیں اور نہ ہی اس کا استیعاب کسی ایک زمانہ میں ممکن ہے۔

آپ نے اپنے تفسیری مضامین میں خانوادۂ شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ علماء دیوبند کی تفسیر کو بھی سامنے رکھا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے قاری کو ۱۹ویں اور ۲۰ویں صدی کے نامور مفسرین کی مختلف تفاسیر کی ندرت اور اس کی افادیت سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید دہلویؒ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اب تک کچھ لوگوں کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہی ہے، جب کہ اس کتاب نے بہت سے لوگوں کو صراطِ مستقیم دکھائی ہے، آج بھی لوگ ترقی کے دور میں اس کتاب سے خائف ہیں۔ چناں چہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلویؒ بھی اس کار ثواب میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، اور انہوں نے بھی تقویۃ الایمان کے رد میں ''مولوی اسماعیل اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان لکھ ماری۔ کتاب چھپنے سے قبل مولانا زید مرحوم قاضی سجاد حسین کرت پوریؒ کی معیت میں امروہہ استاذ نا و مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہویؒ کی خدمت میں تشریف لائے، تو اس کتاب کا تذکرہ بھی ہوا۔ مولانا فریدیؒ نے برجستہ ان سے فرمایا کہ آپ کا جس خانقاہ سے تعلق ہے اس خانقاہ سے شرک و بدعت کا رد کیا گیا

ہے، اور یہ کتاب آپ کے منصب کے لائق نہیں ہے؛ لیکن مولانا زید کو جو کرنا تھا وہ کیا اور کتاب چھپ کر جب مولانا فریدیؒ کے پاس آئی تو تلملا اٹھے اور اس کے جواب کی فکر ہوئی۔ اسی درمیان مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ نے بھرپور مولانا زید کی کتاب کی گرفت کی اور اس کے جواب میں ''شاہ محمد اسماعیل شہید اور ان کے ناقد'' نامی کتاب لکھی۔ جب مولانا قاسمیؒ کی کتاب کا پہلا ایڈیشن مولانا فریدیؒ کی خدمت میں آیا اس کو سن کر مولانا قاسمیؒ کو تحریر کرتے ہیں: ''محقق مفسر مولانا اخلاق حسین کی کتاب ''مولانا محمد اسماعیل شہید اور ان کے ناقد'' دستیاب ہو کر باعث صد مسرت و انبساط ہوئی، اس کتاب کو پورا سن کر دم لیا، ماشاء اللہ خوب لکھی ہے، چند مضامین تو اتنے لاجواب ہیں کہ ان کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔ محاسن موضح قرآن کا مؤلف ہی ایسے مضامین دہلی کی شستہ زبان میں پیش کرسکتا ہے، میں برابر مولانا زید صاحب کی کتاب کے جواب کو سوچتا رہا، چند ماہ میں کوئی دن خالی نہ گیا ہوگا، جس میں اس کے جواب کی فکر دامن گیر نہ رہی ہو، آپ نے ایک بہت بڑا بوجھ ہم ضعفاء کے سر سے اتار دیا۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اطلاع دی تھی کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی اس کتاب کا رد لکھ رہے ہیں، اب میں ایک مضمون پر اکتفاء کروں گا جو مولانا زید صاحب کی کتاب پر ایک تبصرہ ہوگا۔

مولانا فریدیؒ نے مولانا زید کی کتاب پر ایک علمی تبصرہ کیا ہے اور علمی گرفت بھی کی ہے، یہ تبصرہ ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ کے خصوصی نمبر جو مولانا فریدیؒ کی یاد میں شائع ہوا ہے، مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے تکملہ کے ساتھ شامل ہے، ہر اہل علم کے پڑھنے کے لائق ہے۔

مولانا قاسمیؒ کی کل تصنیفات ۴۵ر اور مقالات ۴۴ر ہیں، تفسیر قرآن کے موضوع پر ۱۰۰ سے زائد تقریری کیسٹیں موجود ہیں جو دہلی کی مارکیٹ میں ملتی ہیں، ۱۹۹۶ء میں صدر جمہوریہ ہند نے ''راشٹر پتی علمی ایوارڈ'' دیا اور اردو اکیڈمی دہلی کی طرف سے صحافتی ایوارڈ ۱۹۹۷ء میں دیا گیا اور ایک بڑا جلسہ بھی ہوا تھا۔

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے، عالم دین، مفسر قرآن، مصلح قوم، خطیب، ادیب، صحافی اور بہترین استاذ تھے۔ آپ حقیقۃً دبستان دہلی اور دہلوی

تہذیب اور دلی کی ٹکسالی زبان کی آخری شمع تھے، دہلی کا لب ولہجہ انداز گفتگو ان کا خاصہ تھا۔ استاذنا حضرت مولانا فریدی امروہویؒ کے وصال کے بعد راقم برابر مولانا قاسمیؒ کی خدمت میں حاضری دیتا رہا، مولانا اپنے اخلاقِ کریمانہ کی وجہ سے احقر کو نوازتے تھے؛ بلکہ اسم بامسمّٰی تھے، خوردنوازی اور خوردسازی کی صفت جو مولانا فریدیؒ میں تھی وہی مولانا قاسمیؒ میں بھی بدرجۂ اَتم موجود تھی، تقریباً دوسال پہلے فرمایا کہ: ''جب بھی تم دہلی آؤ تو مل کر جایا کرو، تمہارے آنے سے مجھے تسلی ہوجاتی ہے''۔

ضعف کے باوجود چہرے کی شادابی اطمینان بخش تھی؛ لیکن: ﴿إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ کا خدائی فیصلہ اٹل ہے، جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، یہی فیصلہ آپ کے لئے بھی صادر ہوا۔ ۲۳ر شوال ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز منگل کی شب میں ساڑھے سات بجے نماز عشاء کے لئے تکبیر تحریمہ کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھا کر اللہ اکبر کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ دہلی میں کہرام مچ گیا، نماز جنازہ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم نے رام لیلا میدان میں پڑھائی، جس میں دہلی کے علماء، دانشور، صحافی اور عوام کے علاوہ دیوبند، سہارن پور، غازی آباد، میرٹھ، ڈاسنہ، میوات کے لوگوں نے شرکت کی۔

فکر ولی اللّٰہی کے امین کو درگاہ شاہ ولی اللہ مہندیان میں ۲۴ر شوال ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو ہمیشہ کے لئے سپرد رحمت کردیا گیا۔

مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۰ء)

نمونۂ اسلاف

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھاگلپوری

قاری نجیب الرحمٰن بھاگلپوری

اکابر اسلاف کی سچی یادگار، شب زندہ دار معرفت الٰہی اور حب نبی سے سرشار حضرت مولانا الحاج خلیل احمد صاحب بانی وصدر المدرسین مدرسہ اعزازیہ پتھنہ بھاگل پور بہار، طویل علالت کے بعد مؤرخہ ۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲؍دسمبر ۲۰۰۹ء بروز بدھ بوقت ۹؍بجے صبح اپنے رب حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا موصوف نے تقریباً ۱۱۰؍سال کی عمر پائی اور ان سعادت مندوں میں اپنا نام لکھوایا جو انابت الی اللہ کی صفت سے متصف ہوتے ہیں، ایک انسان کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو اور حسن عمل اور انابت الی اللہ کی توفیق سے مالا مال ہو۔ حضرت مولانا مرحوم بڑے اولوالعزم اور باہمت تھے، ہم نے آخر زمانہ تک ان کو اپنے کام میں مستعد، چاق و چوبند اور نوجوانوں سے زیادہ پختہ ارادہ والا پایا۔

حضرت مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے ممتاز شاگردوں میں تھے، فراغت کے بعد بیعت وسلوک کا تعلق بھی حضرت شیخ الاسلام ہی سے قائم کرلیا تھا۔ حضرت مولانا اپنے شیخ حضرت مدنی سے عشق کے درجہ کا تعلق رکھتے تھے، مولانا مرحوم کی مجلس میں جب حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کا ذکر چھڑ جاتا تو بشاشت پھیل جاتی، دیر تک حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اسفار، ان کی جفاکشی اور ان کے مجاہدانہ

کارناموں کا تذکرہ بڑی محبت اور عقیدت سے فرماتے، کبھی کبھی تذکرہ کرتے کرتے آبدیدہ ہوجاتے۔ آپ واقعۃً فنافی الشیخ تھے، گویا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے بعد آپ کی نظر میں کوئی سمایا ہی نہیں۔

مولانا مرحوم حضرت شیخ الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد کئی سال تک اپنے شیخ کی جدائی سے پریشان رہے۔ ایک رات آپ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرمارہے ہیں کہ: ''خلیل احمد پریشان کیوں ہے، دیوبند جا اور اسعد کے ہاتھ پر بیعت کرلے''، یعنی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے ہاتھ پر۔ دو یوم کے بعد مولانا مرحوم نے دیوبند خانقاہ مدنی میں حاضر ہوکر حضرت فدائے ملتؒ سے خواب کا تذکرہ کیا، تو حضرت فدائے ملتؒ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، آپ بیعت ہوجایئے پھر بیعت کی نعمت سے مشرف ہوکر حضرت مولانا مدنی کے دامن فیض سے مستفیض ہوتے رہے، اور آخر دم تک اس پر قائم رہے۔ حضرت مولانا مرحوم کی طبیعت میں غایت درجہ عاجزی وانکساری تھی، ہر ایک کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے، طلبہ واساتذہ کے ساتھ ہمیشہ بڑا خیر خواہانہ معاملہ فرماتے، خوردنوازی اور حوصلہ افزائی بھی طبیعت میں بہت تھی، الحمدللہ آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت مدرسہ اعزازیہ پتھنہ میں اور ملک کے مختلف اداروں میں دین وعلم کی خدمت انجام دے رہی ہے، جو اللہ مولانا موصوف کے لئے توشۂ آخرت اور رفع درجات کا باعث ہوں گے۔

احقر کے لئے یہ سعادت کی بات تھی کہ حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ کے انتقال سے چند گھنٹہ قبل اپنے وطن بھاگل پور پہنچ گیا تھا، میرے بڑے بھائی مولانا حکیم محمد حسیب عالم صاحب نے خیریت کے بعد حادثہ فاجعہ کی خبر دی۔ چنانچہ ۳؍دسمبر ۲۰۰۹ء کو بعد نماز ظہر بہت بڑی تعداد میں علماء اور عوام نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی اور اکابر علماء کرام کی رائے کے مطابق مدرسہ اعزازیہ پتھنہ کے صحن میں حضرت مولانا مرحوم ہمیشہ کے لئے آسودۂ خواب ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی جنوری ۲۰۱۰ء)

قاضی ظفر مسعود (ابن قاضی اطہر مبارک پوریؒ)

مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوریؒ کے دوسرے صاحب زادے الحاج مولانا قاضی ظفر مسعود صاحب مؤرخہ ۲۹/ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۷/دسمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات بوقت شب ۱/بج کر ۱۰/منٹ پر مختصر سی علالت کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کا ایک ہفتہ قبل ہارٹ آپریشن ہوا تھا، مرحوم عالم باعمل متقی و پرہیزگار اور صاحب نسبت لوگوں میں سے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ حج کی سعادت سے نوازا تھا۔

مرحوم کی پیدائش یکم دسمبر ۱۹۴۱ء مطابق ۴/رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ میں ہوئی، اور ۱۹۶۹ء میں مدرسہ مفتاح العلوم مئو سے اول پوزیشن سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کی علمی لیاقت سے متأثر ہو کر فخر المحدثین حضرت علامہ سید فخر الدین صاحبؒ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے خصوصی سند حدیث سے نوازا تھا، آپ کئی انجمنوں، لائبریریوں، اور بے شمار تعلیمی اداروں کو وجود میں لانے کے ساتھ ساتھ تاعمر کئی تعلیمی اداروں کے سرپرست بھی رہے ہیں، جن میں سرفہرست انصار گرلس انٹر کالج، مدرسہ الجامعۃ الحجازیہ مبارک پور، اور قاضی اطہر مبارک پوریؒ لائبریری ہیں۔ آپ نے اپنے والد محترم مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کے علمی کاموں کے سلسلہ میں کئی قیمتی اشاریے ترتیب دیئے، جو حضرت مؤرخ اسلام پر تحقیقی کام کرنے والوں کی بہترین رہنمائی کر رہے ہیں۔

پسماندگان میں اہلیہ، ایک بیٹا مولوی فرحان ظفر قاسمی، آٹھ بیٹیاں، دو بھائی ''مولانا قاضی سلمان مبشر، قاضی حسان احمد'' اور دو بہنیں چھوڑی ہیں، اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ آمین۔ (قاضی سلمان مبشر مبارکپوری)

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۰ء)

متفرقات:

حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد صاحب

جامعہ دار القرآن سرخیز احمد آباد کے مہتمم اور صوبہ گجرات کے فعال اور دردمند عالم دین حضرت مولانا مفتی امتیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤرخہ ۶/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق ۲/اپریل ۲۰۰۹ء بروز جمعرات حرکت قلب بلند ہونے سے وفات پا گئے۔ انا للہ وانا راجعون۔

موصوف نہایت سرگرم سراپا متحرک اور دین کے لئے حد درجہ مخلص عالم و مفتی تھے، مختصر دور میں آپ نے تعلیمی تعمیری اور سماجی خدمات کے ان مٹ نقوش دنیا میں چھوڑے، احمد آباد کے علاقہ میں آپ کی کمی کسک عرصہ تک محسوس کی جائے گی۔ مدرسہ شاہی سے بھی آپ کا خاص تعلق تھا چنانچہ مدرسہ کے تعاون کے لئے جب بھی ضرورت پڑی آپ نے دریغ نہیں فرمایا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آخرت میں اعلی مقام عطا فرمائیں، اور امت کو آپ کے نعم البدل سے نوازیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا امام الدین صاحب رام نگر

حضرت مولانا امام الدین صاحب مہتمم دار العلوم مالکیہ رام نگر اور ان کے بڑے صاحب زادے جناب مفتی قمر الدین صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ ۱۱/ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ مطابق ۷/اپریل ۲۰۰۹ء بروز منگل رات کو تقریباً چار بجے ایک حادثہ کا شکار ہونے کی وجہ سے رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف شیر کوٹ کے ایک جلسہ سے اپنی نجی گاڑی کے ذریعہ واپس ہو رہے تھے اور ان کے بیٹے مفتی قمر الدین صاحب گاڑی چلا رہے تھے رام نگر سے چند کلو میٹر پہلے ان کی گاڑی ایک روڈویز بس سے ٹکرا گئی اور جائے حادثہ پر ہی دونوں حضرات جام شہادت نوش فرما گئے۔

موصوف ایک اچھے مقرر، قوم کے مخلص ہمدرد رہنما تھے۔ جمعیۃ علماء ہند اور اکابر دیوبند سے تادم حیات گہرا تعلق رہا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۰۹ء)

شاہی امام حضرت مولانا عبداللہ بخاری صاحبؒ

حضرت مولانا عبداللہ بخاریؒ جامع مسجد دہلی کے سابق شاہی امام کافی دنوں کی علالت کے بعد مؤرخہ ۱۴؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۸؍جولائی ۲۰۰۹ء بروز بدھ کو رحلت فرما گئے، موصوف جامع مسجد دہلی کے بارہویں امام تھے، ۸؍جولائی ۱۹۷۳ء کو امامت کے منصب پر فائز ہوئے تھے، موصوف نے منصب امامت پر فائز رہتے ہوئے متعدد ملی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور متعدد قومی مسائل پر وقت کے لیڈران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کیں، جس کی وجہ سے عوام میں ان کا قد کافی نمایاں تھا، موصوف کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ موصوف محترم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۹ء)

حاجی محمد صدیق خاںؒ

جناب قاری محمد صادق خاں صاحب مہتمم مدرسہ معراج العلوم ممبئی و مولانا محمد سعید خاں صاحب کانپور کے والد محترم اور راقم الحروف کے بڑے ابو جناب حاجی محمد صدیق خاں صاحب ایک طویل علالت کے بعد مؤرخہ ۳؍ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۱؍نومبر ۲۰۰۹ء بروز شنبہ بعد نماز فجر اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف صوم وصلوٰۃ کے پابند اور نیک دیندار انسان تھے۔ تقریباً ۹۰؍سال کی عمر پائی، اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، درجات بلند فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے، آمین۔ (از: مولانا عبدالجلیل خاں قاسمی)

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۰ء)

رفتـــــگاں

۲۰۱۰ء

- حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ
- حضرت مولانا سید مشہود حسن قادری صاحبؒ
- حضرت مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحبؒ
- حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلال پوریؒ
- حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحبؒ
- حضرت مولانا عمید الزماں صاحب کیرانویؒ

حضرت الاستاذ مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی یاد

۱۹؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کے روز فجر کی نماز سے پہلے ہی سے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں- کہ دار العلوم دیوبند کے پرشکوہ لاؤڈ اسپیکروں سے نمونۂ سلف صالحین، جامع المعقول والمنقول، بزرگوں کی مقدس روایتوں کے امین، استاذ الاساتذہ، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال کی المناک خبر نشر ہو رہی ہے- یہ خبر سن کر بے اختیار زبان سے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' نکلا اور نظروں میں حضرت الاستاذ کا سراپا سما گیا- وقار وتمکنت کا چلتا پھرتا نمونہ، خوش خلقی، خوش کلامی کے ساتھ خوش لباسی کا پیکر جمیل، بایں ہمہ سادگی اور تواضع، علم وحلم اور خودداری کی صفات سے آراستہ وپیراستہ ایک ایسی دل آویز شخصیت جو ۹۶؍سالہ زندگی کے کسی موڑ پر کبھی ناگواری کا موضوع نہیں بنی۔ زندگی کے اُتار چڑھاؤ اور ہزار ہنگاموں کے درمیان اعلیٰ انتظامی وتدریسی مناصب سے متعلق رہنے والے کسی شخص کا اخیر تک ''غیر متنازعہ'' بنے رہنا یقیناً ایسا امتیاز ہے جو خال خال کسی خوش نصیب کو میسر آتا ہے۔

حضرت الاستاذ کی ہر ہر ادا مثالی تھی، دار الحدیث میں منصبِ درس پر جب تشریف فرما ہوتے اور محدثانہ شان وشوکت سے جب درس شروع ہوتا تو زبانِ مبارک سے موتی جھڑتے ہوئے معلوم ہوتے، اور ''بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں'' کا سماں محسوس ہوتا تھا۔ بخاری شریف جلد اول میں تراجم ابواب پر مرتب اور جامع بحثیں ہوتیں، مسائل ودلائل پر گفتگو کا موقع

ہوتا تو تمام ائمہ کا احترام کرتے ہوئے اُن کے دلائل اور اپنے اکابرؒ کی طرف سے دیئے گئے جوابات بہت مرتب انداز میں پیش فرماتے۔ اور اخیر سال میں رواں عبارت اور ضروری ترجمہ پر اکتفا فرماتے، تو اس وقت درس کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا تھا، کبھی درس کے دوران عشق رسولؐ ضبط کی تاب نہ رکھ پاتا تو آواز بھرا جاتی اور آنکھیں بھر آتیں؛ لیکن پھر فوراً ضبط فرما لیتے، اور سبق آگے بڑھ جاتا۔ ۳۲ ؍سال آپ نے اسی شان کے ساتھ بخاری شریف کا درس دیا، جب کہ دارالعلوم میں تدریسی زندگی ۶۵ ؍سال پر محیط رہی جو بجائے خود ایک ریکارڈ ہے۔ اس دوران ہزاروں تشنگانِ علوم نے آپ سے سیرابی حاصل کی جو دنیا کے چپہ چپہ میں دینی خدمات میں مشغول رہ کر آپ کے لئے صدقۂ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔

حضرت الاستاذ کو اپنے شیخ اور استاذ معظم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے عشق تھا، دورانِ درس کثرت سے آپ کی آراء اور اقوال نقل فرماتے، اور مختلف مناسبت سے حضرت کے حالات سناتے رہتے تھے، اور جب بھی کبھی دعا کا موقع ہوتا تو نام لے کر حضرت شیخ الاسلامؒ اور ان کے خانوادے کے لئے ضرور دعا کراتے تھے۔

مدرسہ شاہی سے بھی آپ کو خاص تعلق تھا، جب تک یہاں ختم بخاری شریف کے لئے باہر کے اکابر کو بلانے کا معمول رہا، اکثر حضرت الاستاذ ہی ختم کرانے کے لئے تشریف لاتے رہے، اور مدرسہ کے کتاب المعائنہ میں مدرسہ کے لئے گراں قدر رائے ثبت فرماتے رہے۔

احقر کو ۱۴۰۷ھ میں حضرت الاستاذ کے درسِ حدیث میں شرکت کی سعادت ملی اور بفضلہٖ تعالیٰ بخاری شریف جلد اول کے اکثر حصہ کی تلاوتِ حدیث اس ناکارہ کے حصہ میں آئی، جس کی بنا پر حضرت کی خاص توجہ اور شفقت اخیر تک حاصل رہی۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت الاستاذ کے مکان کے قریب لال مسجد میں تراویح میں قرآنِ پاک سنانے کا اتفاق ہوا، تو حضرت الاستاذ نے نہایت قدر فرمائی اور ختم والے دن نئے رومال سے دستار بندی فرمائی، ویسے بھی جب دولت کدہ پر حاضری ہوتی تو ایسا

معلوم ہوتا کہ روئیں روئیں سے خوشی پھوٹ رہی ہے، اور احقر ہی کیا آپ کو اپنی سبھی روحانی اولاد سے ایسا ہی مشفقانہ تعلق تھا۔

تقریباً ڈیڑھ سال قبل آپ نے مسلسل کمزوری اور عوارض کی بنا پر دارالعلوم کی ذمہ داریوں سے سبک دوشی حاصل کرلی تھی؛ لیکن صاحب فراش ہونے کے باوجود معمولات کی پابندی قابلِ رشک تھی، ہوش وحواس اخیر تک بجا رہے، اور حسن خاتمہ کی دولت سے مشرف ہوئے۔

ہم لوگ جب ظہر سے قبل دیو بند پہنچے تو جنازہ احاطۂ مولسری میں لایا جاچکا تھا، تلامذہ اپنے عزیز تر استاذ کی آخری زیارت کے لئے پروانوں کی طرح اُمڈ آئے تھے، بمشکل زیارت اور پیشانی مبارک کو بوسہ دینے کا موقع ملا تو چہرہ نور ایمانی سے چمک رہا تھا، اور ایک عجیب طمانینت چہرے سے عیاں تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی بلاشبہ آپ کی ذات حدیث پاک: ''خَیْرُکُمْ مَنْ طَالَ عُمْرَہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ'' (تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں) کا مصداق تھی۔ نماز ظہر کے بعد ہزاروں علماء، طلبہ اور عوام کے مجمع نے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیو بند کی اقتداء میں جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی اور عصر کی نماز سے قبل قبرستان قاسمی میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)

نمونۂ سلف، اُستاذ الاساتذہ

حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مفتی عمران اللہ قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند

دنیوی زندگی ایک گذرگاہ کے مانند ہے جس میں ابتدائے آفرینش سے لوگوں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، یہاں جو بھی آتا ہے وہ جانے کیلئے ہی آتا ہے ہر وقت ہر جگہ اور ہر موسم میں زندہ لوگوں کا ایک ہی لمحہ میں مردہ ہو جانا، اپنے متعلقین سے منھ موڑ لینا اور پھر کبھی واپس نہ آنا یہ ایک ایسا عام واقعہ بن گیا ہے جس کی طرف عموماً توجہ مرکوز نہیں ہوتی؛ لیکن بسا اوقات اپنوں کے بیچ سے رخصت ہو کر دنیا سے منھ موڑنے والا ایسا انسان ہوتا ہے جس کی زندگی دوسروں کے لئے مفید ہوتی ہے، ذاتی افادیت اور بلند اخلاق کی بدولت عوام الناس کے دل اس کی عظمت وعقیدت سے معمور ہوتے ہیں تو دنیا والوں کو اس کے چلے جانے کا غم ہوتا ہے اور اس کو کھو دینے کے بعد اس کی قدر و قیمت کا احساس زیادہ ہوتا ہے وہ اپنے پیچھے یادوں کا ایک تسلسل چھوڑ جاتا ہے وہی وابستہ یادیں متعلقین کے لئے سامان سکون اور عبرت وموعظت کا عنوان بن جاتی ہیں۔

۱۹؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کو ایک ایسا ہی عظیم سانحہ پیش آیا جس کو فضلاء دارالعلوم دیوبند اور وابستگان دارالعلوم شاید ہی کبھی بھلا سکیں، اس روز استاذ الاساتذہ حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند عالم فانی سے کوچ کر گئے، جن کے چلے جانے سے علماء وفضلا کا بڑا طبقہ سوگوار ہو گیا، اللہ تعالیٰ حضرت

موصوف کو کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

جب بندہ ابتدائی درجات کا طالبِ علم تھا تو اپنے اساتذہ اور دیگر متعلقین کے ذریعہ حضرت والا کے تعارف سے کان مانوس ہو چکے تھے، وہ حضرات مختلف مجالس میں حضرت والا کا ذکر خیر کرتے رہتے اور متعدد اوصاف گناتے رہتے تھے، پھر ۱۹۹۶ء میں جب بندے کا مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مقدر ہوا اور دیوبند تک رسائی ہوئی تو قدیم غائبانہ تعارف کی وجہ سے حضرت والا کی زیارت کا شوق جو دل میں پنہاں تھا، وہ حضرت والا کی زیارت کا متمنی بنائے رکھتا، اسی زمانے میں ایک روز احاطہ مولسری میں زیارت ہوئی، جب حضرت والا بخاری شریف کا درس دینے کے لئے طلبہ کے عقیدت مندانہ جھرمٹ میں گھرے ہوئے اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ دارالحدیث کی جانب رواں دواں تھے، یہ پہلی زیارت ہی عقیدت ومحبت میں اِضافہ کا سبب بن گئی، بعد میں حضرت کی نیک نفسی، شرافت ووضع داری مہربانی وشفقت کی بنا پر عقیدت ومحبت فزوں تر ہوتی چلی گئی۔

بلند شہر سے شمالی جانب تقریباً ۴۵ رکلو میٹر کی دوری پر پٹھان برادری پر مشتمل چند آبادیاں ''بارہ بستی'' کے نام سے موسوم ہیں، انہیں میں ''بسئ'' نام کے ایک گاؤں میں ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ کو گہوارۂ ہستی میں آپ نے آنکھیں کھولیں، ابھی بچپن کی وادیوں کو بھی عبور نہ کر سکے تھے کہ والد محترم جناب عبدالشکور خان صاحب داغ مفارقت دے گئے، اور اب آپ شفقت پدری سے محروم ہوگئے، اس کے بعد برادر محترم اور والدہ محترمہ کی نگہداشت میں تعلیم وتربیت کے مراحل طے ہونے لگے، تعلیم کے ابتدائی مراحل میں ہی والدہ محترمہ کی جدائی کا صدمہ بھی برداشت کرنا پڑا، بعد میں بڑے بھائی ہی مربی ونگراں تھے، اور انھیں کی نگرانی میں تعلیم وتربیت کے مراحل مکمل کرنے اور عظیم المرتبت اساتذہ سے علوم وفنون میں مہارت وکمال حاصل کرنے کے بعد آپ ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ مقرر ہوگئے، مسند درس پر جلوہ افروز ہونے کے بعد آپ کے علمی جوہر دکھانے اور فیضانِ علمی سے تشنگان علوم کو سیراب

کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، آپ سے علمی فیض اُٹھانے والوں اور شرفِ تلمذ حاصل کرنے والوں کا جو سلسلہ ۱۳۶۵ھ سے شروع ہوا اُس کو عنداللہ مقبولیت ملی، اور طالبانِ علوم میں اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اس سلسلہ میں اضافہ ہی ہوتا گیا، تعداد دن بدن بڑھتی گئی۔

چنانچہ اخیر عمر تک کے تمام مستفیدین کی تعداد پچاس ہزار سے بھی متجاوز ہوگئی تھی، آپ کی علوم اسلامی میں کامل دستگاہ اور علم حدیث سے خصوصی مناسبت، خلوص وللّٰہیت، ورع وتقویٰ، صالحیت ونیک نفسی، چھوٹوں کے ساتھ شفقت و پیار کا معاملہ یہ سب ایسے امور تھے جن کی وجہ سے ہر متعارف آپ سے عقیدت ومحبت کرنے لگتا، اور آپ سے انتساب کو اپنے لئے باعث فخر گردانتا تھا۔

آپ کی ذات والا صفات متعدد خوبیوں اور عمدہ صفات کا مجموعہ تھی، ہم جیسے خردوں اور ناسمجھوں نے بھی آپ کی ذات اور آپ کی روزمرہ کی زندگی میں چند ایسی باتیں دیکھیں جو آپ کا وجہ امتیاز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کی مقبولیت کا بھی سبب تھیں، اور آنے والی نسلوں کے لئے نمونۂ عبرت وموعظت ہیں۔

اسباق کی پابندی

کسی بھی کامیاب مدرس کے لئے درس گاہ میں حاضر ہوکر پابندی سے اسباق پڑھانا نہایت ناگزیر اور ضروری ہوتا ہے حضرت والا اس وصف میں نہایت ممتاز تھے خود بھی اسباق کی پابندی کا لحاظ کرتے، احقر نے دورۂ حدیث شریف کے سال نہایت نزدیک سے بکثرت اس کا مشاہدہ کیا کہ حضرت والا وقت سے پہلے ہی گھنٹہ کے لئے تیار نظر آتے، اور وقت ہوتے ہی اپنی مخصوص بیت ہاتھ میں لیتے اور مخصوص و باوقار رفتار سے احاطہ مولسری سے گذرتے ہوئے دارالحدیث پہنچ جاتے، بلا عذر و بیماری کے دیر حاضری اور غیر حاضری کا حضرت والا کے یہاں سوال ہی نہ تھا، حضرت والا سفر بہت کم کرتے تھے؛ بلکہ اخیر عمر میں اسفار بالکل موقوف تھے، اس لئے عدم حاضری کا امکان ہی نہ تھا، اگرچہ نہایت مصروفیت یا شدید عذر کی بناء پر کبھی کبھی درس موقوف ہوجاتا، ورنہ حتی الامکان اسباق کی پابندی کرتے اور اپنے چھوٹوں کو بھی اس کی تلقین کرتے۔

جس سال احقر دارالعلوم دیوبند میں معاونت تدریس کی خدمت پر مامور تھا، اس وقت تعلیمی سال کے آغاز میں منعقد ہونے والی اساتذہ کی میٹنگ میں احقر کو شرکت کا موقع ملا، دارالعلوم دیوبند کے سبھی چھوٹے بڑے اساتذہ تشریف فرما تھے، حضرت والا بھی بحیثیت صدرالمدرسین تشریف فرما تھے، حسب معمول آپ نے اساتذۂ کرام سے مخاطب ہوکر بطور رہنمائی کے چند باتیں بیان فرمائیں، جس میں اسباق کی حاضری اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں امانت و دیانت کا پاس ولحاظ رکھنے کی تلقین فرمائی، اس وقت حضرت کا انداز نہایت اچھوتا اور پیار بھرا تھا، جو ایک طویل عرصہ گذرنے کے باوجود بھی آج تک ذہن کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ حضرت کی اسباق کی پابندی حضرت کے تمام مستفیدین کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے، جس کو اپنانے کی آج کے زمانے میں نہایت سخت ضرورت ہے۔

اساتذۂ کرام اور مادر علمی سے محبت وعقیدت

آپ مادر علمی اور اساتذہ کرام سے نہایت والہانہ تعلق رکھتے تھے ان سے محبت وعقیدت کا اظہار کرتے رہتے، مجلسوں میں اُن کے محبت بھرے واقعات سناتے رہتے، اپنے اساتذہ میں قاری بہادر خاں صاحبؒ (جو حضرت کے حفظ کے استاذ تھے) کا تذکرہ نہایت کثرت سے کرتے، اُن کی تعریف میں بہت رطب اللسان رہتے۔

اسی طرح اپنے استاذ تجوید جناب حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ کا بھی کثرت کے ساتھ ذکر کرتے، ان سے بہت محبت وعقیدت کا اظہار کرتے، اپنے اساتذہ میں آپ کو سب سے زیادہ عقیدت ومحبت حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ سے تھی؛ کیوں کہ وہی آپ کے مربی و مصلح بھی تھے، اس لئے آپ ان کو محسن مانتے اور ہر لمحہ ان کی ممنونیت کا اظہار کرتے ہمیشہ اٹھتے بیٹھتے، اور عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنی کا نہایت ہی عقیدت مندانہ تذکرہ کرتے، ان کی عظمت وکردار اور اُن کے مجاہدوں کو بیان کرتے۔ اسباق بھی میں بسا اوقات حضرت مدنی کا تذکرہ کرتے۔

حضرت والا سے بخاری شریف کا درس لینے والے طلبہ گواہ ہیں کہ آپ اپنے اساتذہ کے نام القاب وآداب اور اُن کے مراتب کی رعایت کے ساتھ اس طرح لیتے، جس سے پورا احترام جھلکتا، اور جب بھی حضرت مدنی کی قربانیوں اور مجاہدوں کا تذکرہ کرتے تو آواز پر رقت کا غلبہ ہوجاتا، آنکھیں نم ہوجاتیں، ہر ہر طالب علم صاف طور پر اس کو محسوس کرتا، آپ اپنے استاذ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خوب تذکرہ کرتے، جس سے عقیدت کا اظہار ہوتا، تقریباً سبھی اساتذہ اور محسنین کا تذکرہ رہتا۔

اساتذہ کے تذکرہ کے ساتھ دارالعلوم کے ساتھ موجودہ حالات کا بھی تذکرہ رہتا، دارالعلوم دیوبند چونکہ آپ کا مادرِ علمی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا میدانِ علمی بھی تھا، آپ نے زندگی کے بیشتر ایام دارالعلوم دیوبند سے وابستگی اور اس کی خدمت میں ہی گزارے تھے، اپنے شباب سے شیب تک کا زمانہ مادرِ علمی کی آغوش میں ہی بسر کیا تھا، اس وجہ سے آپ کو اپنے مادرِ علمی سے نہایت درجہ محبت تھی۔

تدریس کے ساتھ دیگر ذمہ داریوں اور انتظامی امور میں دلچسپی لیتے، نہایت خوش اسلوبی سے ان ذمہ داریوں کو نبھا کر اپنے اسلاف کی روایات کی یاد تازہ کردیتے۔ طلبہ کے درمیان دارالعلوم سے متعلق ہمیشہ اس انداز کی گفتگو کرتے جس سے ان کے دلوں میں دارالعلوم کی محبت اور عظمت ووقار قائم ہوجاتا، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند پر متعدد حالات آئے جو دارالعلوم اور پوری امت کے لئے باعث اذیت تھے، ایسے حالات میں حضرت نے ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کے مفاد کو ترجیح دی، اور ساتھ ہی اپنے اکابر واساتذہ کی عظمت کا پورا پاس ولحاظ رکھا۔

فن ہیئت سے خصوصی دلچسپی

درس نظامی میں شامل تمام علوم فنون پر آپ کو مکمل مہارت اور کامل دستگاہ حاصل تھی، دوران تدریس آپ نے ہر فن کی چھوٹی بڑی متعدد کتابیں پڑھائیں تھیں، مگر آپ کو فن ہیئت سے خصوصی مناسبت تھی، جب تک یہ فن داخل درس تھا، اِس فن کی کتاب آپ کے زیرِ درس رہتی،

آپ سے اس فن کا استفادہ کرنے والے چند حضرات اب بھی بقید حیات ہیں، اور اس فن سے متعلق حضرت کی دلچسپی اور مہارت کے معترف ہیں۔ بعد میں جب درس نظامی میں جزوی تبدیلی کے دوران اس فن کو نصاب سے خارج کر دیا گیا، تو آپ کا فن ہیئت کا درس بھی موقوف ہو گیا، مگر اس فن سے دلچسپی برقرار رہی، آپ اس فن کی خصوصیات اور ضرورت کو بیان کرتے، اگر کبھی مجلس میں یا درس میں احوالِ فلکیات کا ذکر آ جاتا، سورج گرہن اور چاند گرہن، دن رات کی تبدیلی کی بات چھڑتی، تو حضرت والا فن ہیئت کی روشنی میں گفتگو فرماتے اور حاضرین خوب محظوظ ہوتے۔

ایک مرتبہ احقر اپنے چند مہمانوں کے ہمراہ بعد نماز عصر حضرت والا کی مجلس میں حاضر تھا، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے حضرت مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری مفتی دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء لے کر حاضر ہوئے، جو لندن میں ہلال عید سے متعلق تھا (یہ مسئلہ کافی اختلاف کا موضوع رہتا ہے) ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کوئی دوسری تحریر بھی لئے ہوئے تھے، جس میں طلوعِ قمر اور غروبِ قمر سے متعلق کچھ ضابطے لکھے تھے، حضرت مفتی محمود حسن صاحب نے وہ استفتاء سنایا، پھر وہ ضابطہ سنا کر حضرت شیخ سے اطمینانی جواب چاہا، اس وقت حضرت نے جو فنی گفتگو فرمائی، اس سے حاضرین کو کافی اطمینان ہوا، حضرت اس فن کی ضرورت اور دلچسپی کی وجہ سے دوبارہ اس فن کو داخل درس کرنے کے مؤید تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے طویل وابستگی

دارالعلوم دیوبند سے آپ کی طویل المدت وابستگی آپ کا ایسا امتیاز ہے، موجودہ زمانہ میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اور زمانہ ماضی میں بھی شاید ہی اس قدر طویل المدت وابستگی کسی کو نصیب ہوئی ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ وہ سعادت وفضیلت ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں ہوتی۔ ”این سعادت بزور بازو نیست“

تقریباً ۶۵ رسال تک تو آپ مسند درس پر جلوہ افروز ہو کر فیضانِ علم وہدایت کے گوہر لٹاتے رہے، اگر اس مدت میں تحصیل علم کی مدت بھی ملائی جائے، تو تقریباً ۷۰ رسال ہو جاتے

ہیں، جو موجودہ زمانہ کے اعتبار سے نہایت طویل مدت ہے۔

آج کے موجودہ زمانہ میں ساٹھ یا ستر سال کے سفر میں آدمی دنیا سے عموماً رخصت ہوجاتا ہے، خال خال لوگوں کو ہی اس قدر طویل عمر اور طویل خدمت کا موقع ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عمر طویل عنایت فرمائی، اس کا بیشتر حصہ علوم اسلامیہ کی نشر واشاعت میں ہی صرف ہوا۔

آج دارالعلوم دیوبند میں چھوٹے بڑے سبھی اساتذہ تقریباً آپ کے شاگرد ہیں؛ بلکہ ہندوستان میں موجودہ علماءِ کرام کا اکثر طبقہ بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا فیض یافتہ ہے، ملک و بیرون ملک آپ کے فیض یافتگان کثیر تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں، جو علوم دینیہ کی خدمات میں مصروف ہیں، ان سب کے لئے آپ اکابر اسلاف کے سچے نمونہ اور ان کے روایات کے صادق پاسبان تھے۔

انداز گفتگو

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر وباطن ہر طرح کی خوبیوں سے نوازا تھا، حسن سیرت، حسن صورت کے ساتھ حسن صوت سے بھی وافر حصہ آپ کو عطا ہوا تھا، عمر کی درازی، ضعف ونقاہت کے باوجود آواز اس قدر بلند، صاف ستھری اور سنجیدگی لئے ہوئے تھی کہ سننے والا گرویدہ ہوکر رہ جاتا، درس حدیث کے دوران اگر کبھی بجلی بھاگ جاتی تب بھی آپ کی آواز تمام طلبہ تک پہنچتی رہتی اور ہر طالب علم اس کو بآسانی سنتا، آپ اپنی آواز سے ہر جگہ پہچانے جاتے، طلبہ یا اساتذہ سے گفتگو نہایت وقار ومحبت بھرے انداز میں کرتے آپ کے بولنے، گفتگو کرنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، آپ کے ہر ہر عمل سے عظمت ووقار جھلکتا، اخیر عمر میں پیرانہ سالی اور ضعف کے باوجود مسلسل دو تین گھنٹہ درس دیتے تھے، دوران درس آپ کی نشست نہایت باوقار اور عالمانہ ہوتی، حسب موقع نصیحت اس انداز سے فرماتے کہ سننے والا آپ کی عظمت کا قائل ہوجاتا، آج آپ کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد آپ کی یہ صفات ہم سب کے لئے مشعل راہ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ہم لوگوں کو آپ کی ہدایات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)

❍❖❍

سراپا عظمت و وقار شیخ الحدیث

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری استاذ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند

اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو گونا گوں خوبیوں اور ایسی ممتاز خصوصیات سے نوازتا ہے، جن کی بنیاد پر وہ دوسروں سے فوقیت لے جاتے ہیں، اور زندگی کے میدان میں وہ ایسے گہرے تاثر اور انمنٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں، جن کی مثال بمشکل ہی مل پاتی ہے۔ سعی ومحنت، جدوجہد، عزم وارادے اور خوش خلقی کی بنا پر انسانوں کی بھیڑ میں اور ہر مجلس ومحفل میں عزت وعظمت ان کے قدم چومتی ہے، اگرچہ عظمتیں متنوع ہوتی ہیں مگر سراپا خلق اور اندروں کی پاکیزگی کی وجہ سے حاصل ہونے والی عظمت لافانی، نمایاں، اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی لوگوں کے ذہنوں میں تروتازہ اور باقی رہتی ہے، ایسی ہی بے پناہ عظمتوں اور لاثانی وقار کی حامل شخصیت حضرت اقدس مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی تھی، جو ۱۹رصفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴رفروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کو اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت کے چلے جانے سے دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا ایک عظیم باب بند ہو گیا۔

ولادتِ مبارکہ

حضرت شیخ ضلع بلندشہر کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''بسئ'' میں پیدا ہوئے تھے، آپ کے والد محترم کا نام عبدالشکور خاں اور والدہ کا نام رحمت بی تھا، دارالعلوم دیوبند کے داخلہ فارم اور سرکاری کاغذات کے اعتبار سے آپ کی تاریخ پیدائش ۲۱ رربیع الاول ۱۳۳۷ھ ہے؛ تاہم حضرت

والا بارہا اس کی وضاحت فرماتے کہ ریکارڈ شدہ تاریخ پیدائش ۲ سال کم ہے، میری عمر اس سے دو سال زیادہ ہے، اس اعتبار سے حضرت والا کا صحیح سن ولادت ۱۳۳۵ھ ہوتا ہے، ابھی آپ بچے ہی تھے کہ ۴ یا ۵ / سال کی عمر تھی کہ والد محترم کا انتقال ہو گیا۔

تعلیم وتربیت

حضرت شیخ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ حصہ ہے، والد صاحب کے بعد خصوصیت سے بھائی صاحب نے یہ ذمہ داری نبھائی، حضرت شیخ نے مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں تعلیم کا آغاز فرمایا اور وہیں پر حفظ قرآن کی تکمیل فرمائی۔ جناب قاری محمد عمر صاحبؒ اور جناب قاری بہادر خاں صاحبؒ آپ کے حفظ کے اساتذہ تھے، آپ قاری بہادر خاں صاحبؒ کا اکثر و بیشتر تذکرہ فرماتے اور متعدد مجالس میں اُن کا تذکرہ اور مدح سرائی کرتے رہتے تھے۔

حفظ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد فارسی کی تعلیم شروع فرمائی، پھر اس کے بعد عربی تعلیم کا آغاز کیا، ابھی آپ ابتدائی عربی درجات کے ہی طالب علم تھے کہ والدۂ محترمہ کی وفات ہو گئی، اور اس طرح آپ مکمل طور پر بھائی صاحب کی کفالت میں آ گئے، بھائی صاحب نے کفالت کا پورا حق نبھایا اور تعلیم وتعلم کے ساتھ تربیت پر مکمل توجہ دی۔

حضرت شیخ بتلایا کرتے تھے کہ میں نے فارسی کی چند کتابوں کے سوا فارسی اور عربی کی تمام کتابیں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ سے ہی پڑھی ہیں۔

ایک مرتبہ راقم نے وضاحت کے ساتھ معلوم کیا کہ حضرت آپ نے کون کون سی کتابیں کن اساتذہ سے پڑھیں اور کہاں کہاں پڑھیں؟ تو فرمایا کہ منبع العلوم میں تو میں نے سب کچھ صرف بڑے بھائی صاحب ہی سے پڑھا ہے، مدرسہ منبع العلوم میں بھائی صاحب استاذ تھے، وہاں اور بھی اساتذہ تھے، مگر مجھ کو بھائی صاحب ہی تمام کتابیں پڑھاتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

جب آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہو گیا، تو آپ بھی بڑے بھائی کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند آ گئے اور ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، یہ آپ کا دورۂ حدیث شریف کا سال تھا، ۱۳۶۲ھ میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، چونکہ اِن دنوں جنگ آزادی کی جد و جہد میں مصروف ہونے کی پاداش میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نینی جیل میں قید تھے، اس لئے اس سال بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے پڑھی تھی، مگر حضرت مدنیؒ سے استفادہ کی لگن اور خواہش برقرار تھی، اور حضرت مدنیؒ جیل سے واپس تشریف لا چکے تھے، اس لئے اگلے سال ۱۳۶۳ھ میں بخاری، ترمذی شریف کی حضرت مدنی سے سماعت کی، اپنے علم وفن میں مزید جلاء پیدا کرنے کی خاطر اسی سال کچھ دیگر فنون کی کتابیں مثلاً ہدایہ آخرین، قرأتِ قرآن، جزری، مسلم الثبوت شرح چغمینی متنبّی، سراجی، بیضاوی سورۂ بقرہ، توضیح، تلویح، فوائد مکیہ بھی پڑھیں، اور ابوداؤد شریف اور مسلم شریف بھی دوبارہ پڑھیں، اس کے بعد مزید دو سال علوم میں پختگی پیدا کرنے کی غرض سے مختلف کتابیں پڑھتے رہے، اور شریک امتحان ہوتے رہے، ان دو سالوں میں تجوید وقرأت کی طرف بھی متوجہ ہوئے، چنانچہ ۱۳۶۴ھ میں خلاصۃ البیان شاطبیہ، رائیہ، اجراء قرأت سبعہ، بیضاوی سورہ بقرہ (دوبارہ) نفیسی، حمیاتِ قانون، شرح اسباب اول، شرح اسباب ثانی، قانونچہ، وغیرہ کتابیں پڑھیں، اور شریک امتحان ہوئے، پھر اگلے سال ۱۳۶۵ھ میں کچھ مزید کتابیں مثلاً ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، میر زاہد، حمد اللہ، طیبۃ النشر فی قرأت عشر، اور ان کے علاوہ اور بھی دیگر کتابوں کو دوبارہ پڑھ کر امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذۂ کرام

جس وقت آپ دارالعلوم دیوبند میں اکتساب فیض کر رہے تھے وہ دارالعلوم دیوبند کی

تاریخ کا نہایت تابناک دور تھا، بڑے بڑے ماہرفن اساتذہ مسانید درس پر جلوہ افروز تھے، شیدائیان علم نبوت اور مہمانان رسول ان سے اپنی علمی تشنگی دور کرتے، آپ نے جن حضرات اساتذہ سے علمی فیض حاصل کیا اُن میں خاص طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب ملتانیؒ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹکؒ، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالاؒ، حضرت مولانا المقری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپ گڈھیؒ صدر شعبۂ قرات دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ دارالشفاء دارالعلوم دیوبند قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ سے آپ نے طب کی کتابیں پڑھیں تھیں۔

فن تجوید وقرأت سے خصوصی شغف

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد جب حضرت شیخ تکمیلات کے مراحل میں تھے تو ان چند سالوں میں فن تجوید وقرات سے آپ کو خصوصی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ آپ نے فن قرات کی تمام کتب درسیہ، حفص، سبعہ عشرہ وغیرہ اپنے وقت کے امام الفن اور ماہر علوم قرات حضرت مولانا المقری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، اور ان تینوں سال آپ مختلف لہجوں میں ان کے سامنے مشق کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ اس فن میں ماہر ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ نے یعنی حضرت شیخ الحدیث صاحب نے راقم سے بتلایا کہ حضرت الاستاذ قاری حفظ الرحمٰن فرمایا کرتے تھے، نصیر احمد! میں نے تم کو اس فن کی خدمت کے لئے تیار کیا ہے، حضرت شیخ حضرت قاری صاحبؒ کے نہایت چہیتے اور مخصوص شاگردوں میں تھے اور آپ بھی اپنے استاد حضرت قاری صاحبؒ سے نہایت محبت کرتے تھے، اور عصر کے بعد مجلسوں میں بارہا اپنے استاذ حضرت قاری صاحبؒ کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ

حضرت قاری صاحبؒ نے نہایت تعلق کی وجہ سے فن قرأت پڑھانے کے لئے میرا تقرر ملتان کے ایک بڑے مدرسہ میں صدر قاری کی حیثیت سے کر دیا تھا، یہ مدرسہ مولانا صادق صاحبؒ کا قائم کردہ تھا جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے، حضرت قاری صاحبؒ کی ایما پر میں نے ملتان جانے کی تیاری کر لی تھی کہ بھابھی صاحبہ اہلیہ حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ نے فرمایا ہم نصیر احمد کو اتنی دور نہیں بھیجتے، چنانچہ بھائی صاحب اور قاری صاحب سے گفتگو کے بعد آپ ملتان جانے سے رک گئے؛ کیونکہ مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ تقرر

تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے عمر بھر کے لئے دارالعلوم دیوبند کی خدمت مقدر کر دی تھی آپ کی ذات سے علوم حدیث کے عظیم فیضان کا فیصلہ فرما دیا تھا اس وجہ سے آپ ملتان نہیں جا سکے، چنانچہ ۱۳۶۵ھ کے اواخر ماہ ذی الحجہ میں اعزازی ابتدائی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا، آپ اسی طرح دو سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور ۱۳۶۷ھ میں دو سال بعد ۲۸؍صفر کو با قاعدہ آپ کا تقرر کر لیا گیا، اور آپ کی حسن کارکردگی کی وجہ سے اسی سال ۲۱؍ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ کو آپ کا استقلال بھی کر دیا گیا، حسن اتفاق آپ نے تدریس کا آغاز بالکل ابتدائی کتابوں سے کیا، اور میزان سے لے کر آخر تک کی درس نظامی کی تقریباً تمام کتب آپ سے متعلق رہیں، آپ نہایت محنت اور دلچسپی سے پڑھاتے، آپ کی حسن کارکردگی ہمیشہ ممتاز رہی، آپ کے بعض کتابوں کے درس کو کافی مقبولیت ملی، اور مقامات حریری، میبذی، مسامرہ شرح جامی، جلالین شریف، الفوز الکبیر، اور مشکوۃ شریف وغیرہ مختلف کتابوں کا درس تو آپ سے کافی طویل عرصہ تک متعلق رہا۔

فن ہیئت سے خصوصی دلچسپی

مختلف فنون کے ساتھ علم ہیئت کا درس بھی ہمیشہ آپ سے متعلق رہا، اس فن کی اہم کتاب

التصریح ہمیشہ آپ کے زیر درس رہی، اللہ تعالیٰ نے اس فن میں آپ کو مخصوص ملکہ اور مہارت عطا فرمائی تھی اس فن کے بلا شرکت غیر آپ بے تاج بادشاہ تھے، عجیب وغریب انداز سے اس کے مسائل کی تشریح فرماتے تھے، افسوس کے یہ فن اب نصاب سے خارج کر دیا گیا، اس پر حضرت بہت افسوس فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں اس فن کے اہم مباحث ہیں، طلبہ یہ فن نہیں جانتے تو اب ان مسائل کو کیسے سمجھیں گے اس لئے یہ فن نصاب میں رہنا چاہئے اس کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور آج بھی ہے۔

مسند حدیث پر

آپ نہایت محنت اور پابندی سے اپنی ذمہ داری نبھاتے تھے، جس کی بنا پر ترقیاں آپ کے قدم چومتی رہیں، چنانچہ آپ ابتدائی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے علیا درجہ تک پہنچ گئے اور ۱۳۹۱ھ میں دورۂ حدیث شریف کی کتابوں کی تدریس بھی آپ سے متعلق ہونے لگی، چنانچہ ۱۳۹۱ھ سے ۱۳۹۷ھ تک آپ طحاوی شریف، مسلم شریف جلد ثانی، مؤطا امام مالک کا درس دیتے رہے، اور طالبان علوم نبوت کو فیضیاب کرتے رہے۔ اور ۱۳۹۷ھ میں جب دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ وفات پا گئے، تو بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہو گیا، اس کے بعد سے آپ مسلسل بخاری شریف کا درس دینے لگے، ایک سال مکمل بخاری شریف (دونوں جلدوں) کا درس آپ سے متعلق رہا، اس کے بعد ہمیشہ آپ جلد اول پڑھاتے رہے، جلد ثانی کا سبق مشترک طور پر حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے متعلق رہتا تھا۔ آپ بڑی شان وشوکت سے بخاری شریف کے درس دیتے تھے، اخیر عمر تک اسی فریضہ کو انجام دیتے رہے اور ہزاروں فرزندان توحید کو سیراب کرتے رہے۔

جب آپ ۱۴۲۹ھ میں شدید بیمار ہو گئے گھٹنوں کی تکلیف، قلب کا عارضہ، آنت اترنے کی پریشانی، ضعف سماع وبصر وغیرہ بیک وقت متعدد بیماریاں لاحق ہو گئیں، تو پھر آپ نے درس اور مدرسہ کی حاضری سے معذوری ظاہر فرما دی، ۱۳۹۱ھ سے ۱۴۲۹ھ تک تقریباً ۴۰ رسال تک

آپ مسند حدیث پر رونق افروز ہوکر تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے، اس دوران آپ سے ہزاروں کی تعداد نے شرف تلمذ حاصل کیا۔

عہدے اور ذمہ داریاں

تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ نے بخوبی طور پر انجام دیں، ایک طویل عرصہ تک آپ ناظم دارالاقامہ رہے، اور اس میں حضرت مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندیؒ سابق اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند بھی ہمیشہ آپ کے رفیق کار رہتے تھے۔

۶ رصفر ۱۳۹۱ھ کو مجلس شوریٰ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم تجویز فرمایا، ایک عرصہ تک آپ اس منصب پر کام کرتے رہے، اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ھ میں آپ کو باتفاق اراکین شوریٰ صدرالمدرسین منتخب کرلیا گیا، ایک طویل عرصہ تک آپ نے اس منصب کو بھی زینت بخشی اور اخیر عمر میں تدریس سے معذرت کے ساتھ اس منصب جلیل سے بھی معذرت فرمالی۔

اوصاف وکمالات

اللہ تعالیٰ نے بے شمار اوصاف کمالات سے آپ کو نوازا تھا آپ فطرتاً انتہائی نیک وصالح انسان تھے، بزرگوں کے اخلاق کا نمونہ اوران کی علمی یادگار تھے، آپ بہترین مدرس بھی تھے اور بے مثال عالم بھی تھے تمام علوم میں اللہ نے آپ کو مہارت عطا فرمائی تھی آپ کے اوصاف میں ایک خصوصی وصف یہ تھا کہ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے، تواضع، شفقت، اور رحم دلی ،خیر خواہی، محبت واخلاص جیسے جذبات کوٹ کوٹ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بھر دیئے تھے، آپ کے یہاں کوئی چھوٹا بھی چھوٹا نہیں تھا سب کا احترام بڑوں کی طرح فرماتے تھے آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تھی، نماز باجماعت کے انتہائی پابند تھے، جمعہ کو ہمیشہ کافی پہلے مسجد پہنچنے کا معمول تھا، اور صلوۃ التسبیح ہر جمعہ کو پڑھتے تھے، نماز اس طرح خشوع خضوع کے ساتھ پڑھتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ اس سے بہتر کوئی نماز نہیں ہوسکتی، رکوع اور سجود میں کامل طمانینت ،

قیام کی حالت ایسی کہ جیسے ایک ذلیل اور ناتواں بندہ اپنی عرض و نیاز کرتا ہے، باطنی کمالات کے ساتھ حسن ظاہری، حسن صوت، حسن صورت، حسن سیرت، سے بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا آواز آپ کی بلند و بالا مگر انتہائی دل کش تھی، گفتگو کا لب ولہجہ نہایت عمدہ اور اس پر حروف کی ادائیگی مستزاد، کلام فرماتے تو ہر آدمی چاہتا کہ آپ بولتے رہیں اور ہم سنا کریں، تاہم درس کی تقریر انتہائی سادہ، غبی سے غبی طالب علم بھی استفادہ کر لیتا، وقار، سنجیدگی، اور متانت، آپ کے درس کا خصوصی امتیاز تھا مدت میں ایسے لوگ آتے ہیں اور جانے کے بعد یادگار بن جاتے ہیں۔

بیعت؛ اجازت وخلافت

حضرت شیخ کو اپنے استاذ مخصوص مربی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہٗ سے خصوصی عقیدت و محبت تھی، کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ آپ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ نہ فرماتے ہوں، بعض مرتبہ تو عصر کے بعد مجلس میں شروع سے آخر تک حضرت مدنی کا تذکرہ رہتا، حضرت مدنی کے مختلف واقعات سناتے، حضرت مدنیؒ سے محبت اس قدر تھی کہ اگر کوئی حضرت مدنی کے اہل خاندان کو کچھ کہہ دیتا، یا اس طرح کا مضمون اخبار میں پڑھتے تو آپ کو سخت رنج وملال ہوتا۔ بہر حال حضرت شیخ حضرت مدنیؒ کے عاشق صادق تھے، آپ حضرت مدنیؒ سے بیعت ہو گئے اور سلوک کی منازل طے کرتے رہے، آپ معمولات کو بڑی پابندی سے ادا فرماتے تھے، تلاوت، تسبیحات، نوافل، کا اہتمام فرماتے، حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد کسی سے آپ نے رجوع کیا یا نہیں، اس بارے میں ہمیشہ خاموش رہتے، کوئی ذکر نہ فرماتے تھے، اچانک ایک روز معلوم کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ مجھے اجازت وخلافت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے، حضرت قاری طیب صاحبؒ نے مجھے خلافت دی ہے اور مجاز بیعت بنایا ہے، میں نے عرض کیا حضرت! کبھی آپ نے اس کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ کسی کو اس بارے میں علم ہے؟ تو اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ بس آج تم کو بتا دیا، مگر تم بھی کسی سے ذکر نہ کرنا، اور میں نے آج تک کسی کو بیعت بھی

نہیں کیا ہے۔ مزید فرمایا کہ بھائی میرا یہ مزاج نہیں ہے، یہ تو بڑے حضرات کی چیزیں ہیں۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی مجلس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا بھی بہت ذکر ہوتا تھا، حضرت قاری صاحب کے علوم اور بزرگی کے آپ بے انتہا قائل تھے، حضرت قاری صاحبؒ کی تلاوت قرآنِ کریم اور لب لہجہ کی بھی خوب تعریف کرتے۔ فرماتے تھے کہ آپ بے نظیر لہجے کے مالک و ماہر تھے، قاری صاحب کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہی تھی کہ آپ نہایت عمدہ قرآنِ کریم پڑھتے تھے، جوانی کے عالم میں قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ محفلوں میں تلاوت ہی فرماتے تھے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے بتلایا کہ ہم نے حضرت قاری صاحبؒ کی تلاوت گلاؤٹھی میں اُس وقت سنی جب حضرت قاری صاحبؒ کے چہرہ پر داڑھی بھی نہیں تھی۔

ذمہ داریوں سے سبک دوشی

جب بیماریوں نے شدت اختیار کر لی تو حضرت شیخ نے معذرت کی تحریر پیش کر دی، چنانچہ مجلس تعلیمی ربیع الاول ۱۴۲۹ھ میں آپ کی تحریر پیش ہوئی، مجلس شوریٰ نے آپ کی درخواست قبول کر کے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی کو آپ کی جگہ متعین فرما دیا، اور یکم جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ کی مجلس عاملہ نے حضرت موصوف کو سبک دوش کر کے پندرہ ہزار روپئے ماہانہ وظیفہ تاحیات جاری فرما دیا، جو آخر تک چلتا رہا۔

محرم الحرام ۱۴۳۱ھ کے آخر میں ضعف بڑھ گیا اور ۱۹؍صفر ۱۴۳۱ھ بروز جمعرات مطابق ۴؍فروری ۲۰۱۰ء کی شب میں دو بج کر دس منٹ پر اپنے صاحبزادہ سے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت سنی، اور قبلہ رو ہو کر اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔ ۹۶؍سال کی عمر طویل پائی، اور تقریباً پینسٹھ سال دارالعلوم دیوبند میں درس دیا، آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد پچاسوں ہزار سے بھی متجاوز ہے۔

نماز جنازہ اور تدفین

بعد نماز ظہر احاطہ مولسری میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی،

ہزاروں علماء اساتذہ اور ذمہ داران مدارس، طلبہ اور عوام کے جم غفیر نے نماز میں شرکت کی، سخت ازدحام کی وجہ سے آپ کا جنازہ کافی دیر میں مزار قاسمی پہنچا، ہزاروں کی تعداد میں موجود عقیدت مندوں نے سوگوار اور پرنم آنکھوں سے مزار قاسمی میں آپ کو سپرد خاک کردیا، اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ بلند فرمائے۔ آمین۔

پسماندگان

پسماندگان میں پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں، ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیوں کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا، آپ کے صاحبزادوں میں کوئی عالم نہیں ہے جو آپ کا علمی وارث ہوتا، حضرت کو ہمیشہ اس کا قلق رہا، جس کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ بھائی سب مقدرات ہیں، ہر بچہ کو عالم بنانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوسکی، سب نے درمیان میں تعلیم چھوڑ دی، تاہم سارے صاحبزادے ماشاء اللہ حافظ قرآن، نیک وصالح اور پابند صوم صلوٰۃ ہیں، حضرت شیخ کے تین پوتے دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم ہیں، عزیزم محمد سعد، اور محمد طارق، درجہ سوم عربی میں اور عزیزم محمد زہیر دینیات میں پڑھ رہے ہیں، حضرت کو ہمیشہ ان بچوں کی بڑی فکر رہتی تھی، اللہ تعالیٰ ان بچوں کو عالم وعامل بنائے اور حضرت کی یادگار بنائے، آمین۔

پسماندگان میں اہل خانہ کے علاوہ آپ سے فیض پانے والے ہزاروں علماء فضلاء اور دارالعلوم دیوبند کے سبھی وابستگان ہیں، احقر راقم الحروف شفیق الرحمٰن بلندشہری بھی حضرت کے پسماندگان میں سے ہے، جس کے ساتھ حضرت شیخ نہایت مشفقانہ برتاؤ رکھتے، دارالعلوم دیوبند سے وابستگی کے بعد حضرت سے قرب احقر کے لئے نہایت سعادت مندانہ رہا، سفر حضر اور آپ کی خصوصی مجالس میں آپ سے استفادے کا اللہ تعالیٰ نے بھرپور موقع عنایت فرمایا، حضرت شیخ کی وفات احقر کے لئے ایک ایسا عظیم سانحہ ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)

پیکرِ اخلاق وشرافت

(بیاد: حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ)

مولانا فاروق اعظم عاجزؔ قاسمی اِسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی

نحیف الجثہ، بلند قامت، کشادہ جبیں، سفید بشرہ، نورانی داڑھی، آنکھوں پر موٹا چشمہ، سفید کرتا، سفید پاجامہ، سر پر دوپلی روایتی ٹوپی، ہاتھ میں عصائے پیری، کالی جوتی پہنے ہوئے سر نیچے کر کے صدر دروازے سے ہو کر اِحاطۂ مولسری کی طرف اِس شان وشوکت کے ساتھ آ رہے ہیں کہ سیکڑوں پروانے آپ پر نچھاور ہیں، یہ تھے ہم سب کے دل وجان سے عزیز اُستاذ محترم؛ بلکہ اُستاذ الاساتذہ، بہت سے زندہ کرداروں کے عنوان، نمونۂ اَسلاف، معلم، مصلح، مخلص، شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب جو ۱۹؍صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کو ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شیخ علم وعمل کا پیکر اور اخلاق وکردار کا مجسمہ تھے، اپنے ہزاروں شاگردوں میں بدر کامل، صلاح وتقویٰ میں نمایاں، عادات واطوار میں منفرد اور بے شمار اوصاف وکمالات اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔

انگریزی فوج کے اعلیٰ منصب پر فائز، علماء نواز اور مولانا خلیل احمد امبہٹویؒ کے مرید جناب عبدالشکور خاں صاحب کے گھر ۱۳۳۵ھ میں حضرت نے آنکھیں کھولیں، حضرت کے والد ماجد کے دینی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے ''ترکِ موالات'' کے اعلان کے بعد انگریزی ملازمت کو خیر آباد کہہ کر کاشت کاری میں لگ گئے، حضرت شیخ کا آبائی وطن قصبہ ''بسی''

ضلع بلند شہر (یوپی) ہے؛ لیکن موجودہ رہائش دیوبند میں تھی۔

والدہ بھی انتہائی پارسا اور عبادت گزار تھیں، بچیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنا اور اخلاقی تربیت کی فکر ان کے شب وروز کا مشغلہ تھا، تلاوتِ قرآن سے شغف کا یہ حال تھا کہ حافظہ نہ ہونے کے باوجود بچیوں کو غلطیوں پر بے ساختہ ٹوکتیں۔

حضرت شیخ کے بڑے بھائی مولانا بشیر احمد خاں صاحبؒ چوں کہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرس تھے، اس لئے حضرت کی تعلیم کا آغاز یہیں سے ہوا، حفظ قرآن اس کے بعد عربی وفارسی کی ابتدائی کتابوں کے ساتھ ساتھ بخاری تک کی مکمل تعلیم اپنے بڑے بھائی سے اسی گہوارۂ علم حاصل کی، درمیان میں کچھ خانگی الجھنوں کی وجہ سے ایک مرتبہ حضرت شیخ کا تعلیمی سلسلہ موقوف ہوگیا؛ لیکن حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی نظرِ عنایت اور دعاؤں کے خاص اثر سے رکاوٹ ختم ہوئی اور تعلیمی مرحلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

۱۳۶۲ھ میں جب مولانا بشیر احمد خاں صاحب بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو حضرت شیخ بھی برادر محترم کے ہمراہ آئے اور مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مولانا بشیر احمد خاںؒ اور مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک (پاکستان) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ۱۳۶۳ھ میں ازسرنو دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۶۵ھ تک حضرت نے تفسیر وقرأت، فقہ واصول فقہ، منطق وفلسفہ اور طب وحکمت جیسے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں، اور ان میں تخصص پیدا کیا۔ فن قرأت میں تو ایسی مہارت پیدا کی کہ فراغت کے بعد ہی ملتان کے ایک بڑے مدرسہ میں صدر القراء کی حیثیت سے ان کا انتخاب ہوگیا؛ لیکن اہل خانہ کی عدم رضامندی کی بنا پر وہاں نہیں جاسکے؛ البتہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند میں خدمت مقدر تھی۔

چوں کہ حضرت مدنیؒ کی خاص توجہ حضرت شیخ پر مرکوز تھی؛ اس لئے انہیں کی کوشش سے ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں آپ کا بحیثیت مدرس تقرر ہوا، میزان سے اس سلسلہ کا آغاز ہوا اور تدریس کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے وہ متوسط درجہ سے علیا اولیٰ پھر علیا ثانیہ کے

استاذ مقرر ہوئے، اس دوران درس نظامی کے ہر فن کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھائیں، صرف ونحو ہو یا اَدب ولغت یا پھر تفسیر وفقہ۔

۱۳۹۱ھ سے درس حدیث کا آغاز ہوا اور ۱۳۹۷ھ تک حدیث کی معروف کتابیں: موطا امام مالک، طحاوی، ترمذی اور مسلم شریف وغیرہ آپ کے زیر درس رہیں۔ ۱۳۹۷ھ میں خدائے عزوجل نے حضرت شیخ کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف پڑھانے کی صورت میں شیخ الحدیث کا بلند مقام عطا کیا اور یہ سنہرا سلسلہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ وفات سے دو سال پہلے تک جاری رہا، اپنی پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کی بنا پر صفر ۱۴۲۹ھ کو دارالعلوم دیوبند سے سبک دوش ہو گئے تھے۔

ویسے تو حضرت شیخ نے اپنے تدریسی دور میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں اور پڑھانے؛ بلکہ درس کی مقبولیت میں صلاحیت واستعداد کی کس قدر ضرورت ہوتی اور اس کا کیا رول رہتا ہے، اہل نظر جانتے ہیں۔ فن میں ان کی حذاقت ہی کی بات ہے کہ دیگر درس گاہوں کے مقابلے میں آپ کی درس گاہ طالبانِ علوم سے بھری رہتی۔

حضرت کو معقول ومنقول دونوں میں کامل دست رس حاصل ہے۔ مولانا نور عالم خلیل امینی لکھتے ہیں: ’’(وہ) معقول ومنقول دونوں میں کامل دست گاہ رکھتے ہیں؛ بلکہ دارالعلوم میں علوم عقلیہ کے ماہرین کی اس وقت آخری کڑی ہیں‘‘۔ (وہ کوہ کن کی بات ۳۳۶)

صرف ونحو، ادب وبلاغت اور تفسیر وحدیث کے ساتھ ساتھ علم ہیئت بھی حضرت شیخ کی دل چسپی کا خاص موضوع رہا ہے، اس فن کی ’’التصریح‘‘ نامی کتاب مستقل آپ کے زیر درس رہتی، اس فن میں حضرت کو بڑا کمال حاصل تھا، پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو طلبہ کے ذہن میں اتار دیتے اور طلبہ بھی بڑے ذوق وشوق کا مظاہرہ کرتے اور بڑی تعداد میں شریک درس ہوتے۔

دارالعلوم کے تدریسی عہد میں درس وتدریس کے علاوہ کئی اہم ذمہ داریاں بھی حضرت کے سپرد رہیں۔ حضرت شیخ کی علمی استعداد اور انتظامی صلاحیت کے پیش نظر ۱۳۹۱ھ میں اہتمام

کی نیابت سپرد ہوئی، ۱۳۹۷ھ میں شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز ہوئے، ۱۴۰۰ھ میں قائم مقام صدر مدرس منتخب ہوئے، اور ۱۴۱۲ھ میں تدریس کی صدارت تفویض ہوئی۔ اس طرح سے دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ کی ۶۵؍سالہ علمی خدمات کا سنہرا دور پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔ ۱۶؍سال تک مسند صدارت پر رونق افروز رہے، اور ۳۲؍سال تک بخاری شریف کا مقدس درس دیا۔ ایک مرتبہ حضرت نے خود فرمایا کہ: ''میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ۶۵؍سال دارالعلوم دیوبند میں خدمت کا موقع دیا، ۳۲؍سال بخاری پڑھائی، بھائی! دعا کرو کہ بس ایمان پر خاتمہ ہو''۔

حضرت شیخ حسن صورت وحسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صوت بھی رکھتے ہیں، کلام انتہائی عام فہم اور سادہ ہونے کے ساتھ فصاحت وبلاغت سے بھرپور ہوتا، گفتگو انتہائی صاف ستھری، واضح اور نکھری ہوئی ہوتی، خوش آوازی میں بھی دور دور تک ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، انداز نہایت شیریں، مثبت، متین اور سنجیدہ ہوتا، لہجہ عالمانہ اور رفتار گفتگو معتدل کہ نہ تو کسی پر بار گذرے اور نہ الجھن محسوس ہو اور نہ ہی کسی کی زبان پر سمجھ میں نہ آنے کا شکوہ؛ بلکہ جوں جوں درس شباب پر آتا، طالبان علوم کی اضطرابی کیفیت میں اضافہ اور تشنگی مزید بڑھتی چلی جاتی، بلندئ آواز کا یہ عالم کہ بلا مبالغہ بغیر مائک کے بآسانی پوری دارالحدیث ان کی صدائے بازگشت سے گونج اٹھتی۔

حضرت شیخ کے طریقہ درس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: سال کے ابتدائی ایام میں حدیث پر تفصیلی گفتگو کرتے، کلام انتہائی جامع مانع ہوتا، امام بخاری حدیث کے تحت جو بات قائم کرتے ہیں اس کو انتہائی پیچیدہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت شیخ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ امام بخاری کے مقصد کو بھی سمجھاتے چلے جاتے، اس سلسلہ میں بخاری کا اسلوب کیا ہے؟ اس کی بھی وضاحت فرماتے اور مکمل ہنرمندی کے ساتھ حدیث، اس کا مفہوم، اس سے ملنے والا پیغام، اس پر عمل کرنے کی تاکید اور اس پر ملنے والے ثمرات کو تشنہ گان علوم کے ذہن ودماغ میں

پیوست کردیتے۔ تقریباً دو مہینہ کے بعد کلام مختصر کر دیتے انداز وہی رہتا؛ لیکن ششماہی بعد سے کلام کا سلسلہ انتہائی مختصر ہو جاتا اور حدیث خوانی ہوتی۔

حضرت شیخ کی ہمت کہئے یا حدیث پاک کی برکت کہ دورانِ درس حضرت بسا اوقات تین تین چار چار گھنٹے درس دیتے رہتے؛ لیکن نہ ہلنا ہے نہ جھکنا اور نہ ہی کس قسم کا تکیہ؛ بس پالتی مار کر پورے جاہ وجلال کے ساتھ مسند حدیث پر جلوہ افروز، پشت بالکل سیدھی، اور داہنا ہاتھ کتاب پر، از اول تا آخر ایک ہی نشست ہوتی۔ بیچ بیچ میں ''بھئی امام بخاری فرماتے ہیں''، عبارت خواندہ کو ''پڑھئے، وغیرہ وغیرہ''، اور اختلافی روایات کے وقت ''عندالبعض'' کے بار بار دہرانے کا انوکھا انداز اپنے اندر بڑی دل آویزی رکھتا اور حضرت شیخ کی یہ ادا ہم شاگردان کے دلوں کو موہ لیتی اور ہم جھوم جھوم اٹھتے۔

ایک طرف جہاں خواص نے باضابطہ طور پر ان سے حدیث وتفسیر کے علوم سے اپنی پیاس بجھائی تو دوسری طرف حضرت نے عوام کو بھی اپنے فیوض سے محروم نہیں رکھا؛ چناں چہ تمل ناڈو کے ''کوئمبتور'' علاقے کی اول ''تاگہ'' محلّہ کی مسجد پھر ٹیپو سلطان مسجد میں تقریباً چالیس سال تک تفسیری خدمات انجام دیں، جس سے بہت سے بے راہوں کو راہ اور منزل کا پتہ چلا اور دین داری کی فضا قائم ہوئی، خرابیِ صحت اور ضعف کی وجہ سے چند سال قبل یہ سلسلہ منقطع ہوا۔

تصنیف وتالیف بھی ایک مستقل چیز ہے، ہر کسی کا یہ مقدر بن جائے ضروری نہیں؛ لہٰذا حضرت شیخ کی کوئی تصنیف تو نہیں ہے؛ لیکن حضرت والا کے دامن فیض سے فیض یاب ہونیوالے صرف حدیث کے کم وبیش پچیس ہزار شاگرد ہیں، ان میں سے بے شمار ایسے ہیں جنہوں نے علمی، اصلاحی، تحقیقی اور تصنیفی میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور دے رہے ہیں، موجود اساتذۂ دارالعلوم بھی تقریباً ان کے شاگرد ہیں، اس طرح سے قومی اور بین الاقوامی سطح پر بے شمار مدارس اور دینی اداروں میں حضرت کا فیض جاری وساری ہے۔

چوں کہ حضرت شیخ کو فن ہیئت سے بڑی دلچسپی رہی ہے؛ اس لئے اس حوالہ سے بھی ان

کے بہت سے شاگرد ہیں، ابھی چند سالوں پہلے حضرت کے ایک خاص شاگرد مولانا ثمیر الدین قاسمی (مقیم حال لندن) نے طلوع وغروب کے متعلق ایک عمدہ کتاب تصنیف کی ہے، جس سے دنیا بھر کے طلوع وغروب کے اوقات کی تعیین ہوتی ہے، اور ساتھ ہی رؤیت ہلال کے چند قابل ذکر مسائل کا بھی احاطہ کیا گیا ہے، یہ اہل تحقیق وجستجو کے لئے خاصے کی چیز اور نادر تحفہ ہے۔

حضرت شیخ کے کل دس اولاد ہوئیں، تین اللہ کو پیارے ہو چکے اور سات بفضل اللہ بقید حیات ہیں۔ ماشاء اللہ اولاد کی اولاد سے گھر ہرا بھرا ہے، ان میں سے کئی برسر روزگار ہیں اور بعض زیر تعلیم ہیں جنہوں نے اپنے دادا محترم کی خدمت کر کے خوب خوب آخرت کمائی ہے۔

حضرت شیخ کو اپنے استاذ وشیخ حضرت مدنیؒ سے کس قدر دلی لگاؤ اور سچی عقیدت تھی اس کا صحیح اندازہ حضرت کا کوئی شاگرد ہی کر سکتا ہے۔ دارالحدیث کے در و دیوار اس منظر کے گواہ ہیں کہ جب بھی وہ حضرت مدنیؒ کا تذکرہ کرتے تو آب دیدہ ہو جاتے؛ بلکہ کبھی کبھی بولتے بولتے زبان بند ہو جاتی۔ اس تعلق خاطر کی بنا پر مولانا نصیر احمد خاں صاحب کا اصلاحی تعلق بھی حضرت مدنی ہی سے رہا، اور انہیں سے بیعت بھی تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا، یہاں تک کہ بیعت کے ساتھ ساتھ خلعت خلافت سے بھی نوازے گئے؛ لیکن خود کبھی کسی کو انہوں نے بیعت نہیں کیا اور ہمیشہ بے نفسی اور گمنامی والی زندگی کو ترجیح دی، اور خود فرماتے کہ: ''بھئی میرا مزاج نہیں، یہ تو بڑے حضرات کی چیزیں ہیں''۔

علم وعمل کے ساتھ ساتھ خدا نے حضرت کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا، ان کی رفتار وگفتار سے سنت کے عملی نمونہ کا اظہار ہوتا، صلاح وتقویٰ کے ساتھ نرم مزاجی، خوش اخلاقی اور تواضع ان کا طرۂ امتیاز تھا، ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے اور اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے بطور خاص محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے تھے، یہی وہ خوبیاں تھیں جو حضرت کو مقبولیت ومحبوبیت کا اعلیٰ مقام عطا کرتی ہیں۔

معروف ادیب مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب رقم طراز ہیں: ''تواضع، حلم وبردباری،

نرم خوئی، خوش اخلاقی، صلاح وتقویٰ وغیرہ صفات کی وجہ سے آپ طلبہ، اساتذہ، ملازمین اور تمام متعلقین دارالعلوم میں محبوب شخصیت کے مالک ہیں‘‘۔ (وہ کوہ کن کی بات ۳۳۶)

ان کی تواضع کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ ان سے کبھی کوئی چوک یا غلطی ہوجاتی اور اس پر ان کو واقفیت بھی ہوجاتی تو برملا حضرت اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے تھے؛ بلکہ بعض مرتبہ کبھی کسی بات پر اپنے کسی شاگرد کو ڈانٹ دیتے تو دوسرے وقت میں بلاتأمل معذرت خواہی بھی کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ان کا دل اہل علم کی عظمتوں سے بھی لبریز دکھائی دیتا، اساتذہ کو بھی برابر اپنی عقیدت ومحبت کا خراج پیش کرتے اور بلک اٹھتے۔ اسی طرح جب بھی دعا کا کوئی موقع آتا تو ’’آپا جی‘‘ (والدہ حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب الحمدللہ ابھی بقید حیات ہیں) کی صحت وعافیت کے لئے ضرور دعا کرتے۔

بھیڑ بھاڑ اور جلسہ جلوس میں بہت کم شریک ہوتے، گوشہ نشینی اور گم نامی ان کا امتیاز تھا، رات سویرے سونا اور سویرے بیدار ہونا اُن کے مستقل معمول میں داخل تھا۔ پچاسوں سال سے تہجد کا سلسلہ اور جہری ذکر کا معمول، روزانہ بعد نماز فجر ایک پارہ تلاوتِ قرآن، اس کے بعد ناشتہ کرکے تدریسی مشغلہ، دوپہر کھانے کے بعد قیلولہ، بعد عصر اپنی بیٹھک میں لوگوں سے ملاقات اور وعظ ونصیحت، صحت کے زمانے تک یہ معمولات زندگی کا اہم حصہ بنے رہے اور ایک حد تک اس کی پابندی بھی؛ لیکن جب حضرت کی صحت گرگئی اور ضعف ونقاہت بڑھتی چلی گئی، تو اَب اول وقت میں بیدار ہوکر اشارے سے نماز فجر اَدا کرتے تھے، اُس کے بعد تلاوت، اکثر اوقات آرام فرماتے تھے؛ لیکن ذکر الٰہی سے زبان ہر دم تروتازہ رہتی، روزانہ بعد نماز ظہر بخاری شریف کے دو صفحات کی تلاوت کا معمول اخیر تک جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور حضرت کی مغفرت فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سید مشہود حسن قادری امروہویؒ

گذشتہ ۲۶؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۱؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کو مشہور صاحب معرفت بزرگ اور محدث حضرت مولانا سید مشہود حسن قادری امروہوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز عشاء حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے ایک بڑے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی اور قصاب پورہ کے تکیہ والی مسجد کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

موصوف صاحب ورع وتقویٰ اور بافیض بزرگ تھے، تدریسی مشغلہ کے ساتھ ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی آپ نے جاری رکھا، جس سے ہزاروں افراد فیض یاب ہوئے۔ آپ کی پیدائش ۲۹؍مئی ۱۹۲۷ء کو اپنے وطن مالوف امروہہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم جامع مسجد امروہہ میں حاصل کی، اس کے بعد ۱۳۶۶ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دورۂ حدیث شریف میں اساطین امت سے علمی پیاس بجھائی، جن میں خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ قابل ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد آپ نے چندسال گجرات کے راندیر اور ڈابھیل کے مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، اور ۱۳۷۳ھ سے تادم حیات مدرسہ امینیہ دہلی میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، گویا ۵۷؍سال حدیث کے درس کی سعادت حاصل ہوئی۔

آپ کو حضرت مولانا نیاز محمد صاحب میواتی خلیفہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرف سے بیعت وارشاد کی اجازت حاصل تھی، اور آپ کے ارادت مندوں کا حلقہ بالخصوص دہلی اور امروہہ کے اطراف میں پھیلا ہوا ہے، آپ نے اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی درسی تقاریر کو ''دروس مدنیہ'' کے نام سے شائع کیا ہے، جسے علمی حلقوں میں قبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کو عربی زبان میں مہارت کی بنیاد پر چند سال قبل حکومت ہند کی طرف سے قومی ایوارڈ بھی ملا تھا۔

آپ سالوں سے گلے کی بیماری میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے غذا رقیق اور صرف بقدر سدرمق استعمال کرتے تھے۔ اسی بیماری کی وجہ سے آواز بھی بہت متأثر رہی لیکن اس کے باوجود درس وتدریس، اور وعظ وارشاد کے مشاغل جاری رکھے رہے۔

بہرحال آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بآسانی پر نہ ہوسکے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کی قبر کو نور سے منور فرمادیں، اور درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)

شیخ الحدیث

حضرت مولانا سید مشہود حسن حسنی امروہویؒ

مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی

حضرت مولانا مفتی مشہود حسن حسنیؒ، نامور محدث، مفسر قرآن اور معروف عالم دین اور نابغۂ عصر تھے، ہمہ جہتی وعبقری شخصیت کے حامل اور علمی دنیا میں ان کی بڑی ہی اعلیٰ وبرتر حیثیت تھی، اعتدالِ فکر وتوازن آپ کا طرۂ امتیاز تھا، مختلف مسالک میں اپنی میانہ روی واصابت رائے میں مشہور تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے اساتذہ نے بھی آپ کی غیر معمولی صلاحیت وسلامت طبع کا اعتراف کیا ہے۔

حضرتؒ کو فن مناظرہ وعلم کلام سے بھی خاص مناسبت تھی اور علوم باطنی میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے تعبیر رویا میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔

آپ کی پوری زندگی ایمان باللہ، عشق رسول، تقویٰ وطہارت سے تعبیر تھی، اتباعِ سنت رسول آپ کا طرۂ امتیاز تھا، انہیں وجوہ سے علماء دین بزرگ ہستیاں آپ کی عظمت کی معترف تھیں اور خداوند قدوس نے آپ کو وہ سرفرازی ومقبولیت وعزت عطا فرمائی تھی جو بہت کم علماء کو نصیب ہوتی ہے، علماء دین اولیاء مقربین کا مشہور قصبہ امروہہ (یوپی) آپ کا آبائی وطن ہے۔

مؤرخہ ۲۹/ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ مطابق ۲۹/مئی ۱۹۲۷ء آپ کی تاریخ پیدائش ہے، آپ کا تاریخی نام ''سعد اختر'' ہے، والد کا نام سید مقبول حسن تھا، دادا کا نام محبّ علی اور پردادا کا نام سید مظہر علی تھا۔ آپ کے مورث اعلیٰ شاہ فتح اللہ شیرازی جو ایران کے شاہی خاندان کے شہزادے

تھے، عہدِ اکبری میں ہندوستان آئے اور وزیرِ تعلیم کے عہدے پر فائز ہوئے، آخر میں آپ سنبھل میں رہے، فتح اللہ سرائے آپ ہی کے نام سے موسوم ہے اور آپ کی آخری آرام گاہ وہیں ہے، آپ کے ایک صاحبزادے شاہ شکراللہ امروہہ میں رہے۔ محلّہ وستار سیاہ میں آج بھی شاہ شکراللہ کی قبر موجود ہے، شاہ فتح اللہ شیرازی کا سلسلۂ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے واسطے سے امام حسنؓ تک پہنچتا ہے اس لئے حضرت کا خاندان سادات حسنی سے تعلق رکھتا ہے۔

بچپن میں ہی مولانا سید مشہود حسن حسنیؒ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا تھا اس لئے والد محترم نے آپ کی پرورش کی۔

دس سال کی عمر میں قرآن کریم کا حفظ شروع کیا، تیرہ سال کی عمر میں حفظ مکمل کرلیا اور سولہ سال کی عمر میں چوتھی کلاس، حفظ قرآن کریم اور ابتدائی فارسی سے فارغ ہوکر عربی شروع کردی، آپ کے والد ماجد کا حضرت اقدس مولانا سید احمد حسن محدث امروہی قدس سرہٗ سے خصوصی تعلق تھا، اسی لئے آپ نے صاحبزادے کو جامع مسجد امروہہ میں داخل کردیا؛ لہٰذا آپؒ نے وہاں مختصر المعانی تک عربی تعلیم مکمل کی۔

شوال المکرّم ۱۳۶۶ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، وہاں رہ کر دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دوران آپ نے بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اور ابوداؤد شریف اور شمائل ترمذی شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے، طحاوی شریف مولانا بشیر احمد خاںؒ سے، ابن ماجہ اور نسائی شریف مولانا فخرالحسن سے اور مسلم شریف علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے پڑھیں، اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں افتاء کی تعلیم کا باضابطہ کوئی نظم نہیں تھا اسی لئے شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے جو اس وقت دارالعلوم کے ناظم تعلیمات بھی تھے انتہائی شفقت ومحبت کے ساتھ حضرتؒ کو افتاء کی سند عطا فرمادی۔

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد قطب طریقت شیخ الاسلام حضر

ت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت بھی حاصل ہو چکی تھی اس لئے ذکر وشغل میں خوب محنت کی اور تمام مراحل سلوک طے کر لئے اور تکمیل تقریباً ہو ہی چکی تھی کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا وصال ہو گیا، حضرت کی وفات کے بعد حضرت ہی کے اشارۂ منامی سے حضرت اقدس کے ہی ایک مایۂ ناز خلیفہ مولانا نیاز محمد صاحب میواتی قدس اللہ سرہٗ کی طرف رجوع فرمایا، حضرت علامہؒ نے بھی آپ کو بے پناہ شفقتوں سے نوازا اور کچھ عرصہ بعد اجازت بیعت مرحمت فرمادی، اس طرح آپ تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ عزم وحوصلہ کے ساتھ منازل سلوک بیعت وارشاد کی طرف رواں دواں رہے۔

سب سے پہلے تدریسی خدمات کے لئے آپ کا تقرر جامعہ حسینیہ راندیر (گجرات) میں ہوا، وہاں رہ کر ہدایہ اولین، مشکوٰۃ شریف، مقاماتِ حریری، نور الانوار، شرح وقایہ، شرح تہذیب وغیرہ کتب کا درس انتہائی کامیابی کے ساتھ دیا، تین سال یہاں رہ کر ایک سال جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) میں مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین، حسامی، قطبی وغیرہ کتابیں پڑھائیں اور پھر شوال المکرّم ۱۳۷۳ھ میں دہلی کی مشہور دینی درس گاہ مدرسہ امینیہ اسلامیہ کشمیری گیٹ میں تقرر ہوا اور تقریباً ۵۷ رسال کے طویل عرصہ تک طالبانِ علوم دین کو اپنے فیض علمی سے سیراب کرتے رہے، آپ نے علم حدیث کی تقریباً تمام کتابیں پڑھائیں اور آخری عمر تک مدرسہ امینیہ میں شیخ الحدیث وصدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے، مدرسہ امینیہ دہلی میں تقرر کا سلسلہ اس طرح بنا کہ جامعہ حسینیہ راندیر میں تدریس کے تیسرے سال مفتی اعظم ہند حضرت اقدس مولانا محمد کفایت اللہ علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا، مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے تین دن قبل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ مولانا کے حجرہ میں ایک کتاب لے کر تشریف لائے (یہ کتاب سراجی تھی) اس کتاب کا ایک سبق مولاناؒ کو پڑھا کر وہ کتاب ہی آپ کو دے دی۔ اس خواب کی تعبیر مولانا مرحوم کے ذہن میں یہ آئی کہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس دار فانی سے رخصت ہونے والے ہیں اور ان کی کچھ میراث آپ کو ملے گی

اس سے آپ کے دل میں مدرسہ امینیہ میں تدریس کا داعیہ پیدا ہوا اور آپ نے شیخ الادب حضر ت مولانا اعزاز علی صاحب کو خط لکھا کہ حضرت اس سلسلہ میں سفارش فرمادیں۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ آپ کے خط کے آنے سے ایک گھنٹہ قبل میں مدرسہ امینیہ کے لئے آپ کی سفارش کے لئے خط ڈال چکا ہوں، مگر کسی وجہ سے اس سال آپ کا تقرر نہ ہوسکا، اس لئے آپ نے ایک سال ڈابھیل میں پڑھایا۔

آپ کی سب سے پہلی تصنیف ''رفع یدین کی منسوخیت کا ثبوت مع رسالہ بیس رکعات تراویح'' ہے یہ رسالہ غیر مقلدین کے شورشغب کو رفع کرنے کے لئے لکھا گیا بہت مدلل رسالہ ہے۔ دوسری تالیف ''القول الاسلم فی فضل نسب النبی الاکرم'' المعروف بہ ''رسول اللہ کے خاندانی فضائل'' ایک عظیم مفصل و مدلل رسالہ ہے۔ تیسری تالیف ''شجرۂ مشہود و نیاز'' المعروف ''شجرۂ چشتیہ صابریہ'' چوتھی کتاب ''چہل حدیث'' اور پانچویں تالیف ''دروسِ مدنیہ'' جو دو جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ ان سب پر بھاری ہے۔ دراصل یہ کتاب حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین مدنیؒ کی درس ترمذی شریف کی تقاریر و ارشادات کا مجموعہ ہے، جو طلباء حدیث اور علماء کے لئے انمول ہیرا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دروس بزمانہ طالبِ علمی بہت محنت اور عرق ریزی کے ساتھ قلم بند کئے تھے۔ ہندو پاک میں یہ کتاب کافی مقبول ہوئی ہے؛ بلکہ پاکستان میں اس کتاب کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۲۰۰۴ء میں جن دنوں ''دروسِ مدینہ'' جلد ثانی کی اشاعت کی تیاری چل رہی تھی، پاکستان کے علماء کا ایک مؤقر وفد خیرسگالی مشن پر ہندوستان آیا ہوا تھا، اس میں مدارسِ اسلامیہ کے اساتذہ کے علاوہ وہاں کے اسکول وکالجوں و یونیورسٹیوں کے پروفیسرز و لیکچرار بھی شامل تھے، انہیں میں حضرت مولانا عبدالقادر سلیمان ازہری بھی تھے، جنھوں نے دارالعلوم کراچی میں درسِ نظامی کی تمام معقولات و منقولات کی کتابیں پڑھیں، وہاں سے فارغ ہوکر دس سال جامعہ ازہر قاہرہ مصر میں قیام پذیر رہے، اس کے بعد ریاض سعودی عرب میں کئی سال تک حدیث

شریف کا درس دیا اور اس وقت وہ پشاور یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، ان کے ساتھ دوسرے مولانا محمد عمر صاحب تھے ان دونوں حضرات نے ہندوستان کے قدیم مدارس کا دورہ کیا، جن میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد وغیرہ ہیں، یہ حضرات وہاں کے شیوخ واساتذہ اور طلبہ سے ملے، اساتذہ کا درس سنا، طلباء کے علمی خیالات ورجحانات دیکھے اور دہلی میں مدرسہ عالیہ فتح پوری، مدرسہ عبدالرب اور مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ بھی گئے۔ مدرسہ امینیہ میں انھوں نے بخاری وترمذی کے درس میں شرکت کی، تقریباً تین گھنٹے تک نہایت اہتمام وتندہی سے بیٹھے سبق سنتے رہے اور تقریر درس نوٹ کرتے رہے، نیز بہت سے علمی سوالات کیے اور تصوف سے متعلق وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود وغیرہ جیسے اہم مسائل کے بارے میں بھی سوالات کیے، سوالات کے جوابات پر بڑے اطمینان کا اظہار کیا اور بہت خوش ہوئے، جب شام کو فتح پوری آئے تو وہاں حضرت مولانا محمد جمیل صاحب نوحی استاذ حدیث مدرسہ عالیہ سے ملاقات ہوئی تو بقول مولانا محمد جمیل صاحب، مولانا عبدالقادر صاحب نے کہا: ''اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر کامیاب رہا، اور مزید فرمانے لگے کہ اگر مدرسہ امینیہ جاکر درسِ بخاری نہ سنتے تو ہمارا یہ سفر بے نتیجہ رہتا''۔

کہنے لگے یہاں کے شیخ الحدیث مولانا مشہود حسن شیخ اجل ہیں، حدیث وفقہ پر مکمل عبور حاصل ہے، تراجم ابواب کا باہمی ربط وانطباق نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کرتے ہیں، احادیث سے مسائل فقہ کا استنباط کرتے ہیں، پھر اختلاف ائمہ اور دیگر مسائل پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ ہم دیگر مدارس میں بھی گئے؛ لیکن ایسا کوئی نہیں ملا، جب پاکستان جانے لگے تو اپنے تاثرات کا اظہار عربی عبارت میں لکھ کر کیا اور فرمایا کہ ہماری اس تحریر کو دروسِ مدینہ میں شائع کردیا جائے۔ عربی تحریر کا اردو خلاصہ درج ذیل سطور میں دیا جارہا ہے۔

''ہدیہ سلام کے بعد مؤرخہ ۲۴/اپریل کو دہلی کی شہرۂ آفاق علمی ودینی درس گاہ مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ میں ہماری حاضری ہوئی۔ وہاں درس بخاری شریف میں شرکت کی سعادت

حاصل ہوئی، الحمدللہ ہم نے یہاں وہ چیزیں دیکھی جو کسی دوسری جگہ نظر نہیں آئی، یہاں کے شیخ اجل شیخ الحدیث جب فقہی تراجم ابواب پر احادیث کا انطباق کرتے ہیں تو ایک بحر بیکراں معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں کے شیخ الحدیث حضرت علامہ سید مشہود حسن صاحب علوی حسنی ہیں یہ محدثین متقدمین کے پیروکار ہیں، ان کے اندر ہم نے فکر ونظر، علم وفہم اور تفقہ وتخلق کے اعتبار سے محدثین قدماء کے مثل خصائل وشمائل پائے، کاش کہ ہم بھی ان کے شرف تلمذ سے بہرہ ور ہوتے۔ شیخ الحدیث علامہ حقیقت میں اپنے شیخ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین مدنیؒ کے ہم مثل معلوم ہوتے ہیں، ہم نے ان کو اپنے شیخ کا سچا محبّ اور مخلص پایا۔ ان میں انہی جیسا انداز فکر وکردار اور انہی کی رفتار گفتار ہے یہ ہمیشہ اپنے شیخ کی یاد میں ایسے مگن اور محو ہیں گویا وہ ان کے سامنے موجود ہیں۔ درحقیقت آں شیخ الحدیث موصوف ایک صابر وشاکر اور متوکل ذات گرامی ہیں، ان کی ہر روش وانداز گفتگو سے علم وفضل اور تفقہ مترشح ہوتا ہے، ہم دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم ودائم رکھے، تاکہ اس عظیم ہندوستان میں ایک عالم ربانی کا نمونہ باقی رہے''۔ یہ ہیں بیرون ملک علماء کرام کے تاثرات۔ حقیقت یہ ہے:

''قدر گوہر شاہ داند یابداند جوہری''

دروسِ مدنیہ حضرت کی ایسی تصنیف ہے جس کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی؛ کیوں کہ حضرت کی زندگی کا قیمتی وقت اسی کتاب کی محنت میں صرف ہوا تھا، عربی زبان پر بھی آپ کو پورا عبور حاصل تھا، اسی لئے مؤرخہ ۲۲/اگست ۱۹۹۵ء میں آپ کی عربی کی مسلمہ قابلیت کی بنا پر اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند جناب ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے نیشنل ایوارڈ سے نوازا تھا۔ آپ نے ۲۰۰۵ء میں دہلی کے علاقہ موجپور میں ایک علمی ادارہ ''جامعہ مشہودیہ'' کے نام سے قائم کیا، جہاں دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تعلیم کا بھی بندوبست ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو فتویٰ نویسی پر پورا پورا ادراک حاصل تھا، فتاویٰ کے جوابات نہایت مدلل ومحقق لکھا کرتے تھے، آپ کی تحریروں میں اعتدال وتوازن ملحوظ رہتا تھا جوابات

انتہائی جامع ہوتے تھے، آپ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے اہم فتاوے لکھے بطور نمونہ ایک اہم فتوے کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قطب عالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا تو تدفین کے بعد اکثر علماء کرام کے درمیان یہ اختلاف پیدا ہوگیا تھا کہ آپ کی تدفین شرعی نقطہ نظر سے صحیح تھی یا نہیں؟ اب نعش نکال کر دوبارہ شرعی طریقہ پر دفن کیا جائے یا نہیں؟ یہ اختلاف مسلسل کئی سال تک چلتا رہا، جس سے بڑے بڑے مفتیانِ کرام کے درمیان اضطراب وخلجان پایا جاتا تھا، حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث بھی بڑے پریشان تھے، اس درمیان میں حضرت رائے پوری کے ایک خادم الحاج فتح محمد دہلوی نے جن کو حضرت مولانا مشہود حسنؒ کے علم وتفقہ پر بڑا اعتماد تھا، حضرتؒ سے رجوع فرمایا اور ایک استفتاء لکھ کر حضرت سے جواب دینے کی درخواست کی، حضرت نے اس استفتاء کا جواب چار صفحات پر لکھا، جواب بڑا جامع مدلل ومحقق تھا۔

دراصل حضرت رائے پوریؒ کی تدفین (زمین کے نرم ہونے اور کھودنے کے بعد پانی کا نکل آنا اس جیسی مجبوریوں کی بناء پر) اس طریقہ پر ہوئی تھی کہ نعش کو ایک تابوت میں رکھ کر مسجد کے برابر نشیبی جگہ میں رکھ دیا پھر چاروں طرف سے اینٹیں چن کر اوپر سے مٹی ڈال دی گئی اور ایک چبوترہ بنا کر مسجد کے صحن کے برابر کر دیا تھا۔ یہ تھی اختلاف کی بنیاد، "آپؒ نے فتوے میں لکھا کہ یہ تابوت ابتداءً بے شک اگرچہ سطح ارض پر تھا مگر صحیح حقیقت کے پیش نظر اب یہ تابوت بطن ارض میں پہنچ چکا ہے اس لئے انتہاءً وبقاءً فریضۂ تدفین ادا ہوگیا"۔ اور دلیل میں آپ نے اصولِ فقہ کی مشہور کتاب نورالانوار کے جزیہ کا حوالہ لکھا تھا۔ چنانچہ یہ فتویٰ حاجی فتح محمد صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی خدمت میں لے کر گئے، حضرت شیخ اس فتویٰ کو پڑھ کر خوش ہوئے اور اس کی پرزور تائید فرمائی، ساتھ ہی حضرتؒ کو ایک مکتوب ارسال فرمایا، جس کا متن حسب ذیل ہے:

''مکرم ومحترم جناب مولانا سید مشہود حسن صاحب ! زادت معالیکم بعد سلام مسنون!
دستی گرامی نامہ مع نقل فتویٰ بہت ہی بہتر وقت میں پہنچا کہ کل سے مولانا محمد منظور صاحب آئے ہوئے ہیں، میں نے رات ہی میں ان کو دے دیا تھا، وہ آج ہی دیو بند جارہے ہیں اور کل دیو بند سے یہاں واپس آنے کا ارادہ کررہے ہیں؛ لیکن آپ کے جواب سے مجھ سے زیادہ مسرور ہوئے، اسی لئے مولانا منظور نعمانی صاحب نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے، وہ کل دیو بند سے فارغ ہونے کے بعد آپ سے ملاقات کے لئے دہلی آرہے ہیں ان شاء اللہ، خدا تعالیٰ آپ کو بہت جزائے خیر دے، آپ کی مختصر تحریر بہت ہی جامع بھی ہے اور متین بھی ہے، آج کل تحریرات میں بہت ہی نامناسب الفاظ طرفین سے نکل رہے ہیں''۔

اس کے بعد تمام مفتیان کرام نے اس فتویٰ کی تائید کی پھر اس موضوع پر فتاویٰ کا سلسلہ رک گیا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی توثیق نے اس فتوے کی اہمیت بڑھادی، اس لئے حاجی فتح محمد صاحب نے اس کو افادۂ عام کی خاطر ''التحقیق النادر فی تدفین الشیخ عبدالقادر مع مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ جس کا ایک نسخہ احقر کے پاس بھی موجود ہے۔

آپ کے تلامذہ وشاگردان ہزاروں کی تعداد میں ملک و بیرون ملک تعلیم وتعلّم واصلاح کے کاموں میں مصروف ہیں۔ قابلِ ذکر شاگردوں میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا سید احمد بخاری صاحبؒ شاہی امام جامع مسجد دہلی، حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی استاذ الادب العربی دارالعلوم دیو بند وایڈیٹر الداعی، مولانا خواجہ محمد شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ حیدرآباد اور راقم الحروف کو بھی الحمدللہ آپ کے شاگردی کا شرف حاصل ہے، آپ کا رویہ اپنے شاگردوں کے ساتھ بہت مشفقانہ تھا، طلباء عزیز بھی آپ کو اپنے والد کی طرح تصور کرتے تھے۔

آپ کے مریدوں کی تعداد کئی ہزار ہے اور آپ کے ۲۷ خلفاء ومجاز ہیں۔ آپ نے نو حج کئے اور دوبار عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ پسماندگان میں چھ صاحبزادے ایک صاحبزادی

ہیں، آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ مولانا مفتی سید اختر حسن صاحب آپ کے جانشین ہیں، بہت ہی ذہین اور ذی استعداد عالم دین ہیں۔

وفات سے ایک ہفتہ قبل طبیعت خراب ہوئی، دہلی کے درگا ہاسپٹل میں داخل کیا گیا، احقر عیادت کے لئے ہاسپٹل گیا تو دیکھا کہ آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، زبان ذکر الٰہی میں مشغول تھی، نقاہت بہت زیادہ تھی، مجھے پاس بلا کر فرمایا کہ اب میں ٹھیک ہوں، تمام احباب سے کہہ دیجئے کہ اب یہاں سے جلدی چھٹی ہونے والی ہے، اس لئے ملنے والے احباب گھر پر تشریف لائیں، اسپتال سے چھٹی ہوگئی کمزوری بڑھتی گئی، مدرسہ امینیہ تشریف لانا چاہتے تھے؛ لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ استغراقی کیفیت جاری رہی اور پھر بے ہوشی طاری ہوگئی متعلقین نے ''ہندوراؤ اسپتال'' میں داخل کردیا۔ ڈاکٹروں نے علاج شروع کیا؛ لیکن ہوش نہ آسکا۔ بالآخر ۲۶ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۱ رفروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات بعد نماز عصر روح قفصِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اس طرح علم وعمل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اونچا مقام نصیب فرمائے، آمین۔

نماز جنازہ شاہی عیدگاہ قریش نگر میں ہزاروں عقیدت مندوں اور سوگواروں نے ادا کی۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی، مسجد تکیہ والی (قصاب پورہ) دہلی کے قبرستان میں مسجد کے پیچھے تدفین عمل میں آئی۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا حمید الدین عاقل حسامیؒ

جنوبی ہند کے مشہور معروف بزرگ عالم دین اور داعی الی اللہ دار العلوم حیدر آباد کے روح رواں اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اہم ذمہ دار حضرت مولانا حمید الدین عاقل حسامیؒ گذشتہ ۲۵/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۲/ مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعہ کو حیدر آباد میں وفات پا گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف بڑی باغ بہار شخصیت کے مالک تھے، آپ کے مواعظ وخطبات کا اپنا ایک الگ انداز تھا جسے عوام وخواص میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، ٹیٹھ دکنی اردو میں آپ کی گفتگو دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی تھی، اور دیر تک اس کے اثرات باقی رہتے تھے، دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو آپ نے پوری زندگی اپنا مشن بنائے رکھا۔ ہزاروں آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور سیکڑوں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ دعوتی واصلاحی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ آپ نے حیدر آباد میں ایک وسیع آراضی پر ''دار العلوم حیدر آباد'' کی بنیاد ڈالی جو اس وقت وہاں کے مرکزی اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں سیاسی اور سماجی سطح پر بھی تادم حیات بہت سی خدمات انجام دیتے رہے۔ موصوف کی وفات کی کسک مدتوں محسوس کی جائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائیں اور ان کی خدمات کو قبول فرمائیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۰ء)

مولانا سعید احمد جلال پوری کی شہادت

پاکستان کے معروف مرکزی دینی ادارے جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مؤقر استاذ اور ''ماہنامہ بینات'' کے مدیر محترم اور بہت سی دینی و اصلاحی تنظیموں کے سرگرم رکن حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری کو گذشتہ ۲۴؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۱؍مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کو کراچی میں اُن کے رفقاء سمیت اس وقت شہید کر دیا گیا، جب کہ موصوف ایک مسجد میں قرآنِ کریم کی تفسیر کر کے گھر واپس ہو رہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سعید احمد جلال پوری بزرگوں کے صحبت یافتہ نہایت فعال اور صالح عالم دین تھے، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کے خادم خاص اور شہید ملت مولانا مفتی جمیل احمد خاں کے دست راست تھے، اللہ تعالیٰ نے انہی شہیدوں کی فہرست میں موصوف کو بھی داخل فرما کر اُن کی دلی تمنا کی تکمیل فرما دی۔ موصوف کے ساتھ اُن کا ایک جوان بیٹا اور دو رفقاء بھی شہید کئے گئے۔

مولانا جلال پوری علماء حق کے سلسلہ کی ایک زریں کڑی کے بطور تادیر یاد رکھے جائیں گے۔ اور موصوف کی وقیع علمی و اصلاحی تالیفات ومقالات سے امت استفادہ کرتی رہے گی؛ لیکن ان کی جو جگہ خالی ہوئی ہے اس کا پر ہونا بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم شہید کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل فرمائیں اور وارثین و پسماندگان کی نگہبانی فرمائیں۔ آمین۔ قارئین سے بھی دعا و ایصال ثواب کی درخواست ہے۔

(ندائے شاہی اپریل ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا سید ذوالفقار علی صاحبؒ

اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا ذوالفقار صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات بڑے ذی علم، باوقار اور بافیض بزرگ اور عالم دین تھے، ۱۹/ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ مطابق ۵/اپریل ۲۰۱۰ء بروز پیر کو وفات ہوئی، اپنے وطن مالوف ضلع گوالیار میں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے، ابتداء سے لے کر انتہاء تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، اور ۱۹۶۶ء میں فارغ ہوئے۔

اُس کے بعد سے تادم وفات گجرات کے مشہور ادارے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، اس دوران ہزاروں طلبہ وعلماء آپ سے فیض یاب ہوئے، آپ کا علم گہرا اور انداز تفہیم بہت ممتاز تھا، مزاج میں ظرافت بھی تھی جس کی وجہ سے طلبہ آپ سے بہت مانوس رہتے تھے۔

آپ نے مدارس کے جلسوں کے لئے علمی واصلاحی مکالموں پر مشتمل کتاب تیار کی جو بہت مقبول ہوئی اور طلبہ نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں، اور امت کو موصوف کا نعم البدل عطا فرمائیں۔

(ندائے شاہی مئی ۲۰۱۰ء)

......سو وہ بھی خاموش ہیں

(حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات)

۲۸/شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ مطابق ۸/اکتوبر ۲۰۱۰ء جمعہ کا دن شام کے تقریباً ۵/بجے کا وقت عرصہ تک یاد رکھا جائے گا، جب دارالعلوم دیوبند کے باوقار کارگزار مہتمم متدین عالم دین حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب نے معمولی علالت کے بعد دیوبند میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی، اناللہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر جس کو بھی ملی وہ دم بخود رہ گیا؛ اس لئے کہ مولانا موصوف کی عمر اور صحت کو دیکھتے ہوئے اچانک رحلت کا تصور کسی کے ذہن میں نہ تھا؛ لیکن بہرحال تقدیر کا لکھا ہوا ٹالا نہیں جاسکتا، چاروناچار خبر پر یقین کرنا پڑا، مولانا غلام رسول خاموش واقعۃً خاموش صفت، صاحب بصیرت، خداترس، فکر آخرت کے حامل اور عبادات کے شوقین شخص تھے، اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اصابت رائے، دیانت وامانت اور بہترین انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالا مال کیا تھا، جس کی شہادت ہر وہ شخص دے سکتا ہے جس کو مولانا موصوف سے سابقہ پڑا ہو۔

آپ گوکہ بڑے تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے؛ لیکن آپ کی زندگی بہت سادہ تھی، اور ورع وتقویٰ کا حال یہ تھا کہ کارگزار مہتمم ہونے کے باوجود دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں قیام کے عوض ہر روز سو روپیہ کے حساب سے کرایہ کی مد میں جمع کرتے تھے، اور ہر ماہ دیوبند آمدورفت کے مصارف بھی خود ہی ادا فرماتے تھے، طلبہ، اساتذہ اور ملازمین کے ساتھ حضرت موصوف کا رویہ ہمیشہ مشفقانہ اور ہمدردانہ رہتا تھا، دارالعلوم دیوبند کے مفاد کو ہمیشہ فوقیت دیتے

تھے، اسی بنا پر آپ کی ذات ہر دل عزیز تھی، گویا کہ آپ سلف صالحین کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ ۱۴۰۹ھ سے آپ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے معزز رکن تھے، آپ کی رائے شوریٰ میں بہت وقیع سمجھی جاتی تھی۔ ۱۴۲۴ھ میں جب آپ کو کارگذار مہتمم بنایا گیا تو دارالعلوم کے تئیں آپ کی دل چسپی میں مزید اضافہ ہوگیا، اور شوریٰ کی تجویز کے مطابق ہر مہینہ دس دن آپ یہاں تشریف لاکر بنفس نفیس متعلقہ شعبوں کا جائزہ لیتے اور نگرانی کا فرض بجالاتے تھے، آپ گو کہ رسمی طور پر دارالعلوم دیوبند کے براہِ راست فارغ نہ تھے (بلکہ دارالعلوم چھاپی گجرات کے فارغ تھے) لیکن آپ نے دارالعلوم کی خدمت کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی؛ بلکہ اس خدمت کو سعادت سمجھ کر بڑی تندہی سے انجام دیا؛ تا آں کہ آپ کو وفات کے بعد خطۂ صالحین ''مزار قاسمی'' کی خاک نصیب ہوئی۔ آپ کی وفات سے دارالعلوم میں جو خلا پیدا ہوا وہ آسانی سے پر نہ ہوسکے گا۔

دارالعلوم کے علاوہ آپ گجرات کے مرکزی ادارہ ''دارالعلوم چھاپی'' کے بھی مہتمم تھے، اور سیکڑوں مدارس ومکاتب کے سرپرست بھی تھے، اور ساتھ میں پوری زندگی جماعت دعوت وتبلیغ کے نظام کے تحت سرگرم حصہ لیتے رہے، اور ہمیشہ اکابرین تبلیغی جماعت کا آپ کو اعتماد حاصل رہا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت موصوف کی خاموش علمی تبلیغی دینی خدمات کو عرصہ تک یاد رکھا جائے گا، اور آخرت میں بھی یہ چیزیں آپ کے لئے عظیم صدقہ جاریہ ثابت ہوں گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۰ء)

مادر علمی کے بے لوث خادم

حضرت مولانا غلام رسول خاموش رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمداللہ خلیلی قاسمی دارالعلوم دیوبند

۲۸ر شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ مطابق ۸ر اکتوبر ۲۰۱۰ء جمعہ بعد نماز عصر سوا پانچ بجے دارالعلوم دیوبند کے کارگزار مہتمم حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب دارالعلوم کے مہمان خانہ میں اپنے رہائشی کمرے میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کچھ دنوں سے علیل تھے اور انھیں خون کی بے تحاشہ کمی کی وجہ سے ضعف ونقاہت کے ساتھ تنفس میں دشواری محسوس ہورہی تھی؛ تاہم حضرت مولانا کی صحت اس درجہ خراب نہیں تھی کہ ہم خدام کو یہ خدشہ محسوس ہوتا کہ آپ سفر آخرت پر جانے والے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا کے انتقال پر ملال کی اچانک اور غیر متوقع خبر سے لوگ دم بخود رہ گئے۔

حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب کو دارالعلوم دیوبند کے بے لوث خادم، متقی و پرہیزگار، متین وسنجیدہ، متحمل و بردبار، معمولات اور نظم وضبط کے پابند، کشادہ دل اور محبوب و ہر دلعزیز شخصیت کے طور پر ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

حضرت مولانا صوبہ گجرات کے ضلع بناس کانٹھا کے مشہور قصبہ چھاپی کی قریب ایک گاؤں مہتہ کے باشندے تھے۔ یہ ضلع گجرات کے شمال مشرق میں راجستھان کے بارڈر پر واقع ہے۔ پالن پور اسی ضلع کا صدر مقام ہے جو متعدد مشاہیر علمائے کرام کا وطن ہے اور گجرات میں مشہور علمی ومرکزی اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹۴۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا لقب خاموش

تھا۔آپ کے والد ماجد ہی سے آپ کا خاندانی نام 'خاموش' چل پڑا جو گجرات کے عام ماحول اور رواج کے مطابق اَب اس خاندان کے تمام افراد کا لقبی نام (surname) ہو گیا ہے۔

آپ کی تمام تر تعلیم دارالعلوم چھاپی میں ہوئی، بعد میں آپ اپنے ماموں کے یہاں کراچی تشریف لے گئے، جو وہاں تقسیم ہندو پاکستان کے وقت منتقل ہو گئے تھے اور انھیں کے توسط سے حضرت علامہ امام کشمیریؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا علامہ یوسف بنوریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا۔آپ کے ماموں علامہ بنوریؒ کے قریبی ارادتمندوں میں تھے تقسیم سے قبل علامہ بنوری ڈابھیل گجرات میں بہ حیثیت استاذ قیام کر چکے تھے اور گجرات کے اس علاقہ کے بہت سے علماء کو علامہ بنوریؒ سے شاگردی و نیاز مندی کا تعلق تھا۔ چناں چہ اس شاندار موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ طے پایا کہ حضرت علامہ بنوریؒ کے مشہور زمانہ درس سے مولانا موصوف استفادہ کریں،اور دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے ہندوستان واپس ہوں۔

تعلیم وتربیت سے فراغت کے بعد حضرت مولانا تعلیم وتجارت سے جڑ گئے۔ممبئی میں بہت دنوں تک مدرسہ میں پڑھاتے اور اپنی تجارت کو فروغ دیتے رہے۔ساتھ ساتھ اکابر علماء اور جماعت تبلیغ کے اکابرین سے بھی منسلک رہے۔آپ کی تجارت میں اللہ نے خوب برکت دی اور آج ممبئی کے قلب بھنڈی بازار میں مولانا کی رہائش گاہ کے علاوہ ٹی کمپنی کے کئی شوروم ہیں۔ تجارت میں مولانا کی امانت ودیانت،خوش معاملگی اور محنت سے آپ کی ٹی کمپنی کا ایک معیار قائم ہوا،اور آج پروڈکٹ کی معتبریت کے لئے لیبرٹی ٹی کمپنی کا نام ہی کافی سمجھا جانے لگا۔

تجارت کے ساتھ حضرت مولانا مدارس،تبلیغی جماعت اور علماء سے بھی برابر مربوط رہے۔ ادھر تقریباً کئی دہائیوں سے آپ غیر رسمی طور پر دارالعلوم چھاپی سے نہ صرف منسلک ہو گئے بلکہ اس وقت کے مہتمم مولانا حبیب اللہ صاحب اور مدرسہ کی انتظامیہ کا اتنا اعتبار و اعتماد حاصل کر چکے تھے کہ مہتمم کی موجودگی میں اہتمام وانصرام کے تمام امور حضرت مولانا ہی انجام دیتے تھے،مولانا خاموش کے خلوص وللّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ سارا کا سارا کام آپ انجام دیتے اور نام مہتمم صاحب کا رہتا۔دارالعلوم چھاپی کے مہتمم مولانا حبیب اللہ صاحب کے انتقال کے بعد بھی

آپ بدستور بلا نام اور عہدہ کے للہ و فی اللہ خدمات انجام دیتے رہے۔ جب ۱۴۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لیے ارباب دارالعلوم دیوبند کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کو اس باوقار اعزاز سے نوازا گیا، تو اس وقت دارالعلوم چھاپی کے ارباب حل وعقد نے مولانا کو دارالعلوم چھاپی کا مہتمم بنایا۔

حضرت مولانا ایک پڑھے لکھے اور دین دار گھرانے کے فرد تھے۔ مسلمانوں کی اصلاح اور دینی ترقی کی فکر ہمیشہ انھیں دامن گیر رہتی۔ یہی وجہ تھی کہ جماعت تبلیغ سے آپ ہمیشہ وابستہ رہے اور بڑی پابندی سے اس میں شریک ہوتے تھے۔ آپ مرکز نظام الدین دہلی بالخصوص ممبئی کی جماعت تبلیغ کے اکابر علماء و منتظمین میں تھے۔ مولانا کے علاقہ میں مقامی سطح پر دینی کام کے لیے اصلاحی کمیٹیاں قائم تھیں، مولانا اس تحریک ومشن کے سربراہ تھے۔ دین وایمان کی حفاظت، عقائد وافکار کی اصلاح اور سماجی ومعاشرتی فلاح وبہبود کے سلسلے میں مولانا ہمیشہ کوشاں رہتے۔ دینی مراکز ومعابد کی تعمیر وترقی میں حصہ لیتے۔ آپ کے علاقہ میں گجرات کے دیگر علاقوں کے مقابلہ میں زیادہ دین داری اور اسلامی ماحول نظر آتا ہے جو مولانا جیسے مخلص اور غیور علماء وصلحاء کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

مولانا تصوف وسلوک کے روشن شاہراہ سے بھی آشنا تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر کی حیثیت سے ملک کی چیدہ علمی ودینی شخصیات گویا آپ کے ہم منصب اور ہم مجلس تھے جن میں حضرت مولانا منظور احمد نعمانی، حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوری، حضرت قاری محمد صدیق صاحب باندوی، حضرت مولانا اسعد مدنی (رحمہم اللہ) جیسے حضرات شامل تھے۔ باضابطہ طور پر مولانا خاموش صاحب کو محدث وقت حضرت مولانا یونس جون پوری مدظلہ العالی سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ مولانا کی ایک بڑی خصوصیت ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ شعار زندگی تھی۔ پنج وقتہ نمازوں میں اذان کے فوراً بعد مسجد میں حاضر ہوجاتے اور نماز کے بعد دیر تک نوافل، تلاوت اور ذکر میں مشغول رہتے۔ ہمیشہ صف اول میں جگہ لیتے اور ساری نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا فرماتے۔ سفر وحضر میں ہمیشہ نماز باجماعت کا اہتمام کرتے۔ قرآن کریم کی

تلاوت کا خاص شغف تھا۔ روزمرہ کے معمولات انتہائی پابندی کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر ادا کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے تقریباً ہر سال آپ کو حج وعمرہ ادا کرنے کی سعادت ملتی۔

دارالعلوم دیوبند سے رسمی وابستگی مولانا کی زندگی کا ایک تابناک باب ہے۔ ۱۴۰۹ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کی باوقار اور معزز رکنیت کے لیے منتخب کیا گیا، جس کے توسط سے مولانا ہمیشہ دارالعلوم کی فلاح و ترقی کے لیے کوشاں رہے اور آپ نے حضرات اکابرین کے حسن انتخاب کو سچ کر دکھایا۔ مولانا کی دارالعلوم کے امور سے گہری دل چسپی اور تعلق خاطر سے متاثر ہو کر مجلس شوریٰ نے ۱۴۲۴ھ میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ضعف و پیرانہ سالی کے پیش نظر آپ کو دارالعلوم دیوبند کے بااختیار کارگزار مہتمم کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔ گو مولانا دارالعلوم دیوبند سے رسمی طور پر فیض یافتہ نہیں تھے، مگر آپ کے اندر موجزن دارالعلوم کی بے پناہ محبت اور بے لوث جذبۂ خدمت کی برکت تھی کہ ہزاروں لائق و فائق ابنائے دارالعلوم دیوبند کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا۔ دارالعلوم دیوبند سے قلبی وابستگی اور وارفتگی کا ہی یہ فیضان تھا کہ آپ کی زندگی مستعار کے آخری لمحے اسی گلستان محبت میں گذرے اور اسی کی خدمت کرتے کرتے انھوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ.

جو تم بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ❖ سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

اکثر کہتے کہ عزم کر و کہ ان شاء اللہ تاعمر دارالعلوم کی خدمت انجام دینی ہے اور یہیں مزار قاسمی میں دفن ہونا ہے۔

معلوم ہوا کہ عید کے بعد ہی سے دارالعلوم آنے کے لیے گھر والوں سے کہہ رہے تھے، مگر بابری مسجد معاملہ پر الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کے قبل کے کشیدہ اور تشویشناک حالات کے بہانے اہل خانہ ٹالتے رہے۔ بالآخر ۳۰؍ستمبر کے بعد جب ملک کے حالات معمول پر آئے، تو مولانا نے دیوبند آنے کا پروگرام بنایا اور وفات سے تین چار دن پہلے دیوبند آگئے۔ کسے معلوم تھا کہ آپ کو مقبرۂ قاسمی کی خاک بلا کر لائی ہے۔ آتے ہی حسب معمول دارالعلوم کے کاموں

میں لگ گئے؛ لیکن کمزوری اور تنفس میں پریشانی کے سبب دفتر اہتمام میں تشریف لانے کے بجائے مہمان خانہ میں اپنے کمرہ ہی میں تمام امور انجام دیتے۔ بدستور تعلیمی وانتظامی مجلسوں میں شریک ہوتے اور دفتری کارروائیاں انجام دیتے رہے۔ آخری دن جمعہ کی نماز سے قبل مجلس تعلیمی کے اہم اجلاس میں بھی پورے تیقظ اور سرگرمی سے ڈھائی گھنٹے تک شریک رہے۔ کسے معلوم تھا کہ چند گھنٹوں کے بعد دارالعلوم کا یہ بےلوث خادم ہمیں داغ فراق دے جائے گا۔

حضرت مولانا خاموش صاحب کا انتقال دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ مولانا کی خصوصیت تھی کہ بڑی سے بڑی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ خاموشی سے انجام دیا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی ظاہری ومعنوی ترقی کے لیے ہمیشہ فکرمند رہتے۔ انتظامی اصلاحات اور طلبہ کی تعلیم وسہولیات کو لے کر ہمیشہ کوشاں رہتے۔ طے شدہ معمول کے مطابق مہینے میں دس دن دیوبند میں گزارتے۔ مولانا کی آمد سے دارالعلوم میں ایک نئی ہلچل سی محسوس ہوتی؛ کیوں کہ وہ آتے ہی شعبوں کا جائزہ لیتے، کارکردگی دیکھتے اور سب کو دارالعلوم کی پرخلوص خدمت کے جذبہ سے بھر دیتے۔ مولانا بڑوں چھوٹوں سب کا خیال رکھتے، ہر ایک کی ضروریات، مسائل اور شکایتیں سنتے اور نہایت سنجیدگی سے ان کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے۔ دل کے بہت صاف اور نیک تھے، جو بات ہوتی صاف کہہ جاتے۔ رجوع الی اللہ اور تقویٰ وانابت کا خاص ذوق تھا۔ تمام معاملات میں صبر وتحمل، وسعت نظری اور حکمت ومصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم اٹھاتے اور کبھی کسی معاملہ میں جذباتی نہ ہوتے۔

۹/اکتوبر کی صبح دارالعلوم دیوبند کے احاطۂ مولسری میں آپ کے فرزند ارجمند مولانا نظام الدین صاحب کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور ہزاروں علماء وطلبہ کی جماعت نے اس امانت کو قبرستان قاسمی کے حوالے کر دیا۔

عمر بھر جن کا مشن لے کر پریشاں تو ہوا ❖ مرحبا ان اپنے محبوبوں کا ہم پہلو ہوا

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا عمید الزماں کیرانویؒ

تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند کے کارگذار صدر مجلّہ ''ترجمان دارالعلوم'' کے مدیر اعلیٰ، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے جنرل سکریٹری، معروف عالم دین حضرت مولانا عمید الزماں صاحب کیرانویؒ (برادر محترم حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ) مؤرخہ ۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴؍ستمبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ کو دہلی کے ایک اسپتال میں وفات پاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف کا شمار ہندوستان کے باوقار اور قابل اعتماد علماء میں ہوتا تھا، جس کا اندازہ ''القاموس الوحید'' میں آپ کی محنت سے لگایا جاسکتا ہے، آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد کافی عرصہ تک سعودی سفارت خانہ کے رابطہ عامہ کے افسر ہونے کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ علاوہ ازیں موصوف کو سماجی اور ملی خدمت کا بھی موقع ملا، شروع میں جمعیۃ علماء ہند کے عربی ترجمان ''الکفاح'' کی ادارت بھی آپ سے متعلق رہی، اور بعد میں فضلاء دارالعلوم دیوبند میں یکجہتی پیدا کرنے کی غرض سے جب تنظیم ابناء قدیم دارالعلوم دیوبند قائم ہوئی تو آپ اس کے بانیوں میں شامل تھے، اور اخیر تک کارگزار صدر رہے، اور اس تنظیم کے تحت نکلنے والے ماہنامے، رسالہ ''ترجمان دارالعلوم'' کے رسالہ کے مدیر اعلیٰ رہے، علاوہ ازیں معروف ملی تنظیم آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے بھی آپ کی خدمات یادرکھی جائیں گی۔

(ندائے شاہی نومبر ۲۰۱۰ء)

متفرقات:

حاجی محمد عاصم صاحب امیر تبلیغی جماعت مرادآباد

موصوف نہایت دین دار اور ذی رائے شخص تھے، عرصہ دراز سے مرادآباد تبلیغی جماعت کے امیر تھے، ۱۹۹۷ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو منیٰ میں آگ کے حادثے میں شدید طور پر جھلس گئے، جس کی بنا پر ۱۳؍سال تک صاحب فراش رہے، ۲۹؍محرم ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۶؍جنوری ۲۰۱۰ء بروز شنبہ طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز عشاء شاہی مسجد میں نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں شہر کے جم غفیر نے شرکت کی، موصوف کے صاحب زادے مولانا محمد راشد صاحب مدرسہ شاہی میں حفظ کے استاذ ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں، آمین۔

(ندائے شاہی فروری ۲۰۱۰ء)

الحاج محمد عمر صاحب (عرف شبو میاں)

جناب حافظ محمد صدیق صاحب خازن جامعہ کے برادر محترم جناب الحاج محمد عمر صاحب (عرف شبو میاں) کا گذشتہ ۱۵؍صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۱؍جنوری ۲۰۱۰ء بروز اتوار کو انتقال ہوگیا، بعد نماز عشاء حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی، اور آبائی قبرستان نزد حوض والی مسجد مرادآباد میں مدفون ہوئے۔

موصوف نہایت دین دار، اور ہر دل عزیز شخصیت تھے، غریب پرور، علماء نواز اور رحم دل شخص تھے، تجارتی اور انتظامی صلاحیت مثالی تھی، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائیں، اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں۔ آمین۔ (ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا نثار احمد صاحب قاسمیؒ

مشہور عالم دین اور مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد کے سابق استاذ حدیث حضرت مولانا نثار احمد صاحب قاسمیؒ گونڈوی نے اپنے وطن مالوف پنج گاؤں ضلع گونڈہ میں مؤرخہ ۲۵؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۰؍فروری ۲۰۱۰ء بروز بدھ کو وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید تھے، طبیعت میں سادگی اور تواضع نمایاں تھی، پوری زندگی تعلیم وتعلم اور یکسوئی اور گوشہ نشینی میں گزاری، ۴۰ سال مدرسہ امدادیہ میں اعلیٰ کتابیں زیر درس رہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو آخرت میں اعلیٰ درجات سے نوازیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)

الحاج محمد انور صاحب حیدرآباد

مجلس دعوۃ الحق حیدرآباد کے اہم ذمہ دار اور جناب حافظ پیر شبیر احمد صاحب ایم ایل سی کے برادر محترم جناب الحاج محمد انور صاحب ایک سڑک حادثہ میں مؤرخہ ۱۲؍صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸؍جنوری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کو وفات پاگئے۔ افسوس ہے کہ اسی حادثہ میں حیدرآباد کے مشہور ماہر امراض قلب ڈاکٹر ولی اللہ صاحب جو گاڑی خود چلا رہے تھے وہ جاں بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان دونوں حضرات کا حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب سے خصوصی تعلق تھا، پورے علاقے میں اس اچانک حادثہ پر غم محسوس کیا گیا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ سبھی مرحومین کو اعلیٰ درجات عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازیں۔ آمین۔

(ندائے شاہی مارچ ۲۰۱۰ء)